تحریک آزادی میں سندھ کا کردار

۱۹۲۱ء تا ۱۹۴۷ء

مع سندھ کی بمبئی سے علیحدگی

جلد دوئم

تصنیف:

ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری

شاہ ولی اللہ اکیڈمی، محکمہ اوقاف سندھ

کتاب: تحریک آزادی میں سندھ کا کردار

۱۹۲۱ء تا ۱۹۴۷ء

مع سندھ کی بمبئی سے علیحدگی

مصنف: ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری

0331-3651289

پبلشر: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد

پرنٹنگ: لطیف پرنٹرز حیدرآباد

اشاعت اول: 2010

تعداد: 300

ملنے کا پتہ:

دفتر شاہ ولی اللہ اکیڈمی، صدر جامع مسجد، حیدرآباد

اور سندھ کے معروف کتب خانے

انتساب

یہ کتاب تحریکِ آزادی کے ان
متوالوں کو منسوب کرتا ہوں، جنہوں
نے سرزمینِ سندھ پر انگریزوں سے ٹکر
لی اور آخرکار آزادی کی نعمت سے
سرفراز ہوئے۔

عبدالجبار عابد لغاری

فہرست

باب اول

باب دوئم

باب سوئم

باب چھارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

باب دھم

باب یازدھم

باب سیزدھم

---☆☆☆☆☆☆---

قطعہ تحریکِ آزادی

غلامی سے آزاد کیسے ہوئے
یہ تاریخ ہے درد و ارمان کی
ہتھیلی پہ لوگوں نے سر تھا رکھا
یہ سو سالہ سندھ کی بڑی شان کی
بڑی عرق ریزی سے عابدؔ لکھی
خوشی سرفروشوں کی ہے آن کی

ڈاکٹر عابدؔ لغاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری صاحب کی اردو تصنیف
تحریک آزادی میں سندھ کا کردار کے بارے میں

مغاں کہ دانہ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

میرا اس تحریر کا سرنامہ جو شعر قرار پایا ہے اسی کے مصداق جناب ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری صاحب نے ستارے توڑے ہیں اور آفتاب بنایا ہے۔ وہ ایک معروف علمی و ادبی شخصیت ہیں۔ ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی۔ صحافت سے ان کا گہرا رشتہ ہے اور اس وقت نیشنل سینٹر حیدرآباد کے نائب سربراہ ہیں۔ ان کا نسبی تعلق سردار نواب ولی محمد خان لغاری کے خانوادے سے ہے۔ نواب ولی محمد خان لغاری پر انہوں نے ایک کتاب ''سندھ جو عظیم انسان'' سندھی زبان میں لکھی ہے۔ نواب ولی محمد خان لغاری کے بزرگ پنجاب کے علاقہ ڈیرہ غازی خان سے ہجرت کر کے دیہہ ابھپور تعلقہ جھنجور و ضلع سانگھڑ میں آباد ہوئے تھے اور امیران سندھ کے عہد یعنی ۱۷۸۳ء تا ۱۸۴۳ء تقریباً ۵۰ سال تک ایسی خدمات جلیلہ انجام دیں کہ جس پر مسلمانان برصغیر جتنا ناز کریں کم ہے۔ سندھ کے موجودہ جغرافیائی حدود نواب ولی محمد لغاری کی کاوشوں کا ثمرہ ہیں۔ شکارپور' کراچی' عمرکوٹ' مٹھی' چھاچھرو اور نگر پارکر کے علاقے انہی کی سیاسی و عسکری کاوشوں کے نتیجے میں آج سندھ میں شامل ہیں۔ ان سے پہلے کراچی کا علاقہ امیران قلات کی ملکیت تھا اور عمرکوٹ' مٹھی' چھاچھرو اور نگر پارکر مہاراجہ جودھپور کی حکومت میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنی حکمت و دانائی سے سندھ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی توسیع پسندی سے محفوظ رکھا۔ اس طرح انہوں نے سندھ کے مسلم تشخص کو قائم رکھا۔ اگر خدانخواستہ سندھ کو سکھ لے لیتے تو سندھ کا اسلامی تشخص بے حد مجروح ہوتا اور مہاراجہ جودھپور سے واپس حاصل کردہ چاروں تعلقے آج

ہندوستان کا حصہ ہوتے۔ چونکہ ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری کا تعلق امیران سندھ کے دور کی مشہور تاریخ ساز شخصیت سے ہے اس بناء پر "تحریک آزادی میں سندھ کا کردار" کے عنوان سے کتاب لکھنے کا ان سے بہتر کسے استحقاق حاصل ہے۔

صوبہ سندھ ہر اعتبار سے ہمیشہ برصغیر جنوبی ایشیاء کا ایک منفرد خطہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ ۷۱۱ء میں جب محمد بن قاسم نے سندھ کو اسلامی قلمرو میں شامل کیا تو یہ علاقہ اسلام سے بھرپور طور پر متعارف ہوا اور تقریباً ۵۰۰ سال کی اسلامی تبلیغ کے باعث تیرہویں صدی عیسوی میں اس سرزمین کی ۷۵ فی صد آبادی اسلام قبول کر چکی تھی۔ ۱۵۹۲ء میں جب شہنشاہ اکبر نے سندھ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا' اس وقت زراعت پیشہ آبادی اور زرعی زمین کے مالکان کا تقریباً سو فیصد حصہ مسلمان تھا۔ اکبر کے دور میں سندھ کی ہندو آبادی تاجروں اور پیشہ ور نویسیوں (محرروں) پر مشتمل تھی۔ البتہ مندرجہ بالا چاروں ریگستانی تعلقوں میں زراعت پیشہ آبادی اور زرعی زمینوں کے بیشتر مالکان اور علاقے کی بیشتر آبادی ہندوؤں پر ہی مشتمل تھی۔

مرزا جانی بیگ کی شکست کے بعد اکبر نے ۱۵۹۲ء میں سندھ کو اپنی قلمرو میں شامل کیا تھا۔ آئین اکبری کے مطابق سومرو' راجپوتوں کے ۳۶ شہزادوں نے سندھ پر ۵۰۰ برس تک حکومت کی تھی۔ غالباً سومرو' راجپوتوں کی پرمار گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کلہوڑو' چنہ ہونے کی بناء پر غالباً کچھی' جاٹ ہیں جنہیں سندھ میں جام کہا جاتا ہے۔ ۱۷۰۱ء سے ۱۸۴۳ء تک ۱۴۳ برس تک سندھ کے حکمرانوں کی پالیسی یہ تھی کہ مغلوں' ایرانیوں' افغانوں اور ۱۷۸۳ء کے بعد سکھوں سے کس طرح سندھ کو الگ رکھا جائے' تاکہ اس کا نیم خودمختار یا خودمختار تشخص قائم رہ سکے۔ چونکہ سندھ کے نسبتاً قدیم باشندوں کا تعلق راجپوتوں یا جاٹ قبائل سے ہے اس لئے عرف عام میں انہیں ہم ساٹ کہتے ہیں۔ سندھ میں تھوڑے سے عرب نژاد اور ایرانی نژاد مسلمان تبلیغ دین کی غرض سے آ کر آباد ہوئے۔ البتہ بعد میں یعنی ۱۷۰۱ء سے ۱۸۴۳ء کے عرصے میں سندھ میں بلوچ' بروہی اور پشتون قبائل بھی آ کر آباد ہوئے۔ سندھ کے مسلمانوں میں بلوچ اور بروہی مسلمانوں کا تناسب ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۵ فیصد تھا۔

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق صوبہ سندھ بمعہ ریاست خیر پور کی کل آبادی ۴,۸۴۰,۷۹۵ تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد ۳,۴۶۲,۰۱۵ یا ۷۱.۵۱ فیصد تھی۔ برطانوی اضلاع سندھ میں یعنی خیر پور کو چھوڑ کر بقیہ صوبہ سندھ میں ہر مردم شماری میں مسلمانوں کا تناسب گھٹتا جا رہا تھا جس کا اندازہ ان اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔

سال مردم شماری	کل آبادی	مسلم آبادی	مسلم تناسب	ہندو آبادی	ہندو تناسب
1881	2,417,057	1,887,204	78.08%	395,079	12.62%
1891	2,875,100	2,215,147	77.05%	567,536	19.74%
1901	3,210,910	2,446,489	76.19%	751,252	23.40%
1911	3,513,435	2,639,929	75.14%	837,887	23.85%
1921	3,279,377	2,406,023	73.37%	841,267	25.65%
1931	3,887,071	2,830,800	72.83%	1,015,225	26.12%
1941	4,535,008	3,208,325	70.75%	1,229,926	27.12%

(نوٹ) یاد رہے کہ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری تک سندھ کے ہندوؤں کی خاصی بڑی تعداد خود کو مذہبی سکھ یا نانک شاہی درج کراتی تھی البتہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری سے انہوں نے نانک شاہی کے بجائے خود کو ہندو درج کرانا شروع کیا جس کے باعث ان کا تناسب بڑھ گیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں جیکب آباد سے مدارس تک انفلوائنزا کی وباء پھیلی تھی جس کے باعث سندھ میں اتنی اموات واقع ہوئی تھیں کہ ۱۹۱۱ء کے مقابلے میں ۱۹۲۱ء میں سندھ کی کل آبادی کم ہوگئی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مسلم آبادی بھی' البتہ ہندوؤں کا تناسب آبادی بڑھ گیا تھا۔ ۱۸۹۱ء کے تقریباً ۲۰ فیصد ۱۹.۷۴ فیصد کے مقابلے میں ۱۹۴۱ء میں ۲۷ فیصد ۲۷.۱۲ فیصد ہوگیا تھا۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق سندھ کی کل آبادی (خیر پور کو چھوڑ کر) ۳,۸۸۷,۰۷۱ تھی جس میں مختلف اہم زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد اور تناسب حسب ذیل ہوگیا تھا:

زبان	تعداد	تناسب
سندھی	2,668,079	68.64%
بلوچی	287,048	7.39%
سرائیکی	243,253	6.26%
تھری	84,743	2.18%
براہی	79,468	2.04%
میزان	3,362,627	86.51%

زبان	تعداد	تناسب
راجستھانی	131,467	3.38%
کچھی	103,636	2.67%
گجراتی	78,399	2.02%
اردو	72,892	1.88%
پنجابی	71,515	1.84%
پشتو	16,755	0.43%
مراٹھی	13,982	0.36%
میزان	488,646	12.58%
دیگر	35,798	0.91%
میزان	524,444	13.49%

۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق پورے برصغیر میں ۲,۹۱۲,۰۰۰ مسلمان سندھی زبان بولتے تھے۔ یاد رہے کہ سندھی زبان صوبہ سندھ کے باہر بلوچستان کے بعض علاقوں میں بھی بولی جاتی ہے۔ سندھی بولنے والے مسلمانوں کا مسلمانوں کے مابین تناسب ۲۴٫۴ فیصد تھا۔

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق آٹھ تعلقوں (حیدرآباد تعلقہ، کراچی تعلقہ، جیمس آباد تعلقہ، میرپور خاص تعلقہ، چھاچھرو تعلقہ، مٹھی تعلقہ، عمرکوٹ تعلقہ اور نگرپارکر تعلقہ) کی کل آبادی ۲۸۹,۵۴۸ تھی اوران آٹھوں تعلقوں میں غیر مسلم اکثریت میں تھے۔ مسلم تعلقوں کی کل آبادی بشمول ضلع خیرپور ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۳۸۵۴۲۴۷ تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ حیدرآباد تعلقہ، کراچی تعلقہ، جیمس آباد تعلقہ، میرپور خاص تعلقہ اور عمرکوٹ تعلقہ میں مسلمانوں کی اکثریت ۱۹۴۷ء کے بعد ہوگئی ہے۔ اور صرف تین تعلقوں یعنی مٹھی، چھاچھرو اور نگرپارکر کے تعلقوں میں ہی اب غیر مسلم اکثریت میں ہیں۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے باعث جو انتقال آبادی ہوا اور صنعتوں اور کاروباری مراکز سندھ میں قائم ہونے کے باعث آج سندھ میں مسلمانوں کا تناسب آبادی ۷۱٫۵ فیصد سے بڑھ کر ۹۳ فیصد ہوگیا ہے اور صوبہ سندھ پاکستان صغیر بن گیا ہے۔ اس ردوبدل کے باعث ۱۹۴۱ء کے اعتبار سے صوبہ سندھ کی آبادی ساڑھے ۴۸ لاکھ کے بجائے ۷۰ لاکھ کے مساوی ہوگئی۔ جس کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

	کل آبادی	مسلم آبادی	غیر مسلم آبادی
۱۹۴۱ء کے وقت کی آبادی سندھ سے ہجرت کرنے والے	۴۸٫۴۱ لاکھ (-)۹٫۴۱	۳۴٫۶۲ لاکھ	۱۳٫۷۹ لاکھ (-)۹٫۴۱
۱۹۴۱ء کے وقت سندھ میں نئی آبادی ۱۹۴۱ء کے مساوی	۳۹ لاکھ ۳۱ لاکھ (۷۰ لاکھ)	۶۴٫۶۲ ۳۰٫۳۸ (۶۵ لاکھ)	۴٫۳۸ ۰٫۶۲ (۵ لاکھ)

پاکستان کے کسی صوبے میں مختلف زبانیں بولنے اور مختلف علاقوں سے آکر آباد ہونے والوں کا تناسب اتنا نہیں ہے جتنا کہ صوبہ سندھ میں ہے۔ ہر ۷۰ میں سے ۳۹ افراد ۱۹۴۷ء سے پہلے کے اور ۳۱ افراد ۱۹۴۷ء یا اس کے بعد کے ہیں۔ اس طرح صوبہ سندھ نے اپنی منفرد حیثیت قائم رکھی ہے۔

میں صرف اس سرزمین سندھ میں آباد ہی نہیں بلکہ اس معشوق کی زلف گرہ گیر کا مکمل اسیر بھی ہوں

اور میری کیفیت ان فارسی اشعار کے مفہوم کے مانند ہے۔

دل بردہ ازمن، دیروز شامے — فتنہ طرازے، محشر خرامے
عارض چہ عارض، گیسو چہ گیسو — صبح چہ صبحے، شام چہ شامے
آں خط مشکیں، سنبل بہ گلشن — وآں لب لعلیں، بادہ بجامے
آں چشم نرگس وآں تیر مژگاں — آمادہ ہریک، برقتل عامے
از چشم لرزاں، لرزاں دو عالم — وز زلف برہم، برہم نظامے

یورپی استعمار پرستوں نے جب اس برصغیر پر اپنا عمل دخل جمالیا تو مسلمانوں میں ان سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ ابھرا۔ ۱۸۵۷ء تک مسلمانان برصغیر نے مقامی سطح پر جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ کبھی سندھ میں، کبھی بنگال و بہار (Bengal & Bihar) میں، کبھی میسور میں اور کبھی دہلی اور اس کے مضافات میں فرنگیوں کو نکال باہر کرنے کے لئے مسلمانوں نے جدوجہد کی لیکن ناکام رہے۔ البتہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہم نے پہلے خود کو متحد اور متفق کیا تو پاکستان کی صورت میں ہمیں آزادی نصیب ہوئی۔ اس اتحاد و اتفاق کی راہ آزادی میں برصغیر کے ہر علاقے کے مسلمان کا حصہ ہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ کس خطے کا کتنا حصہ ہے۔ اس کا تعین محال بھی اور غیر مناسب بھی ہے بالکل جس طرح تاریخ اسلامی میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الگ حصوں کا تعین مشکل بھی ہے اور غیر مناسب بھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس دونوں کی تحاریک آزادی کے صف اول کے رہنماؤں میں علاقائی نمائندگی غیر متناسب تھی۔ صف اول کے رہنما ہر علاقے سے لے کر منظر پر نہیں لائے جاتے بلکہ خود ہی ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورے برصغیر کے تناظر میں ہم سندھ کے مسلمان کبھی کبھار یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ شاید ہمارے حصے کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دو صف اول کے رہنما یعنی قائداعظم محمد علی جناح اور آغا خان سوم سر سلطان محمد شاہ سندھ میں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح ان کا تعلق ہمارے صوبے سے تھا۔

جناب ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری صاحب نے ''تحریک آزادی میں سندھ کا کردار'' نامی کتاب بہ زبان اردو لکھ کر بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک یعنی ۱۰۴ سال کے عرصے میں تحاریک آزادی میں سندھ کا کتنا حصہ رہا ہے۔ اس کتاب میں بہت سی شخصیات کے ذکر کو محفوظ کرلیا گیا ہے۔ ریشمی رومال تحریک، تحریک خلافت، تحریک ہجرت، خاکسار

تحریک' حرتحریک اورتحریک پاکستان میں سندھ کے کردار کو جس عمدگی سے ڈاکٹر عابد لغاری صاحب نے پیش کیا ہے وہ ان کی محنت اور علمیت پر دال ہے۔

فرنگی استبداد اور استعمار پرستی کے خلاف سندھ کی تحریک آزادی میں ایک گاؤں ابھپور تعلقہ جھورو ضلع سانگھڑ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ۱۸۴۳ء میں امیران سندھ کی شکست کے بعد میر شیر محمد خان اور سردار نواب احمد خان لغاری فرزند سردار نواب ولی محمد خان لغاری نے اسے اپنا مستقر بنایا۔ ہر چند کہ غداروں کے باعث چارلس نیپئر کی گھڑ سوار فوج نے ان مجاہدوں کو شکست دے دی اور سیکڑوں مجاہدین شہید ہوئے لیکن ان دونوں مجاہدین نے اپنی جدوجہد جاری رکھی البتہ وہ حالات کی خرابی کے باعث کامیاب نہیں ہوئے۔ آخر کار انگریزوں نے شیر سندھ میر شیر محمد خان کی جاگیریں انہیں واپس کر دیں ان کے بھائی میر شاہ محمد کو آزاد کیا اور میر پور خاص کے علاقے میں وہ اپنے گاؤں میں آباد ہوئے اور ۲۵ر اگست ۱۸۷۶ء کو انہوں نے وفات پائی۔ بعد میں سردار نواب احمد خان بھی سندھ واپس آ گئے اور ۲۱ر فروری ۱۸۷۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔

اس کتاب کا ایک باب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور سندھ ہے۔ پیران پاگارہ کا بھی ذکر ہے اور سید احمد شہید کا بھی۔ خانوادہ پیران پاگارہ کے نہ صرف یہ کہ ۱۸۳۰ء میں سکھوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا بلکہ مسلسل سو برس' یعنی ۱۸۴۳ء سے ۱۹۴۳ء تک جدوجہد آزادی میں اپنے انداز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک باب انڈین نیشنل کانگریس اور سندھ کے عنوان سے بھی ہے۔ کانگریس کی تحریک میں سندھ کے مسلمانوں کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ بنیادی طور پر یہ ہندوؤں کی تنظیم تھی۔ تحریک خلافت اور سندھ کے عنوان سے بھی ایک باب ہے۔

اس کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ ۳ر نومبر ۱۹۱۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی سندھ شاخ یعنی سندھ مسلم لیگ قائم ہوئی۔ ریشمی رومال تحریک کا بہت ہی موثر انداز میں ذکر ملتا ہے۔ مولانا تاج محمود امروٹی' شیخ عبدالرحیم سندھی اور مولانا عبیداللہ سندھی نے اس تحریک میں جو حصہ لیا اور حاجی سر عبداللہ ہارون نے جس طرح اس کی مالی معاونت کی' اس کا ذکر بہت اچھی طرح کیا گیا ہے۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو حیدر آباد سندھ میں خلافت تحریک کا آغاز ہوا۔ ۹ر جولائی ۱۹۲۰ء کو رئیس المہاجرین بیرسٹر رئیس جان محمد جونیجو کی سربراہی میں ۵۹۰ افراد نے لاڑکانہ ریلوے اسٹیشن سے بذریعہ ٹرین افغانستان کے لئے ہجرت کی۔ ۱۶ر اپریل ۱۹۲۱ء کو رئیس المہاجرین بیرسٹر رئیس جان محمد جونیجو کا اجمیر میں انتقال ہو گیا اور خواجہ غریب نواز کے روضے میں دفن ہوئے۔ جمعیت العلمائے سندھ کے کردار پر بھی اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

سندھ میں تحریک خلافت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

احاطہ بمبئی سے صوبہ سندھ کی علیحدگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ ۱۹۲۰ء تک سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں ہندو پیش پیش تھا لیکن اس کے بعد اس کا مخالف ہو گیا۔ اگر بمبئی سے سندھ الگ نہ ہوتا تو تحریک پاکستان کو بہت دقتوں کا سامنا ہوتا۔

• علاقائی سیاست کی تحریک آزادی پر اثرات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سندھ آزاد پارٹی' سندھ اتحاد پارٹی' سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی اور سندھ ساگر پارٹی کا بھی ذکر اس کتاب میں ملے گا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں میں دوری کے اسباب اور سندھ کے عنوان سے مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ امیران سندھ کے دور تک یعنی ۱۸۴۳ء تک سندھ میں ۹۵ فیصد زرعی زمین مسلمانوں کی ملکیت تھیں اور صرف ۵ فیصد ہندوؤں کی ملکیت تھیں لیکن ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی ملکیت زرعی اراضی کا تناسب ۹۵ فیصد سے گھٹ کر ۶۰ فیصد رہ گیا تھا اور ہندوؤں کا تناسب ملکیت زرعی اراضی ۵ فیصد سے بڑھ کر ۴۰ فیصد ہو گیا تھا۔ پورے سندھ میں بشمول خیر پور ۱۸۸۱ء میں مسلمانوں کا تناسب آبادی ۷۹ فیصد تھا جو ۱۹۴۱ء میں گھٹ کر ۷۱.۵ فیصد ہو گیا تھا۔

انگریزی دور میں سندھ میں بڑی ذات کے بعض ہندوؤں کے مسلمان ہونے کے واقعات کا بھی اس کتاب میں ذکر ملتا ہے۔ شیخ عبدالرحیم سندھی' شیخ عبدالمجید سندھی' محترمہ زبیدہ عرف لال کرپلانی اور محترمہ اسلام خاتون عرف کشنی برہمن کا ذکر ملتا ہے۔

سندھ صوبائی مسلم لیگ کی تنظیم نو' قرارداد لاہور میں سندھ کے وفد کے کردار' آل انڈیا مسلم لیگ کے ۳۱ ویں اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء اور آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی قیادت اور جی ایم سید کے اختلافات اور مناقشے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تحریک آزادی میں سندھ کی خواتین کے کردار کا بھی ذکر ملتا ہے۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات نے پاکستان کے قیام کی راہ متعین کی۔ ان صوبائی انتخابات میں سندھ میں ۳۵۱,۸۸۶ مسلم ووٹ پڑے جس میں سے ۱۹۹,۶۵۱ مسلم ووٹ مسلم لیگ کے امیدواروں کے حق میں ۵۶ء۷۴ فیصد اور ۱۵۲,۲۳۵ مسلم ووٹ غیر مسلم لیگی مسلم امیدواروں کے حق میں دیئے گئے۔ یعنی ۴۳ء۲۶۲۶ فیصد ووٹ انہیں ملے۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں سندھ اسمبلی نے ۵۰ ارکان میں سے ۳۰ کی اکثریت سے پاکستان میں شمولیت منظور کی۔ ۱۹۴۶ء کے عام صوبائی انتخابات میں برطانوی مسلم اکثریتی صوبوں اور برطانوی مسلم اقلیتی صوبوں میں ڈالے گئے مسلم ووٹوں کی

پوزیشن حسب ذیل تھی:

مسلم اکثریتی صوبے

صوبہ	کل مسلم ووٹ جو ڈالے گئے	مسلم لیگی امیدواروں کے حاصل کردہ ووٹ	تناسب%	غیر مسلم لیگی امیدواروں کے حاصل کردہ ووٹ	تناسب%
پنجاب	1,038,158	679,923	65.49	358,235	34.61
سرحد	356,776	147,880	41.45	208,896	58.55
سندھ	351,886	199,651	57.74	152,235	43.26
شمال مغرب	1,746,820	1,027,454	58.82	719,366	41.18
بنگال	2,234,100	2,036,775	83.66	397,325	16.32
آسام	239,946	158,190	64.06	81,756	35.94
شمال مشرق	2,67,046	2,194,965	82.08	479,081	17.92
میزان	4,420,866	3,222,419	72.89	1,198.447	27.11

نوٹ: اصحاب باعث اس صوبہ میں دوبارہ استصواب رائے ہوا اور پاکستان کے حق میں 99% ووٹ آئے۔

مسلم اقلیتی صوبے

صوبے	کل مسل ووٹ جو ڈالے گئے	مسلم لیگی امیدواروں کے حاصل کردہ ووٹ	تناسب%	غیر مسلم لیگی امیدواروں کے حاصل کردہ ووٹ	تناسب%
مدراس	330,456	307,398	93.02	23,058	6.98
بمبئی	276,771	251,331	90.81	25,440	9.19
سی پی برار	57,274	46,889	81.87	10,385	18.13
اڑیسہ	4,890	4,336	88.67	554	11.33
بہار	197,651	146,078	73.91	51,573	26.09
یوپی	799,640	1522,705	65.37	276,935	34.63
میزان	1,666,682	1,27,737	76.72	387,945	23.28
میزان برطانوی آمد	6,087,548	4,501,156	73.94%	1,586,392	26.06%

مسلم لیگ کو دیئے جانے والے مسلم ووٹوں کے اعتبار سے مسلم اکثریتی صوبوں میں علی الترتیب بنگال'

پنجاب، آسام، سندھ اور صوبہ سرحد آتے ہیں۔ اسی طرح مسلم اقلیتی صوبوں میں علی الترتیب مدراس، بمبئی، اڑیسہ، سی پی برار، بہار اور یوپی آتے ہیں۔ ان گیارہ صوبوں میں برطانوی گورنر کام کرتے تھے اور ان صوبوں کو برطانوی ہند کہتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری صاحب کی اس کوشش کو سراہنا ہمارا فریضہ ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کی اس تصنیف کو قبولیت عامہ حاصل ہو۔ ان کے اس دقیع کام کو قومی ایوارڈ کے لئے زیر غور آنا چاہئے۔

ڈاکٹر صاحب نے سیدھے سادھے الفاظ اور سلجھے ہوئے انداز میں یہ کتاب تحریر کی ہے۔ مردان چنین کنند کے مصداق انہوں نے کام کیا ہے۔ اللہ انہیں تادیر زندہ رکھے تاکہ وہ علمی، ادبی اور تحقیقی کام کرتے رہیں۔ (آمین)

سید قوی احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مصنف

خداوندِ قدوس کے کروڑہا احسانات جس نے اپنے اس ناچیز بندے کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ آج میں ''تحریک آزادی میں سندھ کے کردار۔ ۱۸۴۳ء تا ۱۹۲۰ء تک مع حر تحریک'' کے موضوع پر اپنی جتنی بھی تحقیق ہوسکی ہے اسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس موضوع پر لکھنے کی تمنا عرصہ دراز سے تھی' اس لئے کہ مجھے یہ شدید احساس تھا کہ ''تحریک آزادی میں سندھ کا کردار'' برصغیر کے دوسرے علاقوں اور صوبوں سے نمایاں اور بہت ہی زیادہ رہا ہے۔ مگر اب تک جتنی بھی تاریخی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ہیں ان میں وہ کردار کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

جس تاریخ دان اور تاریخ کے طالب علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اس نے برصغیر کے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے مرکزی کردار پر تحقیق کرتے ہوئے بہت کچھ پیش کر دیا' مگر اس تحقیق کے سمندر سے سندھ کے اس حصے کو نظرانداز کر گئے جس کے باسیوں نے آزادی کی نعمت حاصل کرنے میں سب سے زیادہ اور فعال کردار ادا کیا۔

سندھ کے لوگ یہ دعویٰ تو کرتے رہے کہ اس سرزمین کو برصغیر میں ''باب الاسلام'' کا خطاب ملا ہوا ہے۔ اس نے روزِ اول سے فرنگیوں کے خلاف جدوجہد کی ہے' یعنی اسلام کا قلعہ ''پاکستان'' حاصل کرنے میں تن من اور دھن کی قربانی نسبتاً زیادہ دے کر اپنا سر بلند رکھا ہے۔ مگر جب تاریخ رقم کی گئی تو اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ میں نے اس کمی کو نمایاں کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور دوسرے فاضل مصنفین سے بھی یہی توقع کرتا ہوں۔

اس بات کا مجھے شدت سے احساس ہے کہ میں اہل زبان نہیں ہوں۔ اس لئے میری تحریر میں وہ ادبی چاشنی اور لطافت نہ ہوگی جس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ مگر مجھے یہ خوشی ہے کہ سندھی ادب اور تاریخ کے طالب علم کے حوالے سے جس انداز سے اس مقالے کو ضبط تحریر میں لایا ہوں وہ اہل زباں کے لئے خاصا مشکل ہوتا۔ کیونکہ ہر علاقے کی ثقافت' تاریخ' ادب اور لب و لہجہ مختلف ہوتا ہے اس لئے میری یہ

ادنیٰ سی کوشش اردو اہلِ زبان کے پاس قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔

یہاں اس بات کی وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ کئی عام الفاظ جو سندھی اور اردو میں مختلف تلفظ کے ساتھ بولے جاتے ہیں ان میں کئی الفاظ جو اصل میں سندھی کے ہیں انہیں اس مقالے میں سندھی تلفظ کے انداز میں قائم رکھا ہے۔ اس طرح سے ان الفاظ کی اردو میں تصحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو دانوں سے جس غلطی کی شکایت ہوتی تھی اس کی درستگی کا امکان پیدا ہو جائیگا۔

مثلاً:

سندھی میں ''موئن جو دڑو'' کا مطلب ''مرنے والوں کا ٹیلہ'' ہے' جب کہ اردو میں اسے ''داڑو'' کہا جاتا ہے جس کا مطلب کچھ بھی نہیں نکلتا۔ ''ٹالپور (ٹال پور) سے نکلا ہے اس لئے تالپور ''ت'' سے بھی بے معنی لگتا ہے۔ سندھی میں لفظ ٹٹ (ٹھٹ) کا مطلب بستی ہے اور ٹھٹہ اس کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ ٹھٹھہ غلط العوام (غلط العام) ہے۔ اسی طرح لفظ ''پاگارو'' پگ والے سے نکلا ہے جس کا مطلب ''پگ'' والا پگدار یا سجادہ نشین ہے۔ مگر اسے اردو میں ''پگاڑو'' کہا جاتا ہے اور وہ بھی ''ڑ'' کے اوپر پیش لگا کر پکارا جاتا ہے جو بہت ہی غلط اور قابلِ افسوس ہے۔

اس موقع پر سندھ کے عظیم دانشور اور محقق محترم ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس مقالے میں دلچسپی لیتے ہوئے مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور کئی حقائق سے آگاہ کیا۔

اس کے علاوہ ڈائریکٹر سندھ عجائب گھر حیدرآباد جناب ظفر کاظمی اور ان کا ریسرچ اسٹاف خصوصاً محترمہ یاسمین جمیل صاحبہ ان کی معاون قمر تالپور صاحبہ اور جناب عبدالغنی پاٹولی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں' جنہوں نے اس مقالے سے متعلق گرانقدر کتب فراہم کرنے میں بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور ہر ممکن مدد کی۔ میں ان کی خصوصی دلچسپی اور محبت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

سب سے زیادہ تحصیل سوہاوہ (ضلع جہلم) کے ریٹائرڈ کیپٹن حاجی محمد جی اعوان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ملازمت کے فرائض انجام دینے کے باوجود انتہائی محنت' محبت اور لگن کے ساتھ بہت ہی قلیل عرصے میں میرے اس ضخیم مقالے کو' جو زف سندھی طرز کی اردو میں لکھا ہوا تھا اسے فیر کرنے میں دن رات ایک کردیئے۔ اس کے علاوہ اپنے اسکول کے ساتھی جناب انور سعید (ریڈیو پاکستان سے وابستہ) اور جناب ثناء اللہ بھٹو (اسلامک یونیورسٹی سے وابستہ۔ اب سندھ یونیورسٹی سے

وابستہ) کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں' جنہوں نے اس مقالے پر نظر ثانی کرنے میں میری بے حد مدد کی.
اگر یہ تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ مقالہ اشاعت کے لئے اتنی جلدی پیش کرنے سے قاصر رہتا۔
میں ان احباب کو بھی نہیں بھول سکتا خاص طور پر جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل شیخ' جناب ولی سروری اور جناب معمور یوسفانی' جنہوں نے اکثر و بیشتر اس مقالے کے موضوع پر دلچسپی سے تبادلہ خیال کیا اور اپنی مفید آراء سے نوازا۔ ڈاکٹر شیخ صاحب نے تو چند ایسی نایاب کتب فراہم کیں کہ ان کے بغیر یہ مقالا تشنہ رہ جاتا۔

عابد لغاری

مقدمہ

سندھ کسی دور میں بہت بڑا ملک تھا اور کشمیر تک اس کی سرحدیں پھیلی ہوئی تھیں ۔ برصغیر میں ہند کے ساتھ فقط سندھ ہی کا نام استعمال ہوتا تھا۔ زمانے کی ستم ظریفی سے یہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے اٹھارہویں صدی عیسوی میں اتنا رہ گیا جتنا اس وقت صوبہ سندھ کی شکل میں موجود ہے۔

۱۷۸۳ء میں ٹالپروں نے کلہوڑہ خاندان سے عنان حکومت چھین لی' مگر وہ اسے متحد رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ سندھ کے اس مختصر علاقہ پر بھی ٹالپروں کی تین علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم ہوئیں۔ مرکزی حکومت حیدرآباد کی تھی' جب کہ خیرپور اور میرپور خاص کے حکمران بھی خودمختار تھے۔ یہ ان سب کی بڑی کمزوری تھی اور ساٹھ سال کی قلیل مدت میں وہ بھی باقی نہ رہی اور غلامی کا سبب بنی۔

۱۸ویں صدی کے آغاز سے انگریزوں کی سندھ میں دلچسپی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور ان کی ریشہ دوانیوں کی بدولت نہ فقط خیرپور کی حکومت انگریزوں کی حلیف بنی (انگریز دور میں خیرپور کو ریاست کی حیثیت حاصل رہی) بلکہ میرپور خاص کے حکمران میر شیر محمد خان انگریزوں کے سخت مخالف ہونے کے باوجود .... وہ ''جنگِ میانی'' (۱۸۴۳ء) میں حیدرآبادی ٹالپروں کی کوئی مدد نہ کرسکے۔ شیرازہ بکھرا ہوا تھا' جس کی بدولت حیدرآبادی حکمرانوں کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ قیدی بنا کر ہندوستان کے مختلف جیلوں میں بھیج دیئے گئے۔

میر شیر محمد خان نے حیدرآباد کے وزیر اعظم سردار نواب احمد خان لغاری اور ان کی سپاہ کے ہمراہ یک مہینے کے اندر انگریزوں سے ٹکر لی مگر اندرونی غداروں کی سازشوں کی وجہ سے انہیں بھی شکست سے وچار ہونا پڑا۔ انہوں نے ہتھیار ڈالنے اور اپنے آپ کو فرنگیوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے ان یرملکیوں کو اپنے ملک سے نکالنے اور آزاد حیثیت کو برقرار رکھنے کی جدوجہد شروع کی اور یہ شمع آزادی ئندہ تین چار سال تک فروزاں رہی۔

گو کہ یہ تحریک آزادی علاقائی نوعیت کی تھی' جس کا تعلق خالصتاً سندھ سے تھا۔ مگر اس تحریک نے ندھ کے علاوہ پنجاب اور بلوچستان پر جو اثرات چھوڑے وہ برصغیر کی ہمہ گیر تحریک آزادی ۱۸۵۷ء ں کام آئے۔

سندھ نے ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد ہر تحریک اور جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا' مگر اس کی

انفرادیت ایک اور طرح سے نمایاں نظر آتی ہے کہ سندھ کی ایک گدی ''پیران پاگارہ'' نے انگریزوں کو پورے ایک ۱۰۰ سال تک سندھ میں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ''حرتحریک'' کا ایک سلسلہ ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ کے عوام نے خصوصاً پیران پاگارہ نے انگریزوں سے کبھی مصالحت نہیں کی' حتیٰ کہ ۱۹۴۳ء میں حروں کے روحانی پیشوا پیر صبغت اللہ شاہ (ثانی) نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے تختہ دار کو چوم لیا اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے مریدوں پر جو مظالم ڈھائے گئے وہ پوری ''داستان حریت'' تاریخ کے ایک مکمل باب کے طور پر اس مقالے میں پیش کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا عبیداللہ سندھی کا افغانستان میں پورے ہندوستان کی جلاوطن حکومت قائم کرنا' ''تحریک ریشمی رومال'' کابل افغانستان سے لے کر ''حیدرآباد'' سندھ تک خصوصی طور پر پروان چڑھنا ''عدم تعاون'' کی تحریک اور ''تحریک خلافت'' میں برصغیر کے ساتھ سندھ کا بڑھ چڑھ کر شامل رہنا ''تحریک ہجرت'' میں سندھ کا ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے زیادہ فعال کردار ادا کرنا اور رئیس جان محمد جونیجو کی سرکردگی میں پہلی اسپیشل ٹرین کا لاڑکانہ سے پشاور پہنچنا' جس میں چھ سو کے قریب سندھ کے مہاجرین افغانستان جا رہے تھے' ان حقائق کو مختصراً اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ بھی کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سندھ کے پیش کردہ حقائق کو سامنے رکھ کر اگر دیکھا جائے تو اس کے مضبوط اور بنیادی کردار کے بغیر پاکستان کا قیام عمل میں آنا کٹھن اور مشکل ہوتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سندھ مسلم لیگ کے مرکزی کردار کے ساتھ ساتھ صوبوں اور علاقوں کے کردار کو بھی اجاگر کیا جائے تاکہ ان علاقوں اور وہاں کے لوگوں کا کردار تاریخ میں شامل رہنے سے رہ نہ جائے۔ جن لوگوں نے اپنی استطاعت' قوت اور جذبہ سے تحریک آزادی کی آبیاری کی' ان کا بھی اتنا ہی حق بنتا ہے کہ ان کی جدوجہد کو منظر عام پر لا کر تاریخ کے صفحات میں ان کی قربانیوں کو محفوظ کر لیا جائے۔ یہی ہماری قوم کی میراث ہے اور ہم جس قدر اپنے قومی ورثے کو محفوظ رکھیں گے ہماری تاریخ اتنی ہی درخشاں نظر آئیگی۔ لہٰذا میں نے اپنے طور پر یہی کوشش کی ہے۔ کس قدر کامیابی ہوئی ہے یہ آپ حضرات کے اپنے فیصلے پر منحصر ہے۔ اگر کامیاب ہوا ہوں تو دعا کیجئے کہ اور زیادہ محنت سے اس کام کو آگے بڑھاؤں اور اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ حقائق جمع کر کے سندھ کے اس سچے اور تاریخی کردار کو اجاگر کروں' جس کا میرے اوپر حق بنتا ہے۔ اگر میں نے وہ حق ادا کر دیا تو میری مختصری زندگی کا ایک حق ادا ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں آپ سب حضرات کی دعاؤں کا خواستگار ہوں اور اپنے رب سے کبھی ناامید نہیں ہوں۔ وہ مجھے ضرور توفیق عطا فرمائے گا۔ چونکہ وہ اپنے بندے کی نیت سے آگاہ ہوتا ہے اور

میری نیت ہی قوم کی خدمت، خدمت اور صرف خدمت کے ساتھ دین اسلام کی خدمت ہے جس کے حوالے سے اس ملک کا قیام عمل میں آیا اور میں نے یہ کتاب تحریر کر کے آپ کے سامنے پیش کر دی۔ مجھے یقین ہے کہ خدائے ذوالجلال مجھے اس نیت اور خدمت کی ضرور جزا عطا فرمائے گا۔

عابد لغاری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

باب اول

تحریکِ خلافت اور سندھ

یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ ترکی دنیا میں مسلمانوں کی ایسی واحد ریاست تھی جس میں ان کا پسندیدہ نظامِ حکومت' خلافت کے نام سے اچھے یا برے انداز میں رائج تھا۔ ترکی کی خلافت صدیوں کے عروج کے بعد اب زوال پذیر تھی۔ مگر پھر بھی وہ برصغیر کے مسلمانوں کی عقیدت کا محور تھی۔ پوری اسلامی دنیا کے مسلمان ترکی کے سلطان عبدالحمید سے دینی وابستگی رکھنے کو اپنی تسکین کا باعث سمجھتے تھے اور اسے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا محور تصور کرتے تھے۔

جیسے جیسے برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ممالک دنیا میں اپنا نوآبادیاتی راج پھیلا رہے تھے۔ وہ ترکی کے مسلمانوں کو بھی اپنی سازشوں سے پریشان کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ نہ صرف مسلمانوں کی ایک بڑی اور مضبوط طاقت تھی' بلکہ اس نے صدیوں سے انہیں ٹوٹنے چھوائے تھے۔ ان کے اہم شہروں کو ختم کیا تھا اور اب بھی ان کے ناپاک ارادوں کے آگے سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ ۱۹ویں صدی کے نصف میں ان کی سازشیں عروج پر تھیں۔ وہ ترکی کو مردِ بیمار کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو حالات ترکی کے حق میں اور بھی خراب ہو گئے۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا اور وہاں کے مسلمان ظلم و استبداد کی چکی میں پسنے لگے۔ برطانیہ جو ظاہری طور پر ترکی کا حلیف تھا' مگر اس کے باوجود اس نے اٹلی کی حمایت کی۔ وہ اس طرح کہ جب ترکی نے طرابلس کے مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنی فوجیں مصر کے راستے بھیجنا چاہیں تو برطانیہ نے اس کی اجازت نہ دی۔ اس طرح ترکی کو نہ صرف شکست سے دوچار ہونا پڑا بلکہ طرابلس پر بھی اٹلی کا قبضہ ہو گیا۔

ابھی یہ زخم مندمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ۱۹۱۲ء میں بلقانی ریاستوں نے مل کر ترکی کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس مرتبہ بھی برطانیہ نے ترکی سے دوستی کا حق اس طرح ادا کیا کہ در پردہ وہ اس بغاوت میں خود ملوث تھا۔(۱)

چونکہ برصغیر کے مسلمان انگریز کی عیاریوں سے بخوبی آگاہ تھی' اس لیے انہوں نے اشتعال میں آ کر اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ پہلے تو انگریزی مال کے استعمال کا بائیکاٹ کر دیا' پھر ''ہلالِ احمر''

کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے تو ایک طبی وفد بھی ترکی روانہ کر دیا۔

بلقانی جنگ کے شعلے ابھی بھڑک ہی رہے تھے کہ یورپی سازش کے نتیجہ میں ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگِ عظیم شروع ہوگئی۔ اس جنگ میں ترکی کا ملوث ہونا لازمی تھا۔ اس نے اتحادیوں کے خلاف محوری طاقتوں کا ساتھ دیا' جن کی قیادت جرمنی کے ہاتھ میں تھی۔ ایسی صورتحال میں ہندوستانی مسلمانوں کا پریشان ہونا لازمی تھا۔ یہ خدشہ نظر آرہا تھا کہ اتحادیوں کی فتح کی صورت میں ترکی کی خلافت کو براہِ راست نقصان پہنچے گا۔

یہی وجہ تھی کہ برصغیر کے علماء اور اکابرین نے عوام کے دلوں میں ترکی کے لیے جذبہ محبت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے اخبارات مسلسل اس عمل پر کاربند رہے۔ چونکہ انگریز جنگ عظیم اول میں ہندوستانی فوج اور پیسہ خرچ کرنا چاہتا تھا' اس لیے یہاں کے رہنماؤں نے انگریز حکومت سے یہ وعدہ لیا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ترکی کی خلافت اور مقدس مقامات جو کہ عراق' شام اور فلسطین میں واقع تھے' ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ انگریزوں نے فوری طور پر مدد حاصل کرنے کے لیے یہ وعدہ تو کر لیا مگر ان مقبول اخبارات کو بند کر دیا جو اس سلسلے میں مسلمانوں کو صحیح صورتحال سے باخبر رکھنے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ خاص طور پر ہمدرد' زمیندار اور الہلال' ساتھ ہی علی برادران کو بھی گرفتار کر لیا۔ (۲)

بلقان کے سلسلہ میں مسلمانانِ ہندوسندھ کے احساسات کی عکاسی سید ہاشمی فرید آبادی کی نظم ''چل بلقان چل'' سے ہوتی ہے جو کہ الناظر دسمبر ۱۹۱۴ء میں چھپی تھی۔ اس کا ایک شعر ہے۔

تا کجا

یکساں روی' اب سن پیام انقلاب
بے رنگی سکوں کی ہو رہیں اضطراب
وہ بھی کیا مرنا کہ خود فطرت تجھے دے دے جواب
لطف مرنے کا اگر چاہئے تو چل بلقان چل

خلافت تحریک کا پس منظر تاریخ کے حوالے سے کچھ یوں ہے کہ:

''جنگِ عظیم اول میں ترکی کے سلطان (جو اسلامی خلافت کی آخری نشانی تھے) نے اسلامی دنیا سے جہاد کے لیے اپیل کی اور اتحادیوں کے خلاف ان کے ہاتھ مضبوط کرنے کی درخواست کی۔ ترکی کی خلافت کی اپیل کا اثر سب سے زیادہ برصغیر کے مسلمانوں نے قبول کیا اور ان میں جو تحرک پیدا ہوا وہ ایک

تحریک بن گیا۔

انگریز نے اسلام کے نام پر ہندوستان کے مسلمانوں کا ترکی سے زیادہ لگاؤ دیکھ کر یہاں کے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اتحادیوں کی فتح کی صورت میں ترکی سے کوئی بھی بدلہ نہیں لیا جائے گا اور ترک تو ان کے دوست بھی ہیں۔ اسی لیے ترکی کے علاقے پر قبضہ کرنے کا انکا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ ترکی نے دشمن جرمنی کا ساتھ دیا ہے اس لیے مجبوراً ان کو بھی ترکی کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑا ہے۔ پھر بھی جنگ کے خاتمے پر ترکی کی کسی بھی طور پر حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

انگریز بڑی چالاکی سے ایک طرف ہندوستان کے مسلمانوں کو مطمئن کر رہے تھے تو دوسری طرف انہوں نے اپریل ۱۹۱۶ء میں خفیہ طور پر فرانس اور روس سے ایک سمجھوتہ کرلیا۔ جس کے تحت ترکی کی سلطنت کو آپس میں تقسیم کیا گیا۔ استنبول اور سمندر کے بڑے علاقے کے علاوہ آرمینیا اور کردستان کا ایک حصہ روس کے حوالے اور ترکی کے ماتحت عرب علاقے برطانیہ کے تسلط میں دیے گئے۔ فرانس کو شام، اوانا، ملائیشیا اور کردستان دیئے گئے۔ پھر دوسرے خفیہ معاہدے کے تحت اوانا اور سمرنا کے خطے ۱۹۱۷ء میں اٹلی کو دیے گئے۔ دوسری طرف انگریزوں نے مکہ کے شریف حسین سے یہ معاہدہ کیا کہ ترکوں کے خلاف لڑنے پر حجاز، شام، عراق، لبنان اور فلسطین کے علاقے اس کے حوالے کیے جائیں گے۔ (محمد موسیٰ بھٹو، ”ریتی پہاڑ“ ۱۹۸۲، ص: ۸۳-۸۴)

تحریکِ خلافت کی پہلی خلافت کانفرنس:

آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں منعقد ہوئے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی، جنہیں مختلف جگہوں پر انگریز حکومت نے نظربند کر رکھا تھا، انکی پانچ سال کے بعد رہائی ہوئی تو آزاد ہوتے ہی وہ سالانہ جلسہ میں شرکت کرنے کے لیے سیدھے امرتسر آئے۔ ان دنوں قسطنطنیہ اور دیگر مقدس مقامات پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف مسلمانوں میں بے حد جوش و خروش پایا جاتا تھا۔

کانگریس اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارموں سے انگریزوں کے خلاف سخت تقریریں کی گئیں۔ ان دنوں ہندو مسلم اتحاد جو کہ قائداعظم کی کوششوں سے ہوا تھا، اس کی لہریں عروج پر تھیں۔ ایک طرف کانگریس لارڈ چیمسفورڈ مانٹیگو اصلاحات سے سخت ناراض تھی تو دوسری طرف مسلمانوں سے ترکی کے سلسلے میں کیے گئے وعدے وفا نہیں کیے گئے اور مقدس مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، اس وجہ سے مسلمان انگریز

سے سخت ناراض تھے۔

مسلمانوں نے اپنی تقریروں میں یہ اعلان کیا کہ اگر انگریزوں نے مقدس مقامات سے اپنا فوجی قبضہ ختم نہ کیا تو ہم اس ملک (ہندوستان) سے ہجرت کر جائیں گے۔ ہندو قوم کے مقررین نے بھی مسلمانوں کی ہمنوائی میں کہا کہ اگر مسلمانوں نے ہجرت کی تو ہم بھی اپنے بھائیوں کا ساتھ دیں گے۔

انگریز دونوں قوموں کے ''متحدہ قومیت'' اور ''آزادی خلافت'' کے نعروں سے خوفزدہ نظر آنے لگے۔

مولانا شوکت علی نے کہا کہ تیس لاکھ روپیہ کی کثیر رقم جمع کی جائے تو خلافت آزاد ہو جائے گی۔ اسوقت ۳۰ (تیس لاکھ) روپیہ بہت بڑی رقم تھی' مگر پھر بھی پورے ملک میں چندہ جمع ہونا شروع ہو گیا۔ پورے ملک کے ساتھ پورے سندھ میں بھی خلافت کمیٹیاں اور ذیلی دفاتر کا قیام عمل میں آنے لگا اور کانفرنسوں کا انعقاد شروع ہو گیا۔ پہلی خلافت کانفرنس آل انڈیا سطح پر فروری ۱۹۲۰ کو بمبئی میں منعقد ہوئی' جس میں پورے برصغیر سے رہنما اور مندوبین بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ (۳)

اس کانفرنس میں دھواں دھار تقریریں ہوئیں۔ آل انڈیا خلافت کمیٹی کے لیے ممبر چنے گئے۔ مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ کئی قراردادیں پاس ہوئیں اور آخر میں ایک وفد مولانا محمد علی جوہر کی سربراہی میں تشکیل دیا گیا تا کہ لندن میں جا کر حکومت اور ارکان اسمبلی سے بات چیت کر سکے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کے مسلم لیگ امرتسر کے اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر نے جو خطاب کیا تھا' اس کا لب لباس کچھ یوں تھا کہ:

''کیا تم جلیان والا باغ'' میں موت سے ڈرتے ہو' یا اس گلی کی ذلت سے تمہیں خوف ہے' جہاں تمہیں رینگ کر چلنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ تم گجرانوالہ کی بمباری سے خائف ہو' یا ڈائر کے فائر نے تمہیں دہشت زدہ کر رکھا ہے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ خدائی قہر ان سب سے بڑھا ہوا ہے؟ اس نے انفلوئنزا نازل کر کے حقیر و ناتواں کیڑوں مکوڑوں کے اثر سے ایک کروڑ جانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ماہ رمضان کے تیس روزے رکھ لینے یا بقرعید کے موقع پر قربانی کر دینے سے ہماری ذمہ داریاں ختم نہیں ہوئیں۔

وہ بیت المقدس جسے مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا اور جس پر اب تک خلیفۃ المسلمین (سلطان ترکی) کا اقتدار تھا' ہم اس پر اغیار کا قبضہ ہرگز رہنے نہیں دیں گے۔ (۴)

کانگریس کے ۱۳ ردسمبر ۱۹۱۹ء کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے کچھ یوں فرمایا:

''اگر حالات کا تقاضا ہو' تو ہمیں پھر جیل جانے دیجئے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ ہندوستان کے

گلے میں طوقِ غلامی ڈالیں...... بلکہ اس بڑھاپے میں اگر ضرورت ہو تو ان ہی کے بالوں سے جکڑ کر ان کو پھانسی بھی دی جائے لیکن ہندوستان کو آزاد ہونے دیجئے' تا کہ کوئی آئندہ کسی ہندوستانی مرد اور عورت کے بارے میں یہ نہ کہہ سکے کہ تو پیدائشی غلام ہے۔(٦)

مولانا محمد علی اور شوکت علی ربانی کے بعد ۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو ان کا دہلی میں جو عظیم اور فقید المثال استقبال لوگوں نے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے۔ گھنٹہ گھر پر آزادی کا جہاز بنایا گیا تھا' جس پر ناخدا کی طرح یہ دونوں بھائی بٹھائے گئے تھے۔ اس وقت مولانا محمد علی نے جو تقریر فرمائی اس کے چند الفاظ یہ ہیں:

''ہم دو بھائی تیار ہیں کہ حکومت کے ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیں' اس میں ہماری کچھ ذلت نہیں ہے۔ مگر ہم اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ اسلام کی عزت پر حرف آتا دیکھیں' ہم اپنی حرم سراؤں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہیں' مگر حرم الٰہی کو غیر کے قبضے میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حرم الٰہی پر ہماری جان' ہماری اولاد' ہمارا مال اسباب سب کچھ قربان ہے کیونکہ

جان دے دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہم تیار ہیں کہ ہم اپنی خواتین کو بے عزت ہوتا ہوا دیکھیں' لیکن شعائرِ اسلام کی بے حرمتی ہم ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ اس طرح انگلستان جانے اور وفد خلافت کی ناکامی کے بعد انہوں نے ٦ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں تقریر کی۔ ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان جلسے میں تقریر کی۔ ۲۳ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میواڑ پولیٹیکل کانفرنس میں مخاطب ہوئے۔ ۲۵ فروری ۱۹۲۱ء کو اودھ خلافت کانفرنس میں خطاب کیا۔ ۱۱ ر مئی ۱۹۲۱ء میں الہ آباد کانفرنس میں گویا ہوئے۔ جہاں بھی گئے' لوگوں میں سرد پڑا ہوا جذبہ گرما دیا اور انگریز کے لیے اپنے پاؤں تلے زمین کھسکتی ہوئی نظر آئی۔''

سندھ تحریکِ خلافت:

یہ وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے پورے سندھ میں بھی خلافت تحریک تھوڑے ہی عرصے میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ ہر چھوٹے اور بڑی شہر میں کانفرنسیں ہوئیں۔ سب کو معلوم تھا کہ ''برطانیہ نے اپنی سازشوں سے عرب علاقوں کو قومیت کا نعرہ دے کر انہیں خودمختاری کے لیے ابھارا تھا۔(۷) اور جب پہلی جنگِ عظیم ختم ہوئی تو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے ترکی کی سلطنت کو ٹکڑوں میں بانٹ لیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ سندھ کے مسلمان بھی اتنے ہی جذباتی ہو رہے تھے' جتنے ملک کے دوسرے حصوں کے

مسلمان۔ انہوں نے بھی تحریکِ خلافت شروع کی۔ سندھ کانگریس اور جمعیت العلماء نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس میں سندھ مسلم لیگ بھی شامل تھی۔ اس موقع پر ہندو مسلم اتحاد بڑے پیانے پر نظر آیا۔ ''گاندھی جی نے خلافت تحریک کو کانگریس کے لیے مؤثر جان کر ہندوؤں کو اس تحریک میں قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے تیار کیا۔'' اس طرح اس نے برطانیہ پر یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ''صرف وہی ہندوستانیوں کے سارے طبقوں کا رہنما ہے۔'' (۸)

آل انڈیا سطح پر جو قومی خلافت کانفرنس دہلی میں نومبر ۱۹۱۹ء میں ہوئی' اس میں سندھ سے جو رہنما شریک ہوئے وہ تھے: ''مولانا تاج محمود امروٹی' پیر تراب علی شاہ' رئیس جان محمد جونیجو' سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون اور شیخ عبدالعزیز۔ (۹)

رئیس جان محمد جونیجو نے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے خاص اشتہارات تقسیم کیے اور جس طرح دہلی میں خلافت کمیٹی بنائی تھی' اسی طرح سے سندھ خلافت کمیٹی بھی تشکیل دی گئی' جس کے رہنما سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون تھے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۶ر اپریل ۱۹۱۹ء کو پورے ہندوستان میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک مکمل ہڑتال رہی تو ہندھ اس میں برابر کا شریک تھا۔

اس موقع پر ہندو مسلمان ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلے اور ایک دوسرے کے گلاسوں میں پانی پیا۔ (۱۰)

لاڑکانہ میں رئیس جان محمد جونیجو کے بنگلے پر ایک جلسۂ عام ہوا۔ جہاں خلافت کے بچاؤ کے لیے قرارداد منظور ہوئی۔

خلافت کمیٹی کا فنڈ جمع کرنے کے لیے سندھ میں بیت المال کھولا گیا جس میں ہر قسم کی امداد جمع کی گئی اور ضرورت کی جگہوں پر خرچ کی گئی۔ اس طرح بیت المال میں کل رقم ۹۰۵۶۲ روپیہ جمع ہوئی جس میں سے ۵۲۲۶۹ روپیہ مہاجروں اور قیدیوں پر خرچ کیے گئے' ۳۵۶۷ روپیہ مرکزی خلافت کمیٹی کو دیئے گئے۔ (۱۱)

سندھ میں مولانا تاج محمود امروٹی ہی ایسی شخصیت تھے' جنہوں نے ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو خلافتِ تحریک کا آغاز حیدر آباد سندھ سے کیا۔ یہ دن آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس نے اپنے لکھنؤ اجلاس میں طے کیا تھا۔ یہ دن پورے ہندوستان میں نہایت جوش اور ولولے کے ساتھ منایا گیا اور دعائیں مانگی گئیں۔

ہفتہ وار ''الامین'' نے اس جلسے کی پوری رپورٹ شائع کی اس کے مطابق:

''مولانا امروٹی' پیر امام شاہ اور دوسرے رہنماؤں کا حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر پانچ بجے شام پرتپاک استقبال کیا گیا' پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ ان کی سواریاں اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں رئیس غلام محمد خان بھرگڑی کے بنگلہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ (۱۲)

یہ جمعہ کا دن تھا۔ مولانا امروٹی نے صدر کی جامع مسجد میں نماز ادا کی اور وہاں بھی ایک پرجوش تقریر کی۔ انہوں نے کہا:

''خلافت کا منصب کسی قوم یا گروہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ دنیا کی جملہ قومیں یا اس کے آدمی جنہوں نے اپنے رب سے وعدہ کیا ہے اور اس وعدہ پر وہ پابند رہنا چاہتے ہیں۔ وہ سب کے سب خلافت کے حقدار ہیں...... رب پاک نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے' اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو زمین پر خلافت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ جملہ اسلامی قوموں سے ہے۔ کسی خاص قوم' قبیلے یا گروہ سے نہیں...... (۱۳)

اسی دن شام کو ہوم اسٹیڈ ہال میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا جس میں پانچ ہزار سے زیادہ لوگ شریک ہوئے۔ اس جلسے میں چار سو سے زائد ہندو بھی شریک تھے۔ جلسے کی صدارت مولانا تاج محمود نے کی۔ مقررین نے خطاب کے بعد آخر میں انہوں نے صدارتی خطبہ دیا' جس میں انہوں نے فرمایا۔

''خلافت کے مسئلے کی اسلام میں جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس مسئلہ کو حضور کریم ﷺ کے کفن دفن سے بھی زیادہ اہم سمجھا اور پہلے خلافت کا مسئلہ طے کیا۔

خلافت اسلام کا اہم رکن ہے' اس کے بغیر اسلامی نظام کا قیام اور پائیداری ناممکن ہے۔ اسی لیے ہم ایسے حکمرانوں سے اپنے دینی ناطے جوڑنے کے لیے بندھے ہوئے ہیں' جن کے اعمال صالح ہوں اور علمی طور پر سبقت رکھتے ہوں۔ وہ دین کے معاملے میں دشمن کے ارادوں سے آگاہ ہوں اور ان کے حملوں کو روکنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''جس نے خلیفہ کی تابعداری کی' اس نے خدا کی اور میری تابعداری کی اور جس نے خلیفہ کی نافرمانی کی' اس نے خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی......'' انہوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اشاعت اور مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے جب ترکوں کو چنا تو انہوں نے ہر قسم کی قربانی دے کر اسلام کی عظمت کو زندہ رکھا۔ اگر ترک اسلام کی حفاظت کے لیے ہمت اور استقامت سے میدان میں نہ آتے تو اسلام پچھلے کسی دور کی ایک کہانی بن جاتا...... (۱۴)

حیدرآباد خلافت کانفرنس:

سندھ میں پہلی خلافت کانفرنس بھی حیدرآباد میں ہی ہوئی جو ۴ اور ۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔ اس کانفرنس میں ۸ ہزار سے زائد لوگوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پہلے دن کی صدارت سندھ کے جید

عالم سیف الرحمٰن' ابوالمصطفیٰ مخدوم' مولوی غلام محمد نقشبندی' مجددی ملکانی صاحب نے کی جو اس دور کے سیاسی نشیب وفراز اور عالمی سیاسی حالات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ یہ بہتر ہوگا کہ مخدوم صاحب کی صدارتی تقریر کے حوالے سے ہم پہلی جنگِ عظیم کے بعد کے حالات' اتحادیوں اور ہارنے والے ممالک کے حالات اور فاتحوں کی ریشہ دوانیوں کو ایک نظر سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس طرح مخدوم صاحب کی علمیت' فہم وفراست اور دور اندیشی کے علاوہ سندھ کے لوگوں کی تحریکِ خلافت کی حمایت میں مکمل کردار سامنے آجائے گا۔

مخدوم غلام محمد ملکانی نے سندھ کے جانثارانِ خلافت کو ایک حقیقت سے روشناس کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک طرف اسلام اور اہلِ اسلام کے زیست کو ہمیشہ مٹانے کے لیے ناجائز مگر طاقتور طور پر کوششیں کی جارہی ہیں' دوسری طرف مسلمان اپنی زندگی کے سوال کو بھول کر صرف ایمان اور توحید کی امانت جو ازل سے انہیں سپرد کی ہوئی ہے' اس کو بچانے کے لیے اپنا خون ایمان کی محبت سے پی رہے ہیں۔ اہلِ اسلام کو ایک بڑی مصیبت کا مقابلہ کرنا ہے...... (۱۵)

انہوں نے خلافتِ عظمیٰ کی ضرورت پر باتیں کرتے ہوئے آیاتِ الٰہی کے حوالے دیئے کہ انسان کو زمین پر کیوں اور کس لیے بھیجا گیا تھا۔ پھر خلافتِ عثمانیہ کی تاریخ پر روشنی ڈالنے کے بعد انہوں نے فرمایا:

''خلافت کے جلیل منصب کے متبرک نشانات یعنی رسول ﷺ کی تلوار' قلم اور جبہ مبارک خاندان عثمانیہ کے پہلے خلیفۃ المسلمین کو ملے اور ان کے پاس اب تک وہ تبرکات استنبول میں موجود ہیں۔ (۱۶)

انہوں نے خلیفۃ المسلمین کے تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

''اسلامی تقاضوں کے مطابق خلیفۃ المسلمین کے پاس آزاد حکومت' آزاد خزانہ اور آزاد اختیارات ہونے لازمی اور ضروری ہیں اور پچھلے چار سو سال سے خاندان عثمانیہ خلافت کے منصب پر (ان تقاضوں کے مطابق) صحیح طور پر اتر رہے ہیں...... سچ تو یہ ہے کہ ترکی نے صدیوں تک اسلام کی عزت بچانے کے لیے تلوار چلائی ہے جس کا اجر سوائے اللہ کے اور کوئی اسے دے نہیں سکتا۔

خلیفۃ المسلمین کا سب سے بڑا کام مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کرنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مقاماتِ جزیرۃ العرب کسے کہتے ہیں...... ''قاموس'' میں ہے کہ ''جزیرۃ العرب ما احاطہ بہ بحرالہند ثم دجلہ و فرات''، یعنی وہ حصہ زمین کا' بحر ہند وعرب ودجلہ وفرات نہروں کے مابین ہے۔ اس حصے کو غیر مسلموں سے پاک رکھنا ہے۔

انہوں نے مقاماتِ مقدسہ کا حوالہ دیا جو اس پورے جزیرہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مکہ

مکرمہ کی اہمیت اور مدینہ منورہ کی عظمت کا ذکر کیا' جہاں کعبۃ اللہ شریف اور روضۂ رسول ﷺ ہیں۔ جہاں غیر مسلم داخل نہیں ہو سکتے۔

انہوں نے بتایا کہ ۱۷۰ سال پہلے آسٹریلیا کی رانی میریا تھیریسا سب سے پہلے ترکی کو ''یورپ کا مریض'' لقب دیا تھا' مگر ان کا خاندان دنیا سے غائب ہو گیا مگر سلطان المعظم اب تک اپنے آباء واجداد کے ساتھ تخت پر رونق افروز ہے۔ اس بات کی شہرت ''زار روس'' نے بھی زیادہ کی تھی مگر وہ خود زار زار ہو کر فنا ہو گئے۔

''کہتے ہیں کہ ترکی فقط ایشیا میں رہ سکتا ہے' یورپ سے اس کا کوئی تعلق نہیں' تو پھر سوال اٹھتا ہے کہ یورپی اقوام کیوں ایشیا اور افریقا پر قابض ہیں؟...... دنیا میں ترک وہ واحد قوم ہے جس نے اپنے قدیم باشندوں کو نیست و نابود نہ کیا اور نہ عثمانی بنایا۔ جس طرح امریکا اور برطانیہ نے کیا ہے اور نہ اپنی زبان دوسری ترک مفتوح اقوام پر مسلط کی...... جب یہودیوں کو ہسپانیہ سے نکلنا پڑا تو ان کو ترکی میں پناہ ملی...... ترکی نے عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی دی۔

ترکی کو بڑے عرصے سے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشیں چل رہی ہیں۔ روس کے بادشاہ نکولس (اول) ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تجویز ۱۸۴۴ء میں انگلستان کو دی تھی۔ فلسطین اور شام میں فرانس دلچسپی لے رہا تھا...... اس لیے ۱۸۷۷ء سے ترکی پر مسلسل حملے کیے جا رہے ہیں۔'' (۱۷)

مخدوم صاحب نے ترکی پر لاتعداد اٹھائے گئے عالمی اعتراضات کا ایک ایک کر کے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ:

''غیر نسل قومیں ترکی سے ناراض تھیں۔'' اس سلسلے میں اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ ان غیر نسل قوموں سے وزرائے اعظم ہوئے' پوری افواج کے سپہ سالار بنے۔ مختلف علاقوں کے والی رہے مطلب کہ فوجی اور سول عہدوں پر ترکوں اور عربوں میں کوئی فرق نہ تھا......''

انہوں نے کہا:

''ترکی نے تو ہمیشہ کمزوروں کی مدد کی۔ سولہویں اور سترھویں صدی میں اس نے فرانس کو انگلستان سے بچایا' مگر اب روس کی دوستی سے وہی انگلستان دشمن بن گیا۔ اس نے اٹلی کو مدد کر کے طرابلس پر قبضہ دلایا۔ ترکی اور بلقانی ریاستوں کے مابین جنگ شروع ہوئی تو برطانیہ کی پالیسی ایسی تھی کہ اگر ترکی فاتح ہو تو اسے کچھ بھی نہ ملے۔ اگر دوسرے فاتح ہوں تو ان سے ان کا پھل چھینا نہیں جائے گا۔ کیا یہی دوستی تھی ترکی اور برطانیہ کی کہ جب بلقانیوں نے شہر سالونیکا پر قبضہ کیا تو وہ بہت خوش ہوئی۔'' (۱۸)

اس کے بعد مخدوم صاحب نے برطانیہ کو یاد دلایا کہ پہلی عالمگیر جنگ میں ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ جو وعدے کیے گئے کہ ترکی کے ہار جانے کے باوجود مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ نہیں کیا جائے گا تو پھر اب وہ سارے وعدے کیوں بھلائے جا رہے ہیں' جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے مصیبت کے وقت ترکی سلطنت کے خلاف ان کا ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے انگلستان کو انکے وعدے ایک ایک کر کے اس طرح یاد دلائے:

وعدہ نمبر ا:

ترکوں سے جنگ ۴ نومبر ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی تھی تو اسی دن ہند سرکار نے ہم سے یہ وعدہ کیا کہ:

''یہ عام اعلان عام اطلاع کے لیے دیا جاتا ہے کہ چونکہ ترکی اور برطانیہ عظمیٰ کے درمیان عثمانیہ سرکار کی بد مصلحتی کی وجہ سے بے سبب اور دیدہ دانستہ عمل کی وجہ سے جنگ چھڑ گئی ہے اس لیے ہز ایکسلینسی وانسرائے کو ملکۂ معظمہ کی سرکار سے عربستان کے مقاماتِ مقدسہ اور عراق عرب کی پاک زیارتگاہیں اور جدہ کی بندرگاہ بابت یہ اعلان کرنے کی اجازت ملی ہے۔

اسی لیے کہ اعلیٰ حضرت کے نہایت وفادار مسلم رعایا میں اس جنگ کی وجہ سے کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو (کیونکہ اس جنگ میں کوئی بھی مذہبی سوال نہیں ہے) وہ پاک جگہیں اور جدہ انگریزی بحری اور بری فوجوں کے حملوں اور تکلیف سے باامن رہیں گے۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے حاجیوں (اور زیارت کرنے والے) سے جو وہاں جائیں' دست اندازی یا رکاوٹ نہیں کی جائے گی۔ ملکہ معظمہ کی درخواست پر فرانس اور روس کی حکومتوں نے بھی ایسی یقین دہانی کرائی ہے۔''

تین دن گزرنے کے بعد یعنی ۸ نومبر ۱۹۱۴ء وزیراعظم مسٹر اسکیتھ نے زوردار اور زیادہ واضح الفاظ میں مسلمانوں کو سارے مقاماتِ مقدسہ کے بارے میں وعدہ کیا۔

وعدہ نمبر ۲:

''ہمارا سلطان کی مسلم رعایا سے کوئی جھگڑا نہیں۔ ہمارا بادشاہ اپنی نہایت وفادار رعیت میں کروڑہا ایسے آدمی رکھتا ہے جن کا مذہب اسلام ہے۔''

وعدہ نمبر ۳:

خلافت کے بارے میں ملکۂ معظمہ کی سرکار اس بات کی پابند ہے جیسے وہ ہمیشہ پابند رہے ہیں کہ خلافت کا مسئلہ فقط مسلمانوں سے ہی تعلق رکھتا ہے اس لیے مسلمانوں کو ہی اس کا فیصلہ کسی بھی دست اندازی کے بغیر کرنا چاہیے۔''

اسی لیے ہمارے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ ان کے عقائد کے خلاف کوئی جھگڑا کھڑا کیا جائے یا ایسی بات کی حوصلہ افزائی کریں۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم خود ان کے مقاماتِ مقدس کو جملہ حملہ آوروں سے بچانے اور ان کے تقدس کو قائم رکھنے کے لیے تیار ہیں۔

خلافت عظمیٰ کی بابت کئی وعدے کیے گئے تھی۔ ایک سال پہلے جو آخری وعدہ کیا گیا تھا وہ یہ ہے:

وعدہ نمبر ۴:

''ہم اس خوفناک کشمکش میں نہایت نازک وقت کو پہنچے ہیں......''

اس کی وضاحت کرنے کے بعد وزیراعظم نے ترکی بابت یہ بات کہی:

''اور نہ ہم اس لیے جنگ کر رہے ہیں کہ ترکی کو دارالسلطنت یا ایشیائے کوچک اور تھریس کے زرخیز اور مشہور ملکوں سے (جہاں ترکی نسل قوم دوسری قوموں سے بالکل زیادہ تعداد میں ہے) نکال دیں۔'' (۱۹)

اس کے بعد مخدوم صاحب نے اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ دعوے تو تھے انگریز سرکار اور ان کے نمائندوں کے مگر امریکا کے صدر مسٹر ولسن جنگ کے خاتمے کے لیے ۱۴ شرائط بیان کیے۔ جن میں بارہواں شرط سلطنتِ عثمانیہ کے باری میں تھا۔ اسی شرط کے الفاظ یہ ہیں:

وعدہ نمبر ۵:

''موجودہ سلطنت عثمانیہ کے وہ حصے جن میں ترک آباد ہیں ان کے لیے آزاد اور محفوظ حکومت ترکوں کو دی جائے۔ اس بات کو دیکھ کر ترکوں نے اتحادیوں سے عارضی صلح کر لی۔ مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ساری باتیں بیکار تھیں۔

۱۹۱۵ء میں شریف مکہ نے انگریزوں کی شہ پا کر ترکی کے خلاف بغاوت کرا دی۔ اس بات کو بھی ایک سال نہ گزرا کہ انگریزوں نے فرانس سے ایک اور خفیہ معاہدہ کر لیا۔ اب تو سلطنت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ (۱۰)

اخبارات سے جو باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ:

۱۔ عراق، عرب، موصل کے شہر تک اور فلسطین انگریز اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔

۲۔ سیسلیہ میں عارضی طور پر فرانس کی فوج رہے گی۔

۳۔ دمشق، علب، ہامس اور ہام آزاد عرب حکومت کے تحت مگر زیرِ قبضہ فرانس رہیں گے۔

۴۔ آرمینیا کو آزاد کیا جائے گا۔ کسی عیسائی سلطنت کے قبضے کے تحت۔

۴۔ تھریس کو یونانی ہاتھ میں کرنے کی کوشش میں ہیں۔

۵۔ اناطولیہ کا آدھا اٹلی کو ملے گا۔

۶۔ سمرنا کا شہر اور اندرونِ ملک یونان کو۔

۷۔ استنبول کو بین الاقوامی یعنی جملہ حکومتوں کے تحت رکھا جائے گا۔

۸۔ حجاز شریف مکہ کو دیا جائے گا۔

سلطان المعظم کو باقی جو ملے گا وہ بدرسہ کستمونی اوٹریز انڈ کا ٹکڑا اور وہ بھی شاید فرانس کے تحت رہے۔

آخر کس اصول کے تحت یہ سارے ممالک اور علاقے ان اتحادیوں کے قبضے میں رہیں گے؟ اگر وہ ان لوگوں کو بقول ان کے' ترکی کے ظلم سے بچانا چاہتے ہیں تو پھر ہم بھی انگریز سرکار سے یہ گزارش کریں گے کہ وہ بھی اپنی نوآبادیات میں ہندوستانیوں کو اپنے حقوق لینے دیں۔

اس طرح مخدوم صاحب نے ایک ایک علاقے اور اتحادی کا تجزیہ کرتی ہوئے اپنی طرف سے رائے دی اور ثابت کر دیا کہ اتحادی جو کچھ بھی سوچ رہے ہیں' وہ غلط اور سراسر ظلم ہوگا۔

مخدوم غلام محمد ملکانی نے سلطان المعظم کے ایک بیان کا حوالہ بھی دہرایا جس کا اختصار یہ ہے کہ:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نئی جنگ ابھی سے ہو رہی ہے مگر عارضی صلح کی شرائط بغیر سیدھے طریقے کے یونانیوں کو جن سے ہماری جنگ نہ تھی' بچا رہے ہیں اور ہمارے پاس کوئی بھی ذریعہ ان مظالم سے اپنے کو بچانے کے لیے نہیں چھوڑا۔ عارضی صلح کی وجہ سے ہم ہتھیار اٹھا نہیں سکتے۔ ہماری فوج تتر بتر ہوگئی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ظلم ہے اور مجھے اپنی رعیت کو بچانا ہے...... جو ظلم پر رہا ہے اگر انگلستان چاہے تو وہ بند ہو سکتا ہے۔ میں اپنی رعیت کی مظلومیت کو اپنی مصیبت سمجھتا ہوں اور مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا' میں ضرور کروں گا۔ مجھے مصائب کی تکلیف کا احساس ہے۔''

اس کے بعد مخدوم صاحب نے فرمایا:

''کیا مفتوح اقوام کے حقوق فاتحوں پر نہیں ہوتے۔ اسلام پر بہت سے بہتان لگائے گئے ہیں۔ مگر کوئی بھی مثال پوری اسلامی تاریخ میں یونانیوں کی دغابازی جیسی نہیں ملے گی۔

ہم نے پوری دنیائے اسلام کو یقین دلا دیا ہے کہ شریف مکہ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہم نہ انہیں بادشاہ سمجھتی ہیں' نہ وہ بادشاہ ہے...... ہم اسی باغی' نمک حرام اور اسلام فروش کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔''

مخدوم صاحب نے کئی مثالیں دینے کے بعد فرمایا کہ:

''ہمیں معلوم ہے کہ جس ملک سے اسلامی حکومت نکل گئی ہے وہ تھوڑے بہت دنوں کے بعد مسلمانوں سے خالی ہوگیا ہے ہسپانیہ' اندلسیا' سیسلی اور کریٹ کی مثالیں موجود ہیں۔'' (۲۱)

مخدوم غلام محمد صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا:

''برطانیہ کے وزیراعظم فرماتے ہیں کہ'' ترکی کی قسمت کے فیصلے کرنے میں دیر اس وجہ سے ہوئی ہے کہ معلوم نہیں امریکا بھی تہذیب کا بار اٹھانے کے لیے انگلستان کے ساتھ شامل ہوگا کہ نہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

''تہذیب کی اشاعت کرنے کا فرض ہماری قوم کو خدا کی طرف سے ملا ہے کہ ہم وہ فرض دنیا کے مختلف حصوں میں پورا کر رہے ہیں۔ ہم اپنے امریکی بھائیوں سے گزارش کریں گے کہ وہ اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔'' (۲۲)

مخدوم صاحب انہیں برملا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تہذیب کا بار! مسلمان ہمیشہ بانگِ دہل یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس اپنی تہذیب ہے اور غیر مسلموں کی تہذیب کو اسلامی تہذیب سکھلانا نہیں چاہتے۔ کہ انگریزی اخبار نے خوب لکھا تھا کہ ترکی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ سلطان المعظم کی سلطنت کو عیسائی قوموں میں تقسیم کرنا اسلامی تہذیب' نظام اور معاشرت کو تباہ کرنا ہے۔ اسلام فقط مذہب نہیں عقیدوں کا مجموعہ ہے۔ اسلام ایک نظام ہے۔''

پروفیسر ایڈورڈ براؤن نے جو ہماری تہذیب کو مانتے ہیں' کہا ہے:

''اسلامی تہذیب کے بہت سے ایسے نمونے ہیں جن کی میں تعریف کرتا ہوں اور اسلامی حکومت کے غائب ہونے کو ایک مصیبت خیال کروں گا۔ اسلامی تہذیب اسلامی حکومت کے بغیر پھل پھول نہیں سکتی اور دنیا بے رنگ اور تہذیب میں زیادہ مفلس ہو جائے گی۔'' (۲۳)

مخدوم صاحب نے حکومت کے رویے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:

افسوس کی تو یہ بات ہے کہ صلح کانفرنس میں مسلمانوں کا کوئی نمائندہ نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ ان کے مذہبی امور کا فیصلہ ہونا ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے ہندسرکار کے پاس خیالات کے اظہار اور سفارشات دینے کے لیے درخواست کی تو وہ بھی نامنظور ہوئی۔ ولایت میں مسلم لیگ کے نمائندوں نے وزیراعظم سے خلافت کے بارے میں ملنے کے لیے عرض کیا تو وہ بھی رد ہوا۔ اب وائسرائے صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔

انہوں نے ترجمانی کی ہے کہ ترک اپنے قدیم نسلی ملکوں میں سے جن کے بارے میں تاریخ ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو وزیراعظم نے وعدہ کیا کہ نہیں نکالے جائیں۔ باقی جزیرۃ العرب اور مقاماتِ مقدسہ کے بارے میں بالکل خاموشی' جو تین ارکان نمائندگی کے لیے روانہ کر رہے ہیں' وہ بھی ہم اسے نہیں سرکار کے سمجھتے ہیں۔

اس عالمگیر جنگ چھڑنے کے وقت بادشاہِ سلامت کا پیغام ہندوستان کے راجاؤں' نوابوں اور رعیت کو بھیجا گیا تھا' اس میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

''......انگلستان اور ہندوستان دونوں کو یہ بات ورثے میں ملی ہوئی ہے کہ عہد ناموں کی وفائی اور حاکموں اور آدمیوں کے دیئے ہوئے وعدوں کی بے انداز عزت و احترام کیا جائے......'' (۲۴)

مخدوم صاحب نے یہ بھی واضح کیا کہ:

''اب تو شریف مکہ بھی سلطان المعظم کی خلافت تسلیم کرتے ہیں' بلکہ شریف کا بیٹا فیصل اتحادیوں کو کہہ رہا ہے کہ '' ہم عرب ترکوں سے اس لیے نہیں لڑے تھے کہ ہمارا ملک دوسرے چھین لیں۔

اس لیے انگریز سرکار کو یقین کرنا چاہئے کہ خلافت کا اقتدار قائم رکھنے اور سلطنت عثمانیہ کے قائم رہنے کے سلسلے میں اسلامی دنیا کا وہی خیال ہے جو پہلے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔'' (۲۵)

اس کے بعد مخدوم صاحب نے ہندوستان کی اقوام کے اتحاد کو سراہا اور ملک کے اندرونی مسائل پر کھل کر تنقید کی۔

اس کانفرنس میں جتنے عالم' پیر اور مولوی حضرات شریک ہوئے ان کی تعداد ۸۶ تھی۔ اس کانفرنس کے دوسرے دن کے اجلاس کی صدارت مولانا تاج محمود امروٹی نے کی' جس میں مولانا صاحب کے مشورے سے ایک قرارداد پیش کی گئی' جو یہ تھی:

''یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ ایسے عملداروں کے خلاف تحقیقاتی کمیشن قائم کیا جائے' جنہوں نے ناجائز حکومتوں اور ہتھکنڈوں سے عوام پر تحریک کے دوران ظلم کیا ہے۔ ایسے ظالم عملداروں کو فوراً معطل کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پبلک میں اور بے چینی روز بروز بڑھتی رہے گی۔ جس کے برے نتائج کی ذمہ داری صریحاً سرکار کے سر ہوگی۔'' (۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ دوسرے دن کا اجلاس خود بخود علماء کے اجلاس میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اسی کانفرنس میں ایک اور اہم فیصلہ کیا گیا' جو تھا ''روزنامہ الوحید'' جرأت الوحید کا نام ''سلطان عبدالوحید'' کے نام سے منسوب رکھا گیا۔ آگے چل کر اس روزنامہ نے سندھ میں تحریکِ آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔

اسی اجلاس میں خلافت کے مسئلے کو عوامی بنانے کے لیے لارکانہ میں تین روزہ کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ کانفرنس ۷، ۸ اور ۹ فروری ۱۹۲۰ء کو رکھی گئی۔ جس میں مرکزی رہنماؤں کو بھی مدعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

لاڑکانہ خلافت کانفرنس:

سندھ میں خلافت کانفرنس مورخہ ۷، ۸ اور ۹ فروری ۱۹۲۰ء ایک مثالی کانفرنس تھی۔ خلافت کے موضوع پر ایسی بڑی کانفرنس اس سے پہلے یا اس کے بعد سندھ میں نہیں ہوئی۔ یہ کانفرنس تقریروں اور حاضری کے لحاظ سے بے مثال تھی۔

ہفتہ وار ''الحق'' سکھر نے اس کانفرنس کے بارے میں جو رپورٹیں شائع کیں ان کے لحاظ سے کانفرنس کی اہمیت اس طرح اجاگر ہوتی ہے کہ:

''لاڑکانہ کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین نے اطلاع دی ہے کہ لوگوں کی آمد کو محدود کرنے کے لیے کانفرنس میں شرکت کے لیے ٹکٹیں جاری کی جا رہی ہیں، مگر علمائے کرام سے ٹکٹ کی رقم نہیں لی جائے گی۔'' (۲۷)

مگر بعد میں اسی اخبار نے پھر اطلاع دی کہ کانفرنس کے منتظمین نے فیصلہ کیا ہے کہ مرکزی رہنماؤں کا پیغام براہِ راست سننے کے لیے کانفرنس میں عام لوگوں کی شرکت کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کے بعد سندھ کے کونے کونے سے لوگوں نے آ کر اس کانفرنس میں شرکت کی۔ اخبار ''الحق'' کے مطابق:

''لاڑکانہ کی خلافت کانفرنس سندھ میں سب سے بڑی کانفرنس ہوئی جس میں ۱۵ ہزار لوگ شریک ہوئے۔ اتنے لوگ اس سے پہلے کبھی کسی کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کانفرنس نے ایک میلے کی صورت اختیار کر لی تھی، جس میں لوگ جتنے اندر تھے اس سے زیادہ باہر تھے۔ منتظمین نے مہمانوں کے آرام کے لیے بہت کچھ کیا، مگر لوگوں کے بے انتہا مجمع نے ان کے سارے انتظامات درہم برہم کر دیئے۔ علمائے کرام کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ پیر صاحبان تو خصوصی طور پر شریک ہوئے تھے۔ کانفرنس کا چیئرمین اور صدر دونوں پیر صاحبان تھے۔ زمیندار طبقے کے لوگ بھی بے انداز شریک ہوئے۔ انگریزی دانوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ اس طرح لاڑکانہ خلافت کانفرنس ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔ اسٹیج پر مرکزی رہنماؤں سے مولانا عبدالباری، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے سندھ کے مرکزی رہنما جناب غلام محمد بھرگڑی بھی تشریف فرما تھے۔

اس کانفرنس میں چندے کی اپیل پر سکھر کے مسلمانوں کی طرف سے تاج محمد سب ایڈیٹر ''الحق'' نے ۵سوروپے کی تھیلی پیش کی اور حیدرآباد والوں کی طرف سے ایک ہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا گیا۔'' (۲۸)

اس کانفرنس میں بھی مولانا تاج محمود امروٹی نہ صرف شریک ہوئے بلکہ وہ مرکزی رہنماؤں کے ساتھ سکھر بھی تشریف لے گئے وہاں پر بھی اگلے روز ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا تھا۔

لاڑکانہ سے واپسی پر مرکزی رہنما سکھر بھی تشریف لائے۔اس کے باوجود کہ سکھر میں پہلے سے کسی جلسہ کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا' لوگوں کا بہت بڑا مجمع ریلوے اسٹیشن پر استقبال کے لیے موجود تھا۔لوگ اپنے رہنماؤں کو ایک نظر دیکھنے کے لیے بہت ہی بے چین نظر آتے تھے۔صورت حال ایسی تھی کہ ان رہنماؤں کا گاڑی سے اترنا مشکل ہو گیا تھا۔رضا کاروں نے بڑی مشکل سے لوگوں کے ہجوم سے ان کے لیے راستہ بنایا۔

اسٹیشن پر ہی ان کے ناشتے کا اہتمام کیا گیا تھا۔جس کے بعد مولانا عبدالباری' مولانا عبدالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی معہ سندھ کے رہنماؤں کے ایک بہت بڑے جلوس میں شہر کی طرف روانہ ہوئے۔جس تانگے میں یہ رہنما سوار تھے اسے گھوڑے کی بجائے رضا کار کھینچ رہے تھی اور وہ تانگہ بہت ہی اچھے طریقے سے سجایا ہوا تھا۔

شام کو جلسہ ہوا۔جس میں سات سے آٹھ ہزار تک لوگ شریک تھے۔سکھر کے پرانے لوگوں کا کہنا ہے کہ سکھر کی پچاس سالہ تاریخ میں ایسا جلسہ دیکھنے میں نہیں آیا۔مرکزی رہنماؤں نے زبردست تقاریر کیں اور لوگوں کے جذبات کو جلا بخشی۔

مولانا شوکت علی نے کہا:

''آج میں نے سندھ میں ایک نئی روح اور نئی زندگی محسوس کی ہے۔پہلے سندھ نیند میں تھا مگر لاڑکانہ اور سکھر کے دورے کے دوران میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خلافت کے بارے میں سندھ دوسرے صوبوں کے لیے ایک مثال ہے۔'' (۲۹)

جیکب آباد خلافت کانفرنس:

۲ اور ۳ مئی ۱۹۲۰ء کو خلافت کے حوالے سے ایک کانفرنس جیکب آباد میں منعقد ہوئی' جس کی صدارت مولانا تاج محمود امروٹی نے کی۔چونکہ ہجرت تحریک خلافت تحریک کے ساتھ ساتھ پروان چڑھ رہی تھی' اس لیے اس کانفرنس کے موقع پر ہجرت کمیٹی بنائی گئی۔سندھ میں ہجرت کا آغاز اسی کانفرنس کے

بعد ہوا۔ اس کانفرنس میں تین ہزار لوگ شریک ہوئے تھے۔ اس دور کے ہفتہ وار ''الامین'' نے بھی کانفرنس کی رپورٹنگ کی تھی جس کے مطابق:

''نہ ہاتھوں کو طاقت ہے کہ اس نظارے کو قلم سے بیان کرسکیں۔ آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اعتبار نہیں آتا۔ جس قربانی' جان نثاری' ایثار اور سادگی سے لوگ اپنے آپ کو فدا کر رہے تھے' یہ سچی تصویر تین ہزار بلوچوں کے جلسے کی صورت میں شہیدانِ اسلام کی یاد کو تروتازہ کررہی تھی۔ جاہل خواہ عالم جدید تعلیم یافتہ خواہ قدیم تعلیم یافتہ ایک ہی نشہ میں مست ایک ہی درد میں مبتلا ایک ہی محبوب کے مجنون' ایک ہی مدعا کے متوالے' ایک ہی غم کا شکار ایک ہی چیز کے شیدائی' ایک ہی الفت میں ملے ہوئے' ایک ہی مقصد اور منزل مراد کے متوالے تھے۔ یعنی خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے فداکار' حامی اور حمایتی۔

خلیفۃ المسلمین کے حال' رعیت اور ملک پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں ہیں' مقاماتِ مقدسہ پر جنگ کی ... سے جو بے حرمتی ہوئی اور بربادی ہوئی' خلیفہ کے قبضے سے ان پاک مقامات کا نکل جانا' ان پاک مقامات کی بے حرمتی اور دینِ اسلام پر جو قدغن ہوا' اس حال کو سن کر غریب بلوچ اور سچے مسلمان بے چینی میں دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

اس موقع پر سات آدمی جن میں بڑے بڑے پیر بزرگ اور مولوی بھی شامل تھے وہ اپنے اہل وعیال سمیت مہاجرین کی جماعت میں داخل ہو گئے۔

جب مولانا حمید احمد سے ہمدردی کی قرارداد پیش ہوئی تو پورے مجمع نے یک آواز ہو کر کہا۔ ہم سب مولانا کی طرح جیل جانے کو تیار ہیں!

جب قطع تعلقات پر تقریریں ہوئیں تو بہت سے زمینداروں نے اعلان کیا کہ اگر علماء فتویٰ دیں گے تو پھر ہم لگان دینے سے انکار کریں گے۔

یہ کانفرنس ایک ماتمی مجلس تھی۔ حاضرین جب دل کے درد و غم سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے تھے' تو معلوم ہوتا تھا گویا کہ در و دیوار اور درختوں سے بھی وہی صدائیں آ رہی ہوں۔ گریہ وزاری سے پتھر دل بھی پانی پانی ہو رہے تھے۔ (۳۰)

مولانا تاج محمود امروٹی نے اپنے خطاب میں کہا:

''انگریز سامراج دو قسم کے تعصب میں مبتلا ہے۔ ایک مذہبی تعصب دوسرا ملک گیری اور اقتدار کی بھوک۔ انگریز سامراج نے اسی ملک گیری کی ہوس کے تحت خوشحال مسلمان ریاستیں اپنے قبضے میں کر لی ہیں اور ان کے لوہے اور تیل کی کانوں اور کنوؤں سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ دراصل یہ جدید تہذیب ہی

اسی لوٹ مار کا دوسرا نام ہے۔

مولانا تاج محمود امروٹی نے جذبات میں آ کر فرمایا:

''مکہ معظمہ سامراج کے اثر میں آ گیا ہے' بصرہ اور بغداد پر صلیبی پرچم لہرا رہا ہے۔ بیت المقدس میں سے توحید کا سایہ گم ہو رہا ہے۔ شیخ الاسلام (مولانا محمود الحسن) کو مالٹا میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ شاہی خاندان کے ۷۰ سے زائد آدمیوں کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ ۱۳ سو برس کی اسلامی تاریخ کا ورثہ یعنی خلافت خاتمے تک پہنچ چکی ہے۔

کیا اب بھی مسلمان اس سے زیادہ تباہی کے منتظر ہیں؟ اب ہم آپ کو صاف بتاتے ہیں کہ جہاد آپ پر فرض ہو گیا ہے۔ مگر چونکہ اسلحہ اور دوسرا ساز و سامان نہیں' اس لیے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر جانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں... ''(۳۱)

اس کانفرنس کے بعد جیکب آباد انتظامیہ نے ظلم و تشدد کا سلسلہ شروع کر دیا اور یہ اس خیال سے کیا گیا کہ شروع میں ہی اس پودے کو اکھاڑ پھینک دیا جائے کہ یہ بعد میں درخت نہ بن جائے۔ اسی لیے ایک خلافتی کارکن منشی خدا بخش کو کہا گیا کہ ان کی لکھی ہوئی درخواستیں کسی بھی کورٹ میں قبول نہیں کی جائیں گی۔ بعد میں اسے گرفتار کیا گیا اور جیل میں بند کر دیا گیا۔

سردار رسول بخش بڑی عمر کے بزرگ تھے۔ تین ہزار سالانہ لگان دیتے تھے۔ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور ایک سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ سپاہی محمد داؤد' جس نے کانفرنس کے موقع پر مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور اس نے استعفیٰ بھی دے دیا۔ اسے ایس پی نے بلوا کر پٹائی کروادی۔ ایک زمیندار کی بھی پٹائی کروائی گئی۔ (۳۲)

جیکب آباد کے ان واقعات پر ''الامین'' کی ایڈیٹر شیخ عبدالمجید سندھی نے جو اداریہ لکھا' اس سے سندھ کے عوام کی ان تحریکوں سے دلچسپی' محبت اور جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔

شیخ صاحب نے ضلعی انتظامی آفیسر مسٹر سائیتھ و مخاطب ہو کر لکھا تھا کہ ''آپ کچھ بھی کریں' مگر یقین جانیے' کہ حق اور صداقت کی آواز کو ہرگز نہیں دبا سکتے۔ تم صفحۂ ہستی سے اگر خلافت کو مٹا بھی دو' تو مسلمانوں کے دلوں سے کبھی نہیں مٹا سکتی۔''(۳۳)

جیکب آباد کانفرنس کے بعد ۲۳' مئی ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد سندھ میں خلافت کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ۲۲ آدمیوں پر مشتمل ایک اور کمیٹی بنائی گئی' جس کا کام تھا' قطع تعلقات کی تحریک کو کامیاب بنانا۔ اس کمیٹی میں بھی مولانا تاج محمود امروٹی شامل تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریکِ خلافت کے اسٹیج سے تحریک ہجرت اور

قطع تعلقات کو جلا ملی۔ ان ہی مختلف تحریکوں نے آگے چل کر پہلے سندھ صوبہ کی بمبئی کی علیحدگی کی تحریک کو کامیاب بنایا اور بعد میں برصغیر کی آزادی کے موقع پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

حیدرآباد کی اس خلافت کمیٹی میں پہلی مرتبہ انتخابات ہوئے' جس کے نتیجے میں میں صدر کے عہدے کے لیے حاجی عبداللہ ہارون کو چنا گیا۔ نائب صدر مولانا تاج محمود امروٹی اور سیکرٹری کے طور پر رئیس جان محمد جو نیجو کو منتخب کیا گیا۔(۳۴)

مولانا تاج محمود امروٹی اور ان کے ساتھیوں نے خلافت کے حق میں سندھ میں جو فضا قائم کی تھی' اس کا اندازہ لوگوں کی ان مالی قربانیوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً دیں۔

ہفت روزہ ''الحق'' کی ایک خبر ہے:

ہمیں یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ ایک مسلمان نے اپنی زمین ایک لاکھ ۲۳ ہزار روپے میں بیچ کر وہ رقم مولانا تاج محمود امروٹی کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔(۳۵)

رتوڈیرو کے وڈیرے میاں علی حسن گھانگھرو نے ۲۵ ہزار روپے کی زمین تحریکِ خلافت فنڈ میں دینے کا اعلان کیا ہے۔ اسی طرح سیوہن کانفرنس کے موقع پر ایک مولوی صاحب نے ساڑھے تین ایکڑ میں اسی فنڈ میں دینے کا اعلان کیا ہے۔(۳۶)

اسی طرح اکتوبر ۱۹۱۹ء سے لے کر ۳۱ جولائی ۱۹۲۱ء تک سندھ نے بیت المال میں جو رقوم جمع ہوئیں اس کی تفصیل ''الحق'' نے یہ پیش کی:

''خلافت کمیٹی کا مرکزی دفتر کراچی ہے۔ اس کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر دین محمد نے ۱۹۱۰ء سے ۳۱ جولائی ۱۹۲۱ء کا یہ حساب کتاب دیا ہے:۔

خلافت فنڈ میں جمع ہوئے	۶۵۹۲۶۔۶۔۳	روپیہ
سمرنا فنڈ میں جمع ہوئے	۲۰۴۱۱۔۱۔۴	روپیہ
خلافت رسیدیں بکری ہوئیں	۴۱۵۵۔۰۔۰	روپیہ
کتب فروخت ہوئیں	۲۹۔۶۔۰	روپیہ
کراچی مرکزی دفتر کا جملہ چندہ	۹۰۵۶۲۔۱۔۷	روپیہ (۳۷)

اس کے بعد مرکزی کمیٹی بمبئی کی طرف سے اس آمدنی اور اخراجات کے آڈٹ کے بعد سید ذاکر علی نے اسے سرٹیفکیٹ دے دیا۔

اس آمدنی سے خلافت مرکزی فنڈ اور سمرنا مرکزی فنڈ میں رقوم جمع کرائی گئیں وہ سب درج ہے۔

مولانا تاج محمود امروٹی:

یہ بات پہلے ہی بتائی گئی ہے کہ مولانا تاج محمود امروٹی ایک طرف سندھ خلافت کمیٹی کے نائب صدر تھے، تو دوسری طرف ضلع سکھر کے صدر بھی تھے۔ اس کے علاوہ جمعیت علمائے ہند کی سندھ شاخ کے صدر بھی تھے۔

مولانا امروٹی نے سندھ کے اندر سیاسی بیداری اور دینِ اسلام کی خدمت کے لیے امروٹ میں ایک پریس لگائی اور ''اخوان المسلمین'' کے نام سے ایک ماہنامہ نکالنا شروع کیا جو کہ تین سال تک اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔ انہوں نے اپنے گاؤں امروٹ میں ایک مدرسہ قائم کر کے مجاہدین پیدا کرنا شروع کیے۔ دینی علم کے ساتھ ہر طالب علم کے لیے ایسی تربیت بھی لازمی قرار دی گئی جس کے ذریعہ مجاہدین کے نصاب میں شاہ ولی اللہؒ کی کتب کو خاص طور پر شامل کیا گیا۔ تاکہ اس طرح شاہ ولی اللہ کے فکر اور فلسفہ کے ذریعہ اسلام کا فکری اور عملی انقلاب لایا جا سکے۔ اس مدرسہ کے لاتعداد طلبہ آگے چل کر اسلامی انقلاب اور تحریکِ پاکستان کے لیے ہراول دستہ ثابت ہوئے۔ ان میں مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا عبدالعزیز تھریچانی، مولانا خوش محمد دین پوری اور مولانا حماداللہ ہالیجوی جیسے ممتاز عالم اس مدرسے کے تربیت یافتہ تھے۔ اس مدرسہ میں مولانا محمودالحسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے علماء اور فضلا بھی تشریف لا چکے تھے۔ (۳۸)

مولانا تاج محمود امروٹی کا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے مسلسل دورے کر کے جلسے جلوسوں میں خطبات اور تقاریر میں تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت اور تحریکِ ترک موالات کے لیے سندھ میں زبردست جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ جس کا تذکرہ پہلے بھی کیا گیا ہے۔

تحریک خلافت کے دوران حکومت نے اس جہاد کو روکنے کے لیے کچھ وڈیروں کی معرفت ایک مولوی فیض الکریم ٹھاروشاہی سے ایک کتاب ''تحقیق الخلافت'' لکھوا کر اس پر ستر (۳۹) کے قریب علماء سے دستخط کروا کر پورے سندھ میں اس کتاب کو عام کر دیا۔ اس کتاب میں ''تحریکِ خلافت'' کو غلط قرار دینے کے لیے اس کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ (کہیں یہ تعداد ۹۵ لکھی گئی ہے) تفصیل بعد میں دی جائے گی۔ (۴۰)

اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے مولانا امروٹی نے مولانا دین محمد وفائی کو اپنے ...... اور ''اظہار کرامت'' کے نام سے ایک [illegible] جس میں قرآن و حدیث کے حوالے سے خلافت کی اہمیت اور مسلمانوں پر خلیفہ کی اطاعت اور خلافت کی حفاظت کے لیے قربانی دینا عین ثواب ثابت کیا۔ اس کتاب

پر بہت سے علمائے کرام نے دستخط کیے تھے۔ (یہ تفصیل بھی بعد میں دی جائے گی)۔جن وڈیروں' جاگیرداروں اور عالموں نے فتویٰ کے باوجود ''جشنِ صلح'' (سرکار کی طرف سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک کوشش) میں شرکت کی تھی ان کے لیے بھی مولانا امروٹی نے ۵۵ عالموں کے دستخط سے ایک فتویٰ جاری کیا تھا جو مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔اس لیے کہ تحریکِ آزادی کے سلسلے میں جتنی بھی تحریکیں اٹھیں ان کے رد میں جو مخالفین اور حکومت نے رکاوٹیں ڈالیں' ان سب کو مختصراً پیش کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح ان مجاہدین کی کوششوں اور مجاہدوں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

مولانا امروٹی نے فتویٰ جاری کرتے ہوئے کہا کہ:

سوال:۔

کیا فرماتے ہیں علماء حضرات ان مسلمانوں کے بارے میں' جو سرکار کے جشن میں عملی طور پر شریک ہوئے۔باوجود علماء کے اس فتوے کے کہ اس ''جشن'' میں شریک ہونا حرام ہے۔

(یہ جشن ۱۲ رنومبر ۱۹۱۹ء سے ۱۶ رنومبر ۱۹۱۹ء تک منایا گیا تھا۔(۴۱)

جواب:۔

ان مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اس ناجائز اور فاسقانہ عمل پر ظاہر ظہور ندامت کا اظہار کریں اور بارگاہِ الٰہی سے مغفرت کی دعا مانگیں۔دوسری صورت میں مسلمان ان لوگوں کو قابلِ ملامت جانیں اور ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں اور ان سے قطع تعلقات کریں۔

مثلاً: سلام کلام وغیرہ۔ایسے لوگوں میں سے کوئی آدمی کسی اسلامی منصب پر فائز ہو مثال کے طور پر قاضی یا پیش امام وغیرہ' تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ انہیں ان منصبوں سے ہٹا دیں' کیونکہ شرعی طور پر وہ ان مناصب کے لائق نہیں ہیں۔(۴۲)

مولانا تاج محمود امروٹی کی زندگی نہ صرف انگریزوں کے خلاف گزری بلکہ ہندو آبادی کی ریشہ دوانیوں کو بھی زائل کرنے کے لیے استعمال ہوتی رہی۔

تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد سندھ اور...... کے آریاؤں نے شدھی اور سنگھٹن تحریکیں شروع کر رکھی تھیں۔مولانا نے ان کا بھی بھرپور مقابلہ کیا۔سندھ میں یہ شدھی تحریکیں خوفناک اعداد سے اٹھیں۔ ہندو تاجر اور مالدار لوگ ان تحریکوں کے پیچھے کام کرتے رہے تھے۔ایسے لاتعداد واقعات ملیں گے جو سندھ میں مسلمانوں کی حالتِ زار اور ہندوؤں کی من مستیوں کا نمونہ تھے۔

۱۹۲۷ء میں لاڑکانہ میں آریاؤں نے ایک نئی مسلم عورت کو ورغلا کر شدھی بنا دیا۔یہ عورت شادی

شدہ تھی اور اسے اپنے مسلمان شوہر میں سے ۳ بچے بھی تھے۔ ان کی عمریں بھی ۹ سے ۱۴ سال تک تھیں۔
آریاؤں نے اس عورت کے ساتھ ان بچوں کو بھی غائب کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ وہ بچے بھی شدھی ہو گئے ہیں وہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ رہیں گے۔ مسلمانوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہ بچے مل جائیں۔ مگر انتظامیہ اور عدالتوں میں ہندوؤں کی بہت زیادہ اثر و رسوخ کی بنا پر یہ ساری کوشش ناکام گئی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے لاڑکانہ میں احتجاج اور ہڑتال کا فیصلہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوٹ مار اور توڑ پھوڑ ہوئی۔ پھر کیا تھا' مسلمانوں پر ابتلا اور آزمائشوں کا دور شروع ہو گیا۔ ایک سو مسلمان گرفتار ہوئے اور ایک سال تک ان پر عدالتوں میں مقدمے چلتے رہے۔
اسی طرح ایک ہندو عورت کا قصہ ہے جو مسلمان ہوئی تھی اور اس کا نام ''اسلام خاتون'' رکھا گیا تھا۔ اس عورت کو ہندوؤں اور انتظامیہ نے جس طرح پریشان کیا وہ ایک بڑی داستان ہے۔ اس کی پوری تفصیل میر پور خاص سے نکلنے والے ہفتہ وار رسالہ ''مسلمان'' میں آئی تھی' وہ لکھتا ہے:
''غریب بیوہ' اسلام خاتون اس وقت سخت دار و گیر میں ہے۔ کئی دنوں تک اس نے لاک اپ کی ہوائیں کھائیں۔ وہ اتنی تنگ ہوگئی کہ اس نے ایک خط اخبار کے نام لکھا ہے جو پڑھنے سے دل تڑپنے لگا ہے۔ کلیجہ ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔ آنکھیں رو رہی ہیں۔ کہ ہائے ہائے۔ اسلام کی ایک شدت سے شیدا عورت سے کیا کیا نہ کارستانیاں ہوئی ہیں۔ اصل خط کی عبارت یہ ہے:
سندھ کے مسلمان بھائیوں سے اپیل۔
''بھائیو! ایک مسلمان بہن کو ظلم سے بچایئے۔ میں ''اسلام خاتون'' عرف کشنی برہمن۔ اوباوڑو' عرض کرتی ہوں کہ میرا مقدمہ جو روہڑی میں رکھا ہوا تھا وہ اب اوباوڑو منتقل ہو گیا ہے۔ میں نے مجسٹریٹ سے عرض کیا تھا کہ وہاں تو میرا خون ہو جائے گا۔ لیکن پنچایت کے زور پر ایسا کیا گیا۔ میرے اوپر وقت بوقت دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ میں اسلامی مذہب ترک کر دوں۔ اسی بات سے مجھے انکار ہے۔ میرا سر رلانے کے لیے مقدمہ منتقل کیا گیا ہے۔
خدا کے نام پر میری مدد کیجئے اور میرا خون ہونے سے بچایئے اور اس کے لیے کوئی انتظام کریں۔''
اسلام خاتون
سکھر (۴۳)
یہ وہی حالات تھے جن سے مولانا تاج محمود امروٹی نے سخت مقابلہ کیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں کئی کتابیں شائع کیں اور سندھ کے متعدد دورے کیے۔

مولانا ہی کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سندھ کے سات ہزار ہندوؤں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ ان کے ناموں کا ریکارڈ امروٹ میں اب تک موجود ہے۔ (۴۴)

۱۹۲۶ء میں جب سکھر بیراج کا کام شروع ہوا تو دریا کے دونوں کناروں پر بڑے کینال اور شاخیں کھودی گئیں تو کئی بڑے چھوٹے گاؤں ان کے درمیان میں آگئے اور کئی مساجد بھی ان کے درمیان میں آئیں تو حکام اور انتظامیہ نے ان کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔ جتنے گاؤں درمیان میں آئے ان کا متبادل فراہم کیا گیا اور مساجد کے لیے بھی یہی طریقہ کار وضع کیا۔

اسی موقع پر مولانا تاج محمود نے حکومت کو درخواستیں ارسال کیں کہ مساجد کو شہید نہ کیا جائے۔ مگر ان درخواستوں کو کوئی بھی اہمیت نہ دی گئی۔ نتیجے کے طور پر مولانا امروٹی صاحب تین مساجد کے بچاؤ کے لیے اپنے مریدوں میں جہاد کا اعلان کر دیا۔ بہت بڑی تعداد میں لوگ مساجد کے اندر اور باہر چاروں طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت میں مولانا کبر سنی کی بنا پر بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ مگر اس تحریک کی بھی انہوں نے خود رہنمائی اور نگرانی کی۔

حکومت کے لیے بہت سنگین صورتحال پیدا ہوگئی۔ انہوں نے مولانا امروٹی کو سمجھانے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ کئی وڈیروں کے ذریعہ انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ ان کے ساتھ دوسری جگہوں پر نئے انداز کی بہترین مساجد تعمیر کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے باوجود مولانا تیار نہ ہوئے۔ اسی وجہ سے حکام کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنے فیصلے واپس لے اور ان مساجد کو شہید نہ کیا جائے۔ ان مساجد میں ایک مسجد امروٹ شہر کے نزدیک کھیر تھر کینال کے درمیان ہے جو اب بھی موجود ہے۔ وہ ''جونیجہ گاؤں'' کی مسجد تھی۔ وہ گاؤں تو اب نہیں رہا اور متبادل جگہ پر قائم کیا گیا مگر مسجد کو کینال کے درمیان اسی جگہ پر بیم اور کالم کے اوپر بنا دیا گیا۔ اس کی تصویر بھی موجود ہے۔ مسجد کو ایک کنارے سے پل کے طور پر ملا دیا ہے۔ مسافر لوگ اس مسجد میں اب بھی نماز ادا کرتے ہیں۔

دوسری دو مساجد میں سے ایک اسی کھیر تھر کینال کے درمیان ''ڈکھن شہر'' میں واقع ہے اور تیسری مسجد روہڑی کے قریب ''ایجابی گاؤں'' میں تھی۔ تینوں مساجد اسی انداز سے بنائی گئیں ہیں جس طرح پہلی مسجد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ کوئی معمولی تحریک نہ تھی۔ کئی دنوں تک اس کی رپورٹیں روزنامہ ''الوحید'' میں چھپتی رہیں۔

حضرت مولانا صاحب کا جذبۂ جہاد اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے جہاد کی نیت سے کئی گھوڑے پال رکھے تھی اور احباب کو اس لیے دے رکھے تھے کہ بوقتِ ضرورت واپس لے لیے

جائیں گے۔ امروٹی صاحب کی مجلس میں ہر وقت جہاد کی باتیں ہوا کرتی تھیں اور انہیں ان سے راحت ملتی تھی۔ (۴۵)

مولانا امروٹی اپنے رفقائے کار یا تحریک کے دوسرے کارکنوں پر کبھی بھی آنچ برداشت نہیں کرتے تھے۔ جولائی ۱۹۲۹ء میں اپنے مریدوں اور دوستوں کو ایک خط لکھا جو روزنامہ ''الوحید'' میں شائع ہوا۔ اس خط کے مطابق:

''آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت مولانا عبدالکریم چشتی اور حاجی شیخ عبدالمجید سندھی پر بے جا مقدمہ چل رہا ہے۔ یہ مقدمہ ان مجاہدینِ اسلام اور سندھ کے مسلمانوں کے ایمان کی آزمائش ہے۔ اس لیے میں اپنے معتقدین متعلقین، احباب اور واقفکار یا خلیفوں کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر پُر زور الفاظ میں گزارش کرتا ہوں کہ ان مظلوموں کی حمایت کریں اور جلد از جلد امداد شروع کریں کہ میں اپنی آنکھوں سے ان امداد کرنے والوں کے نام ''الوحید'' میں پڑھ کر خوش ہونا چاہتا ہوں۔ جو لوگ اپنے نام ظاہر نہ کرنا چاہیں وہ ''ایک مسلمان'' کے نام سے اپنی رقوم ظاہر کرائیں۔ یہ چندہ ایڈیٹر الوحید کے نام سے روانہ کریں۔

سندھ کا یہ جلیل القدر عالم، دانشور، مجاہد اور عاشقِ رسول ﷺ، متقی اور پرہیزگار مولانا تاج محمود امروٹی ۲۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو اس فانی جہاں سے کوچ کر گئے۔ (۴۶) مولانا نور محمد نظامانی ایڈیٹر ''نور الاسلام'' نے ان کی وفات پر پرسوز ادار یہ لکھا۔ (۴۷)

اکتوبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ کے اجلاس میں ایک فیصلہ ہوا، جس کے مطابق ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے پورے ملک میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ترکی کی سلامتی اور حفاظت کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ اسی دن کو ہی پہلا ''...... یوم خلافت'' کہا جاتا ہے۔

رئیس جان محمد جونیجو نے اسی تاریخ کو اپنے بنگلہ لاڑکانہ کے باہر ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا جہاں انگریزوں اور اتحادیوں کے خلاف شدید غم وغصہ کا اظہار کیا گیا۔

رئیس جان محمد جونیجو:

تحریکِ خلافت کے سلسلے میں نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں ''آل انڈیا خلافت کانفرنس'' کا پہلا اجلاس منعقد ہوا تو اس میں سندھ سے مولانا تاج محمود امروٹی، پیر تراب علی شاہ، سیٹھ عبداللہ ہارون اور شیخ عبدالعزیز کے ساتھ رئیس جان محمد جونیجو بھی شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں بھی جونیجو صاحب نے سندھ

میں نوکر شاہی کے مظالم تفصیل سے بیان کیے اور بتایا کہ ''یہ مظالم سندھ کی صوبہ بمبئی سے دوری کا سبب ہے جس کی وجہ سے سندھ کے لوگ نوکر شاہی کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ سندھ کے سادہ مسلمان جدید تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ان کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔''

جونیجو صاحب کی اس حقیقت پسندانہ تقریر کی وجہ سے مرکزی قائدین جہاں خلافت کے سلسلے میں تقریریں کر رہے تھے وہاں سندھ کے انتظامی مسائل پر بھی گفتگو کرنے لگے۔ مظالم کی مذمت بھی کی اور اصلاح کے لیے قرارداد بھی پیش کی۔

خلافت کانفرنس کے اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ حکومت کی طرف سے ۱۲ سے ۱۶ نومبر کے ''جشنِ صلح'' کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ (جمعیت علمائے ہند نے بھی شرعی دلائل سے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا) کانفرنس کے اختتام کے بعد ایک خاص میٹنگ میں اکابرین کانفرنس نے بائیکاٹ کے کام کو ضلعی طور پر تقسیم کیا اور رئیس جان محمد جونیجو کو ضلع لاڑکانہ کا کام سونپا گیا۔ (۴۴)

''دہلی خلافت کانفرنس'' سے واپسی کے بعد رئیس جونیجو نے پیر تراب علی شاہ اور سید انور علی شاہ کے تعاون سے ''جشنِ صلح'' کے خلاف اس موقع پر نہ صرف اک بہت بڑا احتجاجی جلوس نکلوایا بلکہ جلسہ بھی ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں پمفلیٹ تقسیم کروائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ''جشنِ صلح'' کا وقت آیا تو دکانداروں نے احتجاجاً چار دن کی بجائے پانچ دن تک اپنا کاروبار بند رکھا اور مکمل ہڑتال کی۔ ''مولانا دین محمد وفائی'' کے مطابق:

''۱۶ رنومبر سے ''جشنِ صلح'' کے خلاف لاڑکانہ میں ایک ہڑتال ہوئی اور سیاہ پرچموں سے ایسا جلوس نکالا کہ اس کی شان وشوکت کافی عرصہ تک یاد رہے گی۔'' (۴۹)

جب ''پہلی خلافت کانفرنس'' حیدرآباد میں ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوئی تو رئیس جان محمد جونیجو نے اس میں بڑے جذبے کے ساتھ شرکت کی اور بڑی جذباتی تقریر میں لاڑکانہ کی نوکر شاہی کی مذمت کی۔ اسی موقعہ پر اگلی تین روزہ خلافت کانفرنس ۶ سے ۸ فروری ۱۹۲۰ء کو لاڑکانہ میں تجویز ہوئی۔

جونیو صاحب نے ''لاڑکانہ خلافت کانفرنس'' کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ مرکزی رہنماؤں کو پورے ہندوستان میں دعوتیں دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کانفرنس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری اور مولانا شوکت علی کے علاوہ سندھ کے علماء اور مشائخ بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ جس کا تذکرہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔

اسی کانفرنس میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ سندھ میں نوکر شاہی کے مظالم کے خلاف ایک وفد ترتیب دیا

جائے، جو بمبئی جا کر گورنر سے ملاقات کرے۔ یہ وفد پیر آف جھنڈو، مولانا دین محمد وفائی اور دوسرے لوگوں کے علاوہ رئیس جان محمد جونیجو کی رہنمائی میں ترتیب دیا گیا۔ یہ وفد ۱۴ دن تک بمبئی میں گورنر سے ملاقات کے لیے انتظار کرتا رہا۔ مگر گورنر نے آخرکار ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سندھ میں نوکر شاہی جو کچھ کر رہی تھی وہ حکومت کی پالیسی کے عین مطابق تھا۔

بمبئی میں قیام کے دوران ''آل انڈیا خلافت کانفرنس بمبئی'' کا اجلاس بھی منعقد ہوا، جس کی صدارت سندھ کے معروف سیاستدان جناب غلام محمد بھرگڑی نے کی۔ سندھ کا وفد اس میں شریک ہوا اور رئیس جان محمد جونیجو نے اس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔(۵۰)

سندھ میں ۱۹۲۰ء کا سال حقیقت میں خلافت کا سال تھا۔ سندھ کے گاؤں گاؤں میں شہر شہر میں خلافت کے جلسے ہوئے۔ جلوس نکلے۔ اتنا زبردست جوش و خروش تھا کہ الفاظ میں اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ کانفرنسیں دو قسم کی ہوا کرتی تھیں۔ ایک سندھ سطح پر دوسری مقامی سطح پر۔ مشہور کانفرنسوں کا سلسلہ جو دس گیارہ سال تک جاری رہا وہ کچھ اس طرح ہے:

حیدرآباد	۴۔۵ جنوری	۱۹۲۰ء	
لاڑکانہ	۶۔۷۔۸ فروری	۱۹۲۰ء	(اس کے بعد سکھر میں ہوئی)
پاٹ شریف	۳۰ر اپریل	۱۹۲۰ء	
جیکب آباد	۲ مئی	۱۹۲۰ء	
حیدرآباد	۲۳ جولائی	۱۹۲۰ء	
سکھر	۸ جولائی	۱۹۲۲ء(۵۱)	
چک	۸ ستمبر	۱۹۲۲ء	
جیکب آباد	۱۱ جنوری	۱۹۲۳ء	
میہڑ (دادو)	۳۰ جنوری	۱۹۲۳ء	
سکھر	۲۹ر اکتوبر	۱۹۲۸ء	
میہڑ	۲۳ مارچ	۱۹۳۰ء	
میہڑ	۲۶ نومبر	۱۹۳۱ء(۵۲)	

اس کے علاوہ مقامی طور پر جو کانفرنسیں ہوئیں ان میں ۱۷ر مارچ ۱۹۲۰ء کو سن (دادو) میں، ۲۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو مخدوم بلاول (دادو) میں، جس میں دس ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ سن میں تو

۱۹ر مارچ کو ترکوں کے خلاف ہونے والی ناانصافی کے خلاف دن منایا گیا اور مکمل ہڑتال رہی۔ (۵۳)
ان ساری کوششوں میں رئیس جان محمد جونیجو کا جوش وخروش اور جذبہ کام کررہا تھا۔
۲۔ ۳ مئی ۱۹۲۰ء کو "صوبائی کانفرنس جیکب آباد" جو مولانا تاج محمود امروٹی کی صدارت میں منعقد ہوئی، تو رئیس جان محمد جونیجو نے اس موقعہ پر قطع تعلقات اور ہجرت پر زور دیتے ہوئے اعلان کیا کہ:
"میں آج سے انگریز سے اپنے ہر قسم کے تعلقات ختم کرتا ہوں۔ میں آج سے اپنی سرداری (وہ سردار بھی تھے) اپنی کرسی کا دوسرے نمبر کا اعزاز، اپنی میونسپل کمشنری، لوکل بورڈ کی ممبری اور بیرسٹری کی ڈگری انگریزوں کو واپس کرتا ہوں۔ صرف اتنا نہیں، بلکہ آج سے میں اپنی زرعی زمین کا لگان اور آبیانہ بھی انگریز سرکار کو دینے سے انکار کرتا ہوں۔" (۵۴)
رئیس جان محمد جونیجو کی اس پرجوش اور مجاہدانہ تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ جلسہ گاہ میں ہزاروں لوگوں نے قطعہ تعلقات کرنے اور ہجرت کرنے کے لیے اپنے نام لکھوائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت کانفرنس کے دوران ایک ہجرت کمیٹی بنائی گئی جس کا صدر پیر تراب علی شاہ اور سیکریٹری جنرل رئیس جان محمد جونیجو کو مقرر کیا گیا۔ یہ دونوں حضرات ضلع لاڑکانہ سے ہی تعلق رکھتے تھے۔
ان دنوں "روزنامہ الوحید" نے تحریک خلافت کے سلسلے میں جو خبریں شائع کیں، وہ کچھ اس طرح کی تھیں:
"۲۴ جون کو جیکب آباد میں خلافت کا ایک جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا تاج محمود امروٹی نے کی۔ مندرجہ ذیل قراردادیں منظور ہوئیں:
ضلع جیکب آباد کی انتظامیہ، خلافت کے کام کرنے والوں پر جو مظالم کیے ہیں، ان کے بارے میں کانفرنس حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ ان مظالم کی جانچ کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔
۲۔ وہ نام نہاد مسلمان جیسا کہ ہزار خان کھوسہ اور سعد خان رند اور دوسرے خلافت کے کام کرنے والوں کو تکالیف دے رہے ہیں، یہ جلسہ ان کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ ان حرکتوں سے باز آئیں، ورنہ دوسری صورت میں ان کی ان کارروائیوں کا جو بھی نتیجہ نکلے گا، ان کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔" (۵۵)
تحریکِ خلافت کے سلسلے میں سندھ سے جو چندہ ہورہا تھا، اس کی خبریں آئے دن سے اخبارات میں آتی رہتی تھیں۔
"روزنامہ الوحید" میں خبر تھی:
"جناب پیر محمد حسن جان سرہندی کی طرف سے ۵۰۷ روپیہ، ان کی حویلی سے ۶۳۲ روپے اور ٹنڈو

محمد خان عیدگاہ سے جمع شدہ رقم ۳۷۱ روپیہ جملہ رقوم اور ۱۷ سونے کی نہریں ''خلافت'' کی بیت المال کمیٹی کو ملیں۔'' (۵٦)

تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو نوجوان صحافی مولانا نور محمد نظامانی نے بھرپور حصہ لیا۔ وہ تقریر کے ساتھ تحریر کے بھی بادشاہ تھے۔

''بڑی عمر کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ''تحریکِ خلافت'' کے دوران موصوف ایسی شعلہ بیان تقریر کرتے تھی کہ لوگ جلسے کے دوران برطانیہ کے کارخانوں کے بنائے ہوئے کپڑے وہیں اتار کر انہیں آگ لگا دیتے تھی اور اس طرح وہ انگریز سرکار سے بائیکاٹ اور نفرت کا اظہار کرتے تھے۔'' (۵۷)

سندھ کی وہ شخصیات جن کو ہندوستان کی سطح پر ایک قومی رہنما مانا گیا' شیخ عبدالمجید سندھی صاحب ان میں سے ایک تھے۔ انہوں نے جس لگن' جذبہ اور جوش سے مختلف تحریکوں میں حصہ لیا اور سندھ اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے سے اپنے آپ کو وابستہ کیا' یہ ان کی شخصیت ہی تھی کہ جس کے سینے میں اتنا بڑا احساس دل دھڑکتا تھا۔

۸ ذیقعد ۱۳۰٦ھ/ ۷ جولائی ۱۸۸۹ء کو ٹھٹھہ میں ایک لڑکا دیوان لیلا رام کے ہاں پیدا ہوا جس کا نام جیٹھا نند رکھا گیا۔ جب وہ ۱۹ برس کی عمر کو پہنچا تو ۱۹۰۸ء میں وہ نوجوان مسلمان ہوگیا اور ان کا نام عبدالمجید رکھا گیا۔ یہ پوری روداد اس کتاب میں ''سندھ کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں دوری'' کے اسباب میں دی گئی ہے۔

۱۹۱۲ء میں بلقان کی ریاستوں نے ترکی کے خلاف بغاوت کی تو شیخ عبدالمجید نے سر حاجی عبداللہ ہارون کے ساتھ مل کر ''تحریک ٹریپولی'' چلائی' جس کا مقصد اٹلی کے خلاف ٹریپولی کے مسلمان کی مدد کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ صاحب سکھر سے نکلنے والے جریدے ''الحق'' سے وابستہ ہو کر مسلمانوں کی تنظیمِ نو اور اتحاد کا درس دینے لگے۔

انہوں نے رئیس غلام محمد بھرگڑی وکیل کے سیاسی مشیر کے طور پر بھی کام کیا اور یہ تعلق ۱۹۱٦ء تک قائم رہا۔ یہ وہی دور تھا جب مولانا عبیداللہ سندھی نے افغانستان میں رہ کر وہاں ہندوستان کی عارضی حکومت قائم کی اور انگریز حکومت کے خلاف کام کیا۔ انہوں نے چند خطوط ریشمی رومالوں پر لکھ کر سندھ روانہ کیے جو پکڑی گئے۔ چونکہ شیخ عبدالمجید سندھی کا تعلق بھی انہی خطوط اور تحریک سے تھا اس لیے دوسروں کے ساتھ شیخ صاحب بھی پکڑے گئے۔ ان پر مقدمہ چلا اور ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت تین سال کے لیے رتنا گری جیل (نزد پونا) میں رکھے گئے۔ وہ فروری ۱۹۱۹ء کے پہلے ہفتہ میں آزاد ہوئے اور واپس

حیدر آباد سندھ پہنچے تو جلد ہی رئیس غلام محمد بھرگڑی نے انہیں ہفتہ وار ''الامین'' کا ایڈیٹر بنا دیا۔(۵۸)

یہ وہ دور تھا جب پورے ہندوستان میں تحریکِ خلافت زوروں پر تھی۔ شیخ صاحب نے ''الامین'' کو مسلمانوں کے سیاسی شعور کی بیداری اور تحریکِ خلافت کے حق میں استعمال کیا۔ انہوں نے سیاسی سماجی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی موضوعات پر بہت سے مضامین اور اداریے لکھے۔ اسی دوران احمد آباد میں سیتا گرہ دن منانے پر انہیں دوسرے رہنماؤں کے ساتھ گرفتار کیا گیا اور تین مہینے کی تنبیہ کے بعد آزاد کر دیا گیا۔(۵۹)

خلافت کے سوال پر شیخ صاحب ''الامین'' میں لکھتے ہیں:

''...... ہم ہندوستان میں برٹش قوم کے نمائندوں کی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کو ذہن نشین کروائیں کہ مسلمان کبھی بھی یہودیوں کی طرح رہنا پسند نہیں کریں گے۔''(۶۰)

اسی دور میں شیخ صاحب نے سندھ کے مسلمانوں کو اسلامی تاریخ سے آگاہ کرنے کے لیے کچھ کتابیں شائع کیں، جو کہ وقت کی ضرورت تھیں۔ کتابیں یہ تھیں: ''تاریخ اسپین''، ''عمر بن عبدالعزیز'' اور ''تواریخی جواہر'' جو کہ ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ اس کی چند اقساط ''الامین'' میں بھی شائع کی گئیں۔(۶۱)

یہ وہی دور تھا جب یہاں کے مسلمان ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر ہجرت کر کے افغانستان جانے لگے تھے۔ شیخ عبدالمجید سندھی نے بھی یہی فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ایک تار کے ذریعہ رئیس غلام محمد بھرگڑی کو بھی مطلع کر دیا اور ''الامین'' کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں یہ جریدہ اسی سال بند ہو گیا۔

شیخ عبدالمجید سندھی نے نواب شاہ کے فیض الکریم کی خلافت پر لکھی ہوئی کتاب ''تحقیق الخلافت'' کے فتنہ کے سلسلہ میں پورے ہندوستان کا دورہ کیا وہ لکھنؤ، دہلی، امرتسر، کلکتہ، بمبئی اور دوسرے کئی مقامات پر گئے اور اس دور میں جتنی بھی کانفرنسیں اور اجتماعات مرکزی یا صوبائی سطح پر منعقد ہوئے ان میں سے بیشتر میں شیخ صاحب شریک ہوئے اور اس طرح اپنے آپ کو تحریکِ آزادی سے ہر سطح پر منسلک رکھا۔

اکتوبر ۱۹۱۹ء میں پورے ہندوستان میں یوم خلافت منایا گیا تو شیخ صاحب بھی ان جلسوں اور جلوسوں میں شریک رہے۔ جب ۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو حیدر آباد میں خلافت کانفرنس مولانا غلام محمد ملتانی کی زیر صدارت شروع ہوئی تو یہی کانفرنس سندھی میں ایک روزانہ اخبار کے جاری کرنے کا سبب بنی جس کا نام سلطان عبدالوحید کے نام سے منسوب ''الوحید'' رکھا گیا۔(۶۲) اس اخبار کا پہلا پرچہ قاضی عبدالرحمن کی ادارت میں ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء کو شائع ہوا۔ جولائی ۱۹۲۰ء میں قاضی صاحب سے ۱۹۱۰ء کے پریس

ایکٹ سیکشن ...... موجب ضمانت مانگی گئی جو ۲ ہزار روپیہ کی تھی۔ اخبار نے الوحید سیکورٹی فنڈ قائم کیا تو شیخ صاحب نے خود بھی اس میں چندہ دیا۔

۲۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کو قلم ۱۲۴۔ الف کے تحت قاضی صاحب کو اس بنا پر گرفتار کیا گیا کہ نا قابلِ اشاعت مضامین اور اداریے لکھے ہیں۔

اس گرفتاری پر صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے کراچی عیدگاہ کے نزد ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ شیخ عبدالمجید سندھی نے اس جلسے سے پرزور انداز میں خطاب کیا اور قاضی صاحب کی گرفتاری کی مذمت کی۔

۲۰ جنوری ۱۹۲۱ء کو قاضی صاحب کو تین سال کی سزا ملا کر ایک سال کی دی گئی۔ اس لیے نئے ڈکلریشن کے تحت ''الوحید'' دوبارہ ۲۵ جنوری ۱۹۲۱ء کو شائع ہونا شروع ہوا جس کے ایڈیٹر شیخ عبدالمجید سندھی تھے۔

ابھی ۷ مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ شیخ صاحب ۲ ستمبر کو گرفتار ہو گئے ان پر بغاوت کا الزام تھا اور ۲ سال کی قید با مشقت کی سزا سنا دی گئی۔ وہ ۱۴ ارجون ۱۹۲۳ء کو آزاد ہوئے۔ اسی دوران دین محمد علیگ ایڈیٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ (۶۳)

شیخ عبدالمجید سندھی آزاد ہوتے ہی اپنے مشن پر لگ گئے۔ انہوں نے خلافت کا جو منظم انداز سے کام کیا تھا اس میں جیل جانے یا باہر آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ وہ جب ۲۸ نومبر ۱۹۲۳ء کو خلافت کمیٹی صوبہ سندھ کے سالانہ اجلاس شکارپور میں سیکرٹری کے طور پر شریک ہوئے تو انہوں نے چالیس صفحات پر ایک لمبی چوڑی رپورٹ پیش کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''تحریکِ خلافت'' کو چار سال سندھ میں ہوئے ہیں۔ اس تحریک سے پہلے مسلمان گویا ایک گہری نیند میں سوئے ہوئے تھے کہ ان کو دوسرے ممالک تو کیا اپنے گھر کی بھی خبر نہ تھی ...... سندھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے پورے ہندوستان کی اس ضمن میں رہنمائی کی ہے۔ جب پورا ہندوستان خوابِ غفلت میں پڑا تھا، اس وقت اس غریب خطے کے سادہ مسلمانوں نے اسلام اور اس کی خلافت مقدس کا نعرہ لگا کر پورے ہندوستان کو بیدار کیا...... ہندوستان میں فسادات کی وجہ شدھی تحریک نہیں بلکہ شدھی پھیلانے والوں کی بدزبانی ہے اس لیے ہم نے سندھ میں ہندو مسلم سمجھوتہ کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا ہے، جس نے ان فسادات کو بہتر طور پر روکنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ہماری تحریک کا مقصد جزیرۃ العرب اور ہندوستان کی آزادی ہے۔ اگر ہندو ہمارا ساتھ نہ بھی دیں، پھر بھی ہمیں ان کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ اگر وہ سوراج اور جزیرۃ العرب کی آزادی کے سوال کو چھوڑ بھی دیں، پھر بھی ہمیں یہ سوال چھوڑنے نہیں ہیں۔ (۶۴)

شیخ صاحب جس انداز کے مجاہد تھے، جو ولولہ، جوش اور جذبہ ان کو ملا تھا، لوگ انہیں دیکھ کر رشک

کرتے تھے۔ سندھ کے ہی ایک معزز شخص علی بخش صاحب نے شیخ صاحب کے کردار کو دیکھتے ہوئے مرنے سے پہلے یہ وصیت کر دی کہ میری بیٹی کی شادی شیخ عبدالمجید سندھی سے کی جائے۔ جب شیخ صاحب رتناگری جیل سے رہا ہو کر آئے تو یہ شادی ہوگئی۔ ابھی اس کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ وہ دوبارہ گرفتار ہو گئے اور انہیں دو سال کی سزا دی گئی۔ اسی دوران ان کی بیوی وفات پا گئیں۔ جس وقت وہ سخت بیمار تھیں اس وقت شیخ صاحب کو حکومت کی طرف سے پیرول پر رہا ہو کر اپنی بیوی کو دیکھنے کے لیے کہا گیا، مگر شیخ صاحب کا جواب تھا:

''ایک مسلمان کی خوشی اور خواہش اللہ کی رحمت اور رضامندی ہوتی ہے۔ میں خدا کی رضا پر راضی ہوں اور اس سلسلے میں فرنگی حکومت کو کسی بھی قسم کی درخواست دینا یا پیرول پر رہا ہونے کے لیے میں ہرگز تیار نہیں۔''(٦٥)

١٩٢٣ء میں رہا ہو کر شیخ صاحب ''خلافت تحریک'' کے لیے بھرپور کام کرنے لگے۔ حکومت کی طرف سے انہیں کہا گیا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کے سلسلے میں ضمانت دیں۔ مطلب یہ تھا کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت اور خلافت تحریک کے لیے کام نہ کرے۔ اسی لیے انہوں نے ''الوحید'' میں دو قسطوں پر مشتمل ایک مضمون لکھا، جس کے اقتباسات یہ ہیں:

مجھ سے ضامن اور ضمانت مانگی گئی ہے۔ میرا ضامن خدا ہے اور میری ضمانت سوراج ہے۔ اگر سرکار کو ان دونوں باتوں کو قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر ایسی حکومت سے میرا کوئی تعلق نہیں، خواہ مجھے جیل میں کیوں نہ ڈالا جائے یا پھانسی پر لٹکایا جائے۔ میں فقط خدا اور اپنے ملک سے وفادار رہ سکتا ہوں۔ کسی دوسرے سے وفادار ہو نہیں سکتا۔ جن لوگوں نے ضامن دے کر آزاد ہونے کا مشورہ دیا ہے میں ان کا شکرگزار ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ان کا مشورہ قبول نہیں کر سکتا۔

جس حکومت نے میرے مذہب اور ملک سے بے انصافی کی ہے اور اب بھی کر رہی ہے اسے خود اپنی چال بہتر کرنے کی ضمانت دینی چاہیے اور ناانصافیوں کو دور کرنا چاہیے۔ میری طرف سے ضمانت دینے سے ثابت ہوگا کہ میں مجرم ہوں۔ جیل میں رہنے سے میری تندرستی ختم ہو جائے بلکہ مجھے قتل کر دیا جائے تو یہ بھی مجھے منظور ہے مگر آزادی کی جدوجہد سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی آزادی نہ صرف جزیرۃ العرب کو آزاد کرے گی بلکہ پورے ایشیا کو غلامی کی لعنت سے نجات دلائے گی۔ پھر ایک طرف آزادی ہے، دوسری طرف گائے کا گوشت یا اس کی پرستش۔ جن کو گائے کا گوشت یا اس کی پرستش چاہیے ان کو ہندوستان اور ایشیا کی آزادی کا نام بھی نہیں لینا چاہیے۔

اگر مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہر لذیذ چیز کے استعمال کو چھوڑ دینے سے ہندو مسلم متفق ہو کر پروانوں کی طرح آزادی کے شعلوں میں کود پڑیں گے تو میں درختوں کے پتے کھا کر بھی گزارا کرلوں گا مگر کسی بھی لذیذ چیز کے نزدیک نہ جاؤں گا۔''(۶۶)

ایسے باغیانہ خیالات کو ظالم حکومتوں نے کب برداشت کیا ہے۔ شیخ صاحب پھر گرفتار کر لیے گئے اور دسمبر ۱۹۲۴ء میں انہیں جیل سے جب رہائی نصیب ہوئی تو حالات بدل چکے تھے۔ خود ترکی میں خلافت کا مسئلہ ختم ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بے حد مایوس تھے۔ سندھ کے مسلمان بھی ان کے ساتھ تھے' اب شیخ صاحب ''الوحید'' کے ذریعے اس مایوسی کو ختم کرنا چاہتے تھی۔ انہوں نے تحریر اور تقریر سے لوگوں کو جھنجوڑنا شروع کیا۔ حیدرآباد کے ہوم اسٹیڈ ہال میں ۱۹۲۵ء میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا' جس میں شیخ صاحب نے برطانیہ کے تاجدار کو مخاطب ہو کر کہا:

''بادشاہ کو ہندوستان کی بادشاہت سے ہاتھ اٹھا لینا چاہئے۔ ورنہ طاقت کے زور پر اس کی شہنشائیت کو ختم کر دیا جائے گا۔

شاید انگریز مسلمانوں کی طاقت سے ناواقف ہیں۔ مسلمان ایک ایسی قوم ہیں جو تیز طوفانوں اور بلند پہاڑوں سے ٹکر کھانے میں بھی دیر نہیں کرتے۔ کیونکہ مسلمان قوم خدا کے خوف کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی۔''(۶۷)

ان تحریروں اور تقریروں سے شیخ صاحب چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے ذہنوں سے انگریز کا رعب و دبدبہ اور خوف دور ہو جائے۔ شیخ صاحب نے ایسے لاتعداد مضامین تحریر کیے جو روزنامہ ''الوحید'' میں شائع ہوئے جن سے قوم کا اخلاق اور کردار بلند ہوا۔ اس دور میں سندھ سے ہندوؤں کے ایک درجن کے قریب اخبارات شائع ہو رہے تھے۔ مگر ان سب کا مقابلہ ایک ہی روزنامہ ''الوحید'' کر رہا تھا۔

اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں جو کہ خلافتِ تحریک اور مولوی فیض الکریم کی کتاب سے متعلق تھا:

''۱۹۱۹ء کے درمیان سکھر میں مرحوم تاج محمد کی کوششوں سے دوسری مسلم لیگ کانفرنس ہوئی' جس کی صدارت سید اسد اللہ شاہ نے کی۔ اس کانفرنس میں عام مسلمانوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی' مگر یہی وقت تھا کہ خلافت تحریک غالب ہونے لگی تھی' جس کی وجہ سے سارے رہنما اور کارکن اسی ہلچل میں شامل ہو گئے......

اسی کانفرنس میں مولوی فیض الکریم کے رسالے پر ملامت کا اظہار کیا گیا۔ وہ رسالہ خلافت کے رد میں لکھا گیا تھا۔ اسی کانفرنس میں ایسی فضا پیدا ہوئی کہ پھر تو پورے سندھ میں خلافت عثمانیہ کی ہمدردی میں

مسلم لیگ نے تحریکِ خلافت کی صورت اختیار کی۔'' (۶۸)

جی ایم سید اپنی کتاب ''جب گذار یم جن سین'' میں شیخ صاحب کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ:

''حقیقت میں ایسی بزرگ ہستی کے لیے الگ کتاب اور شبلی نعمانی جیسے عالم کے قلم کی ضرورت ہے۔''

وہ براعظم ہندو پاک میں غیر معمولی صلاحیتوں' سیاسی قابلیت اور ملکی تدبر کے منتخب فرد ہیں۔ وہ کبھی کسی طاغوتی طاقت سے خوفزدہ ہو کر حق گوئی سے کنارہ کش نہ ہوئے۔ نہ عہدے کا لالچ' پیسے کا حرص' عزت کی بھوک اور فاقہ کشی کی تکلیف انہیں گمراہ کر سکی...... وہ جوشیلے مقرر تھے۔ کئی مرتبہ جیل گئے اور رہا ہوئی۔ ۱۹۲۶ء میں نومسلم کانفرنس بلائی۔ آل پارٹیز یونٹی کانفرنس کی صدارت کی۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس اجمیر کی صدارت کی اور ۱۸/اپریل ۱۹۳۰ء کو آزاد سندھ کانفرنس کی بھی صدارت کی اور ۱۹۳۳ء میں غازی عبدالقیوم کے جنازے کے مسئلے پر حکومت کی طرف سے چلائی گئی' گولی کی وجہ سے ۲۴ مسلمانوں کی شہادت پر افسوس کرتے ہوئے بمبئی کاؤنسل سے مستعفی ہوئے۔ انہوں نے سر شاہنواز بھٹو کو ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں اپنی نشست لاڑکانہ سے شکست دی۔ (۶۹)

شیخ صاحب کا قیام' پاکستان تک جدوجہد آزادی میں اپنا ایک الگ اور نمایاں کردار ہے جو اپنی اپنی جگہ پر خود بخود نظر آئے گا۔ یہاں ہم ان کی ایک گفتگو پیش کر رہے ہیں جو ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء/۲ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ کو ''الامین'' اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ یہ گفتگو کلیکٹر حیدرآباد سے ایک شعر ''ماتم جشن'' کے بارے میں ہوئی تھی۔ شعر یہ تھا:

ھو جت آواز اللہ' ات تیو کفر جو کلمو'
جتی توحید ھوات' مریم و موسیٰ تھیو عیسیٰ

(از: محمد ہاشم مخلص)

ترجمہ:

جہاں اللہ کی آواز تھی' وہاں کفر کا کلمہ ہوا
جہاں توحید تھی وہاں' مریم و موسیٰ بنے عیسیٰ

شیخ صاحب کی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس پیشی ہوئی اور یہ گفتگو ہوئی:

ڈی ایم: یہ نظم مسٹر محمد ہاسم کی ہے؟

شیخ صاحب: جی ہاں۔

اس کا مطلب یہ نکالا جاتا ہے کہ مسجدوں کو بدل کر گرجا بنائے گئے ہیں۔ جس کے لیے میں تمہیں

تنبیہ کرتا ہوں۔

شیخ صاحب! یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فلسطین پر پہلے ترک مسلمانوں کی حکومت تھی اب اس پر فوجی قبضہ ہے۔

ڈی ایم! کس کا فوجی قبضہ ہے؟

شیخ صاحب! انگریزی فوجوں کا۔

ڈی ایم! فلسطین میں ہندوستانی فوج ہے نہ کہ انگریزی۔

شیخ صاحب! مگر قبضہ انگریزوں کا ہے اور مذکور شعر اپ کو یاد دلاتا ہے کہ پاک جگہوں کے متعلق اپ نے جو وعدے مسلمانوں سے کیے تھے وہ پورے نہیں کیے گئے۔

ڈی ایم! ہم نے آپ کی پاک جگہوں کی بے حرمتی نہیں کی ہے۔ یہ بات ان ہندوستانی عملداروں سے دریافت کر سکتے ہیں جو فلسطین' عراق اور عرب سے واپس آئے ہیں۔

شیخ صاحب! آپ پاک جگہوں کا مطلب صحیح طور پر سمجھ نہ پائے ہیں۔ پاک جگہوں کا مطلب عمارات اور مساجد نہیں بلکہ شہر اور علاقے ہیں۔

ڈی ایم! پاک جگہوں کا یہ مطلب نہیں نکل سکتا۔

شیخ صاحب! مسلمان یہی مطلب سمجھتے ہیں۔ خود لائڈ جارڈ نے جب یہ وعدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی پاک جگہوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا تو یہی معنی لی جاتی ہے اور آپ برٹش سلطنت کی بڑی خدمت کریں گے جب بااختیار لوگوں کے ذہن پر یہ بات لاؤ گے کہ پاک جگہوں کا مطلب پاک شہر' پاک علاقے ہیں نہ کہ عمارت۔ بائبل میں فلسطین کو Holy Land یعنی مقدس زمین کہا گیا ہے۔ عربی میں ارض مقدس کہتے ہیں۔ جس سے مراد پورا علاقہ ہے نہ کہ خاص عمارت ہے۔ (یہاں پر کچھ اختیار کیا گیا ہے)

ڈی ایم! خلافت ایک مذہبی مسئلہ ہے اس میں سیاست کو ملاتے ہو؟

شیخ صاحب! اسلام کے مطابق ہم سیاست کو مذہب سے الگ نہیں کر سکتے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ سلطان ہمارا خلیفہ ہے اس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ پاک ممالک سلطان کے قبضے میں رہیں۔ جب ملکوں کا ذکر آیا تو ساری بات سیاسی بن گئی۔

ڈی ایم! آج کل مسلمانوں میں Loilent religious feelings یعنی جہاد کا جوش بیدار کیا جارہا ہے لوگوں کے خطرناک مذہبی احساسات کو بیدار کر رہے ہو۔

شیخ صاحب! جب تک ہمارے مذہبی اصولوں کے مطابق فیصلہ نہیں کیا جاتا' اس وقت تک میرا یہ بھی

فرض بنتا ہے کہ لوگوں کو معقول مذہبی جوش دلا کر ان کو کامیاب قانونی جدوجہد کے لیے تیار کریں۔
(Successfull constitutional agitation)

ڈی ایم! کسی زمانہ میں پوپ کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی رومن کیتھولک عیسائیوں کا مذہبی پیشوا ہے جس طرح سلطان آپ کا ہے۔

شیخ صاحب! ہمارے خلیفہ کا درجہ وہی ہے جو شہنشاہِ ہند کا ہے۔

ڈی ایم! شہنشاہ معظم (King Emperor) نہ فقط برٹش سلطنت کا بادشاہ ہے بلکہ مذہبی پیشوا بھی ہے۔

شیخ صاحب! جی ہاں! پراٹسٹنٹ چرچ (Protestant church) کا مذہبی پیشوا ہے اسی طرح سلطان المعظم بادشاہ بھی ہے اور مذہبی پیشوا بھی۔'' (۷۰)

شیخ عبدالمجید سندھی کی وہ قد اور شخصیت تھی جس کے پیش نظر آل انڈیا یونٹی کانفرنس ۱۹۳۲ء کی انہوں نے صدارت کی۔ اس کانفرنس میں سندھ اور ہند کے ممتاز رہنماؤں نے شرکت کی تھی۔ (۷۱)

شیخ صاحب نے سندھ کے جاگیرداری نظام سے بغاوت کی اور وڈیرا شاہی کا مقابلہ کیا اور سندھ کی سیاست میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ وہ سندھ کی بمبئی کاؤنسل کی نشست پر کراچی سے کھڑے ہوئے اور خان بہادر خیر محمد خان چانڈیو کو شکست دی۔ مگر جب غازی عبدالقیوم کے جنازہ کے مسئلہ پر مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو شیخ صاحب نے الحاج محمد ہاشم گزدر کے ساتھ کاؤنسل کے ایوان میں تہلکہ مچادیا اور احتجاجاً مستعفی ہوگئے۔ اس کے نتیجہ میں قوم نے ان کی قدر کی اور وہ دوبارہ بلا مقابلہ کونسل کے رکن منتخب ہوگئے۔

صوبۂ سندھ کی علیحدگی کے بعد انہوں نے لاڑکانہ سے سر شاہنواز بھٹو کا مقابلہ کیا جب کہ سر شاہنواز اس وقت حکومتِ سندھ کے چیف ایڈوائزر بھی تھے' پھر بھی شیخ صاحب نے انہیں شکست دی۔ (۷۲)

شیخ صاحب قرارداد لاہور کے اصل محرک تھے۔ سندھ مسلم لیگ کو آرگنائز کرنے کا سہرا ان کے سر ہے۔ وہ کچھ عرصے کے لیے سندھ کے وزیر خزانہ بھی رہے۔ انہوں نے مسلم اتحاد کے لیے وزارت بھی پیش کی۔ پاکستان کے بعد ایوب خان کو ڈکٹیٹر کہا اور بغاوت کے الزام میں گرفتار بھی ہوئے' مقدمہ بھی چلا۔ قائداعظم نے انہیں اخلاص کا مجسمہ کہا' ابوالکلام نے صاحب کلام کہا' گاندھی نے نڈر سپاہی کہا' علی برادران نے اپنا بھائی کہا۔ بی اماں نے اسے بیٹا کہا۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنا جانشین کہا' مولانا محمد صادق نے دست راست کہا' حکیم سیوہانی اور مولانا وفائی نے آنکھوں کا تارا اور صداقت کا راہی کہا اور عبداللہ ہارون انہیں سرچشمۂ حریت کہتے تھے۔ وہ ہمیشہ کھدر میں ملبوس رہے۔ (۷۳) وفات: ۲۴ مئی ۱۹۷۸ء۔

یہ بات تو اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ ۱۹۱۹ء کی خلافت کانفرنس منعقدہ حیدرآباد میں سندھ کے علماء اور تعلیم یافتہ طبقے نے روزنامہ ''الوحید'' کے اجراء کا فیصلہ کیا اور یہ روزنامہ مارچ ۱۹۲۰ء میں جب شائع ہونے لگا تو اس کا پہلا ایڈیٹر قاضی عبدالرحمٰن (۷۴) کو بنایا گیا تھا۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء کو ان کا ایک اداریہ ہے:

''اسلام کا آخری اور مذہبی مرکز دارالحکومت قسطنطنیہ اس وقت دشمن کے گھیرے میں ہے...... یاد رکھیے آج اس کی مدد کرنے میں اگر ہم نے کوتاہی کی تو... گویا ہم نے کاٹنے والوں کی مدد کی......

آج ساری مسیحی دنیا اسلام کو فنا کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہے... اگر مسلمان مسیحی دنیا کی سازشوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے مقاماتِ مقدسہ پھر خلیفۃ المسلمین کے قبضے میں لانا چاہتے ہیں تو ان کو فوراً اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ (۷۵)

قاضی عبدالرحمٰن نے الوحید کے ذریعے خلافتِ تحریک اور دوسری تحریکوں کے لیے سندھ میں ایسی ہلچل پیدا کر دی کہ حکومت اس سے بہت پریشان ہوگئی اور آخر کار سٹی مجسٹریٹ کراچی کے ذریعہ ایک نوٹس دیا گیا کہ:

''سال ۱۹۱۰ء کے پریس ایکٹ' سیکشن ۳/۱ کے تحت تمہیں کہا جاتا ہے کہ فوراً دو ہزار روپیہ کی ضمانت ادا کریں۔''

اس حکم میں نہ کوئی سبب بتایا گیا تھا اور نہ کوئی وقت دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۸ جولائی ۱۹۲۰ء کا اخبار شائع نہ ہوسکا۔ مگر ۲۹ جولائی کے اخبار میں انہوں نے ایک اداریہ تحریر کیا' جس میں چندے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس کے جواب میں پورے سندھ سے رقمیں آنا شروع ہوگئیں۔ ۳۱ جولائی کے ''الوحید'' ہی کی ایک خبر ہے' جس سے اندازہ ہوگا کہ سندھ کے لوگوں کو اپنی تحریکوں' اپنے رہنماؤں' اپنے کارکنوں اور اپنے اداروں کا کتنا احساس تھا۔

''حیدرآباد۔ خلافت کمیٹی کے سیکرٹری شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف سے تار ملا ہے کہ ضمانت کے لیے میری طرف سے ۵۰ روپیہ اور میری اہلیہ کی طرف سے ۱۶۰ روپیہ کا زیور قبول کیجئے۔ اس مقصد کے لیے خاص فنڈ قائم کریں۔ کوئی فکر نہ کریں۔'' (۷۶)

چونکہ قاضی صاحب اپنے اداریوں اور خلافتی یا دوسری خبروں اور مضامین کے ذریعہ حکومت پر تنقید سے باز نہیں آتے تھے' اس لیے انہیں ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری سے ایک دن پہلے انہوں نے لکھا تھا۔

''میری گرفتاری کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں۔ مجھے کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ میرا جرم کیا ہے۔ یہی

کہ میں خلافت کے خالص دینی مسئلہ پر برٹش سرکار پر نکتہ چینی کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ انگریز سرکار ترکی خلافت کے خلاف سازشیں بند کر دی۔ اسی مقصد کے لیے میں ''الوحید'' کو استعمال کرتا ہوں۔ میری یہی سرگرمیاں ہیں جو نوکرشاہی کو بے چین کرتی ہیں۔'' (۷۷)

قاضی صاحب کی گرفتاری کے خلاف پہلی جنوری ۱۹۲۱ء کو کراچی عیدگاہ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا' جسے شیخ عبدالمجید سندھی اور حاجی عبداللہ ہارون اور دوسرے رہنماؤں نے خطاب کیا۔ اس جلسے کی پوری رپورٹ روزنامہ ''الوحید'' میں شائع ہوئی۔ ایک قرارداد بھی پیش کی گئی جو کہ شیخ عبدالعزیز نے پیش کی:

''کراچی کے عوام کا یہ جلسہ ''الوحید'' کے ایڈیٹر قاضی عبدالرحمٰن کو ان کی گرفتاری پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ اسلام کی عظمت اور ملک کی آزادی کی خاطر' گرفتاری کی تکالیف کو صبر اور بہادری سے برداشت کریں گے۔......'' (۷۸)

قاضی صاحب نے ۲ نومبر ۱۹۲۰ء کے اخبار میں خلافتِ تحریک کے سلسلے میں ترک موالات پر مضمون لکھا تھا' جس کی بنا پر یہ گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ یہ تین مضامین تھی۔ قانونی طور پر وہ سخت قسم کے جرم تھی۔ ہر ایک مضمون کے لیے ایک سال قیدِ بامشقت کی سزا تھی' مگر یہ تینوں مل کر ایک سال کی سزا بن گئی۔ (۷۹) قاضی عبدالرحمٰن صاحب کچھ عرصے کے لیے سندھ خلافت کمیٹی کے سیکرٹری بھی رہے۔ وہ زندہ دل واعلیٰ دماغ کے مالک تھے۔ انہوں نے سندھ کے عوام کی ہر مشکل وقت میں رہبری اور رہنمائی کی' جسکی بدولت آگے چل کر آزادی نصیب ہوئی۔ قاضی صاحب کا دوسری تحریکوں میں کردار ان ہی صفحات میں پیش کیا جائے گا۔ جی ایم سید اپنی کتاب ''جب گذاریم جن سین'' میں رقمطراز ہیں:

''۱۹۲۴ء میں انگریزی اخبار ''مسلم ایڈووکیٹ'' جاری کیا۔ جنوری ۱۹۲۱ء میں خلافت اور کانگریس چلانے میں انہیں جیل جانا پڑا۔ ۱۹۲۲ء میں سندھ پراونشل کانگریس کے سیکرٹری منتخب ہوئے اور ۱۹۲۴ء تک اس عہدے پر کام کیا۔ وہ حاجی عبداللہ ہارون کے سیاسی سیکرٹری بھی تھے' ساتھ ہی ساتھ خلافت کمیٹی کے سیکرٹری بھی تھے۔ اس کے علاوہ وہ کئی اورزاداروں اور جماعتوں کے بھی عہدیدار رہے۔ ۲۴ جون ۱۹۵۸ء بمطابق ۵ ذوالحج ۱۳۷۷ھ کو وفات پا گئے۔'' (۸۰)

جی ایم سید:

لاڑکانہ میں خلافت کانفرنس ۷۔۸۔۹ فروری ۱۹۲۰ء کو بڑے اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی۔ اس مرکزی خلافت کانفرنس میں متعدد رہنما شریک ہوئے' خاص طور پر مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا شوکت علی

اور مولانا عبدالباری۔ پورے سندھ سے وفود بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔

جی ایم سید اس دور میں ابھی ۱۶ برس کے نوجوان تھے وہ بھی اپنے گاؤں ''سن''، ضلع دادو سے اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے گاؤں ''سن'' میں خلافت کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام بنایا۔ جب اس کانفرنس کا علم حکومت کو ہوا تو سندھ کے کمشنر نے (جو اس وقت کوٹری میں مقیم تھا) جی ایم سید کو اپنے پاس بلوایا' انہیں کانفرنس کے انعقاد سے منع کیا اور دھمکی بھی دی کہ اگر اس نے ان کی بات نہ مانی تو پھر ان کے مرحوم والد کی ''کورٹ آف وارڈس'' کی زمین سے جو ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے' وہ بند کر دیا جائے گا۔ مگر اپنے ارادے کے پکے سید صاحب نے انہیں صاف جواب دے دیا کہ ''وہ ان کا کہا نہیں مانیں گے اور کانفرنس کا انعقاد ضرور ہوگا۔ اس سلسلے میں اگر تکالیف اور دشواریاں پیش آئیں تو وہ بھی برداشت کرنے کو تیار ہیں۔''

مقررہ تاریخ پر ''سن'' (ضلع دادو) میں ایک شاندار خلافت کانفرنس ہوئی' جس کی صدارت سندھ کے عالم اور ادیب و دانشور حکیم فتح محمد سیوھانی نے کی۔ جن رہنماؤں نے خطاب کیا ان میں شیخ عبدالمجید سندھی' ڈاکٹر شیخ نور محمد' شیخ عبدالعزیز' شیخ عبدالسلام اور دوسرے کئی رہنما شامل تھے۔ ''سن'' کوئی بڑا شہر نہیں تھا۔ ایک قصبہ تھا۔ اس کے باوجود پسکر دانی سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ طعام و قیام کا بندوبست خود جی ایم سید نے کیا۔ کانفرنس کے علاوہ ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء کو تحریک کے مرکزی رہنماؤں کی طرف سے ہڑتال کی اپیل بھی کی گئی' جس کے نتیجے میں اسی دن کو پورے ''سن'' میں مکمل ہڑتال رہی۔

اس کے بعد حیدرآباد میں ۲۲۔۲۳ مئی ۱۹۲۰ء کو ''سندھ خلافت کمیٹی'' کی میٹنگ مسٹر نور محمد وکیل کے زیر صدارت ہوئی تو جی ایم سید اس میں بھی شریک تھے۔ اس میں جو فیصلے کیے گئے تھے ان میں زیادہ اہم یہ تھے:

۱۔ صوبہ سندھ خلافت تحریک کو زیادہ موثر بنانے کے لیے فنڈ قائم کیا گیا۔

۲۔ سندھ خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کرنے کے لیے ایک گشتی وفد تشکیل دیا گیا اور پروگرام مرتب کیا گیا۔ جی ایم سید اس پورے عرصے کے دوران بے حد سرگرم عمل رہے۔ اس وقت تو ہر آدمی کی زبان پر علامہ شبلی نعمانی کا یہ شعر ہوتا تھا۔

خلافت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک
زوال دولتِ عثمان' زوالِ ملک و ملت ہے'
عزیزو! فرزند و عیال خانمان کب تک (۸۱)

اس تمام صورتحال سے جی ایم سید اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے کھدر کے کپڑے پہننے اور سر پر

عمامہ باندھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے ''المسلمین'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کے تحت عام سماجی کام سرانجام دیئے جانے لگی۔ اس لیے کہ جب تک تربیت نہیں ہوگی تو کوئی بھی تنظیم نہیں چل سکے گی۔ جی ایم سید نے لوگوں کو اس سماجی تنظیم کے تحت تربیت بھی دینا شروع کی۔ ان کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ عام آدمی میں سے جہالت کو دور کیا جائے اور اسی سے ہی ہر مقصد میں کامیابی ہو سکتی ہے۔

جی ایم سید نے آزادی تک ایک بہترین کارکن' بہترین رہنما اور منجھے ہوئے سیاستدان کے طور پر جو کام کیا وہ اگلے صفحات میں آئے گا۔ مگر تحریکِ آزادی کی کامیابی کے بعد ان کا کردار پہلے سے بالکل بدل گیا۔ وہ کردار کیا ہے وہ ہمارے سامنے ہے اور ہم خود اس کے شاہد ہیں۔

مولانا خیر محمد نظامانی:

جمعیت العلمائے ہند کے کلکتہ میں ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ:

''انگریزوں نے ترکی کے معاملات میں کھلے طور پر اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کی ہے..... اسی لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے ان دشمنوں سے ترک موالات کریں۔'' اس قرارداد کے منظور ہونے سے قطع تعلقات کا رجحان زور پکڑ گیا۔

خیر محمد نظامانی (۸۲) ابھی بچہ ہی تھے لیکن جیسے ہی ''قطع تعلقات'' تحریک شروع ہوئی تو وہ بھی خلافت کے سلسلے میں ان بچوں میں شامل ہو گئے' جنہوں نے احتجاجی طور پر اپنی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اور خلافت کی تحریک کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے کام شروع کر دیا۔ انہوں نے شہر شہر گاؤں گاؤں' جہاں بھی جلسہ ہوا وہاں خطاب کر کے لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی۔ بس یہی ان کا مشن بن گیا۔ لوگ اس ننھے منے بچے کی زبان سے معصومانہ انداز میں جب حقائق سنتے تھے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں سکتے تھے۔ ان کے حوصلے اور جذبات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ اس ننھے بچے کو کندھوں پر بٹھا کر جلسہ گاہ تک لاتے تھے اور کندھوں پر بٹھا کر تقریریں کرواتے تھے۔ وہ انگریزوں سے بغاوت کرنے اور خلافت کے لیے جذبۂ عمل کی باتیں اس انداز میں کرتے تھے کہ لوگ اپنے اندر ایک ایمانی حرارت محسوس کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ یہ رپورٹ حیدرآباد کے کلکٹر تک پہنچ گئی۔ آخرکار وہ پہلی مرتبہ بغاوت کے الزام میں جولائی ۱۹۲۳ء میں گرفتار کر لیے گئے۔ اس وقت نظامانی صاحب کی عمر فقط ۱۴ برس کی تھی۔ اگلے روز مسٹر بونس کلکیٹر کی کورٹ میں انہیں پیش کر دیا گیا۔ اس وقت ایک ملزم اور مجسٹریٹ کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حیران کن اور ایمان افروز تھی:

سوال: تمہارا نام؟

جواب: آزاد۔

سوال: تمہارے باپ کا نام؟

جواب: اسلام۔

سوال: تمہاری ذات؟

جواب: قطع تعلقات۔

سوال: کیا کرتے ہو؟

جواب: حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے لوگوں کو ابھارتا ہوں۔

سوال: معافی چاہتے ہو؟

جواب: نہیں۔

سوال: آزادی کے لیے ضامن دو!

جواب: میرا ضامن خدا ہے۔

یہ جوابات اتنے اعتماد اور دلیری سے دیے گئے تھے کہ انگریز کلیکٹر حیران رہ گیا تھا۔ اگلے روز یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ سارے اخبارات میں شائع ہوگئی۔ ''الوحید'' نے تو اس کو عنوان دیا ''ایک بہادر خلافتی لڑکا'' اور اس پر اداریہ لکھا۔ بلکہ روزنامہ ''ہندو'' نے بھی اداریہ لکھا۔

اس دور میں حیدرآباد کے ''خلافت تحریک'' کے رہنما مسٹر عبدالجبار ایڈووکیٹ نے کمسن نظامانی کو دینی تعلیم کے لیے ''مدرسہ مظہر العلوم کھڈ (کراچی) میں داخل کروایا۔ اس طرح ان کی تعلیم دوبارہ شروع ہوگئی۔ انہیں مطالعے کا بڑا شوق تھا۔ عملی زندگی میں انہوں نے مختلف رسالے نکالے اور صحافتی میدان سے مختلف تحاریک کی بھرپور خدمت کی۔ نواب یوسف علی خان آف بلوچستان نے انہیں ''سندھ کا ابوالکلام آزاد'' کہا۔ (۸۳) مولانا نظامانی ''خاکسار تحریک'' سے وابستہ تھے' اس لیے اس کا الگ اور مختصر تعارف آگے چل کر پیش کیا جائے گا۔

پیر رشد اللہ شاہ راشدی (۸۴)

پیر صاحب کی سیاسی زندگی کا آغاز ریشمی رومال تحریک سے ہوا جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ جیسے ہی خلافت تحریک شروع ہوئی تو پیر صاحب نے اس میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ لاڑکانہ خلافت کانفرنس

۶۔۷اور ۸۔۱۹۲۰ء کی صدارت پیر صاحب نے فرمائی۔(۸۵) جب فیض الکریم کی کتاب کا رد لکھا گیا اور فتواؤں کا سلسلہ شروع ہوا تو پیر صاحب نے ان کی تصدیق اور تائید میں فتویٰ جاری کیا۔(۸۶) اور جب ترکی سے طے کی ہوئی شرائط پر مشتمل ایک یادداشت گورنر جنرل کو دی گئی تو دوسرے علماء کے ساتھ پیر صاحب نے بھی اس پر دستخط کیے۔(۸۷) مگر حکومتِ وقت نے اس پر کوئی توجہ نہ دی تو خلافتی علماء نے ''ترکِ موالات'' کے لیے بھی ایک فتویٰ جاری کیا۔ پیر صاحب نے اس کی بھی تصدیق کی۔''(۸۸)

پیر رشد اللہ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ''تحریکِ خلافت'' کے دوران ''انگورا فنڈ'' کے لیے تیس ہزار روپے جمع ہوئے۔ خود بھی اکثر معاونت کرتے رہتے تھے۔''(۸۹)

مولانا حکیم شمس الدین:

حکیم شمس الدین (۹۰) خلافتِ تحریک سے متاثر ہو کر خود بھی ان رہنماؤں میں شامل ہو گئے۔ وہ تحریک کے کئی عہدوں پر فائز رہے اور جلسوں میں انگریزوں کے خلاف اپنے دل کی آواز سے لوگوں کو متاثر کرتے تھے۔(۹۱) تحقیق الخلافت کے رد میں حکیم صاحب نے بھی فتویٰ جاری کیا اور تحریک کی ہمیشہ مالی امداد کی۔

مولانا عبدالقادر لغاری:

مولانا عبدالقادر لغاری ولد خیر محمد خان لغاری (ولادت: ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء کو میاں بخش لغاری تعلقہ میر پور ماتھیلو) نے بھی خلافت تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کا تعلق مولانا عبیداللہ سندھی کے مکتبِ فکر سے تھا۔ انہوں نے بھی ترکِ موالات کے سلسلے میں فتویٰ جاری کیا اور اس کی تصدیق میں حصہ لیا۔ انہوں نے اپنے طور پر خلافت تحریک کی بہت مالی امداد بھی کی۔(۹۲)

مولانا عبدالکریم چشتی:

مولانا عبدالکریم چشتی ولد میاں عبداللہ (ولادت ۱۳۱۹ھ ۱۸۹۲ء شکارپور) طبیب تھے عالم تھے صحافی تھے۔ تحریک آزادی کی راہ میں جتنی بھی تحریکیں اٹھیں ان میں بھرپور حصہ لیا۔ تقریر اور تحریر میں نام پیدا کیا اور انہیں ''سحبانِ سندھ'' کا خطاب ملا۔(۹۳)

چشتی صاحب نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز بھی ''تحریک خلافت'' سے کیا تھا۔ غربت اور افلاس

کے باوجود انہوں نے ''تحریکِ خلافت'' کی بے لوث خدمت کی اور خود نے فنڈ میں حصہ لیا۔ جگہ جگہ جا کر اس کا پرچار کیا۔ وہ کون سا جلسہ تھا جس میں انہوں نے جذبات کے دریا نہ بہائے ہوں۔ اس کے نتیجے میں انہیں کیا ملا؟ ہر مرتبہ جیل کی سلاخیں۔ وہ تین مرتبہ جیل بھیجے گئے۔ پہلی مرتبہ فوجداری جرم میں بغیر اجازت جلوس نکالنے پر ایک مہینہ کے لیے۔ دوسری مرتبہ دفعہ ۱۴۴ کو توڑنے کی بغاوت کے جرم میں چار مہینے کے لیے اور تیسری مرتبہ دفعہ ۱۰۸ کی بغاوت کے جرم میں ۱۲ مہینے کے لیے۔ (۹۴)

حکومت نے جب ''امن سبھائیوں'' کی طرف سے خلافت کی حقیقت اور سچائی کو بدلنے اور نام نہاد ملاؤں سے فتوے دلوائے تو ان کے رد میں جو کتابیں منظرِ عام پر آئیں اور فتوے پیش ہوئے تو مولانا چشتی ان میں شریک تھے۔ وہ خود بھی کافی عرصہ تک سندھ خلافت کمیٹی کے نائب صدر رہے۔ (۹۵) جی ایم سید کے مطابق، ''تحریکِ خلافت'' عدم تعاون اور سول نافرمانی میں حصہ لیا اور تین مرتبہ جیل گئے۔ شدھی تحریک کے خلاف انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی۔ آزادی کے لیے سندھ میں سوراج سودیشی اور ہندو مسلم ایکتا کا پرچار کیا۔ وہ اچھے صحافی تھے۔ صداقت، الحنیف، پیغام، جمہور، آزاد، مجاہدِ پاکستان وغیرہ اخبار اور جرائد جاری کیے یا ان کے ایڈیٹر کے طور پر کام کیا۔ سندھ خلافتِ کمیٹی کی طرف سے ''خدام الحج'' کے پریذیڈنٹ رہے۔ وہ اچھی طبیب تھے۔ حاجیوں کو مفت دوائیں دیتے تھے۔ ایک اچھے مقرر کے طور پر انہیں ہر کانفرنس میں ضرور بلایا جاتا تھا۔ نہ فقط سندھ میں بلکہ پورے ہندوستان میں۔ وہ سندھ خلافت کمیٹی کے نائب صدر جمعیت العلماء کے نائب ناظم اور کئی دیگر اداروں کے عہدیدار تھے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۶۴ء کو وفات پا گئے۔ (۹۶)

سندھ کے لاتعداد علمائے کرام سندھ میں تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی اس پلیٹ فارم پر بڑی جذبے اور جوش سے آ گئے۔ پورے صوبہ سندھ میں انہوں نے ایک ہلچل سی مچا دی۔ اخراجات کے لیے فنڈ جمع کیا۔ اپنی جیب سے قربانی دی۔ کئی جیل بھی گئے، مگر انگریز حکومت کو بتا دیا کہ زندہ قوم کیسی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار اسمائے گرامی پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

آغا پیر عبداللہ جان سرہندی (۹۷)

عرف شاہ آغا سرہندی آف ٹنڈو سائیں داد (ٹنڈو محمد خان ضلع حیدرآباد) انہوں نے خلافتِ تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور ان فتواؤں پر دستخط کیے جو حکومتی ملاؤں کے خلاف دیئے گئے تھے۔ وہ اکثر

خلافت تحریک کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے اور مالی تعاون بھی کیا۔ اس کے باوجود انہوں نے انگریزی کپڑوں کے استعمال پر اختلاف بھی کیا۔ (۹۸)

مولانا مفتی سعد اللہ انصاری (۹۹)

اصل نام عبدالرحیم انصاری آف ہالا' تحریکِ خلافت میں دوسرے علماء ومشائخ کے ساتھ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہر طرح سے اخلاقی اور مالی طور پر بذاتِ خود مدد کی اور عوام میں دینی حمیت کا جذبہ پروان چڑھایا۔

پیر ضیاء الدین شاہ راشدی:

پیر ضیاء الدین شاہ راشدی اپنے والد (پیر آف جنڈہ۔ ضلع حیدر آباد) کی طرح تحریکِ خلافت میں عملی طور پر حصہ لیا۔ انہوں نے نہ صرف عام اجلاسوں میں شرکت کی بلکہ فتوے جاری ہوئے تو ان سے بھی متفق رہے اور دستخط کیے' خود نے مالی تعاون بھی کیا اور تحریک کو عام کرنے میں بہت کوششیں بھی کیں۔ (۱۰۰)

حافظ اسد اللہ شاہ ٹکھڑائی ولد سید سید الہ بخش شاہ' تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی پورے جذبے کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ اہم قومی کانفرنسوں میں بھی شریک ہوئے' یہاں تک کہ مالی طور پر بھی تعاون کیا۔ علماء کی طرف سے جو فتوے جاری ہوئے ان میں بھی حصہ لیا اور جتنے حکومتی فتنے سندھ میں اٹھے ان کو ناکام بنانے میں اگلی صف میں شامل رہے۔ (۱۰۱)

ان کے علاوہ مولانا خادم حسین جتوئی بن محمد جیئل' مولانا عبداللہ شاہ' فتاحی بن محمد شاہ' مولانا عبدالکریم مگسی بن غلام حسین مگسی' مولانا غلام حسین جمالی' مولانا حکیم فضل محمد نوشہرائی' مولانا محمد اسماعیل بھنو بن ملا کمن' مولانا محمد صالح شیخ (جو ہندو کے گھر میں پیدا ہوئے اور پھر مسلمان ہوئے) مولانا محمد عثمان شیخ بن مولوی احمد شیخ اور مولانا نبی بخش عودی بن غلام حسین سومرہ نے تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی اس میں بھرپور حصہ لیا۔ خلافتی جلسوں میں بڑے جذبے اور جوش سے شریک ہوئے۔ حکومتی ملاؤں کی طرف سے جتنے بھی فتنے اٹھے یا کتابیں لکھی گئیں' ان کے رد میں جو فتوے جاری ہوئے ان میں شامل رہے اور ہر طرح سے اپنی خدمات سے تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لیے جدوجہد کی۔ (۱۰۲)

مولانا نذیر حسین جتوئی:

مولانا نذیر حسین جتوئی نے بھی تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر دیا۔ تحریک کے ہر جلسے میں وہ انگریزوں کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔(۱۰۳)

انہوں نے تحریک کے دوران سندھی میں جو نظمیں لکھیں ان کا نمونہ یہ ہے:

بغاوت منهنجي فطرت آ مان باغي تهي گذاريندس

سجي سنسار جي ردي سرشتي کي سدهاريندس

(بغاوت میری فطرت ہے۔ میں باغی رہ کر گزاروں گا اور پورے سنسار کے بیکار شعبوں کو سنواروں گا۔)

ان کے علاوہ مولانا یار محمد شکار پوری، مولانا میاں محمود، مولانا محمد قاسم (ٹنڈو جام) مولانا محمد صادق انڈھڑ عرف سہو، مولانا محمد سلیمان، حاجی ہارون، مولانا محمد حسین زئر ولد حاجی جڑیو اور مولانا عبدالعزیز ولد مولوی محمد حیات نے بھی تحریکِ خلافت کا آغاز ہوتے ہی اپنے اپ کو اس سے وابستہ کر لیا۔ کوئی ایسا جلسہ نہ تھا جس میں انہوں نے شہرت نہ لی اور دامے درمے مدد نہ کی ہو۔ انگریزی کپڑا پہننے کو حرام ٹھہرایا گیا تو اس کی بھی تصدیق کی اور ''تحقیق الخلافت'' کے رد میں جاری کیے ہوئے فتویٰ پر بھی دستخط کیے۔(۱۰۴)

مولانا عبدالخالق کنڈیاروی (۱۰۵)

بھی خلافت تحریک شروع ہوتے ہی اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور ہر جلسہ میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوئے۔ دورانِ تحریک جتنے بھی فتنے اٹھے، تحقیق الخلافت جیسی کتابیں حکومت کی طرف سے شائع ہوئیں یا حکومتی ملاؤں نے خلافت کے خلاف فتوے جاری کیے، مولانا عبدالحق ان کے خلاف اور ان کے جواب میں ہر پلیٹ فارم پر موجود رہے انہوں نے سندھ کے عوام کو اصل حقیقت سے روشناس کرانے میں بڑی جدوجہد کی۔

اس کے علاوہ مولانا عزیز اللہ بن قاضی عبداللہ، مولانا فتح علی بن میاں خیر محمد جتوئی، مولانا محمد سلیمان واعظ بن البندو خان نوناری، مولانا محمد عاقل عاقلی بن آخوند اللہ نواز سومرو، مولانا محمد مبارک پلی بن حافظ عبدالحمید، مولانا معین الدین صدیقی سیوہانی، مولانا نور محمد انڈھڑ بن مولانا اللہ نواز اور مولانا عبدالحق چانڈیو بن حافظ بلوچ خان کے علاوہ مولانا عبدالخالق خلیق مورائی ولد قاضی نبی بخش

سومرو نے تحریکِ خلافت میں نہ صرف دوسروں کے ساتھ برابر شریک رہے بلکہ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، جن میں تحریکِ خلافت کے سلسلے میں بھی کتابیں تھیں۔ ایک کتاب تھی ''سندھ میں تحریکِ خلافت کے فدائی'' (سندھی) اور دوسری تھی: ''خلافتِ عثمانیہ'' یہ بھی سندھی میں تھی۔ انہوں نے تحریک کے لیے بہت مالی مدد بھی کی۔ (۱۰۶)

ڈاکٹر شمس الدین شیخ:

کے دادا شیخ احمد اور دو چچا شیخ محمد صدیق اور شیخ غلام محمد پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے والد کے مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے ان کو کچھ دیر لگی۔ آگے چل کر شیخ عبدالرحیم کی صحبت سے وہ ٹنڈو سائیں داد کے پیر سرہندی خاندان میں آنے جانے سے مسلمان ہو گئے۔ ان کی شادی شیخ عبدالرحیم کی بڑی بیٹی غلام فاطمہ شیخ سے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ابھی ۲۱ سال کی تھی مگر وہ پیر حسن جان سرہندی اور شیخ عبدالرحیم کے ساتھ ایک حج کر چکے تھے۔

ڈاکٹری کی ڈگری لینے کے بعد پہلے خیر پور ریاست میں ملازمت اختیار کی۔ جب ڈاکٹر صاحب حکیم اجمل خان کے کچھ شاگردوں کے ساتھ ترکستان میں بیماروں اور زخمی لوگوں کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوئے (اس وقت پہلی جنگِ عظیم چل رہی تھی) بیوی بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔ پہلے پورٹ سعید براستہ بمبئی جہاز کے ذریعہ پہنچے۔ پھر ایک مہینے کے سفر کے بعد حافی بندر پہنچے۔ اس طرح وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے گزر اوقات کے لیے بڑی محنت کی کپڑے سی کر فروخت کیے۔ علاج معالجے کا بھی سلسلہ چلایا۔

مدینہ طیبہ میں ڈاکٹر شمس الدین کا گھر ہندوستان کے جلاوطنوں کے لیے مہمان خانہ بنا ہوا تھا، خصوصاً مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سعید احمد مدنی، مولانا محمد صدیق، مولانا محمود الحسن اور مولانا عبیداللہ سندھی وغیرہ ان کے مہمان ہوتے رہے۔

ہندوستان کے جید علمائے کرام کے سمجھانے کے باوجود شریف مکہ ترکوں کی مخالفت سے باز نہ آیا بلکہ اس نے ترکوں کے حامیوں کو وہاں سے نکالنا شروع کر دیا، ڈاکٹر شمس الدین بھی ان میں شامل تھے۔ وہ ٹرین کے ذریعہ شام کی طرف روانہ ہوئے، جہاں سے استنبول کی طرف سفر شروع کیا۔ وہاں پہنچ کر سندھیوں کے ایک ہوٹل ..... میں قیام کیا۔ بعد میں ان کو وہاں ملازمت بھی مل گئی۔ ... جنگ میں زخمیوں کے علاج کے لیے بھیج دیئے گئے۔ خود بھی انفلوئنزا کے مریض ہوئے مگر خدا نے بچا لیا۔ گھر والے تو ان کی

طرف سے ناامید ہو گئے تھے۔ انہوں نے مثری میں بھی ڈاکٹری کی ملازمت کی۔ کچھ عرصے کے بعد دمشق آئے، پھر شام، پھر بیت المقدس جہاں سے مصر اور پھر بمبئی کے راستے حیدرآباد سندھ پہنچے۔

انہوں نے حیدرآباد میں مطب شروع کیا۔ ان کے بیٹے ضیاء الدین جب دہلی میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے گئے تو ان کی والدہ بھی ان کے پاس وہاں چلی گئیں اور ''مڈوائفری'' کا کورس کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حیدرآباد آئے اور کشمیر سے ضیاء الدین کی شادی کی گئی۔ جب ضیاء الدین کے ہاں نظام الدین بیٹا پیدا ہوا، اور ابھی چالیس دن ہی کا تھا کہ ڈاکٹر شمس الدین پر نمونیہ کا حملہ ہوا، مگر خدا کی رحمت اور بزرگوں کی دعاؤں سے شیخ صاحب کو افاقہ ہو گیا۔ (۱۰۷)

مولوی حاجی عبداللہ مری:

مولوی حاجی عبداللہ مری ولد حاجی قیصر خان نے پھلبڈ یوں (ضلع سانگھڑ) میں ''خلافت کمیٹی'' کا آفس کھولا اور ''تحریکِ خلافت'' کے لیے کام کرنے لگے۔ ان کی وجہ سے کئی لوگ تحریک میں شریک ہوئے۔ ان میں رئیس اللہ بخش خان لغاری اور محمد مکھن فقیر مثمانی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ (۱۰۸)

۱۹۲۰ء میں عید کے دن پھلبڈ یوں میں جلسہ منعقد کیا گیا اور انگریز کے مظالم ایک ایک کر کے بیان کیے گئے۔ اس تحریک کو کچلنے کے لیے انگریزوں نے بھرپور طاقت استعمال کی اور آخر کار ۲۳ را کتوبر ۱۹۲۲ء کو مولوی صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔

مولوی صاحب کو گرفتار کرنے کے لیے جب پولیس سادہ کپڑوں میں آئی تو اس وقت وہ اپنے مدرسہ ''کمالیہ'' میں بیٹھے تھے اور اپنے کپڑے دھلوانے کے لیے گھر بھیج رکھے تھے۔ وہ خود تہبند باندھے ہوئے تھے اور ایک پھٹی پرانی قمیض پہنے ہوئے تھے۔ سر پر تولیہ لپیٹا ہوا تھا۔

دوپہر کے ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا کہ ایک طالب علم نے انہیں اطلاع دی کہ باہر گھڑ سوار آپ کو بلاتے ہیں۔ اسی وقت ان کے والد حاجی قیصر خان بھی واٹرکورس پر وضو کرنے جا رہے تھے۔ گھڑ سوار جمعدار اور سپاہی تھے۔ انہوں نے آواز دے کر کہا:

''بڈھے! مولوی تمہارے کیا لگتے ہیں؟'' اس کے والد نے کہا۔

''میرا فرزند ہے۔''

جمعدار نے کہا: ''اس کے لیے گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔ اگر تم ضامن بنو تو پھر اسے چھوڑ سکتے ہیں۔''

ان کے والد نے پوچھا: ''وارنٹ کس لیے ہیں؟''

جمعدار نے کہا ''خلافتِ تحریک کے۔''

حاجی صاحب نے کہا، ''اگر یہ وارنٹ میرے اوپر بھی ہوتے تو میں بھی آپ کے ساتھ چلتا۔''

مولوی عبداللہ کو جمعدار نے بلالیا اور کہا، ''کپڑے تبدیل کر کے آؤ تم پر وارنٹ ہے، تھانے چلنا ہے۔''

مولوی عبداللہ نے یہ سوچ کر کہ خواہ مخواہ گھر میں شور بپا ہو جائے گا' اسی لیے وہیں سے ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ایک سپاہی نے انہیں اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھایا۔ شہر ''کھلبڑیوں'' سے باہر نکلے تو مولوی صاحب کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور نیچے اتار کر انہیں گھوڑوں کے آگے آگے چلنے کو کہا گیا۔ تھانے پہنچنے سے پہلے انہیں بازار سے اسی حالت میں گزارا گیا اور مولوی صاحب ''اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتے ہوئے تھانے میں داخل ہوئے۔

اگلی صبح کو جمعدار دو اونٹ لے آئے جن پر جمعدار' سپاہی اور مولوی عبداللہ مری سوار ہو کر میر پور خاص پہنچے۔ انہیں شہر سے باہر پھاٹک پر اتار کر دوبارہ ہتھکڑیاں لگائی گئیں۔ آخر کار ان کا چالان ہوا اور انہیں لاکپ میں رکھا گیا۔ ان کا مقدمہ صرف دو ہفتہ تک چلا اور انہیں ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور حیدرآباد بھیج دیا گیا۔

جیل کے اندر مولانا عبداللہ مری نے ایک نظم لکھی' جس کے چند اشعار یہ ہیں:

ڏسو اوهان هي عجب خدائي
اڳيان اسين پنهيان بندوق سپاهي
سدا ڪندا هئاسون سير چمن جو
وٺندا هئاسون واس گلن جو
اڄ اسان کي جون تها قيد يا ڦاهي
اهو آهي ڪرشمو قدرت الاهي
سڀ ڪجهه قربان اسلام تان آهي
ڌن من جان جسم ويو ته ڇاهي

ترجمہ

دیکھو تم سب عجب خدائی
آگے ہم پیچھے بندوق و سپاہی
کرتے تھے ہمیشہ سیر چمن کی

لیتے تھے خوشبو پھولوں کی
اب ہمارے لیے ہے قید یا پھانسی
یہ ہے کرشمہ قدرت الٰہی
سب کچھ قربان اسلام پر ہے
وطن دولت جان جسم گئے تو کیا ہے

ایک بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ مقدمے کے دوران مولوی عبداللہ مری سے جج نے کہا کہ وہ معافی طلب کرے۔ مگر مولوی صاحب نے جواب میں فارسی کا یہ شعر پڑھا:

سر نمی تابد ز شمشیر ۔ حبیب
موچہ آید برسر ۔ من یا نعیب

مولوی صاحب کو ''سابرمتی'' جیل احمد آباد (گجرات) میں رکھا گیا' جہاں انکی ملاقات ''تحریکِ خلافت'' کے بانی مولانا حسین احمد مدنی سے ہوئی' وہ بھی اسی جیل میں سزا بھگت رہے تھے اور دونوں کا جرم بھی ایک ہی تھا۔ ان کی رہائی ۷ ستمبر ۱۹۲۳ء کو عمل میں آئی۔ (۱۰۹)

حکیم عبدالحق (۱۱۰)

سکھر کے اخبار ''الحق'' سے وابستہ تھے۔ ان کے والد محمد عظیم اس اخبار میں شیخ سلیمان کے شراکت دار تھے اور رفاہی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

حکیم عبدالحق کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ ورثے میں ملا تھا۔ وہ مولانا امروٹی صاحب سے بڑے متاثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ امروٹی صاحب کی جاری کی ہوئی ہر تحریک میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ وہ تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے اور تحریکِ خلافت کے بہترین کارکن تھے۔

اپنے والد کی وفات کے بعد وہ ''الحق'' پریس میں شراکت دار کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ انہوں نے بڑی کوشش کے بعد وزیراعلیٰ خان بہادر اللہ بخش سومرو سے قران ایکٹ پاس کروایا' جس کے تحت غیر مسلم قرآن شریف چھپوا نہیں سکتے تھے۔ اس سے پہلے ہندو بھی قرآن مجید چھپواتے تھے اور وہ احترام نہیں کرتے تھے۔

مولانا عبدالکریم درس:

مولانا عبدالکریم درس سب سے پہلے ''امن سبھا'' تحریک میں شامل ہو کر خلافت تحریک کی مخالفت

کی مگر جب ''اظہار الکرامت'' کتاب منظرِ عام پر آئی اور اس پر ڈھائی سو سندھ کے جید عالموں نے دستخط کیے تو مولانا درس صاحب نے رجوع کیا اور اپنی غلطی کا ازالہ اس طرح کیا کہ خلافتی علماء کی فتویٰ کی تصدیق کی۔ وہ بڑے مبلغ تھے۔ مرکزی' صوبائی یا ضلعی اجلاسوں میں شریک ہو کر خلافت کی اہمیت اجاگر کرتے تھے۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں جب سیوہن میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا درس سے اس کی صدارت کروائی گئی۔ وہ دیسی اشیاء کے استعمال کے لیے خوب پرچار کرتے تھے۔ وہ خلافتِ تحریک کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے۔ (۱۱۱)

اس کے علاوہ مولانا علی شیر لکھپوری' مولانا حکیم قائم الدین احمد' مولانا محمد امین ولد حافظ صدرالدین آریسر' مولانا محمد داؤد تنیو' حکیم محمد صدیق مورائی ولد مولانا عبدالرؤف' مولانا محمد عثمان بلوچ ولد ملا کریم بخش' مولانا محمد علی جونیجو اور مولانا محمد موسیٰ حبشی ولد جمعہ خان تحریک خلافت شروع ہوتے ہی اس میں شامل ہو گئے اور ''خلافتِ عثمانیہ'' کو قائم رکھنے کے لیے انگریز کے خلاف جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کیا۔ مولانا محمد موسیٰ تحریکِ خلافت کے مخلص کارکن تھے۔ امن سبھا کی مخالفت میں جو فتویٰ جاری ہوا اس پر دستخط کیے۔ مولانا حبشی صاحب انگریزوں کے خلاف سخت تقریریں کرتے تھے' نتیجے کے طور پر انہیں جیل جانا پڑا۔ جیل سے آزاد ہونے پر ان کا بڑا استقبال کیا گیا۔ (۱۱۲)

تحریکِ خلافت کے سلسلے میں لاتعداد لوگوں نے اس میں شامل ہو کر تحریک کو کامیاب بنانے اور انگریزوں سے اپنے مطالبات کو منوانے کی کوشش کی۔ اس تحریک میں مولانا محمد ہاشم اسحاق ڈیرائی ولد حاجی اللہ بخش' پیر محمد ہاشم جان سرہندی ولد خواجہ محمد حسن جان سرہندی' حکیم معین الدین کھنیاروی ولد عبدالرحمٰن' مولانا ہدایت اللہ تنیو ولد مولوی گل محمد تنیو' مولانا محمود پاتائی ولد مولانا محمد صالح صدیقی اور حکیم محمد معاذ پیرزادہ (۱۱۳) نے اپنی پُرخلوص کوششوں سے تحریک خلافت کے لیے بڑا کام کیا۔ وہ خلافت کمیٹی نواب شاہ کے سیکرٹری اور سندھ خلافت کمیٹی کے ممبر تھے۔ انہوں نے تحریکِ ہجرت میں افغانستان کا سفر بھی کیا۔

ان کے علاوہ پیر تراب علی شاہ کا نام تحریکِ خلافت میں رئیس جان محمد جونیجو کے ساتھ ساتھ اوپر ہی نظر آتا ہے۔ خلافت کانفرنس لاڑکانہ کو آرگنائز کرنے اور اسے ایک مثالی کانفرنس بنانے میں پیر تراب علی شاہ کا اتنا ہی کام اور اتنی ہی محنت اور کوشش ہے' جتنی رئیس جان محمد جونیجو کی تھی۔ انہوں نے ''فیض الکریم'' کی کتاب ''تحقیق الخلافت'' کے رد میں سندھ کے علماء کی طرف سے مشترک فتویٰ پر دستخط کیے۔ پیر صاحب کو انگریز دشمنی میں کافی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں' مگر وہ کبھی بھی دل برداشتہ نہیں ہوئے۔ (۱۱۴)

تحریکِ خلافت کے سلسلے میں ایسے لاتعداد نام ملتے ہیں' جنہوں نے سرزمینِ سندھ میں اس تحریک کو

ایسا مقبول عام بنایا کہ جیسا پورا صوبہ اس تحریک پر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی یہاں کے ہندو بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ بچے بوڑھے، جوان، نوجوان سبھی اس میں شریک تھی۔ سب سے زیادہ علماء کا اس میں حصہ تھا۔ بہت سے علماء کا ذکر تو پہلے بھی کر دیا گیا ہے، مگر ابھی بہت ایسے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ بہرحال مختصراً یہ ہے کہ:

مولانا حامد اللہ میمن ولد میاں گل محمد میمن، مولانا شفیع محمد ببر ولد محمد حسن، مولانا عبداللہ بنگلد یرانی ولد آخوند عبدالرحیم، قاضی عبدالکریم عباسی ولد مولانا محمد سعید، مولانا عبیداللہ لاشاری ولد قیصر لاشاری، مولانا غلام فرید سپریو، حکیم فضل اللہ سومرو ولد ڈاترڈنو، مولانا محمد ابراہیم بھوری ولد مولانا دین محمد چانڈیو، مولانا محمد اکرم انصاری ولد حاجی عبدالحق اور مولانا صادق میمن (۱۱۵) کا خلافت موومنٹ میں جو کردار رہا، اسے تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

مولانا محمد صادق تحریک ریشمی رومال کی وجہ سے ابھی جیل میں تھے کہ تحریکِ خلافت شروع ہوگئی۔ وہ جیل سے جب رہا ہوئے تو اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ انہیں آل انڈیا خلافت کمیٹی کا ممبر بنایا گیا۔ وہ سندھ خلافت کمیٹی کے صدر اور نائب صدر کے عہدے پر فائز رہے۔

آل انڈیا خلافت کانفرنس ۸ جولائی ۱۹۲۱ء کا ساتواں اجلاس کراچی میں رکھا گیا تو اس کا پورا اہتمام اور انتظام مولانا محمد صادق نے کیا۔ وہ اس کانفرنس میں صدر مجلس استقبالیہ بھی تھے۔ انہوں نے فتاویٰ کی بھی تصدیق کی جو مولوی فیض الکریم کی کتاب ''تحقیق الخلافت'' کے رد میں تھیں۔ (۱۱۵۔الف)

دوسرے علماء میں مولانا محمد صدیق کچھی ولد مولوی عبداللہ پٹھان، مولانا محمد عظیم شیدا ولد لعل بخش سولنگی، مولانا محمد ہاشم کھنی ولد میاں عبداللہ، مولانا حاجی احمد علی ملوی، پیر احسان اللہ شاہ راشدی ولد پیر رشد اللہ شاہ، قاضی حبیب اللہ ولد قاضی عبداللہ، مولانا شفیع محمد سوڈھر ولد ولی محمد سوڈھر، مولانا عبداللہ کھڈھری ولد مولوی محمد عمر کیریو، مولانا عبدالرؤف ڈوگی، مولانا عبدالکریم ڈیرو ولد حاجی الہ ورایو، مولانا عطاء اللہ پٹھان ولد نور محمد پٹھان، حکیم غلام صدیق نوناری، مولانا فتح علی جتوئی ولد میاں ناتھو خان، پیر آقا محمد اسماعیل جان ولد پیر آقا محمد حسین جان سرہندی، مولانا محمد حسن ٹالپر ولد مولوی حاجی محمد علی ٹالپر، مولانا محمد صالح سموں ولد حافظ محمد طالب، مولانا محمد عبدالحکیم ولد مولوی نور محمد، مولانا محمد علی شاہ ولد سید ولایت علی شاہ، مولانا محمد ہاشم انصاری ولد ملا محمد انصاری اور مولانا میر محمد جتوئی ولد مولوی حاجی عبداللہ جتوئی نے تحریک کے لیے بڑا کام کیا۔

ان کے علاوہ سندھ کے جید عالم مولانا احمد ملاح ولد نا کیو ملاح بھی قابلِ ذکر ہیں۔ جیسے ہی انگریزوں کے خلاف ہلچل شروع ہوئی اور تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا تو وہ اس سے وابستہ ہو گئے۔ وہ بہت سرگرم کارکن تھے، جس کی وجہ سے انہیں چار مہینے کے لیے جیل بھی جانا پڑا۔ وہ کافی عرصہ تک سندھ خلافت کمیٹی ضلع حیدرآباد کے ممبر بھی رہے۔ (۱۱۶)

ان کے علاوہ مولانا خدا بخش بھٹو ولد مولوی نظام الدین، مولوی شفیع محمد ولد محمد بچل منگیو، مولانا عبداللہ ہالانی ولد مولوی محمد، مولانا عبدالرحیم شاہ ولد سید معصوم شاہ، مفتی عبدالکریم ولد عبدالرحیم، مولانا عبداللطیف ڈول ولد سانون ڈول، قاضی فتح محمد نظامانی ولد حاجی عبداللہ خان، مولانا محمد کھتی ولد سعداللہ، مولانا محمد اسماعیل لغاری ولد حاجی خان محمد، مولانا احمد علی ول مجذوب، مولانا محمد عثمان کھٹی ولد حاجی احمد، مولانا محمد ہاشم ولد حاجی لال محمد، مولانا مولاداد چانڈیو، مولانا اللہ بخش مہیسر ولد محمد عمر اور مولانا دین محمد پتافی ولد محمد خان بلوچ کے علاوہ مولانا حماد اللہ ہالیجوی ولد مولانا محمود انڈھڑ بھی تحریکِ خلافت کا آغاز ہوتے ہی بڑے جوش و خروش سے اس میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے مالی طور پر بھی تحریک کی بڑی خدمت کی۔ انہوں نے خلافتی علماء کے فتویٰ کی بھی تصدیق کی۔ (۱۱۷) وہ تحریک ہجرت کے بھی سرگرم کارکن تھے اور بچوں کے ساتھ افغانستان ہجرت کی مگر افغانوں اور انگریزوں کے معاہدے کے بعد وہ مایوس ہو کر خانپور سے واپس آ گئے۔ جمعیت العلمائے ہند کا عظیم اجتماع حیدرآباد میں ۱۹۳۶ء میں ہوا تو اس کی صدارت کی۔ وہ بے باک انسان تھے۔ پنو عاقل میں کئی سیاسی جلسے منعقد کرائے، جن میں ہند کے مشہور علماء اور سیاستدان شریک ہوئے۔ مولانا حسین احمد مدنی اکثر ان جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔

مولانا محمد یوسف بنوری کے الفاظ میں

''مولانا حماداللہ عابد، عارف، زاہد، بردبار...... علم و معارف میں محقق اور ذکر کے اسرار و خواص سے واقف تھے۔ اولیا اور علماء میں مشکل سے کوئی ان کے مقابلے کا ہوگا......'' (۱۱۸)

تحریکِ خلافت کے سلسلے میں مولانا در محمد خاک ولد میاں عبدالرب کاندھڑو کی خدمات بھی دوسروں سے کم نہیں۔ شمالی سندھ میں تحریک کو عام کرنے اور انگریز تسلط کے خلاف عوام میں جذبہ پیدا کرنے کے لیے بڑا کام کیا۔ وہ بلا کے مقرر اور بہت اچھے شاعر تھے۔ (۱۹۹)

ان کے علاوہ مولانا در محمد ڈول ولد ملا واصل، مولانا خوش محمد میرو خانی ولد واحد بخش دھگ، قاضی تاج محمد نصرپوری ولد قاضی عبدالرحمٰن، میاں پیر محمد تھیبو ولد آخوند فقیر محمد، مخدوم بصرالدین سیوہانی ولد مخدوم احمد صدیقی، سید امیر محمد شاہ ولد سید سوڈھل شاہ، حاجی امام الدین راشدی ولد

پیر سید رشید الدین حکیم الٰہی بخش اعوان ولد وڈیرو غوث بخش' مولوی حاجی الٰہی بخش ولد میاں عبدالحلیم بلوچ' مولانا میر محمد نورنگی ولد ملا محمد ہاشم' مولانا محمد یعقوب حاجانو ولد سونہارو خان بلوچ' مولانا محمد ہاشم لغاری ولد حاجی اللہ بخش (انہیں جیل کی سلاخیں بھی دیکھنی پڑیں اور سہارنپور جیل میں سزا کاٹنی پڑی)' مولانا محمد یوسف بنوی ولد مولانا محمد سلیمان' مولانا محمد عمر کھٹی ولد میاں محمد اسحاق' مولانا محمد عثمان ''قرانی'' بھنبھرو' مولانا محمد صالح ماڑدھی ولد محمد یوسف گلال' مولانا محمد سعید گوپانگ ولد حاجی غلام علی' آقا محمد حسین جان سرہندی ولد خواجہ عبدالرحمٰن سرہندی' خواجہ محمد حسن جان ولد عبدالرحمٰن جان سرہندی' مولانا محمد پریل منگیو ولد حاجی ابوالخیر (جو خلافت کمیٹی تحصیل سکرنڈ کے جنرل سیکرٹری بھی تھے)' مولانا محمد اسماعیل عودی ولد مولانا نبی بخش' مولانا محمد ابراہیم گڑھی یاسینی ولد مولانا محمد ہاشم' مولانا حاجی محمد قریشی ولد خان محمد' حکیم محکم الدین پرہیاڑ (گوٹھ ولی محمد پرہیاڑ)' پیر حاجی مٹھل شاہ ولد پیر مظہرالدین شاہ' مولانا فیض محمد واعظ (ڈوکری والے) اور حکیم فتح محمد سیوہانی سندھ کے معروف عالم و ادیب نے بھی تحریک خلافت کے آغاز ہی سے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان پر کئی مرتبہ زبان بندی کے احکامات صادر ہوئے۔ انہوں نے تحریکِ خلافت کی مالی اور اخلاقی طور پر بہت مدد کی۔ وہ کافی عرصہ تک سندھ خلافت کمیٹی میں مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے اور وظیفہ بردار مبلغ کے طور پر بھی کام کیا۔ (انہیں اس دور میں بھی ماہانہ ایک ہزار روپیہ تنخواہ دی جاتی تھی)۔ اس دور میں حکومت اور ان کے ملاؤں کے خلاف جتنے بھی فتوے جاری ہوئے انہوں نے ان کی تصدیق کی۔ (۱۹۹)

ان کے علاوہ مولانا غلام محمد جتوئی ولد میاں محمد صادق جتوئی' مولانا غلام علی گوپانگ ولد حیدرآباد گوپانگ' مولانا علی محمد مہیری ولد حافظ دھنی پرتو مہیری' مولانا عبدالکریم سموں ولد مولوی محمد ہاشم سموں' مولانا عبدالکریم لکھل بھٹوی (لاڑکانوی)' مولانا عبدالکریم کورائی ولد ملاں پاندھی خان کورائی' مولانا عبدالرزاق پیرزادو ولد حاجی کمال الدین پیرزادو' مولانا عبدالحکیم ولد مولوی غلام رسول' مولانا عبداللہ مری ولد حاجی قیصر خان مری' مولانا صاحب ڈنو بھٹو ولد ملا کھمو بھٹو اور مولانا دین محمد ادیب ولد پاندھی خان چنو نے تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی اپنے آپ کو اس سے وابستہ کر دیا۔ وہ آخر تک اس تحریک سے وابستہ رہے۔ وہ تحریک کے سرگرم کارکن اور پرخلوص سپاہی تھے۔ میہڑ (ضلع دادو) میں بلائی گئیں خلافت کانفرنسیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں' ان کی کامیابیوں میں مولانا دین محمد ادیب کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے علاوہ لاڑکانہ اور حیدرآباد کی خلافت کانفرنسیں کامیاب بنانے میں مولانا کی پرخلوص جذبہ سے سرشار

کوششیں بھی ہمیشہ یادرہیں گی۔(۱۲۰)

اسی طرح مولانا دین محمد وفائی نے بھی تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی اپنے آپ کو تحریک سے وابستہ کرلیا اور سندھ سے لے کر ہند تک کی ساری کانفرنسوں میں شرکت کی۔انہوں نے سندھ کے اندر ہونے والی کانفرنسوں' شمال سے لے کر جنوب تک' ہر اہم اجلاس میں شرکت کی۔وہ بہترین مبلغ تھے۔وہ ''سندھ خلافت کمیٹی'' کے سیکرٹری بھی رہے۔انہوں نے تحریک کے لیے زیادہ سے زیادہ فنڈ جمع کیے۔ انہوں نے ''روزنامہ الوحید'' میں اسسٹنٹ ایڈیٹر (۱۹۲۰ء) اور ایڈیٹر (۱۹۳۰ء) کے طور پر بھی کام کیا اور نہ صرف ''خلافتِ تحریک'' کو سندھ میں عام کیا بلکہ آزادی کے سلسلے میں جتنی بھی تحریکیں سندھ سے اٹھیں ان کو جلا بخشی اور ان کی آواز عوام تک پہنچائی۔(۱۲۱)

تحریکِ خلافت کو سندھ میں مؤثر بنانے کے لیے جن پیر و مرشد خاندانوں کے چشم و چراغ نے کوششیں کیں ان میں پیر غلام مجدد سرہندی کا نام فہرست میں کافی اوپر نظر آتا ہے۔

پیر صاحب نے پہلے تو ''فیض الکریم'' کی کتاب ''تحقیق الخلافت'' کی تصدیق کی تھی مگر جلد ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا' جس کے بعد ''تحریکِ خلافت'' میں شامل ہوکر اور اسی کتاب کے رد میں دیئے ہوئے فتویٰ کی تصدیق کر کے ازالہ کیا۔وہ سندھ تو کیا بلکہ ہند تک کے خلافتی رہنماؤں میں سے تھے۔انہیں ''آل انڈیا خلافت کمیٹی'' کا رکن بنایا گیا۔اس کے علاوہ وہ ''سندھ خلافت کمیٹی'' کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے۔ان کے پیروکار اور مریدوں نے بھی پیر صاحب کی تقلید کی اور نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس تحریک کو بہت جلد سندھ میں مقبولِ عام بنا دیا۔کئی جلسے ان کی صدارت میں ہوئے۔جب بھی پیر صاحب نے خطبۂ صدارت دیا' انہوں نے مسلمانوں کے دلوں کو گرما دیا اور جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔اس انگریز دشمنی کی وجہ سے پیر صاحب کو دو سال کے لیے جیل بھی جانا پڑا۔(۱۲۲)

کراچی کے خالق دینا ہال میں تحریکِ خلافت کے جن مرکزی رہنماؤں کے خلاف بغاوت کا مشہور مقدمہ چلایا گیا تھا' ان میں پیر غلام مجدد سرہندی بھی شامل تھے۔ان کے علاوہ مولانا عبداللہ لغاری ولد نہال خان بھی ان معروف علماء اور تحریک ریشمی رومال کے محرکوں میں سے ہیں جنہوں نے تحریکِ خلافت شروع ہوتے ہی اس سے اپنی وابستگی قائم کر لی۔انہوں نے خلافتی علماء کا ساتھ دیتے ہوئے مولوی ''فیض الکریم'' کی کتاب کے رد میں ایک فتویٰ جاری کیا اور اس پر دستخط کیے۔(تفصیل پہلے ہی دی جا چکی ہے)

سید حاجی علی اکبر شاہ میہڑائی:

سید حاجی علی اکبر شاہ میہڑائی کی شخصیت تحریکِ آزادی میں نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ تحریکِ خلافت میں ۱۹۲۰ء میں شامل ہو گئے اور اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ خلافت کانفرنس لاڑکانہ سے متاثر ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو تحریک کے لیے وقف ہی کر دیا۔ وہ ''خلافت کمیٹی میہڑ'' کے سیکرٹری رہے۔ میہڑ میں جتنی بھی کانفرنسیں ہوئیں یا کسی اور جگہ پر منعقد کی گئیں' سید علی اکبر شاہ نے ان میں بھرپور حصہ لیا۔ (۱۲۳)

اس کے علاوہ مولانا احمد میمن ولد میاں محمد عارف میمن' مولانا دوست محمد لکھمیر ولد آخوند عبدالوارث' مولانا دین محمد بفوی ولد گہنو خان چانڈیو' مولانا عبدالرحمٰن ولد خلیفو خدا بخش فیروز شاہ (ضلع دادو)' مولانا عبدالرزاق بوبکائی ولد مولوی محمد اسماعیل قریشی' مولانا عطاء اللہ پٹھان ولد نور محمد پٹھان (تحصیل ٹھل۔ جیکب آباد) مولانا علی محمد کا کیپوٹہ ولد بہادر خان' مولانا قاضی نظر محمد دیہاتی ولد حکیم عبدالرحمٰن سومرو نے تحریکِ خلافت کے سلسلے میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اگر ''کمال اتاترک'' ترکی میں خلافت کو ختم نہ کرتے تو اس حوالے سے سندھ اور ہند میں تحریک اور زور پکڑتی اور یہ ملک ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی آزادی سے ہمکنار ہو سکتا تھا۔

تحریکِ خلافت کے سرگرم کارکن اور صحافی کے طور پر مسلمانوں کی آواز کو حکام تک پہنچانے میں شیخ عبدالعزیز بن محمد سلیمان کا بڑا حصہ رہا ہے۔

شیخ محمد سلیمان نے سکھر سے ۱۹۱۰ء میں ''الحق'' جاری کیا۔ اسے حیدرآباد منتقل کیا مگر دوبارہ کراچی سے نکالا۔ اس اخبار کے ذریعہ مسلمانوں کے خیالات کو بڑی پذیرائی اور وسعت ملی۔ وہ تحریکِ خلافت' تحریکِ ہجرت' تحریک ریشمی رومال یا دوسری تحاریک کو مقبول عام بنانے کا مثبت کردار ادا کرتی رہی۔

محمد سلیمان کی وفات کے بعد شیخ عبدالعزیز کا اخبار سے تعلق رہا۔ جہاں بھی کوئی کانفرنس ہوتی تھیں' شیخ صاحب خود وہاں پہنچ جاتے تھی اور رپورٹ ایسی لکھتے تھے کہ کانفرنس کا پورا عکس پڑھنے والوں کے سامنے آ جاتا تھا۔

وہ بڑی دل گردے کے ساتھ اعلیٰ عملداروں کے خلاف لکھتے اور عوام پر ہونے والے مظالم کی نشاندہی کرتے تھے۔ وہ خود بھی بڑی اچھی تقریر کرتے تھے اور لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ وہ مسلم لیگ کے بڑے حامی تھے۔ فروری ۱۹۴۵ء میں وفات پا گئے۔ (۱۲۴)

سید حاجی عبدالحکیم شاہ:

بن سید میاں اللہ بخش شاہ ٹکھڑ کے سادات میں سے تھے۔ ۱۴/ محرم ۱۲۸۱/ ۱۹/ جون ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ وہ خلافتی تھے۔ رئیس غلام محمد خان بھرگڑی کے ساتھ تحریکِ خلافت میں حصہ لیا۔ مولوی ''فیض الکریم'' کی خلافت کے خلاف لکھی ہوئی فتویٰ پر دستخط نہیں کیے۔ ۱۱۔ ذی القعد ۱۳۵۳ھ/ ۱۵/ فروری ۱۹۳۵ء کو وفات پائی۔ (۱۲۵)

مولوی محمد سلیمان:

ولد الہندو خان نوناری تھرڑی محبت (میہڑ۔ دادو) والے بڑے جذباتی خلافتی تھے۔ ہر خلافت کانفرنس میں ان کی شرکت لازمی تھی۔ وہ بلا کے مقرر تھے۔ رقتِ قلب پیدا کر دیتے تھے۔ (۱۲۶)

مولوی محمد سلیمان:

ولد حاجی ہارون ہنو (میر پور بٹھورو) والے نہ صرف بڑے عالم اور مدرس ہی تھے بلکہ بہت بڑے خلافتی بھی تھے۔ ان کے بیٹے مولوی محمد یوسف بھی ان کے ہم خیال تھے اور جیل یاترا بھی کی تھی۔

وہ کانگریس اور جمعیت العلماء کے حامی تھے۔ انجمن معلم الشرع کے بانی تھے۔ ۱۹۷۱ء مطابق ۱۳۹۰ھ میں وفات پائی۔ (۱۲۷)

پیر الٰہی بخش خلافت تحریک شروع ہونے ہی اس میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے مولانا محمد علی جوہر سے متاثر ہو کر ۱۹۲۰ء میں ''قطعہ تعلقات'' پر عمل کرتے ہوئے علی گڑھ کالج چھوڑ دیا۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰/ جولائی ۱۹۲۱ء کو منعقدہ سندھ خلافت کانفرنس میں شریک ہوئے۔ اسی کانفرنس کے مقررین: مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر کچلو، پیر غلام مجدد سرہندی اور شنکر آچاریہ کو دو دو سال کی سزا ہوئی تھی۔ وہ آل انڈیا کانگریس اور خلافت تحریک کے رکن رہے۔ ۱۹۲۷ء میں دوبارہ علی گڑھ پڑھنے گئے اور ۱۹۲۹ء میں ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کے بعد وہ بھی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور الہ بخش سومرو وزارت میں وزیر بنے۔ وہ سر غلام حسین وزارت میں بھی وزیر رہے۔ ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں سندھ کے وزیر اعلیٰ ہوئے۔ (۱۲۸)

سید اسماعیل شاہ:

ولد سومار شاہ ہالانی کے رہنے والے تھے۔ وہ پولیس کھاتہ میں سب انسپکٹر تھے، مگر تحریکِ خلافت کے دوران جذبے میں آ کر ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ (۱۲۹) ان کی یہ قربانی کبھی بھلائی نہیں جا سکتی۔

مولوی حکیم حاجی قاضی محمد صدیال:

ولد میاں عبدالرؤف نے ''خلافتِ تحریک'' میں بڑے جذبے کے ساتھ شمولیت اختیار کی۔ وہ انگریزوں کے خلاف انتہائی سخت قسم کی تقاریر کرتے تھے۔ ترکوں کے خلاف انگریزوں کے خلاف انتہائی سخت قسم کی تقاریر کرتے تھے۔ ترکوں کے خلاف انگریزوں کی طرف سے عائد کردہ بیجا شرائط کے خلاف گورنر جنرل کو جو یادداشت پیش کی گئی، اس پر بھی دستخط کیے۔ روزنامہ الوحید کے نام کی تجویز بھی انہوں نے ہی دی تھی۔ انہوں نے تحریکِ خلافت میں رہ کر جیل یاترا بھی کی۔ (۱۳۰)

اس طرح قاضی محمد صدیق کے بھائی قاضی محمد صادق نے بھی تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے بھائی کے ساتھ جیل بھی گئے۔ (۱۳۱)

اسی ضلع نوابشاہ اور تحصیل مورو کے دو بھائی مولوی عبدالخالق (ثانی) خلیق مورائی اور قاضی خدا بخش نے تحریکِ خلافت اور ترک موالات میں ۱۹۲۱ء میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے علاوہ وہ جمعیت العلمائے ہند میں بھی بڑے جذبے کے ساتھ شریک رہے۔ ۱۹۲۲ء کے کلکتہ اجلاس میں شریک ہوئے۔ دھواں دھار تقاریر کیں۔ نتیجہ میں دونوں بھائی گرفتار ہوئے۔ قاضی خدا بخش کو ایک سال کی سزا ہوئی جبکہ خلیق مورائی کو چھ مہینے کی سزا سنائی گئی۔ اس کے علاوہ ان کے چچازاد بھائی قاضی فیض محمد عرف ''چاچو پاکستانی'' کو ایک سال کی سزا دی گئی اور ان کے والد قاضی نبی بخش کو مورو شہر میں نظر بند کر دیا گیا۔ (۱۳۲)

اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پورا گھرانہ تحریکِ آزادی میں سرگرم رہا اور انہوں نے ایک ساتھ قربانیاں بھی دیں۔

خلافتِ تحریک کے دوران قاضی خدا بخش ''روزنامہ الوحید'' اخبار کے ایڈیٹر بھی ہوئے۔ اس کے علاوہ اسی ادارہ سے جاری ہونے والی انگریزی اخبار ''مسلم ایڈووکیٹ'' کے بھی ایڈیٹر رہے۔ انہوں نے اپنی ایک سال کی سزا ''تھانہ بھون'' میں کاٹی۔ وہ کراچی میونسپل کے پہلے مسلمان میئر تھے۔ انہوں نے حاتم علوی کو ۱۹۳۵ء میں شکست دی تھی۔ (۱۳۳)

اسی شہر مورو کے عبدالرحمٰن ہاشمی بھی تحریکِ آزادی میں پیش پیش رہے۔ وہ حاجی عبداللہ ہارون کے سیاسی سیکرٹری بھی رہے۔ بعد میں محمد ایوب کھوڑو کے بھی سیکرٹری رہے۔ انہوں نے ''روزنامہ الوحید'' اور ''مسلم ایڈووکیٹ'' میں بھی کام کیا۔ تحریک کے دوران جیل کی سزا بھی کاٹی۔ (۱۳۴)

''خلافتِ تحریک'' میں حکیم معین الدین کھٹیاروی نے بھرپور حصہ لیا۔ خلافت کانفرنس لاڑکانہ کے لیے انہوں نے بڑی محنت کی۔ ''سن خلافت کانفرنس'' بلانے میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ خدام الدین کے وفد میں دہلی گئے۔ بڑے اچھے کارکن تھے۔ (۱۳۵)

حکیم قاضی شمس الدین خلافت تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ وہ سندھ خلافت کمیٹی کے رکن اور سندھ اور ہند خلافت کمیٹی کے کئی عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے ''تحقیق الخلافت'' اور ''امن سبھائی'' علماء کے خلاف مہم میں حصہ لیا اور فتوٰی پر دستخط کیے۔ (۱۳۶)

مولانا حکیم فضل محمد میمن:

ولد محمد اسماعیل ساہتی علاقے میں ''تحریکِ خلافت'' کے سرگرم کارکن رہے۔ انہوں نے جلسوں اور کانفرنسوں میں شریک ہوکر انگریزوں کے خلاف کامیاب مہم چلائی۔ (۱۳۷) ساہتی علاقہ کے صدر بھی رہے۔ ان کی صدارت میں کئی جلسے بھی ہوئے۔

خلافتی علماء نے اس دور میں ولایتی کپڑا پہننے سے گریز کیا اور اسے حرام بھی قرار دیا۔ اسی فتوٰی کی مولانا فضل محمد نے بھی تصدیق کی تھی۔ انہوں نے اپنے طور پر تحریکِ خلافت کے لی نہ صرف چندہ جمع کیا بلکہ خود بھی چندہ دیتے تھے۔ (۱۳۸)

رئیس نجم الدین انصاری:

رئیس نجم الدین انصاری کا بھی نوشہرو فیروز سے تعلق تھا۔ انہوں نے خلافتِ تحریک سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ خلافتِ تحریک کے جلسوں اور میٹنگوں کا مرکز ان کا اپنا بنگلہ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی مقاصد کے لیے ''انجم'' اخبار جاری کیا' جس کے ذریعہ تحریکِ خلافت کے پروگراموں سے سندھ کے عوام کو روشناس کرایا جاتا تھا۔ انہوں نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں ''گلدستۂ سندھ'' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا۔ (۱۳۹)

سید عابد علی شاہ ولد سید خیرالدین شاہ نے بھی تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ (۱۴۰)

مولانا الحاج میوں محمد تھہیم 'تمیمی':

مولانا الحاج میوں محمد تھہیم 'تمیمی' نے ''تحریکِ خلافت'' میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے معرکہ لنواری (لنواری ضلع بدین میں حج کی رسومات) میں بڑا حصہ لیا اور اسے بند کرانے میں کامیاب ہوئے۔

دیکھا جائے تو ٹھٹھہ ضلع میں بھی تحریکِ خلافت اتنے ہی جذبہ اور جوش سے چلائی گئی کہ ان دنوں سوائے خلافت کی بات کے اور کوئی موضوع گفتگو ہی نہیں تھا۔ ٹھٹھہ ضلع کے شہر ''جاتی'' میں ۱۷رجب ۱۳۴۱ھ کو مغلبھیں کے عرس کے موقع پر ''تحریکِ خلافت'' کے تحت ایک جلسہ زیرِ صدارت حاجی فتح علی جتوئی منعقد ہوا جس میں فتح محمد علیگ سیکرٹری خلافت کمیٹی سجاول کے علاوہ طالبعلم اور دوسروں نے تقاریر کیں۔ (۱۴۱)

سجاول ضلع ٹھٹھہ میں تحریکِ خلافت کو منظم کرنے میں مولانا حامداللہ بیلائی' مولوی محمد سلیمان ہنوی' محمد باقر قاضی' مولوی فتح علی جتوئی' مولوی محمد عثمان کھٹی بھورائی' ڈاکٹر علی اکبر' مولوی قاضی محمود دلہاری' شیخ دھنی بخش ناقص اور سید عبدالرحیم نے سخت جدوجہد کی۔ (۱۴۲)

سجاول (ضلع ٹھٹھہ) میں خلافتِ تحریک کے تحت پہلا عوامی جلسہ ۱۹ر مارچ ۱۹۲۰ء کو جامع مسجد سجاول کے سامنے زیرِ صدارت مولوی حامداللہ منعقد ہوا۔ حاضری دو ہزار سے بھی زائد تھی۔ مولانا یار محمد مہیری' ڈاکٹر علی اکبر خان' میاں محمود' میاں عیسیٰ' میاں میر محمد اور دوسرے کئی مقررین نے خطاب کیا۔ اسی وقت تحریک کے لیے چھ سو روپیہ کا چندہ جمع ہو گیا۔ لوگوں نے اپنی زمینیں' باغات' جانور وغیرہ چندہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ کئی لوگوں نے اپنے کپڑے اور عورتوں نے زیورات دینے کی استدعا کی مگر وہ قبول نہیں کی گئی۔ جو قرارداد پاس کی اس کا تار وائسرائے ہند کو بھیجا گیا۔ (۱۴۳)

چونکہ آل انڈیا خلافت کمیٹی نے یکم اگست ۱۹۲۰ء کو ''یومِ خلافت'' قرار دیا تھا اس لیے اسی دن کو سجاول (ٹھٹھہ) میں بڑے اہتمام سے منایا گیا۔ مسلمانوں نے عام ہڑتال کی اور اپنا کاروبار بند رکھا۔

اسی سلسلے میں ۲۸ نومبر ۱۹۲۰ء کو سجاول (ٹھٹھہ) میں خلافت کا ایک اور جلسہ ہوا جس میں پیر محمد باقر ٹھٹوی اور میاں فیض محمد مبلغ خلافت' ترک موالا اور ہندو مسلم اتحاد پر زبردست تقاریر کیں۔ گاؤں ''وکیا'' میں بیت المال کے لیے چندہ بھی اس دن اکٹھا کیا گیا۔

اس سے پہلے ۳ جولائی ۱۹۲۰ء کو جب کراچی میں خلافت کا جلسہ منعقد ہوا تو اس میں بھی ٹھٹھہ ضلع کے مولوی محمد نور بیلائی اور محمد سلیمان ہنوی شریک ہوئے تھے اور سجاول کے عوام کی طرف سے دیا گیا چندہ پیش کیا گیا تھا۔

ستمبر ۱۹۲۱ء میں ٹھٹھہ ضلع کے خلافتی رہنما مولوی فتح علی کو سخت قسم کی تقاریر کرنے پر ایک سال کی سزا
گئی تھی۔ (۱۴۴)
ٹھٹھہ ضلع کے کسبہ ''بڈھ تالپر'' میں اکتوبر ۱۹۲۲ء کو خلافت کا جلسہ منعقد ہوا۔ مولوی محمود ولہاری اور
لٹر اکبر علی نے تقاریر کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ اگر حکومت برطانیہ نے غازی مصطفیٰ کمال
ا سے جنگ کی تو ہم سجاول (ضلع ٹھٹھہ) کے مسلمان اسلام کی ہر طرح سے خدمت کرنے کو تیار ہیں۔
۲۰ مارچ ۱۹۲۳ء کو سجاول میں خلافت کا جلسہ زیر صدارت مولوی حاجی سلیمان بنوی منعقد
۔(۱۴۶)
بیلہ (ضلع ٹھٹھہ) میں ایک ذیلی خلافت کمیٹی قائم ہوئی جس کے صدر سید منٹھار شاہ اور سیکرٹری مولوی
ور بن مولانا حامد اللہ منتخب ہوئے۔ (۱۴۷)
۴ مئی ۱۹۲۳ء کو سلطان عبدالحمید کی طرف سے ہندوستان کے مسلمانوں کو تمغہ کے طور پر بھیجا ہوا
لم' جب کوٹری سے ٹھٹھہ پہنچا تو ہزارہا مسلمانوں نے اس کا استقبال کیا۔ اس موقع پر خلافت کا جلسہ
قد ہوا جسے مولانا دین محمد وفائی اور مولوی عبدالرحمٰن نے خطاب کیا۔ ان کے علاوہ مولوی محمد عثمان
رائی' مولانا محمد سلیمان بنوی' مولانا حاجی محمد صاحب اور شیخ دھنی بخش سجاول شامل تھے۔ (۱۴۸)
اس سے پہلے ۱۲ را پریل ۱۹۲۳ء کو بھی خلافت کا ایک جلسہ مولوی محمد نور کے فرزند حافظ عبداللہ کی
دت کلام پاک سے شروع ہوا۔ مولانا حاجی سلیمان' مولانا محمد عثمان بھورائی اور ڈاکٹر اکبر علی نے
یر کیں۔ ایک افریقی پادری کی طرف سے شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کرنے پر سخت مذمت کا اظہار
گیا۔ (۱۴۹)
۱۰ مارچ ۱۹۲۴ء کو مرکزی خلافت کمیٹی کے مولانا شوکت علی' مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا محمد علی
راور دوسرے رہنماؤں کا استقبال ''جنگشاہی'' ریلوے اسٹیشن پر کیا گیا۔ اس موقع پر ''سجاول خلافت
ٹی'' کی طرف سے سید زماں شاہ رضوی مہدوی ٹھٹوی ساقی نے ایک دل آویز نظم پیش کی۔ (۱۵۰)

سنده جي لئه سعد تهي رفتار دوران مرحبا
سرزمين سنده تهي رشك گلستان مرحبا
يوسفان هند جو آ ري زليخا ڏس عروج
شان آزادي م پڙهه تفسير زندان مرحبا
چهو كري غير از خدا بيو قدر قرباني جو كير

افتخار هندؔ منهنجي "بي بي امان" مرحبا
مشعل- راه- هدايتؔ هر حسين احمد جو لفظ
هن كيو راه خدا ۾ پان قربان مرحبا
حامئ دين خدا ۽ مصطفى "محمد علي"
هن جي هر تحريك آ حسن- ايمان مرحبا
پان ساقي تون ۽ پنهنجي قوم جي پاران به چؤ
رهبران- قوم كيؔ با صد دل و جان مرحبا
(۱۵۱)

اس کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا:

سندھ کے لیے ہے سعدؔ رفتار دوراں مرحبا
سرزمین سندھ ہےؔ رشک گلستاں مرحبا
یوسفانِ ہند کا ہےؔ رے زلیخا دیکھ عروج
شان- آزادی میں پڑھؔ تفسیر زنداں مرحبا
کیوں کرے غیر از خداؔ قدر قربانی کوئی
افتخار ہند میری ''بی بی اماں'' مرحبا
مشعل راہ- ہدایت ہر ''حسین احمد'' کا لفظ
راہِ خدا میں جو ہوا خود قرباں مرحبا
حامی دین خدا اور مصطفیٰ ''محمد علی''
اس کی ہرِ تحریک ہے حسن ایماں مرحبا
خود تو ''ساقی'' قوم اپنی کی طرف سے کیوں کہو
رہبرانِ قوم کوؔ باصد دل و جاں مرحبا

شہروں کے علاوہ ۱۹۲۹ء تک تحصیل سجاول کی جن قصبوں میں خلافت کمیٹیاں قائم ہوئیں ان میر ولہار، کوٹ عالوں، بیلہ اور بڈھ ٹالپر شامل تھے۔ (۱۵۲)

یکم مئی ۱۹۳۵ء کو رئیس علی محمد مری بلوچ کی صدارت میں شیخ عبدالمجید سندھی کے مکان پر خلافت کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ مسٹر گبسن کو سندھ کا گورنر نہ بنایا جائے۔

طرح ۷۔۸ ستمبر ۱۹۳۵ء کو صوبہ سرحد خلافت کمیٹی کا بھی اجلاس منعقد ہوا تو سجاول (ٹھٹھہ) کی نمائندگی شیخ دھنی بخش سجاولی نے کی تھی۔(۱۵۳)

۲۴/اپریل ۱۹۳۸ء کی صوبہ سندھ خلافت کمیٹی کا اہم اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تو سجاول کی نمائندگی شیخ دفنی بخش نے کی تھی۔(۱۵۴)

سجاول کے مذکور علمائے کرام جو خلافتِ تحریک سے وابستہ رہے' وہ جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم پر بھی وطن کی آزادی کی جدوجہد میں شامل رہے۔ ان میں خاص طور پر مولوی محمد نور' استاد محمد یعقوب میمن' مولوی محمود ولہاری اور مدرسہ ہاشمیہ سے وابستہ علمائے کرام بھی جمعیت سے وابستہ رہے۔ سجاول جیسے تحصیلی شہر میں بھی خلافتِ تحریک ۱۹۱۹ء میں قائم ہو چکی تھی۔(۱۵۵)

سجاول کے لوگوں نے کینیا کے مظلوم باشندوں کی ہمدردی میں ۲/اگست ۱۹۲۳ء کو جلسہ منعقد کیا اور ہڑتال بھی کی۔ موپلہ کے مظلوم مسلمانوں کو مالی امداد بھی کی۔(i)

۱۹/جنوری ۱۹۳۰ء کو ضلع کراچی جمعیت العلماء کا جلسہ سجاول میں منعقد ہوا' قاضی فتح علی جتوئی اور مولوی فتح علی کو صدر اور سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اس اجلاس میں شاردھا ایکٹ' گائے کے ذبح کو بند کرنا' پنڈت دھرم بکشوری کی کتاب ''کلام الرحمٰن'' اور سکھر بئراج کی نہروں کے درمیان آنے والی مساجد کے مسائل پر مذمت کی قراردادیں منظور کی گئیں۔(ii)

کراچی ضلع سے شیخ عبدالمجید سندھی کے قانون ساز اسمبلی میں انتخاب کے سلسلے میں ضلع ٹھٹھہ اور سجاول کے لوگوں نے بڑی کوششیں کیں۔ حاجی عبدالرحیم شاہ' مولوی حاجی محمود' مولوی محمد یوسف گجائی' مولوی حاجی فتح علی اور دوسرے علمائے کرام نے شیخ صاحب کو بڑی محنت' جدوجہد اور اکثریت سے جتوایا۔(iii)

سجاول کے لوگوں نے کشمیری مسلمانوں کے حق میں ڈوگرہ راجا کے مظالم کے خلاف ۳۱/اگست ۱۹۳۱ء کو کامیاب جلسہ منعقد کیا اور راجہ کے خلاف ایک قرارداد منظور کی کہ: ''اگر کشمیر کے راجہ نے اپنے مظالم بند نہ کیے تو تحصیل سجاول کے لوگ اپنے جماعت کے ساتھ کشمیر پہنچ کر اپنے سینوں پر گولیاں کھانے کو تیار ہیں۔(iv)

غازی عبدالقیوم کے مقدمہ میں جو بچاؤ کمیٹی بنائی گئی تھی' اس میں مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا مفتی کفایت اللہ' مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسروں کے علاوہ سجاول (ضلع ٹھٹھہ) کے مولوی فتح علی (مدرسہ ہاشمیہ) اور مولوی محمد عثمان بھورائی بھی شامل تھے۔(۱۵۶)

نھورام کو گرفتار کر کے حکومت نے شانِ رسول ﷺ میں کی گئی بدزبانی اور گستاخی پر جب مقدمہ چلایا تو اس کی کتاب کو پرکھنے اور اس کے مواد سے شواہد پیش کرنے کے لیے جن علمائے کرام کو بلوایا گیا تھا' ان میں سجاول مدرسہ ہاشمیہ کے عالم مولانا شمس الحق افغانی بھی شامل تھے۔ (۱۵۷)

اپریل ۱۹۴۳ء میں ٹھٹھہ مسلم لیگ کی عظیم الشان کانفرنس میں یہ قرارداد بھی منظور کی گئی تھی کہ:

''جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو' وہاں ان کی اپنی حکومتیں ہونی چاہئیں......'' اس کانفرنس کی صدارت پیر غلام مجدد سرہندی نے کی تھی اور مقررین میں جی ایم سید' شیخ عبدالمجید سندھی' پیر الٰہی بخش' مولوی عبدالغفور سیتائی اور دوسرے کئی رہنما شامل تھے۔ سجاول کے وفد کی رہنمائی سید عبدالرحیم شاہ اور سید پیر محمد شاہ نے کی تھی۔ (۱۶۱)

۱۹۴۴ء میں تعلقہ سجاول کے گاؤں ''کھاریوں'' میں مسلم لیگ کی شاخ قائم ہوئی اور ایک سو رکن بنے تھے۔ سیٹھ سلطان علی خواجہ وہاں کے سرگرم کارکن تھے۔ (۱۶۲)

۱۹۴۵ء میں بیلہ میں مسلم لیگ شاخ قائم ہوئی تو میاں محمد صدیق اس کے صدر اور میاں محمد قاسم سیکرٹری کے علاوہ سد عبدالستار شاہ' سید پنیل شاہ' محمد خان بجورو' شیخ محمد حسن' غلام علی خلیفو' سید جمن شاہ' میاں محمد صالح میمن' محمد ہارون کھٹی' سید حسین شاہ' رئیس گل محمد خان لغاری' محمد سومار روڑ بو' وڈیرو خلیفو یار محمد' وڈیرو آ گیڈنو درس اور رئیس ہاشم خان مسلم لیگ کے اچھی کارکن تھے۔ (۱۶۳)

جب بھی انتخابات کا وقت آتا تھا تو اس پورے علاقے میں گہما گہمی بڑھ جاتی تھی اور رائے عامہ رفتہ رفتہ مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں ہوتی جارہی تھی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ امیدوار کے حق میں کام کرنے والوں میں سید پیر محمد شاہ' سیٹھ سلطان علی خواجہ' رئیس جمال خان لغاری' سید قادر ڈنو شاہ' سید جمن شاہ بیلائی' رئیس گل محمد لغاری' شیخ دھنی بخش' (اسسٹنٹ ایڈیٹر الوحید) حاجی عمرانی' سید سرور شاہ' محمد قاسم درزی اور محمد خان ہوٹل والا بھی شامل تھے۔

جب پیر علی محمد راشدی کے مقابلے میں سیٹھ یوسف ہارون مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے تو لوگوں کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا۔ (۱۶۴)

جنوری ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کا بیلہ (تحصیل سجاول) کا جلسہ بھی یادگار حیثیت رکھتا ہے' جس کی صدارت میاں محمد صدیق شاہانی نے کی۔ اس الیکشن میں مسلم لیگ کا امیدوار حاجی فضل محمد لغاری کامیاب ہوا تھا۔

جب جولائی ۱۹۴۶ء میں سندھ مسلم لیگ کی طرف سے ''سرفروش والنٹرس'' کی طلب اخبارات

میں آنے لگی تو سجاول کے ایک نوعمر لڑکے فضل حسین ولد دھنی بخش شیخ آزادی کی تڑپ سے مجبور ہوکر ایک خط روزنامہ الوحید کو ارسال کیا' جس کا عنوان تھا'' کاش میرا سر قبول ہو۔''

خط کا متن مختصر طور پر یہ ہے کہ:

'' آج ہر مسلمان کو قوم کی راہ میں قربانی دینے کے لیے پکارا گیا ہے۔......صد سر ہوں تو بھی اسلام اور قوم کی راہ میں قربان کیے جائیں۔ بدقسمتی سے میرے پاس ایک ناچیز سر ہے' جو پیش کرتا ہوں۔ کاش! وہ قبو ہو......

یہ درست ہے کہ میری عمر اس وقت ۱۲ ؍برس کی ہے۔ ممکن ہے میری صغیر سنی میری امیدوں اور آرزوؤں میں رکاوٹ بنے' مگر میں اس قوم کا فرزند ہوں جس کا بچہ بچہ سر کی بازی لگا کر ہر قربانی دینے کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔

فضل حسین۔ شیخ دھنی بخش

سجاول

۲۳ ؍اگست ۱۹۴۶ء

(۱۶۵)

۲۳ نومبر ۱۹۴۶ء کو'' سجاول مسلم اسٹوڈنٹس یونین'' کا قیام عمل میں آیا' جس کے عہدیدار یہ تھے:

پریزیڈنٹ:	مسٹر عبدالحق پٹھان
وائس پریزیڈنٹ:	بشیر احمد قریشی
جنرل سیکرٹری:	غلام محبوب شاہ بخاری
چیئر مین نیشنل گارڈ:	محمد عمر پاکستانی
پروپیگنڈا آفیسر:	قادر بخش میمن
جوائنٹ سیکرٹری:	مٹھو خان خواجہ
خزانچی:	رئیس محمد حسن لغاری (۱۶۶)

خلافت تحریک میں سندھ کے جن لاتعداد لوگوں نے حصہ لیا ان میں ایک مولوی گل محمد خاصخیلی ولد سانون خان بھی تھے۔ وہ عربی' فارسی کے استاد تھے۔ انہوں نے اپنے گاؤں میں مدرسہ قائم کیا۔ خلافت تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور مولانا خیر محمد نظامانی اور دوسرے مجاہدوں کے ساتھ جیل میں بھی رہے۔ (۱۶۷)

اسی طرح نصرپور کے سیٹھ چھوٹانی نے بھی تحریکِ خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سندھ میں جلسوں جلوسوں کے جو اشتہار دیواروں خصوصاً مساجد میں چسپاں ہوتے تھے' وہ برسوں تک لگے رہتے تھے صرف قصبہ نصرپور میں جو اہم جلسے جلوس اور ہڑتالیں ہوئیں وہ یہ تھیں:

۱۔ ۱۷/اکتوبر ۱۹۱۹ء کا دن منایا گیا۔ عام ہڑتال ہوئی اور ترک موالات کے لیے قرارداد پاس ہوئی۔

۲۔ ۱۹/مارچ ۱۹۲۰ء کو ہڑتال ہوئی۔

۳۔ یکم اگست ۱۹۲۰ء اتوار کے دن عام ہڑتال کی گئی۔

۴۔ ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء کا دن منایا گیا اور قراردادیں منظور کی گئیں۔

۵۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو برطانیہ سرکار کی مذمت کا دن منایا گیا۔

۶۔ ۱۷/ستمبر ۱۹۲۲ء کو کمالی (کمال اتاترک) فوجوں کی طرف سے انگورا اور سمرنا فتح کرنے پر خوشی کا دن منایا گیا۔ مساجد اور درسگاہوں میں چراغاں کیا گیا۔ بچوں میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور شکرانے کے نوافل ادا کیے گئے۔

جب خلافتِ تحریک میں کمی آئی تو جمعیت العلماء اور کانگریس اور مسلم لیگ نے زور پکڑا۔ لوگوں نے تینوں جماعتوں کے پرچم تلے آزادی وطن کے لیے جدوجہد کی۔ نصرپور کے مولانا عبدالحق ربانی نے جمعیت العلماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے وطن کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔

نصرپور میں بھی کانگریس کا دفتر تھا اور شاخ تھی جس کے صدر خود ربانی صاحب تھے۔ بعد میں مولوی حاجی عبداللہ قریشی اس کے صدر ہوئے۔ کانگریس اور جمعیت العلماء مل کر کام کرتی تھیں۔

مسلم لیگ شاخ قائم ہوئی تو اس کے صدر محمد کامل پاندھیانی ہوئے اور جنرل سیکرٹری محمد عالم داؤد پوتہ تھے۔ دیگر سرگرم ارکان یہ تھے۔ محمد صادق میمن' علی اکبر میمن' فقیر محمد داؤد پوتہ' فدا حسین داؤد پوتہ' علی محمد درس وغیرہ۔ (۱۶۸) حقیقت یہ ہے کہ سندھ خلافت کمیٹی ایسا منظم ادارہ تھا جس کی طرف سے سندھ میں خلافت کے مسئلہ کے علاوہ تعلیمی' مذہبی' سماجی اور سیاسی خدمات کا ایک جامع منصوبہ تھا۔ اس تحریک کی وجہ سے سندھ میں کئی فنڈ بھی قائم ہوئے۔ مثال کے طور پر ''سمرنا فنڈ'' جو کہ سمرنا کے مظلوم مسلمانوں کے لیے قائم کیا گیا۔ ۲۵ ہزار روپیہ مرکزی خلافت کمیٹی کو دیئے گئے۔ (۱۶۹)

۲۔ حاجیوں کی امداد:

حاجیوں کی امداد کے لیے بھی ایک فنڈ اس طرح قائم کیا گیا کہ ایک آدمی نے شیخ عبدالمجید سندھی سے

حاجیوں کی دردانگیز حالت بیان کی تو وہ تڑپ اٹھے۔ انہوں نے میاں خدا بخش اور شیخ عبدالسلام سے مشورہ کرنے کے بعد حاجیوں کی سہولت کے لیے کام کا آغاز کر دیا۔ حاجی عبداللہ ہارون نے شکر کی بوریاں دیں۔ مولانا محمد صادق کھڈے والے (جنہوں نے مدرسے کے طلبہ کی جماعت والنٹیئرز کے طور پر دی اور بیمار حاجیوں کا علاج مدرسہ میں کروایا۔ جناب قلندر شاہ نے تعاون کیا اور مولوی حکیم فتح محمد نے اسٹیشن پر بیمار حاجیوں کو مفت دوائیں دیں۔ اس طرح فوری اور ہنگامی طور پر حجاج کی دستگیری کی۔ بندرگاہ سے اسٹیشن تک سواری کا بندوبست کیا۔ کھانے پینے کی سہولت دی۔ کرائے کی گرانی کو دور کروایا۔ حاجیوں کو ٹکٹ لینے میں مدد دی۔ بیمار حاجیوں کا مفت علاج کروایا۔ اس طرح کلکتہ، بمبئی، اجمیر، حیدرآباد، میرپور خاص، سکھر، دہلی اور آگرہ کی خلافت کمیٹیوں کو تاریں بھیج کر ان کو حاجیوں کی خبرگیری کرنے کے لیے کہا گیا۔ (۱۷۰)

حجاج کرام میں سے ایک میرپور خاص اسٹیشن اور دوسرا روہڑی اسٹیشن پر انتقال کر گئے تو خلافت والنٹیرز نے ان کے کفن دفن کا بندوبست کیا۔ کراچی میں جن حاجیوں کا انتقال ہوا ان کا بندوبست مدرسہ کھڈہ والوں نے کیا۔

اس کے علاوہ حجاج کرام کے بیانات روزانہ الوحید میں شائع کرنے کے بعد ان کا خلاصہ ہندوستان کے اخبارات کو بھجوایا جاتا تھا۔ تھوڑی ہی عرصے کے اندر پورے ہندوستانی اخبارات میں ماتم شروع ہو گیا۔ ہر ایک کی توجہ مبذول ہونے سے جو سوال سندھ خلافت کمیٹی نے اٹھایا تھا وہ پورے ہندوستان اور عالم اسلام کا ہو گیا۔ ہر جلسہ میں قراردادیں منظور ہونے لگیں۔ جمعیت علمائے ہند نے بھی اس سوال کو اٹھایا۔

حجاج کو جہاز میں تو کیا بلکہ سرزمین حجاز پر بھی تکالیف اور صعوبتیں اٹھانی پڑتی تھیں۔ شریف مکہ تو غریب سندھی حجاج کو طعنہ دیتا تھا کہ تم خلافتی ہو۔ تم حج پر کیوں آئے ہو؟ واپس اپنے سندھ کے مولویوں کے پاس جاؤ۔

یہی اسباب تھے کہ حجاج فنڈ کا سندھ اور ہند میں قیام عمل میں آیا۔ شیخ صاحب نے تیونس کے ایک عربی اخبار کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ اس نے ہندوستان اور خاص طور پر سندھ کے مسلمانوں کو درخواست کی ہے کہ وہ بیت اللہ کے حج کی خاطر اسلام کے مرکز کی آزادی کے لیے کوشش کریں۔ (۱۷۱)

۳۔ انگورہ فنڈ:

انگورہ کے مظلوم مسلمانوں کی خاطر امداد کے طور پر یہ فنڈ قائم کیا گیا اور سندھ خلافت کمیٹی نے اس فنڈ میں سے وقتاً فوقتاً جو رقم بھجوائی تھی۔ وہ ۳۔۹۔۹۔۲۱ روپیہ (دو لاکھ) سے اوپر تھی۔ اس میں (۵۰)

پچاس ہزار کا عطیہ تو فقط سیٹھ عبداللہ ہارون کا تھا۔(۱۷۲) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سندھ خلافت کمیٹی کے جنرل باڈی نے کراچی میٹنگ منعقدہ ۲۵ جنوری ۱۹۲۳ء کو یہ قرارداد منظور کی تھی کہ انگورہ لیجن کے لیے ۲ ہزار والنٹیئر ز سندھ میں سے بھرتی کیے جائیں۔ جب سندھ اور ہند میں یہ بھرتی ہونے لگی تو سرولیم ونیسنٹ اسمبلی کے سرکاری ممبر نے کہہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمان باہر جا کر یہ خدمت بھی سرانجام نہیں دے سکتے۔

۴۔طیارہ فنڈ:

سمرنا کی فتح کے بعد مرکزی مجلس خلافت نے ایک قرارداد پاس کی کہ ترکوں کی فتح کی خوشی میں ۳ ہوائی جہاز نذرانے کے طور پر دیئے جائیں گے۔سندھ خلافت کمیٹی نے ایک جہاز اپنے ذمہ لیا تھا۔اس وقت جہاز کی قیمت ۳۴ ہزار روپیہ تھی۔

۵۔مدینہ مہاجرین فنڈ:

اس کے باوجود کہ مدینہ کے مہاجرین کے فنڈ کا کوئی اعلان بھی نہیں ہوا تھا، مگر پھر بھی سندھ سے اس فنڈ کے لیے بھی عطیات وصول کیے گئے۔یہ اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی علامت تھی۔جزیرۃ العرب کی جنگ میں جو لوگ مہاجر بن کر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے یہ فنڈ ان کی مالی امداد کرنے کے لیے دیا گیا۔

۶۔اخبار ''الوحید'' اور اس کی امداد:

سندھ میں تحریکِ خلافت کا روحِ رواں اخبار 'الوحید' تھا۔اس کا دور اداور اپریل ۱۹۲۲ء سے شروع ہوا۔چونکہ اخبار کا خرچہ اس کی آمدنی سے پورا نہیں ہوتا تھا' اس کے لیے فنڈ قائم کیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اور فنڈ بھی قائم کیے گئے تھے:

۷۔موپلا فنڈ:

۱۹۲۱ء میں موپلہ کے کسانوں نے غیر مسلم زمینداروں اور چوہدریوں کے خلاف بغاوت کر دی' جس کی وجہ سے حکومت نے مارشل لاء لگا دیا۔نتیجہ کے طور پر وہاں کے مسلمان معاشی طور پر بہت متاثر ہوئے۔ ان کی مالی مدد کرنے کے لیے مرکزی خلافت کمیٹی نے فنڈ قائم کیا تو سندھ نے بھی اس میں حصہ لیا۔

۸۔ انسداد فتنہ فنڈ:

ہندوستان کی طرح سندھ میں بھی شدھی اور سنگھٹن خالص ہندو تحریکوں سے پیدا شدہ صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے انسداد فتنہ فنڈ قائم کیا گیا تھا۔

اسی وجہ سے خلافت تحریک (کمیٹی) نے اپنا ایک بیت المال بھی قائم کیا' جس میں سے کمیٹی کے اپنے اخراجات بھی پورے کیے جاتے تھے۔

تحریکِ خلافت ایسی واحد تحریک تھی' جس کی شاخیں پورے صوبہ سندھ میں سب سے زیادہ تھیں۔ جلسے جلوس بھی دوسری جماعتوں اور تحریکوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہوتے تھے اور حاضری کے لحاظ سے بھی اس دور میں اس کا ایک ایک خطبہ اور جلوس لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوتا تھا۔ اس کی ہڑتالیں اور کانفرنسیں بھی مثالی ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ کے مسلمانوں میں پہلی مرتبہ صحیح طور پر سیاسی شعور اور بیداری پیدا ہوئی۔ جس کی وجہ سے انہوں نے دل کھول کر تن من اور دھن کی صحیح طور پر قربانی دی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پورے برصغیر میں قیادت کے لحاظ سے سندھ نے ایک اچھا اور قابلِ تحسین نمونہ پیش کیا تھا تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا اور دیکھا جائے تو ہجرت تحریک اور تحریکِ ترک موالات اور دیگر تحریکوں کی کامیابی بھی تحریکِ خلافت کی مرہونِ منت تھی۔ ان تحریکوں کی کامیابی کا ذکر اگلے صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

مرکزی خلافت کمیٹی نے ۱۹۲۰ء میں ایک وفد تشکیل دیا تھا کہ مولانا محمد علی جوہر' سید سلیمان ندوی اور سید حسن امام (۱۷۳) لندن جا کر حکومتِ برطانیہ کے سامنے خلافت کا مسئلہ پیش کریں گے۔ یہ وفد روانہ ہوگیا اور کافی عرصہ تک کوششیں بھی کیں' مگر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ حکومتِ برطانیہ نے ترکی کو توڑنا وقت کا تقاضا قرار دیا۔ (۱۷۴)

وفد کی واپسی کے بعد دسمبر ۱۹۲۰ء میں ناگپور میں مسلم لیگ اور کانگریس کا اجلاس منعقد ہوا۔ یہی وہ اجلاس تھا جس میں ترک موالات کی تحریک کا آغاز کیا گیا۔ (۱۷۵) اس تحریک کے دوران آگے چل کر کئی لوگوں نے ملازمتیں چھوڑ دیں' اپنے خطبات واپس کر دیئے' سرکاری امداد لینا بند کر دی اور گیارہ ہزار آدمیوں کو جیل جانا پڑا۔ ۱۷ ہزار آدمی ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے۔ (۱۷۶) سندھ میں اس ہجرت کی رہنمائی رئیس جان محمد جونیجو نے کی۔

دیکھا جائے تو خلافتِ تحریک اس دور میں ہندو مسلم اتحاد کی ایک انوکھی مثال تھی' کیونکہ مسلم لیڈروں کی گرفتاری کی وجہ سے صرف مسٹر گاندھی ایسے رہنما رہ گئے تھے جو اس تحریک کو چلا رہے تھی۔

۱۹۲۱ء کے درمیانی حصے میں یہ تحریک خود ایک بغاوت کا روپ دھار چکی تھی۔

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ موپلہ کے ہزاروں مسلمان کسانوں نے اپنے ہندو آقاؤں اور چوہدریوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی، جس کی وجہ سے انگریز حکومت نے وہاں مارشل لاء لگا دیا۔ اس بغاوت کے دوران چورا چوری کے تھانہ کو جلا دیا گیا۔ ریل کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں اور ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے گئے تھے۔ (۱۷۷)

۱۸۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ انگریز راج اب چند دنوں کا مہمان ہے، مگر اچانک مسٹر گاندھی نے فروری ۱۹۲۲ء میں ساری تحریکیں ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ (۱۷۸) اگلے دو سال کے اندر مصطفیٰ کمال نے ترکی پر قبضہ کر کے سلطان عبدالحمید کو ملک بدر کر دیا اور خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ (۱۷۹)

برصغیر کے مسلمان جب مایوس ہو گئے اور خلافت کو بچا نہ سکے تو اور نہ بحال کر سکے تو مولانا محمد علی جوہر ۱۹۲۸ء میں امیر نجد کے پاس بات کرنے کے لیے گئے۔ پھر بھی کچھ نہ بن سکا اور خلافت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ (۱۸۰)

تحریکِ خلافت پر ایک نظر:

جنگِ عظیم اول اور پھر اس کے اختتام کے ساتھ خلافت کا مسئلہ سندھ اور ہند کے مسلمانوں کی سوچوں کا مرکز رہا۔ تحریکِ خلافت سے خلافت کی بحالی کی جدوجہد کے علاوہ سیاسی، سماجی، مذہبی اور تعلیمی خدمات کے میدان میں نمایاں پیش رفت ہوئی اور لوگ اس طرف بھی متوجہ ہوئے۔

برصغیر کو آزادی کی راہ پر گامزن کرنے کا سہرا دراصل اسی تحریک کے سر ہے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو اس تحریک کا پہلا دن تھا، جس دن پورے سندھ میں اس کی آواز کو پہنچایا گیا اور اسے ''یومِ خلافت'' کا نام دیا گیا۔ اس دن پورے سندھ میں خلافت کے لیے دعائیں مانگی گئیں، جلسے ہوئے، قراردادیں منظور کی گئیں۔ سندھ کے شہر شہر اور قریہ قریہ میں یہ...... بڑے اہتمام سے منایا گیا۔ حیدرآباد، دادو، ٹنڈوالہیار، نوابشاہ، لاڑکانہ، شکارپور، سکھر، میرپورخاص، ماتلی، روہڑی، قمبر، ہالہ، رکن، امروٹ، ٹنڈو محمد خان، ڈبھرو، ٹھلاہ، کراچی اور گڑھی یاسین وغیرہ اس سلسلہ میں قابلِ ذکر ہیں۔ (۱۸۱)

اس کے دو ماہ کے اندر اندر یومِ احتجاج بھی منایا گیا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو یہ دن بڑا کامیاب رہا۔ حالانکہ اس سے صرف چار روز پہلے حکومت کی طرف سے ''جشنِ صلح'' منایا گیا تھا۔ عوام نے اس کا بالکل بائیکاٹ کیا۔ ۱۹۲۰ء میں سندھ خلافت کمیٹی نے دو مرتبہ خلافت کے دن منائے۔ پہلا یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو

دوسرا اگست ۱۹۲۰ء کو۔ اگست کا منایا ہوا یومِ خلافت بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ کمیٹی کی طرف سے جو ہدایات جاری کی گئی تھیں، وہ یہ تھیں:

(۱) مکمل طور پر ہڑتال ہونی چاہئے۔ (۲) روزے رکھے جائیں۔ دوسرے مذاہب والے اپنے طور پر عبادت کریں۔ (۳) کسی بھی طرح تشدد نہ کیا جائے۔ (۴) لوگوں کو ہڑتال پر مجبور نہ کیا جائے۔ (۵) ترک موالات جاری کرنے اور ترکی کی شرائطِ صلح "قبول نہ کرنے کی قراردادیں منظور کی جائیں۔"

خلافت سے وفاداری خلفائے بنوعثمانیہ (ترکی) سے وفاداری کو مضبوط اور ٹھوس بنانے کے لیے پہلے نہ صرف سلطان عبدالوحید اور پھر سلطان عبدالحمید کے نام سندھ کی مساجد میں خطبوں میں لائے گئے بلکہ قراردادیں بھی اس سلسلے میں منظور کرائی گئیں۔ (۱۸۳) حیدرآباد اور کراچی اس تحریک کے مرکز رہے۔ (۱۸۴) خلافت کمیٹیوں نے چھوٹے بڑے شہروں میں یہ قراردادیں منظور کیں، جس طرح گوٹھ وکا میں دسمبر ۱۹۲۲ء کو، کوٹری میں دسمبر ۱۹۲۲ء رتو ویرو میں دسمبر ۱۹۲۰ء قمبر میں دسمبر ۱۹۲۲ء، ماٹو میں جنوری ۱۹۲۳ء، مگر ترکی نے خود خلافت کا ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو خاتمہ کر دیا اور سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ (۱۸۵)

خلیفہ سلطان عبدالحمید کو معزول کر دینے کے باوجود امروٹ خلافت کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی کہ "جب تک دنیائے اسلام خلیفہ کو معزول نہیں کرتی وہ بدستور اسلامی دنیا کے لیے خلیفہ ہیں۔" (۱۸۶)

یہ تھی سندھ کے مسلمانوں کی خلافت سے عقیدت اور تحریکِ خلافت سے انسیت۔ جس کی بدولت انہوں نے اس کو پورے جوشِ ایمان سے اٹھایا تھا۔

حکومت سے تعلقات:

پہلی جنگِ عظیم تک مسلمانوں کے تعلقات کسی حد تک حکومت سے بہتر رہے، مگر جیسے ہی ترکی سے انگریزوں کی جنگ ہوئی اور اس کے نتیجہ میں خلافت کا خاتمہ نظر آنے لگا، اس کے ساتھ "رولٹ ایکٹ" کا نفاذ اور جلیانوالہ باغ کا سانحہ ہوا تو مسلمان اور ہندو سب کے سب انگریزوں سے نفرت کرنے لگے۔ اس بات میں اور شدت اسی وقت پیدا ہوئی جب انگریز حکومت نے کیے ہوئے وعدے پورے نہیں کیے۔ (۱۸۷) شریف مکہ کو خاندانی بادشاہت قائم کرنے کے علاوہ فلسطین میں یہودیوں کو بسانے کے سلسلے میں عملی اقدام ہونے لگے۔ (۱۸۸) اور تو اور انہوں نے کہا تھا کہ ترکی کی جغرافیائی حدود میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ مگر وہ وعدہ بھی پورا نہ ہوا۔ تھریس، سمرنا اور خود دارالحکومت قسطنطنیہ بھی اس سے چھین لیے گئے۔ (۱۸۹)

مسلمانوں میں ناراضگی اس وقت اور بڑھ گئی جب ترکی کو سمرنا میں فتح حاصل ہوئی اور انگریزوں نے اس کے خلاف اپنی جنگی جہاز قسطنطنیہ اور درہ دانیال کی طرف روانہ کیے۔ حالانکہ اس عمل میں اٹلی اور فرانس شامل نہیں ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کے خلاف ۲۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو یومِ سیاہ منایا گیا اور کئی شہروں میں قراردادِ مذمت پاس کی گئیں۔ ان میں جیکب آباد' شہدادکوٹ' قمبر' خیرپور ناتھن شاہ' جادو کلہوڑہ' کدہن' ماتلی' میرپور بٹھورو' کنری' انڑپور' ٹنڈو آدم' اسلام کوٹ' مخدوم بلال' شیخ بھرکیہ' موزائی' دائم مشوری' ٹھلاہ' سہون' ٹکھڑ' کپکاری' مٹیاری' کھٹیڑ' کنبھارو' سجاول' قبول کیریو' کھوکھر کھاریو غلام شاہ' ویدڑ' بھران ٹھل' چیلھ منڑیو' کوٹانو' گڑہی یاسین' گجو' تلوایو بھان' ٹنڈو جام اور بٹھی وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ بالا' نوشہرو فیروز' نصرپور اور میہڑ میں بھی قراردادِ مذمت پاس ہوئی۔

۳۰ ستمبر کو بھی اجلاس ہوئے ان میں دادو' مانجھند' مخدوم بلال' ملکانی اور نوشہرو فیروز شامل تھی۔ اس کے بعد ۱۶ را کتوبر کو باگڑجی ۱۸ را کتوبر کو دادو اور ۱۹ را کتوبر ۱۹۲۲ء کو عبدو میں بھی اجلاس ہوئے۔ یہ سلسلہ سال بہ سال جاری رہا۔ (۱۹۰)

یونان سے نفرت:

ترکی سے سندھ کے عوام کا جو جذباتی لگاؤ تھا وہ اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ یونان ترکی کا دشمن تھا اس لیے سندھ کے عوام نے بھی یونان کو اپنا دشمن جانا اور جب ۱۹۲۲ء کو یونان نے قسطنطنیہ پر حملے کا منصوبہ بنایا تو پورے سندھ میں اس کی مذمت کی گئی۔ کئی جگہوں پر مذمت کی قراردادیں بھی منظور ہوئیں' جیسا کہ جام نور اللہ میں ۱۵ راگست ۱۹۲۲ء قمبر (لاڑکانہ) میں ۱۳ راگست ۱۹۲۲ء' یکم ستمبر ۱۹۲۲ء کو جیکب آباد' ۸ ستمبر کو ٹنڈو جام میں' اس کے بعد شہدادکوٹ' لاڑکانہ' میرپور بٹھورو' رتودیرو' ٹھٹھہ' ٹھل اور ۱۰ ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو سکھر میں۔ (۱۹۱)

تحریکِ خلافت کے تحت صوبہ سندھ کے لوگوں نے جس جذبہ اور جوش سے قربانیاں دیں' ان کی تفاصیل تو پچھلے صفحات میں کافی حد تک دی جا چکی ہیں۔ اس کے باوجود اب تک ان مجاہدوں کی فہرست پیش نہیں کی جا سکی جو اس تحریک کے دوران مختلف اوقات میں کسی نہ کسی الزام میں گرفتار ہوئے یا ان پر عدالتوں میں مقدمے چلا کر انہیں مختلف میعاد کی سزائیں دی گئیں یا بغیر جرم کے گرفتاریاں ہوئیں اور پھر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ جن کو چالان کر کے عدالتوں میں پیش کیا گیا تو بعض افراد جرم ثابت نہ ہونے پر رہا کیے گئے اور بعض کو نام نہاد قوانین کے تحت جرم ثابت ہونے پر سخت سزا دے دی گئی۔ یہاں صرف ایک سال ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۳ء تک کی وہ فہرست پیش کی جاتی ہے جس میں خلافتیوں کو جیل کی سزا سنائی گئی:

جیل میں جانے والوں کی لسٹ (ضلع کراچی، سندھ)

نمبر	نام	سزا	نمبر	نام	سزا
۱۔	قاضی عبدالرحمٰن	۱۲ ماہ	۲۔	قاضی فیض محمد	۱۲ ماہ
۳۔	میاں فضل الکریم	۱۸ ماہ	۴۔	میاں اسماعیل	۱۸ ماہ
۵۔	میاں غلام	۱ ماہ	۶۔	مولوی حاجی فتح علی	۱۲ ماہ
۷۔	میاں غلام	۱۲ ماہ	۸۔	محی الدین	۱۲ ماہ
۹۔	اللہ ڈنو	۱۲ ماہ	۱۰۔	محمد خان	۱۲ ماہ ۱۰ دن
۱۱۔	قاضی خدا بخش	۱۲ ماہ	۱۲۔	میاں قلندر شاہ	۱۲ ماہ
۱۳۔	علی محمد	۶ ماہ	۱۴۔	محمد عالم	۱۲ ماہ
۱۵۔	مولوی عثمان	۶ ماہ	۱۶۔	جمال الدین بخاری	۱۲ ماہ
۱۷۔	میاں یٰسین	۱ ماہ	۱۸۔	دین محمد علیک	۱۲ ماہ
۱۹۔	میاں اسماعیل	۶ ماہ	۲۰۔	مولوی محمد یوسف	۸ ماہ
۲۱۔	مولوی موسیٰ	۶ ماہ	۲۲۔	میاں عبدالکریم	۱۲ ماہ

جیل میں جانے والوں کی لسٹ (ضلع حیدرآباد، سندھ)

نمبر	نام	سزا	نمبر	نام	سزا
۱۔	میاں امین الدین	۲۰ روپے	۲۔	شیخ عبدالمجید سندھی	۲ سال
۳۔	پیر آقا غلام مجدد	۲ سال	۴۔	محمد بخش والنٹیئر	۲ سال
۵۔	الہ بچایو	۱ سال	۶۔	مولوی یار محمد	۱ سال
۷۔	میاں عبداللہ	ڈھائی سال	۸۔	میاں محمد عرس	۱ سال
۹۔	میاں الہ ڈنہ	۲ سال	۱۰۔	میاں محمد	۲ سال
۱۱۔	مولوی محمد رمضان	۱۰ دن	۱۲۔	مولوی محمد اکرم	۱ سال
۱۳۔	لعل محمد	۱ سال	۱۴۔	حاجی پیر محمد	۱ سال
۱۵۔	عبدالکریم	۱ سال	۱۶۔	میاں مولیڈنو	۱ سال
۱۷۔	میاں عبدالرحیم	۱ سال	۱۸۔	خیر محمد	۱ سال

نام	سزا	نام	سزا
۱۹۔ میاں احمد لوہار	۶ مہینے	۲۰۔ شیخ جمال الدین	۱ سال
۲۱۔ مولوی تاج محمد	۱ سال	۲۲۔ شیخ عبداللہ بدین	۴ مہینے
نصرپور			
۲۳۔ مولوی احمد	۴ مہینے	۲۴۔ مولوی احمد میمن	۴ مہینے
۲۵۔ محمد بخش والنٹمر	۴ مہینے	۲۶۔ مولوی محمد موسیٰ	۴ مہینے
۲۷۔ حاجی کرم اللہ	۳ مہینے	۲۸۔ میاں لطف اللہ	۳ مہینے
۲۹۔ وشنو شرما	۳ سال	۳۰۔ چیرامداس	۲ سال
۳۱۔ گھنشامداس	۲ سال	۳۲۔ چوئھرام پرتاب رائے	ڈیڑھ سال
۳۳۔ بھائی گاگومل	۱ سال	۳۴۔ ڈاکٹر پرمانند	۲ مہینے
تاراچند			
۳۵۔ کیسومل	۱ سال	۳۶۔ بھگت کھیم چند	۶ مہینے
۳۷۔ گوبرمل لیلارام	۶ مہینے	۳۸۔ بھائی روپچند	۶ مہینے
۳۹۔ ہیرانند کرم چند	۳ مہینے	۴۰۔ جھمٹ مل	۱ سال

جیل میں جانے والوں کی لسٹ (ضلع ساھتی، نوابشاہ)

نام	سزا	نام	سزا
۱۔ قاضی فیض محمد	۱ سال	۲۔ ماسٹر عبداللہ	۱ سال
۳۔ حبیب اللہ	۱ سال	۴۔ مولوی عبدالخالق مورانی	جرمانہ

(۱۹۴)

سزا بھگتنے والے (ضلع تھرپارکر)

نام	سزا	نام	سزا
۱۔ محمد محسن حاجی فقیر محمد لنڈ	۱۲ مہینے	۲۔ مولوی محمد امین	۱۲ مہینے
۳۔ میر حاجی احمد علی	۱۲ مہینے	۴۔ پنڈت گنگا شنکر	۱۲ مہینے
۵۔ مولوی عبدالکریم اجمیری	۱۲ مہینے	۶۔ مسٹر فتح محمد (علیگ)	۱۲ مہینے

۷۔	محمد کریم (علیگ)	۱۲ مہینے	۸۔	ڈھلومل کشچند	۱۲ مہینے
۹۔	مسٹر بھاگچند	۱۲ مہینے	۱۰۔	دوست علی خان	۱۲ مہینے
۱۱۔	مولوی عبداللہ خان	۱۲ مہینے	۱۲۔	مولوی محمد صالح	۱۲ مہینے
۱۳۔	میر اللہ بخش خان	۱ مہینہ	۱۴۔	مولوی عبدالقیوم	۱۲ مہینے

سزا بھگتنے والے (ضلع سکھر)

		سزا			سزا
۱۔	میاں امان اللہ	۱۲ مہینے	۲۔	میاں غلام حیدر	۱۲ مہینے
۳۔	مولانا عبدالکریم چشتی	۳ مہینے	۴۔	مولوی تاج محمد (علیگ)	۱۲ مہینے
۵۔	مولوی محمد ہاشم	۱۲ مہینے	۶۔	مولوی عبدالکریم چشتی	۱۲ مہینے

(۱۹۶)

سزا بھگتنے والے (ضلع جیکب آباد)

		سزا			سزا
۱۔	نیوندرام	۵ دن	۲۔	گل محمد سیکرٹری	۵ دن
۳۔	رام چند سیکرٹری	۱ دن	۴۔	ڈاکٹر مینگھراج صدر	۱ مہینہ
۵۔	رادھاکشن والنٹیر	۱ مہینہ	۶۔	حکیم قائم الدین	۱ مہینہ
۷۔	ڈاکٹر مینگھراج	۶ مہینے	۸۔	رادھاکشن پٹیوالہ	۶ مہینے
۹۔	مکھن داس	۶ مہینے	۱۰۔	کوڈومل میمر	۶ مہینے
۱۱۔	قادر بخش (جوائنٹ سیکرٹری)				

سزا بھگتنے والے (ضلع لاڑکانہ)

		سزا			سزا
۱۔	محمد رمضان شیخ	۲ مہینے	۲۔	محمد صادق ڈوکری	۱۲ مہینے
۳۔	محمد رمضان شیخ	پونے چار مہینے	۴۔	مولوی غلام فرید	۱۲ مہینے

۵۔	محمد رمضان شیخ	۱۲ مہینے	۶۔	محمد سہراب (تعلقہ دادو)	۱۲ مہینے
۷۔	فقیر غلام نبی	۱۲ مہینے	۸۔	پیر مٹھل شاہ ٹھلاہ (باقرانی)	۱۲ مہینے
۹۔	محمد رمضان درزی	۱۲ مہینے	۱۰۔	حکیم شاہ گاجی	۱۲ مہینے
۱۱۔	محمد رمضان درزی	۱۲ مہینے	۱۲۔	فقیر غلام نبی	۱۲ مہینے
۱۳۔	مولوی مولاداد	۱۲ مہینے	۱۴۔	محمد بچل جمالی	۶ مہینے
۱۵۔	مولوی عبدالکریم	۱۲ مہینے	۱۶۔	پنڈت ادھیہ بھیانہ (دادو)	۲ مہینے

قنبر سے ۶ / آدمیوں کو پولیس ایکٹ کے تحت سزا ڈیڑھ مہینہ مگر امداد کچھ بھی نہیں۔

۱۷۔	پنڈت ادھیہ بھیانہ (دادو)	۲ مہینے	۱۸۔	گودومل (دادو)	۲ مہینے
۱۹۔	بھگوان داس	۱۲ دن	۲۰۔	پرسرام (ٹلٹی)	۱۲ مہینے
۲۱۔	بھگوان داس (دوبارہ)	۱۲ مہینے	۲۲۔	مہراج دوارکا پرشاد	۱۲ مہینے
۲۳۔	امل سنگھ (رتوویرو)	۱۲ مہینے	۲۴۔	مہراج دوارکا پرشاد	۱۲ مہینے
۲۵۔	شہریومل (دادو)	پونے چار مہینے			(۱۹۸)

جمعیت خلافت صوبہ سندھ نے مہاجروں اور محبوسین کے لیے بھی سندھ میں امداد جمع کی اور ان لوگوں کو گھروں پر وہ امداد ماہانہ طور پر دی جاتی تھی۔ اس کا ثبوت جمعیت خلافت کی سالانہ رپورٹ سے بخوبی ملتا ہے۔

۱۔	شیخ عبدالمجید سندھی	حیدرآباد	۲ سال	ماہانہ ۴۰ روپیہ
۲۔	غلام حیدر (علیگ)	سکھر	۱۲ مہینے	ماہانہ ۳۰ روپیہ
۳۔	میاں محمد بخش	حیدرآباد	۱ سال	ماہانہ ۱۰ روپیہ
۴۔	مولوی محمد موسیٰ	حیدرآباد	۶ مہینے	ماہانہ ۲۰ روپیہ
۵۔	میاں امان اللہ	سکھر	۱۲ مہینے	کل ۱۲۰ روپیہ امداد
۶۔	میاں محمد رمضان	لاڑکانہ	۶ مہینے	۱۵ روپیہ ماہانہ
۷۔	میاں محمد	لاڑکانہ	پونے چار مہینے	۱۵ روپیہ ماہانہ
۸۔	میاں محمد	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۱۵ روپیہ ماہانہ
۹۔	محمد سہراب	دادو	۱۲ مہینے	۱۰ روپیہ ماہانہ
۱۰۔	محمد صادق	ڈوکری کانگریسی	۱۲ مہینے	۳۰ روپیہ ماہانہ

۱۱۔	محمد رمضان درزی	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۱۰ روپیہ ماہانہ
۱۲۔	محمد رمضان درزی	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۱۰ روپیہ ماہانہ
۱۳۔	مولوی غلام فرید	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۲۰ روپیہ ماہانہ
۱۴۔	حکیم شاہ گاجی کھباڑو	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۵۰ روپیہ ماہانہ
۱۵۔	مولوی مولاداد	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۵۰ روپیہ ماہانہ
۱۶۔	محمد یعقوب	لاڑکانہ	۱۲ مہینے	۱۵ روپیہ ماہانہ

صوبہ سندھ سے جو امداد دی گئی اس کی تفصیل:

مذکور امداد دینے والوں میں شیخ عبدالمجید سندھی، مولوی فضل کریم، مولوی محمد یوسف، مولوی فتح علی، مولوی محمد عثمان، قاضی فیض محمد، میاں غلام حیدر، محمد کریم (علیگ)، اسماعیل کھتری، مولوی تاج محمد (علیگ)، غلام نبی، مسٹر بخاری، مسٹر دین محمد (علیگ)، شامل ہیں، جو ماہانہ طور پر امداد دیا کرتے تھے۔ یا ایک مرتبہ یا کئی مرتبہ امداد دیا کرتے تھے۔ اس طرح سال ۱۹۲۲ء۔۱۹۲۳ء میں اس امداد کی کل رقم تھی ۵۸۷۴۴۰ روپیہ۔ (۲۰۰)

مجلس۔ خلافت صوبہ سندھ کے عہدیدار سال ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۳ء

۱۔ صدر: سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون

۲۔ نائب صدر: سید اسد اللہ شاہ

۳۔ سیکرٹری: مسٹر علاؤالدین

۴۔ خزانچی: سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون (۲۰۱)

ورکنگ کمیٹی کے ارکان

۱۔ قاضی اسداللہ ۔ ۲۔ قاضی عبدالرحمن

۳۔ پیر الٰہی بخش ۔ ۴۔ میر اللہ بخش

۵۔ قاضی خدا بخش ۔ ۶۔ پیر علی انور شاہ

۷۔ مسٹر عبدالجبار (۲۰۲)

صوبہ سندھ سے مرکزی خلافت کمیٹی کے ارکان

۱۔ پیر الٰہی بخش
۲۔ قاضی اسد اللہ
۳۔ قاضی عبدالرحمٰن
۴۔ حکیم شمس الدین
۵۔ قاضی خدا بخش
۶۔ میر اللہ بخش
۷۔ مولوی محمد صادق
۸۔ مولوی تاج محمد (علیگ)
۹۔ مولوی دین محمد (علیگ)
۱۰۔ مولوی تاج محمد (علیگ)
۱۱۔ میر محمد بلوچ
۱۲۔ مسٹر خان محمد
۱۳۔ شیخ عبدالمجید سندھی

(۲۰۳)

صوبہ سندھ کے ارکان (ضلع کراچی)

۱۔ سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون
۲۔ مولوی محمد صادق
۳۔ میر محمد بلوچ
۴۔ ڈاکٹر حاجی
۵۔ مسٹر محمد خان
۶۔ ڈاکٹر احمد
۷۔ قاضی خدا بخش
۸۔ مولوی فتح محمد
۹۔ مولوی محمد سلیمان
۱۰۔ مولوی محمد عثمان
۱۱۔ ڈاکٹر علی اکبر

(۲۰۴)

ضلع حیدرآباد

۱۔ قاضی عبدالرحمٰن
۲۔ قاضی اسد اللہ
۳۔ پیر آقا محمد عمر جان
۴۔ مسٹر عبدالجبار
۵۔ مسٹر امین الدین
۶۔ ڈاکٹر پرمانند
۷۔ پیر محبوب شاہ
۸۔ میاں محمد ہاشم مخلص
۹۔ مولوی غلام محمد
۱۰۔ حاجی کرم اللہ
۱۱۔ سید قمبر علی شاہ
۱۲۔ قاضی عبدالواحد

(۲۰۵)

ضلع تھرپارکر

۱۔ میر اللہ بخش خان
۲۔ مسٹر فتح محمد (علیگ)
۳۔ پیر محمد علی جان
۴۔ قاضی فیض محمد
۵۔ منشی محمد اسماعیل
۶۔ مولوی محکم الدین (۲۰۶)

ضلع ساہتی

۱۔ مولوی فضل محمد
۲۔ حکیم شمس الدین
۳۔ سرائی علی محمد خان
۴۔ شجاع محمد (۲۰۷)

ضلع سکھر

۱۔ سیٹھ عبدالستار آدم
۲۔ وڈیرو یار محمد
۳۔ میاں علاؤ الدین
۴۔ مولوی دین محمد وفائی
۵۔ حاجی محمد یعقوب
۶۔ مولوی محمد ہاشم
۷۔ مولوی عبدالعزیز
۸۔ (۲۰۸)

ضلع نواب شاہ

۱۔ مولوی محمد حسین
۲۔ پیر سید علی نواز شاہ (۲۰۹)

ضلع شکارپور

۱۔ پیر ضیاء الحق
۲۔ مسٹر امان اللہ
۳۔ حکیم فضل اللہ
۴۔ (۲۱۰)

ضلع دادو

۔ پیر عبدالحق شاہ
۲۔ حکیم فتح محمد
۳۔ مولوی عبدالحق مورائی
۴۔ حافظ محمد طاحسن (۲۱۱)

ضلع لاڑکانہ

۱۔	پیر علی انور شاہ	۲۔	وڈیرو رضا محمد
۳۔	مسٹر بھوجل	۴۔	میاں جیون شاہ
۵۔	مخدوم سراج الدین	۶۔	حکیم عبدالجلیل
۷۔	پیر تراب علی شاہ	۸۔	پیر محمد منیر شاہ
۹۔	پیر الٰہی بخش شاہ	۱۰۔	پیر مٹھل شاہ
۱۱۔	میاں محمد صادق	۱۲۔	علی احمد خان
۱۳۔	حافظ عبیداللہ		(۲۱۲)

آخر میں شیخ عبدالمجید سندھی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''سندھ میں اس قدر کام کسی قربانی کے بغیر ہی نہیں ہوسکتا۔ اسلام کے ہزاروں فرزند پروانوں کی طرح جب میدان میں آئے' تب جا کر یہ بیداری پیدا ہوئی' ورنہ ۸۔۱۰ رسال پہلے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اب بھی سرکار کی جیلوں میں ۱۱۶ ررضا کار اور رہنما بند ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ہندو بھائی بھی صعوبتوں میں ہمارے شریک رہے ہیں۔ (۲۱۳)

خدمات کی غرض سے آخر میں یہ دو ایک باتیں بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ:

جو لوگ اس وقت جیلوں میں تھے اور ان کے پسماندگان کو گزارے کے لیے تکلیف تھی' تو ایسے اسیروں کے اہل وعیال کی خبر گیری صوبائی یا ضلعی کمیٹیوں کے ذمہ تھی۔ ان کی ماہانہ مدد کی جاتی تھی۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ میں ان کی تفصیل بھی دی ہوئی ہے' جو پہلے ہی پیش کی جا چکی ہے۔ ایسے افراد کی کل تعداد ۴۳ تھی۔ ان میں سے ۲۶ کو صوبائی کمیٹی نے اور ۱۷ کو مختلف ضلعی کمیٹیوں نے ماہانہ امداد دی' جو کہ ۴ روپیہ تھی۔ (۲۱۴)

سندھ خلافتِ تحریک کی روشنی میں کاؤنسلوں کا بائیکاٹ:

تحریکِ خلافت اور اس کے ساتھ ترک موالات وقطع تعلقات کے بعد خلافتی کسی طور پر بھی حکومت سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھی۔ انہوں نے خطابات' پروانے' کرسیاں اور ڈگریاں تک واپس کر دی تھیں' مالی تعاون اور امداد لینا بند کر دیا تھا' تو ایسے حالات میں وہ اسمبلیوں کی نشستیں بننے کے لیے تیار کیونکر ہوتے۔

ایسے ہی وقت میں حکومت کی طرف سے کاؤنسلوں کے انتخابات کا اعلان ہوا جو کہ خلافتی ذہن والوں کے لیے بڑی آزمائش تھا۔ ایسے حالات میں مذہبی ذہن والے' قوم پرست اور وطن دوست رہنما اور عوام ایک ساتھ باہر تھے۔ ان کے مقابلے میں حکومت پرست اور ابن الوقت لوگ اپنی وفاداری جتانے کے لیے کاؤنسلوں کے انتخابات میں امیدوار بن گئے۔

یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی کہ اگر ایسے موقع پر خودغرض اور مطلب پرست لوگ کاؤنسلوں میں پہنچ گئے تو حکومت ان کے تعاون سے کالے قانون پاس کر کے نافذ کر دے گی۔ اس لیے ضروری تھا کہ وطن پرست لوگوں کو انتخابات کے ڈھونگ سے باخبر رکھنے اور اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لیے باقاعدہ مہم چلائیں اور ان میں سیاسی شعور پیدا کریں۔ اس طرح کہ لوگ انتخابات میں حصہ ہی نہ لیں۔

وطن دوست اور خلافتیوں نے کاؤنسلوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا اور اس کے خلاف مہم شروع کر دی۔ کئی وفود تشکیل دیئے گئے' جن کا کام صرف تبلیغ کرنا' سندھ کے میلے' ملاکھڑے (کشتی) حتیٰ کہ شادیوں کی دعوتوں میں یا عام جلسوں اور دیگر محفلوں میں اسی تبلیغ کو جاری رکھا۔ بڑے بڑے شہروں میں تو ہفتے بھی منائے گئے۔ ان کاؤنسلوں کے بائیکاٹ سے متعلق جو ہفتے منائے گئے وہ یہ تھے:

۱۔ یکم اکتوبر ۱۹۲۰ء سے ۱۷/اکتوبر ۱۹۲۰ء اور ۱۶/اکتوبر تک حیدرآباد

۲۔ ۱۸/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہالا ۳۔ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو باؤ ویرو

۴۔ ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو نصرپور ۵۔ ۳۰/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ٹنیاری (۲۱۵)

اس موقع پر عام اتحاد کی بھی ضرورت تھی تو اس میں بھی کامیابی ہوئی۔

ہندو مسلم اتحاد اور سندھ خلافت تحریک:

''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر انگریز نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ تقسیم بنگال ۱۹۰۵ء سے اس کی واضح تصویر سامنے آ گئی تھی۔ اس طرح فریقین کے درمیان سیاسی اختلافات بڑھ کر مذہبی اختلافات اور کشیدگی کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ ہندو مسلم اختلاف ادبی اور صحافتی دنیا سے شروع ہو کر عام بحث مباحثوں اور مناظروں تک پہنچ گئے۔ مگر قوم و ملک کے مخلص رہنما اس کشیدگی کو دور کر کے ایک پلیٹ فارم پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں قائداعظم محمد علی جناح' مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی اور مسٹر گاندھی کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ جلیانوالہ باغ کا واقعہ اور خلافت تحریک اس کی بہترین

مثال ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کی ایسی مثال پھر کبھی نظر نہ آئی۔ ایسا وقت بھی آیا کہ ہندوستان کے مرکزی خلافتی رہنما جب سارے کے سارے جیلوں میں بند کر دیئے گئے تو اس تحریک کو مسٹر گاندھی نے جاری رکھا' اسے مسجد کے ممبر تک لے آئے اور تقریر کروائی۔

سندھ خلافت تحریک کے رہنماؤں کی کوششیں ہندو مسلم اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے برابر جاری رہیں اور مختلف شہروں کی خلافتی کمیٹیوں نے کئی ایسی قراردادیں بھی منظور کیں' جن کے مطابق گائے ذبح کرنے سے کسی طور پر پرہیز کرنا اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مذہبی مقامات کے احترام کی تلقین کرنا شامل تھا۔(۲۱۶)

سندھ خلافت کمیٹیوں نے ایک دوسرے کی قیادت کو بھی تسلیم کیا' جس کی وجہ سے اس دور میں ہندو مسلم منافرت کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا۔

شدھی کی تحریک جس انداز سے ہندوستان میں شروع ہوئی' اس سے مسلمان اپنے مذہب کی حفاظت اور اشاعت کی طرف راغب ہوئے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے شدہ اختیار نہ کی۔

۶ رلاکھ راجپوتوں کو ہندو بنانے کی تحریک بذاتِ خود ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنے کے لیے کافی تھی' مگر اس کے ساتھ آریہ پرچارک (مبلغ) اسلام اور اسلام کی تہذیب اور تاریخ پر ہر طرح کے حملے کرنے لگے...... خود سندھ میں جہاں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے محبت اور امن سے رہتے تھے' اس طرح آریہ پرچارک عام جلسوں میں بدزبانی کرنے لگے۔

شیخ عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں:

''میں نے اپنا فرض جانا' اس لیے ذمہ دار ہندو رہنماؤں کو توجہ دلائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو مسلم صلح بورڈ قائم ہوا۔ آریہ ساجین کے جلسے میں شدھ سادھاں یعنی آریاؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے بحث مباحثے کو روکنے میں کامیابی ہوئی۔

اس کوشش میں سیٹھ عبداللہ ہارون اور سادھو واسوانی بھی شریک تھے' جمعیت العلمائے سندھ والے بھی شریک تھے۔ ان کے علاوہ مسٹر غلام محمد بھرگڑی' ڈاکٹر چوئتھ رام مسٹر جیٹھ مل اور مسٹر سنت داس کی کوششیں بھی شامل تھیں۔

شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''ہماری تحریک کا مقصد جزیرۃ العرب اور ہندوستان کی آزادی ہے...... اس لیے ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ پوری ہندو قوم کو اپنے ساتھ شریک رکھیں۔ ہندو مسلم اتحاد ہماری تحریک کی جان اور بنیاد ہے۔''

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔ ستمبر ۱۹۲۲ء تا اگست ۱۹۲۳ء۔ الوحید پرنٹنگ پریس کراچی۔ ۲۸ نومبر ۱۹۲۳ء)

سرکاری عملداروں کی مذمت' سندھ خلافت تحریک کی روشنی میں:

غیروں کی حکومت کے دوران قوم طبقات میں بٹ جاتی ہے' ایسے حالات میں سرکاری عملدار بھی ایک طبقہ بن جاتا ہے' جو حکومت کی لاٹھی بن کر عوام پر مظالم ڈھاتے ہیں۔ تحریکِ خلافت کے دوران یہ سلسلہ اور زیادہ نمایاں طور پر شروع ہوگیا۔ چونکہ خلافتی حکومت کے خلاف تھے تو سرکاری علمداروں نے خطاب یافتہ وڈیروں اور جاگیرداروں کی مدد سے جو کہ خود حکومت کے ہموا تھے' عوام پر ظلم کی انتہا کر دی۔ کئی خلافتی کارکن اور رہنما جیلوں میں ڈال دیئے گئے' کئی سے زمینیں چھین لی گئیں اور کئی کو دوسرے مسائل میں الجھا دیا گیا۔ اس کے باوجود یہ لوگ اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہ ہٹے' بلکہ اور زیادہ مضبوط ارادے کے مالک بن گئے۔ انہوں نے اپنے عمل سے ان کارروائیوں کی مذمت کی اور مختلف کمیٹیوں میں مذمتی قراردادیں بھی پاس کیں۔ نمونے کے طور پر چند شہروں کا ذکر کریں گے' جہاں ایسی قراردادیں منظور ہوئیں:

کراچی	۳/جولائی	۱۹۲۰ء
حیدرآباد	۲۳/جولائی	۱۹۲۰ء
ٹھٹھی	۱۱/اگست	۱۹۲۰ء
سونڈا	۲۶/نومبر	۱۹۲۰ء
نواب شاہ	۲۶/جنوری	۱۹۲۱ء
چک	۲۸/ستمبر	۱۹۲۲ء (۲۱۷)

صنعت وتجارت اور سندھ خلافت تحریک:

انگریز اور اس کے سماج سے نفرت کی بنا پر مسلمان انگریزی تعلیم سے دور رہے اور چونکہ نظامِ حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں تھا' اس لیے ہندو کے مقابلے میں مسلمان ہر شعبۂ زندگی میں پیچھے رہ گئے۔ سندھ میں بھی یہی صورتحال پیش آئی۔

دوسری طرف سندھ کے مسلمان چونکہ زراعت پیشہ تھے' اس لیے بنیادی طور پر صنعت وتجارت میں

بھی کوئی ترقی نہ کر سکے۔ انگریزی تہذیب وثقافت کے عام چرچے نے تعلیم یافتہ طبقے کو بہت متاثر کیا۔ نتیجے میں سندھ اور ہند غیر ملکی اشیاء کی بہت اچھی منڈی بن گیا۔

تیسری طرف انگریز حکومت یہاں کا خام مال اپنے ملک پہنچاتی تھی اور اپنے ملک کی ملوں میں تیار کردہ مال واپس یہاں لا کر مہنگے داموں فروخت کر دیتی تھی' جس کی وجہ سے دیسی مال کی مانگ ولایتی ملوں کے مال کی نسبت سے کم رہتی تھی اور ملکی پیسہ ایک کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ زرمبادلہ کی صورت میں باہر چلا جاتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ سندھ اور ہند کی تمام سیاسی اور سماجی انجمنوں اور تنظیموں کی طرف سے ملکی صنعت کو فروغ دینے کی غرض سے درآمد شدہ مال خریدنے سے عوام کو روکنے کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی گئی۔ اسی لیے تحریکِ خلافت مقامی صنعت کو فروغ دینے کا اہم ذریعہ بنی۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے مختلف شاخوں سے قراردادیں بھی پاس کروائیں' ان کی تاریخ کچھ اس طرح ہے:

سیوہن	۱۷راپریل	۱۹۲۰ء	ہالا	۱۷۔اپریل	۱۹۲۰ء
کراچی	۱۹رمئی	۱۹۲۰ء	قمبر	۲رجولائی	۱۹۲۰ء
نوشہرو فیروز	۱۸راکتوبر	۱۹۲۰ء	جیکب آباد	۴رنومبر	۱۹۲۰ء
مبارکپور	۱۱رنومبر	۱۹۲۰ء	ٹھل	۸راگست	۱۹۲۲ء
کوٹری	۲۸راگست	۱۹۲۲ء	گوٹھ تھالہ	۲رستمبر	۱۹۲۲ء
گوٹھ پنہور	۲رستمبر	۱۹۲۲ء	چک	۲۸رستمبر	۱۹۲۲ء
	۲رجنوری	۱۹۲۲ء	گڑھی یاسین	۵رجنوری	۱۹۲۳ء
سکھر	۲۸راکتوبر	۱۹۲۸ء	کراچی	۱۶رجنوری	۱۹۳۱ء
حیدرآباد	۱۱رفروری	۱۹۳۱ء	مرادپور	۳۰راپریل	۱۹۳۳ء وغیرہ (۲۱۸)

مقامی انتخابات اور سندھ خلافتِ تحریک:

۱۹۲۰ء کے کاؤنسلوں کے انتخابات کے بعد یہ احساس تو پختہ ہو گیا کہ عوام کو غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف متحد کرنا آسان ہے' لیکن مشکل یہ تھی کہ اوپر کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی مفاد پرستی میں وفاداریاں بدلتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اپنی قوم میں طبقاتی ...... کو ختم کرنا آسان نہ تھا۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ لوکل بورڈوں کے انتخابات میں حصہ لیا جائے تا کہ نیچے اور اوپر کے ایوانوں میں من مانی

قانون سازی کو روکا جا سکے۔ اس حکمتِ عملی کی بنیاد پر کراچی، حیدرآباد اور شکارپور یا دوسرے چھوٹے بڑے شہروں سے لوکل بورڈوں کے لیے خلافت کمیٹی نے اپنے امیدوار کھڑے کیے اور ان کی حمایت میں جلسوں کا پروگرام شروع ہوگیا۔ (۲۱۹)

کراچی، حیدرآباد اور شکارپور کے جلسے بہت کامیاب رہے۔ یہی وجہ تھی کہ مقامی انتخابات میں کسی حد تک خلافتی امیدواروں کو کامیابی حاصل ہوئی تھی، مگر لوکل بورڈوں کے محدود اختیارات کی وجہ سے وہ کامیاب اراکین بہتر طریقہ پر عوام کی خدمت نہ کر سکے۔

خلافتِ تحریک اپنے مقصد کے حصول میں تو ناکام ہوگئی لیکن سندھ میں اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئی۔ سندھ کی بمبئی صوبہ سے علیحدگی کی تحریک کیمونل ایوارڈ کی مذمت، سائمن کمیشن سے عدم تعاون، مسلم لیگ سے الحاق، ریاست خیرپور کی خودمختاری، کسانوں کے حقوق کی حفاظت اور مذہبی، تعلیمی اور مکمل آزادی کے سلسلے میں اس کے اثرات اور فوائد منظرِ عام پر آتے رہے۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

صوبہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی اور سندھ خلافت تحریک:

سندھ کی بمبئی صوبہ سے علیحدگی کے بارے میں تحریکِ خلافت کے تحت ہونے والے جلسوں میں قراردادیں ملتی ہیں جو متفقہ طور پر منظور ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے جو قرارداد ملتی ہے وہ ہے ۶/اگست ۱۹۲۸ء کو منعقدہ کراچی خلافت کانفرنس میں اس کی منظوری۔ (۲۲۰)

اسی سال دسمبر کے مہینے میں جب سکھر میں خلافت کانفرنس ہوئی تو پھر سے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی قرارداد پیش کی گئی اور منظور ہوئی۔

قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

''جس طرح سندھ کے باسیوں کی اکثریت ان کے الگ صوبے بنانے کے لیے مالی اور انتظامی خرچہ کا ذمہ اٹھانے کے لیے تیار ہے، باقی کمی کو پورا کرنے کے لیے مرکزی حکومت کو تیار رہنا چاہیے، اسی لیے سندھ کی علیحدگی کو مالی وجوہات کی بنا پر روکنے کی پالیسی پر یہ کانفرنس مخالفت کرتی ہے۔'' (۲۲۱)

اسی بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور بمبئی صوبہ کی انتظامیہ کی مخالفت کی وجہ سے سندھ خلافت کمیٹی نے ایک سب کمیٹی ۱۰/فروری ۱۹۳۱ء کو تشکیل دی کہ وہ صحیح اخراجات کا اندازہ لگا کر سرکاری کمیٹی کے لیے سہولت پیدا کرے اور اپنا بھی نکتۂ نظر پیش کرے۔ اس سب کمیٹی کے ممبر یہ تھے:

''شیخ عبدالمجید سندھی، سید میراں محمد شاہ، حاجی عبداللہ ہارون، جی ایم سید، پیر الٰہی بخش، نور محمد

ایڈووکیٹ‘ محمد ہاشم گزدر‘ حاتم علوی‘ قاضی فضل اللہ‘ محمد حنیف اور قاضی خدا بخش۔‘‘ (۲۲۲)
اس کے بعد بھی سندھ کی علیحدگی تک یہ تحریک عملی طور پر کام کرتی رہی۔

کمیونل ایوارڈ کی مذمت اور سندھ خلافت تحریک:

مختلف اقدامات اور حکمتِ عملی کی بنا پر سندھ اور ہند کے عوام کی پریشانی اور بے چینی میں روز افزوں اضافہ ہونیلگا۔ سائمن کمیشن اور پہلی گول میز کانفرنس (جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ بعد میں آئے گا) کی ناکامیوں کے بعد تو عوام کا اعتماد پورے طور پر برطانوی حکومت سے اٹھ گیا اور صورت حال یہ پیدا ہوگئی کہ اس کے پیشِ نظر وزیر اعظم مسٹر ریمزے میکڈونالڈ (Mr. Ramsay Macdonald) نے کمیونل ایوارڈ کے ایک حصے کا اعلان کیا۔ جس میں مسلمانوں کے کچھ مطالبات تسلیم کیے گئے تھے‘ مگر پانچ مہینے کے بعد جب باقی ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس میں تو سندھ اور ہند کے مسلمانوں کے ساتھ بڑی ناانصافی کی گئی ہے۔ انہیں مسلم اقلیتی صوبوں میں توازن کا حق تو دیا گیا تھا‘ مگر بنگال اور پنجاب کے صوبوں میں ان کی نمائندگی میں کمی کر کے ان کی اکثریت کو بے اثر بنا دیا گیا۔ اس کے برخلاف سندھ اور سرحد کے دو مسلم اکثریتی علاقوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو زیادہ توازن دیا گیا تھا۔

سندھ خلافت کمیٹی نے بھی اس ایوارڈ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی بار بار مذمت کرتی رہی اور یکم اپریل ۱۹۳۳ء کو جب مراد پور (ضلع جیکب آباد) میں خلافت کانفرنس ہوئی تو اس مسئلے پر سخت قسم کی قراردادیں منظور کی گئیں۔ (۲۲۳)

سائمن کمیشن کے خلاف احتجاج اور سندھ خلافت تحریک:

انگریز حکومت سندھ اور ہند میں بار بار نئے نئے آئینی تجربات کرتی اور انہیں نافذ کرتی رہی‘ جسے عوام نے کبھی بھی قبول نہ کیا اور حکومت کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

حکومتِ ہند نے ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ کیا تھا‘ اس کی کارکردگی دیکھنے کے لیے ۸ر نومبر ۱۹۲۷ء کو ایک کمیشن قائم کیا گیا تاکہ وہ تحقیق کر کے اپنی سفارشات پیش کرے۔ (۲۲۴)

اس کمیشن کے چیئرمین سرجان سائمن (Sir John Siman) تھے‘ اس میں دارالعلوم اور دارالامراء کے بالترتیب پانچ اور دو ارکان شامل تھے۔ یہ قطعی طور پر پارلیمانی حیثیت کا حامل تھا۔ ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں سے کہا گیا کہ وہ کمیشن کے سامنے اپنی تجاویز پیش کریں۔ کیونکہ

اس کمیشن میں کوئی بھی دیسی سیاستدان اور رہنما شامل نہیں تھا' جس کی وجہ سے سندھ اور ہند کے سارے سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں نے نہ صرف اس کی مذمت کی بلکہ اس سے کسی بھی قسم کا تعاون بھی نہ کیا۔ سندھ خلافت کمیٹی نے بھی یہی فیصلہ کیا۔ (۲۲۵)

۲۸/ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو سکھر میں منعقدہ خلافت کانفرنس میں طے کیا گیا کہ پروگرام کے مطابق کمیشن جب کراچی میں آئے گا تو اس کا کالی جھنڈیوں سے استقبال کیا جائے گا۔ (۲۲۶)

آزادی کی اہمیت کا احساس اور سندھ خلافت تحریک:

جیسا کہ سب جانتے ہیں' تحریکِ خلافت ترکی کی خلافت کی حمایت اور تحفظ کی خاطر شروع کی گئی تھی مگر اس نے لوگوں کے دلوں میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ اس کے حصول کے لیے متحد اور متفق ہو گئے۔ تحریکِ خلافت کی بدولت یہاں کے عوام میں ایسا شعور پیدا ہو گیا کہ وہ بلاامتیاز آزاد ہونے والی ہر قوم و ملک کی اخلاقی مدد کرنے لگے۔ مصر' الجزائر اور چین کے عوام اسی دوران آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھی تو سندھ خلافت کمیٹی نے ان کی ہمدردی اور حوصلہ افزائی کے لیے قراردادیں منظور کیں اور ان کی مثال دے دے کر اپنے عوام کو آزادی کے لیے جوش اور جذبہ دلا رہے تھی تا کہ وہ بھی غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکنے کے لیے کچھ کریں۔

سندھ خلافت کمیٹی کی کئی شاخوں نے اس سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا' جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ مصر میں آزادی کی کوششوں کو سراہتے ہوئے سندھ خلافت کمیٹی ''چھبے'' نے اگست ۱۹۲۰ء میں اپنے عوام کو سندھ اور ہند میں بھی ان ہی خطوط پر کام کرنے کی تلقین کی۔ (۲۲۷)

۲۔ میہڑ خلافت کمیٹی نے الجزائر کے مجاہدین کی ہمدردی اور حوصلہ افزائی کے لیے دسمبر ۱۹۲۰ء میں ایک قرارداد منظور کی۔ (۲۲۸)

۳۔ مراد پور (ضلع جیکب آباد) خلافت کمیٹی نے اپنی خلافت کانفرنس اپریل ۱۹۲۳ء میں چین سے ہمدردی کرتے ہوئے وہاں ڈھائے جانے والے مظالم کی پُرزور مذمت کی۔ (۲۲۹)

۴۔ چک خلافت کانفرنس ۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء میں تو مکمل آزادی کی قرارداد منظور کی گئی۔ (۲۳۰)

خلافت کمیٹی کی ان مخلصانہ اور بے لوث کوششوں کی وجہ سے عوام مذہبی مسائل پر ایک پلیٹ فارم پر متحد ہوئے اور بعد میں ان میں جو سیاسی شعور پیدا ہوا اس سے آزادی کی منزل پر پہنچنے میں آسانی ہوئی۔

سندھ خلافت کا سندھ مسلم لیگ میں انضمام:

دیکھا جائے تو خلافتِ تحریک کا خاتمہ ۱۹۲۴ء میں ترکی میں خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود سندھ خلافت کمیٹی ایک فعال سیاسی جماعت کی حیثیت سے سندھ کے عوام کی خدمت کرتی رہی۔ اس نے بمبئی صوبہ سے سندھ کی علیحدگی کے لیے بھی مثبت کردار ادا کیا۔ مگر چونکہ مرکزی خلافت کمیٹی ختم ہو چکی تھی اور سیاست کا دھارا زیادہ تر سندھ اور ہند (برصغیر) میں دو سیاسی جماعتوں کے حق میں بہنے لگا' ایک آل انڈیا کانگریس اور دوسری آل انڈیا مسلم لیگ' جو کہ خالص مسلمانوں کے حقوق کے لیے کام کر رہی تھی۔ چونکہ سندھ خلافت کمیٹی بھی خالص مسلمانوں کے حقوق کی بات کرتی تھی' اس لیے اپریل ۱۹۳۸ء میں اس کے جنرل بورڈ کا ایک اجلاس حیدرآباد میں منعقد ہوا' جس میں اتفاقِ رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ سندھ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو سندھ خلافت کمیٹی کا پلیٹ فارم سمجھا جائے۔ اس طرح سندھ خلافت کمیٹی نے اصولی طور پر اپنے آپ کو سندھ مسلم لیگ میں ضم کر لیا۔ (۲۳۱)

تعلیمی خدمات اور سندھ خلافت تحریک:

سندھ تحریکِ خلافت کو یہ بھی احساس تھا کہ انگریز سرکار تعلیم کے ذریعے اپنے مفادات کی خاطر لوگوں کے ذہنوں کو اپنے مفادات میں استعمال کرنے کے لیے تعلیمی پالیسی اور اسکولوں کا نظام اس انداز کا رکھا ہے کہ وہ انگریزی تہذیب سے زیادہ قریب کرنے والے ہوں۔ خلافتی عوام نے سب سے پہلے ایسے اسکولوں سے اپنے بچوں کو اٹھا لیا۔ دوسری طرف غیر سرکاری اداروں نے وہ امدادی رقوم بھی واپس کر دیں۔ یا لینے سے انکار کر دیا جو حکومت انہیں دیا کرتی تھی۔ (۲۳۲)

اس کے علاوہ سندھ خلافت کمیٹی نے تعلیم کے مسئلے کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے لوکل بورڈ میں اپنے امیدوار کھڑے کیے کہ تعلیم کو شہر شہر اور گاؤں گاؤں تک پھیلایا جا سکے۔

تحریک کے مرکزی دفتر میں اس مقصد کے لیے الگ شعبہ قائم کیا گیا اور صوبے کے ایک تعلیمی اداروں کو اپنے ساتھ وابستہ کر دیا۔ (۲۳۳) ان کی مالی مدد کرتے رہے اور ان کے لیے بہتر تعلیمی نصاب بھی وضع کر کے چھپوا دیا۔ (۲۳۴)

مرکزی دفتر کی اس مخلصانہ کوشش کے علاوہ تحریک کی اکثر شاخوں نے اپنے اجلاسوں میں قومی تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے قراردادیں بھی منظور کرتی رہیں اور عوام میں تبلیغ بھی کرتی رہیں جیسا کہ:

سیوہن اور ہالا کے اجلاسوں میں	۲۷/اپریل	۱۹۲۰ء
مورو اجلاس میں	۲۴/ستمبر	۱۹۲۰ء
کراچی اجلاس میں	۲۷/اکتوبر	۱۹۲۰ء
گوٹھ جیئند میں	۱۰/ستمبر	۱۹۲۰ء
گوٹھ مبارکپور میں	۱۱/نومبر	۱۹۲۰ء
سکھر کے اجلاس میں	۹/نومبر	۱۹۲۴ء
گوٹھ کھمڑ میں	۱۴/نومبر	۱۹۲۴ء
مراد پور میں	۳۰/اپریل	۱۹۳۳ء

خیر پور ریاست کی خودمختاری اور خلافت تحریک:

باوجود اس کے کہ خیر پور ایک ریاست تھی، مگر عملی طور پر بمبئی صوبائی حکومت کے اختیار میں تھی۔ ریاست کے انتظام کے لیے حکومت بمبئی کی طرف سے وزیراعلیٰ کے تقرر سے ریاست کے انتظام کی کارکردگی بڑی حد تک متاثر رہتی تھی۔

خلافت تحریک کے آغاز پر خیال تھا کہ ریاست بہرطور پر اس کی اخلاقی اور مالی مددگار ثابت ہوگی، مگر یہ خیال خام ہی رہا۔ مدد کرنے کے بجائے معروف رہنماؤں کا ریاست کی حدود میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ وہاں کے خلافتی کارکنوں پر ظلم وتشدد بھی ہوتا رہا جس کی وجہ سے اکثر خلافتی اجلاسوں میں مذمت کی قراردادیں پیش ہوتی رہیں۔

آخرکار وہ وقت بھی آ گیا کہ خیر پور ریاست کی انتظامیہ کی غلط کاریوں اور ناانصافیوں کی وجہ سے خلافت کمیٹی سندھ کے مختلف جلسوں اور اجلاسوں میں (۱۹۲۹ء) یہ مطالبہ کیا گیا کہ ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر تقرری کے اختیارات بمبئی حکومت سے چھین لیے جائیں اور ریاست کو صحیح معنی میں خودمختار بنایا جائے۔ (۲۳۶)

کسانوں کے حقوق اور سندھ خلافت کمیٹی:

سندھ کی زمینوں پر صدیوں سے غیر مقامی لوگوں کو آباد کرنے کی پالیسی پر عمل ہوتا رہا۔ مگر جب سکھر بیراج کی کھدائی کا کام شروع ہوا تو پھر سے اس پالیسی پر عمل ہونا شروع ہو گیا اور غیر مقامی لوگوں کو غیر آباد زمینوں کا الاٹمنٹ دیا جانے لگا۔

سندھ خلافت کمیٹی نے اس پالیسی کی شدید مخالفت کی اور ''زمین۔ زمین والوں کی'' کے لیے کئی قراردادیں منظور کیں اور حکومت کو مقامی کاشتکاروں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی۔(۲۴۷)

سندھ خلافت کمیٹی اور مذہبی خدمات:

باوجود اس کے کہ تحریکِ خلافت ایک سیاسی جماعت تھی، مگر سیاسی مطالبوں نے مذہبی تعلق سے مذہبی جماعت کی طرف اس کو موڑ دیا۔

یہی وجہ تھی کہ تحریکِ خلافت آگے چل کر سیاسی سے زیادہ مذہبی جماعت نظر آنے لگی۔ اس لیے اس کا مذہبی کردار زیادہ نمایاں نظر آئے گا۔

ابتدا میں تو تحریک کی طرف سے لوگوں کو دین پر چلنے اور بدعتوں سے باز رہنے کی تلقین کی جاتی تھی اور یہ بات بھی کمیٹیوں کے اجلاسوں تک محدود رہتی تھی، جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

سکھر خلافت کمیٹی	اجلاس مورخہ	۱۸/ اگست	۱۹۲۲ء
گوٹھ نبی شاہ	اجلاس مورخہ	۱۵/ دسمبر	۱۹۲۲ء
شہدادکوٹ	اجلاس مورخہ	۱۱/ مئی	۱۹۲۴ء
کراچی	اجلاس مورخہ	۶/ اگست	۱۹۲۸ء
گوٹھ مرادپور	اجلاس مورخہ	۳۰/ اپریل	۱۹۳۳ء

پھر وہ وقت بھی آیا کہ خلافتی کارکن اور رہنما بزرگوں کے مزارات پر لگنے والے عرس اور ملاکھڑوں (کشتی) کے مواقع پر عوام میں تبلیغ، تلقین اور پند و نصائح کے لیے پہنچ جاتے تھے۔(۲۴۹)

کراچی میں شدھی سبھا ۱۹۲۳ء میں قائم ہوئی۔ پہلے بھی اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ جب بھی ہندوؤں کی طرف سے سندھ میں نئی جماعت تشکیل پاتی تھی تو وہ سندھ کے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت تو کیا مذہب تک سے متصادم ہوتی تھی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں عام طور پر اضطراب پیدا ہوتا تھا اور خاص طور پر علمائے کرام میں بے چینی پیدا ہوتی تھی۔

ہندوؤں کی طرف سے اسی قسم کی تحریکوں اور جماعتوں کے قیام کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جو ہندو مسلمان ہو جاتے تھے ان کو کسی طور پر بھی واپس اپنے مذہب میں لے آئیں۔ ان کی ایسی تحریک کی کئی مثالیں آگے چل کر پیش کی جائیں گی۔ یہاں فقط یہ بات واضح کرنی ہے کہ تحریکِ خلافت ان باتوں سے متاثر ہو کر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک حصہ ہندو مسلم اتحاد کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا تھا تو دوسرا حصہ ہندوؤں میں تبلیغ کر کے

ن کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایسی کئی مثالیں ہیں کہ کئی علمائے کرام کی کوششوں سے زاروں ہندوؤں کو مسلمان بنایا گیا۔ سندھ کی جتنی بھی شیخ برادری ہے وہ یا تو خود مسلمان ہوئی ہے یا ان کے باؤ اجداد مسلمان ہوئے ہیں۔ تحریکِ خلافت کے ابتدائی دور یا اس سے ذرا پہلے' مولانا عبیداللہ سندھی' شیخ بدالمجید سندھی' شیخ عبدالرحیم' شیخ نور محمد اور کئی ایسے بڑی نام ملتے ہیں جو بذاتِ خود مسلمان ہوئے اور انہوں نے دیگر مسلمانوں سے بدر جہا بہتر دینِ اسلام' ملک اور قوم کی خدمت کی اور قربانیاں دیں۔

امروٹ شریف اور ٹیاری میں ایسے بھی ادارے قائم تھے' جہاں ہزاروں کی تعداد میں ہندو مسلمان وئے۔ وہ ادارے خود علمائے کرام کے قائم کردہ تھی۔ جیسے مولانا تاج محمود امروٹی کے ہاتھ پر ہندوؤں کا مسلمان ہونا۔ (۲۴۰) اس کا ریکارڈ امروٹ شریف کے مدرسے میں موجود ہے۔

جب عدم تعاون اور ترک موالات کی تحریکیں چلیں تو سندھ کے علماء نے اس کے ساتھ بے نمازیوں ور بدعتی لوگوں کا بائیکاٹ کرنے کی قراردادیں منظور کیں۔ (۲۴۱)

یہ ذکر بھی کیا جا چکا ہے کہ سکھر بیراج کی کھدائی کے موقع پر کئی مساجد مسمار ہونے کا خدشہ ہو چلا تھا۔ ملافت کمیٹی نے ان کی بقاء کے لیے آواز اٹھائی اور ۲۸ / اکتوبر ۱۹۲۸ء کو خلافت کانفرنس سکھر میں قرارداد ھی منظور ہوئی۔

گاؤں قاضی محمد عارف (تحصیل میہڑ) کی ایک مسجد پر ہندو مسلم اختلاف کے موقع پر حکومت کے یصلے کے خلاف شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔ اس موقع پر مسجد کے حصے کو گرایا جا رہا تھا۔ (۲۴۲) مسجد منزل اہ (۱۹۳۸ء) سندھ کے سب سے بڑے سیاسی اور مذہبی واقعے میں تحریکِ خلافت' مسلم لیگ کے اتھ شامل رہی اور ۲۸ / اپریل ۱۹۳۸ء کو ''مسجد منزل گاہ'' مسلمانوں کو دینے کے لیے حکومت سے زور مطالبہ کیا۔ (۲۴۳)

ضلع بدین میں ''لنواری'' کے مقام پر حج کی رسومات ادا ہونے پر اسی عرصے کے دوران شدید ِعمل کا اظہار کیا جاتا تھا۔ ''سندھ خلافت کمیٹی'' اس میں بھی برابر کی شریک رہی اور ''لنواری'' کے حج پر ندی کا مطالبہ ۲۴ / اپریل ۱۹۲۸ء کے اجلاس میں کیا گیا۔ (۲۴۴)

ڈاکٹر مظہر الدین سومرو نے خلافت کمیٹی کے لیے لکھا ہے کہ:

''خلافت تحریک ایسی جماعت تھی جو علماء نے قائم کی' علمائکے لیے تھی اور علماء ہی پر مشتمل تھی۔ اس عت کا قیام اس کی قیادت سندھی علماء کی وطن دوستی اور سیاسی شعور کی مظہر تھی۔'' (۲۴۵)

سندھ خلافت کمیٹی نے تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ سندھی معاشرے اور سماج کو بہتر بنانے کے

لیے اور گوروں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بنیادی کام کیا۔ اس کی ایک جھلک صوبہ سندھ جمیعت خلافت کے سیکرٹری شیخ عبدالمجید سندھی کی تحریر سے ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کا لائحہ عمل کیا تھا اور یہ کہ وہ کیا کرنا چاہتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمیں ایک کام ہندوستان سے باہر کرنا ہے اور دوسرا ہندوستان کے اندر۔ ہندوستان سے باہر ہماری کمیٹی کو وفد بھیجنے ہیں جو مختلف امراء اور خود شریف مکہ اور ترکی کے مدبروں سے ملاقات کر کے ترکوں اور عربوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرے...... جزیرۃ العرب کی آزادی کا مسئلہ ترکی اور عربوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے سے حل ہوگا۔ وہ کسی بھی دوسری تدبیر سے حل نہیں ہوسکتا۔

دوسرا باہر کا کام ۶ رلاکھ ترک مہاجرین' بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی مدد کا ہے' جو یونان میں اپنے آبائی مکانوں اور املاک کو چھوڑ کر ''اناطولیہ'' میں ہجرت کر کے آئے ہیں۔

اور جو کام ہندوستان کے اندر کرنا ہے وہ یہ ہے کہ:

۱۔ تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کو مذہبی فرائض کی طرف راغب کرنا۔
۲۔ مسجدوں' عیدگاہوں اور قبرستانوں کی حفاظت کرنا۔
۳۔ اوقاف کی نگہبانی کرنا۔
۴۔ زکوٰۃ جمع کرنا' اگر ہو سکے۔
۵۔ مسلمانوں کی توجہ تجارت کی طرف دلانا۔ ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا خصوصاً عرسوں اور تہواروں کے مواقع پر۔
۶۔ مسلمانوں کی معاشرتی تعمیر۔
۷۔ مذہبی' قومی اور دنیاوی تعلیم کی ترغیب دلانا۔
۸۔ مسلمانوں کو رسومات بد سے بچانا۔
۹۔ شرعی فیصلوں کا انتظام کرنا۔
۱۰۔ کھدر کے کپڑے کو فروغ دینا۔
۱۱۔ انگریزی مال کے بائیکاٹ کے لیے لوگوں کو تیار کرنا۔
۱۲۔ حاجیوں کے آرام و آسائش کا بندوبست کرنا۔
۱۳۔ خلافت کمیٹیوں کے انتظام کو درست کرنا۔
۱۴۔ مختلف کمیٹیاں قائم کرنا۔

۱۵۔ ہندوستان کو اپنے آباؤ اجداد کا ملک جان کر سوراج کی تحریک کو فروغ دینا۔

۱۶۔ الوحید اور خلافت کے دیگر اخبارات کو جاری رکھنا۔(۲۴۶)

سندھ خلافت کمیٹی کے تحت مختلف اغراض و مقاصد کے لیے جو بیت المال قائم کیا گیا تھا' اس میں ماہانہ یا سالانہ طور پر لوگ حصہ لیتے تھے۔ ۴/نومبر ۱۹۱۹ء سے ۳۱/جولائی ۱۹۲۱ء تک بیت المال میں کل ۳۔۱۰۔۶۵۹۶۶ روپیہ جمع ہوئے تھے۔

سندھ کے لوگوں کے ایسے لاتعداد نام ملتے ہیں' جنہوں نے صرف ایک سال میں تحریکِ خلافت کے لیے گرانقدر عطیات دیئے۔ ایک ہی نام بار بار بھی آئے ہیں جو کہ ماہانہ طور پر عطیات دیتے تھے۔ اسی طرح سمرنا فنڈ کے لیے لوگوں نے عطیات دیئے۔

انگورا کے سلسلے میں رسیدیں چھپوائی گئیں' جو فروخت ہوئیں۔ وہ بھی ایک بڑی فہرست ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ سارے کے سارے نام ریکارڈ میں شامل کر دیئے جائیں' مگر یہ فہرست بہت طویل ہونے کی بنا پر ایسا کرنا ممکن نہیں' اسی بنا پر مہاجرین فنڈ اور ہوائی جہاز کے لیے فنڈ کی لسٹ بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

☆☆☆

تحریکِ ہجرت اور سندھ

تحریکِ خلافت کے دوران کئی ایسی کانفرنسیں بھی ہوئیں، جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا۔ مطلب یہ تھا کہ ایسے حالات میں یا تو ان قوتوں کے ساتھ لڑا جائے یا اس ملک کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں پناہ لی جائے۔ ۱۸۴۳ء، ۱۸۵۷ء اور ۱۹۲۰ء کی تحریکیں سندھ کے عوام نے دیکھی تھیں۔ مگر انگریز سے چھٹکارہ نہ مل سکا۔ کسی نہ کسی طرح اس کا قبضہ اس ملک پر یا ان ممالک پر برقرار رہا تو سندھ کے مسلمانوں نے اپنے آبائی وطن کو چھوڑنے کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔

۶، ۷ اور ۸ فروری ۱۹۲۰ء کو لارکانہ خلافت کانفرنس کے موقع پر خلافتیوں نے یہ طے کیا کہ رئیس ''جان محمد جونیجو'' کی سربراہی میں ایک وفد گورنر بمبئی سے مل کر سندھ میں نوکر شاہی کی طرف سے ہونے والی مظالم کی داستان سنا کر کچھ انتظامی اصلاحات کا تقاضا کرے۔ اسی پر عمل کرتے ہوئے وفد ۲۶ دن تک گورنر سے ملنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ملاقات میں ناکام رہا۔ نتیجے میں اپریل ۱۹۲۰ء میں سیوہن خلافت کانفرنس زیرِ صدارت مولانا عبدالکریم درس منعقد ہوئی تو اس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر ہجرت کر کے چلے جانے کی قرارداد منظور کی لی گئی۔ (۱)

دوسری طرف اپریل ۱۹۲۰ء میں دہلی میں خلافت کانفرنس کا انعقاد ہوا تو غلام محمد (عزیز ہندی) کو ہجرت سے متعلق قرارداد پیش کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ پہلے تو قرارداد کمیٹی نے اس قرارداد کو پیش کرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ پھر انہیں جلسۂ عام میں تقریر کرنے سے بھی روکا گیا۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو ان سے وعدہ کیا گیا کہ اسی دن شام کو دوسرا جلسہ منعقد کر کے ان کی تقریر سن لی جائے گی۔ (۲)

یہ بات اس لیے پیش کی گئی ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت سندھ میں قرارداد ہجرت سیوہن خلافت کانفرنس میں پاس ہوئی۔ اسی دور میں دہلی خلافت کانفرنس میں یہ قرارداد پیش کرنے کی اجازت تک نہیں دی جا رہی تھی۔ لہٰذا اس تحریکِ ہجرت کی ابتدا سندھ سے ہوئی تھی اور اس سوچ کو پھر پورے برصغیر میں تقویت ملی۔

سیوہن خلافت کانفرنس کے بعد ۲۔۳ مئی ۱۹۲۰ء کو جب جیکب آباد میں خلافت کانفرنس زیرِ صدارت ''مولانا تاج محمود امروٹی'' منعقد ہوئی تو اس میں باقاعدہ ایک ہجرت کمیٹی تشکیل دی گئی، جس

کے صدر ''پیر تراب علی شاہ'' اور سیکرٹری ''رئیس جان محمد جونیجو'' تھے۔(۳)

ہفتہ وار ''الامین'' کی رپورٹ کے مطابق:

''...... مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی اور دینِ اسلام پر جو پابندیاں لگائی گئیں' اس حال کو سن کر غریب بلوچ اور سچے مسلمان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اس موقعہ پر سات آدمی جن میں بڑے بڑے پیر' بزرگ اور مولوی بھی شامل تھے' وہ اپنے اہل و عیال سمیت مہاجرین کی جماعت میں شامل ہو گئے......''

''مولانا تاج محمود'' نے کہا: چونکہ اسلحہ اور دوسرا ساز وسامان نہیں' اس لیے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کر کے جانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے......''(۴)

اس دور کی اخباری رپورٹوں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس نیک مقصد کے لیے سندھ کے عوام نے برصغیر کے مسلمانوں کی توجہ اس کی طرف مبذول کروائی۔

جیکب آباد کانفرنس کے بعد ہجرت کمیٹی نے اسی ماہ میں ایک اور اجلاس ۲۴ مئی ۱۹۲۵ء کو کراچی میں منعقد کیا۔(۵) جس کی صدارت پیر تراب علی شاہ نے کی۔ کمیٹی نے ہجرت کے منصوبے کو آخری شکل دی اور کمیٹی کی طرف سے گورنر کے پولیٹیکل کو بمبئی میں ایک تار کے ذریعے اطلاع دی گئی کہ:

''سندھ کے ۲۵ ہزار مسلمان مذہبی معاملات میں انگریز کی مداخلت والی پالیسی کے خلاف احتجاج کے طور پر افغانستان ہجرت کرنے کو تیار ہیں۔ اگر اس معاملے میں کوئی ضابطہ یا قانون راہ میں رکاوٹ ہو تو اس سے تار کے ذریعے آگاہ کیجئے۔''

یہ تار ''رئیس محمد خان جونیجو نے جنرل سیکرٹری ہجرت کمیٹی کے طور پر اپنے دستخط سے بھیجا تھا۔''(۶)

ہجرت کمیٹی نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہجرت کرنے والوں کی رہبری کے لیے ایک اعلان کیا تھا وہ یہ تھا:

سندھ سے ہجرت کرنے والوں کے لیے اعلانات:

۱۔ جو حضرات ہجرت کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے نام' ذاتی احوال اور مالی حالت لکھ کر ہجرت کمیٹی کو ارسال کریں۔

۲۔ جو خواہشمند حضرات ہجرت کمیٹی کی مالی معاونت کرنا چاہیں وہ آگے آئیں۔

۳۔ سندھ سے ہجرت کرنے والوں کا پہلا قافلہ ۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو روانہ ہوگا۔ اس لیے اس میں

ہجرت کرنے والے اپنی پوری تیاری کرلیں۔'' (۷)

''رئیس جان محمد جونیجو'' کے ذکر میں یہ بات پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ انہوں نے جیکب آباد خلافت کانفرنس کے موقع پر انگریز حکومت سے اپنے تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اپنے اعزازات' سرداری اور میونسپل کمشنری کے علاوہ لوکل بورڈ کی ممبرشپ بھی واپس کرنے کا اعلان کیا تھا۔ جونیجو صاحب انگریزوں سے قطع تعلقات کرنے اور ہجرت کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو گئے تھے۔ (۸)

ہجرت کے اعلان کی آؤ بھگت سب سے زیادہ سندھ کے ہندوؤں نے کی۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو مسلمان سندھ ہجرت کرنا چاہیں گے ان کو ان کی زمینوں اور دیگر املاک کی قیمت دوگنی دی جائے گی۔ اس طرح انہوں نے ایک طرف مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی' دوسری طرف ان کی املاک اور زمینوں پر قبضہ کرنے کی بھی اسکیم بنائی۔ مگر جی ایم سید نے اپنی کتاب ''میری کہانی میری زبانی'' میں بتاتے ہیں کہ'' سندھی مسلمان مہاجروں نے ہندوؤں کو اپنی املاک آدھی قیمت پر بیچ دی تھیں۔ (۹)

''روزنامہ الوحید'' کراچی نے مسلمانوں میں جوش' جذبہ اور ولولہ پیدا کرتے ہوئے لکھا کہ:

''گھر سے نکل اے مسلم مست الست بن کر
دنیا کو پھر دکھا دے مذہب پرست بن کر''

مسلمانو! خدانے بزرگ و برتر سے دعا مانگ کر اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاؤ اور پھر ہدایت بھی دیں جو تھیں:

۱۔ وہ مسلمان ہجرت کا ارادہ کرے جو تکالیف اور مصائب برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

۲۔ اسلام کی خدمت کے ارادے سے ہجرت کی نیت کرے۔

۳۔ مہاجروں کو چاہئے کہ جتنا بھی سرمایہ اپنے ساتھ لے سکتے ہیں' وہ اٹھائیں۔ کیونکہ ہجرت کا مقصد ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا اور پوری زندگی مدینہ میں گزار دی۔

۴۔ سب مہاجروں کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی شرعی اجازت ہے اور جو مہاجر فراغت سے پورے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کرے تو بے شک کرے۔''

۵۔ ہر ایک مہاجر کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام یا گفتگو نہ کریں' جس کی وجہ سے لوگوں کے امن میں نقص پڑنے کا اندیشہ ہو۔

۶۔ مہاجروں کو چاہئے کہ اسلامی غیرت سے ہجرت کریں۔

۷۔ جو مسکین مہاجر غربت کی وجہ سے ہجرت کرنے سے ناچار ہوں تو وہ مقیم مسلمانوں سے مدد لیں۔

۸۔ مقیم مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان غریب مفلس اور مہاجروں کی مدد کریں' جو سچے دل سے ہجرت کرنے کے خواہشمند ہیں۔ جیسا کہ اس مسکین مہاجر کو راولپنڈی کا ٹکٹ اور سفر خرچ دیا جائے اور باقی پیسے اس مہاجر کے لیے راولپنڈی کے سیکرٹری جناب مرزا قطب الدین سیکرٹری ''خلافت کمیٹی'' راولپنڈی کی خدمت میں ارسال کریں۔

۹۔ مہاجروں کو چاہئے کہ چوتھی رمضان المبارک کے بعد راولپنڈی آنا شروع کریں۔

۱۰۔ سفر کا سامان مختصر اور پورا اٹھانا چاہئے۔

۱۱۔ مہاجروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس موسم میں کابل تک راستہ گرم ہے' مگر رات کو سردی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے گرم پردے' بستر اور پانی کے لیے لوٹا ضرور ساتھ لینا چاہئے۔

چونکہ یہ ہدایت سندھ اور ہند کے سب مسلمانوں کے لیے تھیں' اس لیے سندھ کے اخبارات نے بھی ان کو شائع کیا تھا۔ ہجرت کمیٹی (سندھ) نے جمعیت المہاجرین صوبہ سندھ کے زیر اہتمام ۳ رشوال ۱۳۳۸ھ کو لاڑکانہ میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت پیر تراب علی شاہ نے کی۔ ساتھی منتظمین میں رئیس جان محمد جونیجو بھی شامل تھے۔ اس جلسے میں تقریروں کے بعد کئی فیصلے بھی ہوئے جو یہ تھے:

۱۔ بیت المال جمع کرنے کے لیے کمیٹی کا قیام۔

۲۔ پہلے قافلے کی روانگی ۲۱ رشوال کو ہوگی۔

۳۔ وہ قافلے رئیس جان محمد جونیجو اور حکیم اختر کی سرپرستی میں روانہ ہوں گے۔

۴۔ بمبئی کے علاقے میں پیسے جمع کرنے کے لیے شیخ عبدالعزیز کو روانہ کیا جائے گا۔

۵۔ دوسرا قافلہ ۱۵ ردن بعد روانہ ہوگا۔

۳ رجولائی ۱۹۲۰ء کے الوحید میں رئیس جان محمد نے (۱۲) مہاجرین کو یہ اطلاع دی:

''سکھر ریلوے سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ۹ رجولائی ۱۹۲۰ء کو اسپیشل ٹرین لاڑکانہ میں آکر کھڑی ہو جائے گی' اس لیے مہاجرین کے پہلے قافلے میں چلنے والوں کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ ۸ تاریخ کو لاڑکانہ پہنچ جائیں۔''

مولانا شوکت علی چونکہ لاڑکانہ خلافت کانفرنس اور سکھر کے جلسے میں سندھ کے باشندوں کا جوش و خروش دیکھ چکے تھے اور جلد ہی ہجرت کے لیے ان کے اعلانات دیکھے اور مرتب پروگرام معلوم ہوا تو

انہوں نے خاص طور پر سندھ کے باسیوں کے لیے ایک پیغام روانہ کیا جو روزنامہ الوحید میں شائع ہوا:

''آپ کی اس عظیم الشان قربانی کے لیے رب العالمین آپ کو اجر دے گا۔ یقین رکھیں ہم آپ کو بھول نہ سکیں گے۔'' (۱۳)

سندھ سے پہلے قافلے کی روانگی کے لیے تیاری:

جب مہاجرین کے پہلے قافلے کی روانگی ہونے کو آئی تو پورے سندھ سے ہزارہا مسلمان لاڑکانہ پہنچ چکے تھے۔ پورے شہر اور ریلوے اسٹیشن پر تو ایک عظیم الشان میلہ لگا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ خوش تھے، وہ اپنے جذبہ کے تحت جا رہے تھے۔ بہت رو رہے تھے۔ وہ انہیں چھوڑنے آئے تھے۔ اس کی تصویر کشی اخبارات نے کی، ان کی رپورٹ تھی:

''اسلام کے سرفروشوں اور مہاجروں کا پہلا قافلہ اپنے روحانی مقصد کے لیے اور قومی غیرت کو بچانے کے لیے اپنا گھربار، عزیز و اقارب اور اپنے پیارے وطن کو الوداع کہا۔ ۲۱ رشوال ۱۳۳۸ھ کا دن لاڑکانہ کی تاریخ کا ایک شاندار اور یادگار دن تھا۔ سندھ کے ہر ضلع اور ہر گوشے سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ اپنے عزیزوں کو الوداع کہنے آئے تھے۔ جو لوگ موجود تھے، ان کی تعداد پچاس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ مہاجر اگرچہ ہر ضلع سے آئے ہوئے تھے، مگر جیکب آباد کے مظلوم مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، وہ اپنی مظلومیت سے تنگ آ کر ظلمت کدہ سے آزاد ہونے کے لیے اپنے آبائی وطن کو الوداع کہہ رہے تھے۔'' (۱۴)

مولانا دین محمد وفائی نے اپنی کتاب ''یادِ جاناں'' میں اس کی یہ تصویر کشی کی ہے:

''وہ دن ایک ایسا تاریخی دن تھا، جس کی سچی کیفیت اور حقیقت عبارت آرائی یا قلم کی معرفت بیان کرنا سخت مشکل کام ہے۔ لاڑکانہ کی سرزمین نے ایسے خوشی اور غم، شادی اور ماتم کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے دن نہیں دیکھے ہوں گے۔ مہاجروں کی جدائی میں ایک طرف ماتم کی صف بچھی ہوئی تھی، تو دوسری طرف مذہبی محبت اور اسلامی غیرت کی قربان گاہ میں صدقہ بننے کے لیے شادی بھی تھی۔ غم اور شادی کا ایک جگہ پر ایسا نظارہ دنیا کے آگے بہت تھوڑا سا گزرا ہوگا۔'' (۱۵)

اس ٹرین میں جتنے مسافر تھے، وہ سندھ سے ہجرت کر کے افغانستان جا رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے کے اندر صرف لاڑکانہ کے علاقے سے ۲۸۸ مرد، جیکب آباد کے علاقے سے ۱۱۳ مرد، شکارپور کے علاقے سے ۱۲۱ مرد اور سکھر سے ۶۸ مرد اور مجموعی طور پر ۱۰۰ (سو) عورتیں اپنی پیاری دھرتی کو اپنے

پیارے مذہب اور دین کے نام پر الوداع کہہ گئے۔''(۱۶)

کئی رہنما ایسے بھی تھے' جو مہاجروں کو پشاور تک الوداع کہنے کے لیے ساتھ گئے تھے۔ ان میں مولانا تاج محمود امروٹی' پیر تراب علی شاہ اور شیخ عبدالعزیز شامل تھے۔ ان کا اپنا یہ عزم تھا کہ ایک قافلے کو الوداع کہہ کر پھر دوسرے کے ساتھ جائیں گے۔

جوں جوں یہ خصوصی ٹرین لاڑکانہ سے روانہ ہونے کے بعد جس اسٹیشن سے بھی گزری وہاں اس کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ سندھ کے علاقے میں شکارپور سکھر اور روہڑی میں مہاجروں کا زبردست استقبال ہوا۔

روزنامہ الوحید کی خبر تھی کہ:

مولانا ظفر علی خان (مدیر اخبار زمیندار) نے پنجاب کے مسلمانوں سے درخواست کی' کہ وہ سندھ کے مہاجروں کا نہ صرف استقبال کریں بلکہ ان کی مالی امداد بھی کریں۔(۱۷)

اس اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا' بلکہ یہ دینی حمیت تھی کہ پنجاب کے مسلمانوں نے سندھ کے اپنے مہاجر بھائیوں کا زبردست استقبال کیا۔(۱۸)

بادامی باغ ریلوے اسٹیشن پر انہیں مہمان بنایا گیا۔(۱۹)

شہریان لاہور کی طرف سے پانچ ہزار روپیہ اور امرتسر کی طرف سے دو ہزار روپیہ مہاجروں کو نذرانہ دیا گیا۔(۲۰)

مولانا دین محمد وفائی کے قلم سے جو رپورٹ لکھی گئی' اس کا انداز یوں تھا:

''سندھ سے جب مہاجروں کی ٹرین پنجاب میں داخل ہوئی تو مختلف اسٹیشنوں پر سندھ کے مہاجروں کا جس انداز میں استقبال کیا گیا اور مہمانداری کی گئی' وہ پنجاب والوں کی مذہبی خصوصیات میں سے ہے۔ عام طور پر کئی اسٹیشنوں پر رئیس جان محمد جونیجو اور دوسرے سندھی مہاجروں کی تقاریر نے پنجاب والوں میں ایک روح پھونک دی۔ کیمبل پور اسٹیشن پر ہزارہا پنجابی مسلمان موجود تھے۔ سید علی انور شاہ اپنی شیریں آواز میں جب یہ نظم پڑھتے تھے:

اٹھ مرد خدا کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو آہ و بکا کی اتنی آوازیں اٹھتی تھیں کہ یادِ محرم بن گئیں۔ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ کی امام بارگاہ کا نظارہ پیش کرتے تھے۔ پنجاب والوں کے دلوں پر سندھ کے مہاجروں کا خلوص اور سچے ارادے نے ایسا اثر کیا

کہ پورے علاقہ میں ہجرت کے لیے ہلچل نہایت زور وشور سے عام ہونے لگی اور ہزارہا لوگ ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔''(۲۱)

یہ تو تھی پوری ٹرین' جس میں سندھ سے بہت سے لوگ ایک ساتھ ہجرت کے لیے نکلے تھے۔ یہ پہلا قافلہ ۱۶ رجولائی ۱۹۲۰ء کو پشاور سے افغانستان کے لیے روانہ ہوا اور ۱۹ رجولائی کو جلال آباد پہنچا۔(۲۲)

اس قافلے کے بعد چھوٹے چھوٹے قافلے اور بھی افغانستان روانہ ہوئے اس کی نشاندہی ''روزانہ الوحید'' کی ایک خبر سے ہوتی ہے:

ہمعصر ''زمیندار'' لاہور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک سندھی مہاجروں کے چار قافلے لاہور روانہ ہو چکے ہیں۔ تین قافلے ۱۵' ۱۶ اور ۱۸ ر اگست کو پشاور روانہ ہو چکے ہیں۔ سندھی مہاجروں کے چوتھے قافلے میں ۸۰ ر آدمی تھے' جن میں ۳۲ خواتین بھی تھیں۔ ایک رات ان کو لاہور میں ٹھہرایا گیا۔ اسی دن شام کو لاہور میں شاندار جلوس نکلا۔ سندھی مہاجروں کے متعلق لاہور کے ڈپٹی کمشنر نے مولانا ظفر علی خان کو حکم دیا کہ'' خلافت کمیٹی لاہور کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ جیسا کہ سرحد بند ہو چکی ہے' اس لیے سندھی وفد کو واپس وطن روانہ کیا جائے اور افغانستان جانے کے ارادے سے باز رکھا جائے۔''

اس پر مولانا نے جواب دیا کہ'' پنجاب خلافت کمیٹی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ امن پسند مہاجروں کو روکے۔''(۲۳)

تحریکِ ہجرت کے چند اہم رہنما:

اس تحریک کے لیے سندھ کے جن علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں مولانا تاج محمود امروٹی اور مولانا حاجی احمد ملوی کی کوششیں بھی قابلِ ذکر ہیں۔ تحریکِ ہجرت جیسے ہی شروع ہوئی' مولانا احمد ملوی نے پورے سندھ میں ہر جگہ پر جا کر تقریریں کیں اور لوگوں کو ہجرت سے متعارف کرایا اور مولانا کی بے لوث اور جذباتی کوششوں سے پورے علاقے میں ہجرت کے سلسلے میں بڑی ہلچل پیدا ہو گئی۔(۲۴)

اسی طرح مولانا پیر حاجی مٹھل شاہ' جو خلافت کمیٹی اور اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے ڈوکری' باڈھ اور میہڑ (ضلع دادو) میں تحریک کا کام اس حد تک آگے بڑھایا کہ وہاں خلافت کمیٹی کی بنیاد پڑی اور تحریک کے جلسے منعقد ہوئے۔(۲۵) انہیں انگریز دشمنی میں جیل بھی جانا پڑا' اس کے باوجود جب وقت آیا تو ملک کو ''دارالحرب'' قرار دے کر رئیس جان محمد جونیجو کے ساتھ افغانستان ہجرت کر گئے' مگر جب کچھ مہاجرین افغانستان کے حالات اچھے نہ دیکھ کر واپس آ گئے' حاجی مٹھل شاہ بھی ان میں سے ایک

تھے۔ واپس آ کر وہ خاموش نہیں رہے، بلکہ وطن کی آزادی کے لیے کوشاں رہے اور قیامِ پاکستان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔(۲۶)

ان کے علاوہ مولانا حاجی امیر محمد قریشی، تحریکِ خلافت کے ساتھ ہی ساتھ جب تحریکِ ہجرت نے زور پکڑا تو وہ بھی اس کے سرگرم کارکن بن گئے۔ وہ آزادی کے متوالے یا تو اس ملک کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے یا کسی آزاد ملک میں سانس لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے انگریز حکومت پر اخلاقی اور سیاسی دباؤ ڈالنے کے لیے ان برگزیدہ سیاسی شخصیتوں کا ساتھ دیا، جنہوں نے ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دے کر تحریکِ ہجرت شروع کی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے پیارے ملک/ وطن کو الوداع کہا اور افغانستان ہجرت کر گئے۔(۲۷)

مولانا محمد صادق انڈھڑ عرف سنھو بھی ان علماء میں شامل تھے، جنہوں نے ''ہجرت تحریک'' کو اپنے ایمان کے مترادف سمجھا۔ انہوں نے ہجرت کو ہی قوتِ ایمانی کی ایک آزمائش جانا۔ یہاں تک کہ اپنی پوری جائداد فروخت کردی اور ہجرت کی پوری تیاری کر لی۔ مگر اچانک یہ تحریک ناکام ہوگئی۔ مولانا محمد صادق انڈھڑ پر اس کا اتنا اثر پڑا کہ وہ سیاست سے ہی کنارہ کش ہوگئے۔(۲۸)

اسی طرح مولانا محمد صالح شیخ تحریکِ خلافت کے دوران اچانک تحریکِ ہجرت زور و شور سے شروع ہوگئی اور لوگ سندھ اور ہند کو چھوڑ کر افغانستان جا رہے تھے، تو مولانا محمد صالح نے بھی اپنے اہل وعیال کو ساتھ لیا اور ہجرت کے قافلے میں شامل ہوگئے۔ مگر چونکہ افغانستان کے اپنے حالات خراب ہونے لگے تھے، جس کی تفصیل آگے آنے لگی، شیخ صاحب کو بھی دوسرے خلافتی مہاجروں کے ساتھ واپس وطن آنا پڑا۔ بس اس کے بعد وہ دینی خدمات میں مصروف ہوگئے اور پھر سیاست کا نام نہ لیا۔

تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں کچھ عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے۔ رئیس احمد جعفری صاحب نے ''اوراقِ گم گشتہ'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

''سرحدی علاقہ جات کے دو بھائی تھے، جن میں سے ایک کی بیوی مر چکی تھی اور دوسرے کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ جس کی بیوی مر چکی تھی اس کا ایک بچہ تھا، جس کی یہ دونوں پرورش کرتے تھے۔ جب ہجرت کا شور وغل بلند ہوا تو دونوں بھائیوں نے ہجرت کا عزم کیا۔ ان کے ذہن میں ہجرت کے سلسلے میں یہ بات تھی کہ ہم درۂ خیبر سے اس پار ہوتے ہی مسلح ہو کر انگریز کافروں سے جہاد کریں گے۔ اس وقت اگر یہ بچہ ساتھ ہوگا تو اس کی کیسے دیکھ بھال کرسکیں گی...... دونوں بھائیوں نے تھوڑی دیر کے لیے سرگوشی کی اور پھر دریا کے کنارے پہنچے اور بسم اللہ کہہ کر بچے کو دریا میں پھینک دیا۔''(۲۹)

اس نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے' جو اس دور میں عام ہو گیا تھا۔

''لوگوں کی فصلیں پکنے پر آئی ہوئی تھیں' مگر ہجرت کا جوش اس قدر غالب تھا کہ ایک دن پیچھے رہ جانا بھی تکلیف دہ معلوم ہو رہا تھا۔ صرف اس اندھے جوش میں کہ کل انگریز سرکار ہماری فصلوں کو کاٹ کر فائدہ نہ اٹھائے' لوگوں نے اپنی کھڑی فصلیں جلا دیں اور خود ہجرت کر گئے۔ صوبہ سرحد میں ایسے واقعات تو بے شمار ہوئے کہ لوگوں نے اپنی جائیدادیں اونے پونے بیچ کر ہجرت کے لیے سر و سامان اکٹھا کیا۔'' (۳۰)

ان واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک واقعہ سندھ کا بھی رقم کرتے ہیں۔

ہجرت کرنے والوں کے لیے اسپیشل ٹرین اسٹیشن پر کھڑی تھی۔ اچانک لوگوں نے دیکھا کہ بالکل سادہ سودا ایک آدمی جس کے کندھے پر ایک گٹھڑی لکڑی میں لٹک رہی تھی اور ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے تھے۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسٹیشن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس آدمی کے پیچھے ایک عورت بدحواسی کے عالم میں دوڑتی ہوئی چلی آ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

'' مجھے کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہو۔ واپس آ جاؤ' رک جاؤ' تم چلے جاؤ گے تو میں کہاں جاؤں گی۔ میرا یہاں کون ہے؟'' عورت رو رہی تھی اور مسلسل اس آدمی کو روکے جا رہی تھی۔ وہ آدمی اس عورت کا خاوند تھا۔ وہ بار بار اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا:

'' مجھے مت روکو۔ میں رک نہیں سکتا۔ میری گاڑی اسٹیشن پر تیار کھڑی ہے۔ تم لوٹ جاؤ' میں واپس ہو نہیں سکتا۔''

عورت بھی مسلسل روتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی:

'' مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ میرا یہاں کون ہے؟ میں کس کے سہارے رہوں گی......؟''

'' دیکھ!'' مرد نے جذباتی انداز میں کہا:

'' میرا جانا بہت ضروری ہے۔ میں یہ فرض چھوڑ نہیں سکتا اور تم بھی مجھے اپنے فرض سے مت روکو۔ تم لوٹ جاؤ تم لوٹ جاؤ۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس آدمی کی بیوی کو پہلے کبھی بھی گھر سے باہر نکلتے نہیں دیکھا گیا تھا۔ مگر اب ایسی مجبوری تھی کہ وہ پہلی مرتبہ پریشان پریشان' بھرائی ہوئی آواز میں اپنے میاں کو منتیں کرتی ہوئی پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ جب عورت نے ذرا زور دیتے ہوئے خاوند کو روکنے کی کوشش کی' ''تم تو اپنا فرض پورا کرنے چلے ہو' مگر میں جو تیرے سہارے زندگی بسر کر رہی ہوں' میرا کیا بنے گا۔ میرا کون ہوگا......؟''

مرد نے بے ساختہ جواب دیا:

''جس کے لیے میں ہجرت کر رہا ہوں' بس تیرا بھی وہی سہارا ہوگا۔'' (۳۱)

اسی طرح حکیم محمد معاذ نواب شاہ والے نے بھی ہجرت کر کے افغانستان کی سرزمین دیکھی اور انگریز سے اپنی نفرت کا ثبوت دیا۔ (۳۲)

مولانا نور محمد انڈھڑ ولد الہ نواز انڈھڑ بھی تحریکِ ہجرت سے بذاتِ خود متاثر ہوکر ہجرت کر کے پشاور تک پہنچ گئے۔ مگر ہجرت تحریک کو ختم ہوتے دیکھ کر اور افغانستان سے لوگوں کو واپس آتا دیکھ کر وہ بھی واپس لوٹ آئے۔ ہجرت کی حسرت ان کے دل ہی میں رہ گئی۔ (۳۳)

مولانا ہدایت اللہ تنیو ولد مولوی گل محمد بھی ان ہی لوگوں میں تے تھے' جنہوں نے تحریکِ ہجرت کی آواز پر لبیک کہا اور اہل و عیال کے ہمراہ اپنے وطن کو الوداع کہہ کر افغانستان جا پہنچے اور پھر ناکامی اور مایوسی میں کسی طرح اپنے وطن واپس پہنچ گئے۔ (۳۴)

یہاں یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ یہ وہ زمانہ تھا' جب مسلمانوں کی اپنے مذہب اور دین اسلام سے اس حد تک محبت دیکھ کر اور خلافت سے جذباتی لگاؤ اور ہجرت کرنے میں دینی اور امنگ دیکھ کر انگریز سرکار بہت پریشان ہوئی۔ نتیجے میں اس نے سندھ میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں اور حراساں کرنے کا طریقہ اختیار کیا تو دوسری طرف سندھ کے کئی پیروں اور مولویوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ یہی وہ موقع تھا' جب مولوی فیض الکریم (عبدالکریم مورائی) سے ایک فتویٰ لکھوایا گیا اور اس فتویٰ پر تحریص و تخویف کے ذریعے ۹۵ لوگوں کے دستخط کرا کر اسے بڑے پیمانے پر سندھ میں تقسیم کروایا گیا۔ مقصد تھا کہ ایک طرف انگریزوں کی حمایت ہوگی اور دوسری طرف خلافت اور ہجرت تحریکوں کا اثر زائل ہو جائے گا۔ ان علماء پیروں اور سجادہ نشینوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

شمس العلماء سید محمد شاہ مرداں شاہ (سجادہ نشین پیر گوٹھ ضلع خیر پور) ابو محمد صالح شاہ (سجادہ نشین رانی پور) سید پیر خیسو شاہ (نقیب۔ گمبٹ) مخدوم ظہیر الدین (سجادہ نشین بالا) پیر غلام مجدد سرہندی (سجادہ نشین۔ ٹنڈو سائینداد) بعد میں انہوں نے اس فتویٰ کے رد میں بھی دستخط کیے تھے اور تحریکِ خلافت کے حق میں زبردست کام کیا تھا۔ پیر الھیار شاہ (سجادہ نشین ٹھیاری) پیر علی مظفر شاہ (کنگری تعلقہ روہڑی) پیر سید علی مدد شاہ (رانی پور)' پیر سید محمد شاہ (کراچی)' امام الدین شاہ (ٹھلاہ ڈوکری)' عطاء اللہ شاہ (گھوٹکی۔ سکھر)' پیر محمد شاہ (سجادہ نشین۔ گھوٹکی)' حافظ عبداللہ (سجادہ نشین (بھرچونڈی۔ سکھر)' مخدوم حبیب اللہ (پاٹ)' محمد صالح شاہ (سجادہ نشین' بٹ سرائی۔ دادو) پیر محمد معین الدین (بٹ سرائی)' پیر امان اللہ شاہ (......)' پیر علی شاہ (سجادہ نشین شاہ آباد۔ لاڑکانہ)' علی محمد قادری (سجادہ نشین

لاڑکانہ)' مخدوم ہادی بخش (سجادہ نشین محمد پور۔گھوٹکی)' مولانا شفیع محمد قاضی (ہالا)' قاضی ابراہیم شاہ (حیدرآباد)' مولوی عبدالرحمٰن (پیر گوٹھ۔خیر پور)' مولوی شاہ محمد (ہالا) مولوی تاج محمد (ہالا) مولوی محمود (سجادہ نشین پاٹ)' مولوی محمد عثمان (گوٹھ جمال) مولوی محمد عمر (کھنڈہر۔سکرنڈ) مولوی محمد محسن (میاں جو گوٹھ۔شکارپور) سید عبدالنبی شاہ (......) مولوی محمد پناہ (بلوچ آباد) مولوی حاجی محمد صالح (گڑھی یاسین) مولوی گل محمد (حیدرآباد) مولوی عبدالقادر (مسودیرو۔لاڑکانہ) مولوی حاجی محمد صادق (مورو۔نواب شاہ) مولوی محمد یعقوب (شہداد خان لغاری۔سکھر) مولوی عبدالکریم (سکھر) مولوی خوش محمد شاہ (ٹھارو شاہ۔نواب شاہ) مولوی عبدالعزیز (حیدرآباد) مولوی شاہ محمد ہالا پرانا) مولوی محمد (ہالا) مولوی الہہ رکھیہ عباسی (ہالا) مولوی محمد معین الدین (ہالا) مولوی لعل محمد (ٹنیاری) مولوی محمد فاضل (ٹنیاری) مولوی عبدالرحمٰن (ٹنیاری) مولوی پیر محمد (ٹنڈو قیصر) مولوی سید الہیار شاہ (بہاول زوئر۔حیدرآباد) مولوی عبداللہ (بنگلدیرو۔لاڑکانہ) مولوی امام بخش (رتو دیرو) مولوی خوش محمد (میرو خان) مولوی دین محمد (بٹھی۔میرو خان) مولوی نورالحق (گوٹھ آباد۔رتو دیرو) مولوی عبدالحلیم (پیر بخش بھٹو۔رتو دیرو) مولوی خیر محمد (چھٹو جویو۔میرو خان) مولوی قاضی عبداللہ (گوٹھ پاگارو۔رتو دیرو) مولوی کریم بخش (دودو خان بھٹو۔لاڑکانہ) مولوی محمد عمر (گوٹھ ابراہیم چنڈ۔تحصیل لکڑ) مولوی محمد علی ڈیرو (گوٹھ ڈیرا۔لکڑ) مولوی عبدالحق (گوٹھ ملک۔لکڑ) مولوی عبدالنبی (لدھو دیرو۔لکڑ) مولوی محمد احسان (پاٹ) مولوی نور محمد شاہ (گوٹھ سوجھرو۔لاڑکانہ) مولوی محمد عظیم (خداداد خان پٹھان۔دادو) مولوی گل محمد (گھنور آباد۔وارہ) مولوی عبدالکریم (الہ رکھیہ جلبانی۔وارہ) مولوی عبدالرحمٰن (تھرڑی باجراں۔وارہ) مولوی محمد صالح ابڑہ (گاجی کھہاڑو تعلقہ وارہ) مولوی سید عبدالحق (جانی بند۔وارہ) مولوی عبدالہادی (گوٹھ الہ بخش۔وارہ) مولوی عبدالکریم بھٹو (لاڑکانہ) مولوی محمد عاقل (تحصیل لاڑکانہ) مولوی محمد بچل (لاڑکانہ) مولوی غلام حسین (ولیداد۔لاڑکانہ) مولوی تاج محمد (کرن۔تحصیل شکارپور) مولوی مولیٰ بخش (گوٹھ ملا آباد۔تعلقہ ڈوکری) مولوی غلام محمد (سونو جتوئی۔لاڑکانہ) مولوی عبدالواحد (سونو جتوئی۔لاڑکانہ) مولوی عبدالرحیم (سونو جتوئی) مولوی سید محمد صالح شاہ (عاریجا۔لاڑکانہ) مولوی عبدالغنی (گوٹھ رکھیل۔لاڑکانہ) مولوی سید صالح شاہ (ٹنڈو ولی محمد۔حیدرآباد) مولوی محمد عثمان (دادو) مولوی عبدالکریم درس (کراچی) مولوی غلام رسول (محراپور) اور مولوی محب النبی (گوٹھ میتلا۔لاڑکانہ) (۳۵)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح پیر غلام مجدد سرہندی نے ''اظہار الکرامت'' کتاب کی اشاعت

کے بعد' جو فیض الکریم کے کتاب کے رد میں ایک فتویٰ تھی' سے علماء نے اپنی آراء بدل دی تھی۔

حکومت یہ سارا کام ''امن سبھا'' تحریک کے تحت کر رہی تھی جو کہ انہوں نے خلافت تحریک' ہجرت تحریک اور ترک موالات کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے بنائی تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر ''امن سبھا'' کے باب میں ائے گا۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ حکومت نے تحصیل کی حد تک یہ ''امن سبھائیں'' قائم کی تھیں اور ان کے ذریعے لوگوں کو حکومت کے ساتھ وفادار بنانے کی تلقین کی جاتی تھی۔ روزنامہ الوحید کے مقابلے میں ''سچائی'' اخبار کا اجراء ہوا۔ اس کے اخراجات بھی سندھ کے وڈیروں اور زمینداروں سے لیے جاتے تھے۔ اس میں تحریکِ خلافت' ہجرت اور ترک موالات کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا جاتا تھا۔

جب سندھ کے مہاجرین کا پہلا قافلہ رئیس جان محمد جونیجو کی سربراہی میں افغانستان پہنچا تو حکومت افغانستان نے اپنے محدود وسائل کے تحت مہاجرین کو بہتر طور پر بسانے اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔

چونکہ مہاجرین پورے ہندوستان سے امڈتے ہوئے چلے آ رہے تھے اور مسائل اتنے بڑھ گئے تھی کہ ان کے قیام کے مسئلہ کے علاوہ کھانے پینے کے مسائل بھی بہت حد تک بڑھ گئے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مہاجرین میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو مذہبی جذبے کے تحت نکل پڑے تھے۔ ورنہ وہ تو مفلوک الحال اور بہت غریب قسم کے لوگ تھے۔ وہ لوگ وہاں کی انتظامیہ کے لیے بوجھ بن گئے تھے۔ بدنظمی کا ایسا عالم پیدا ہوا کہ بہت سے رہنماؤں کے لیے اس کا سلجھانا مشکل ہو گیا تھا' جس کے نتیجے میں رئیس جان محمد جونیجو نے جلال آباد سے سندھ کے مسلمانوں کے لیے ایک خط روزنامہ الوحید کو روزنہ کیا' جس میں انہوں نے لکھا:

''سندھی بھائیوں کے لیے اطلاع ہے کہ جیسا کہ شدید گرمی کا موسم ہے اور سفر کے دوران کئی آدمی فوت ہو چکے ہیں اور کئی بیمار ہیں' اس لیے ہجرت کا ارادہ فی الحال معطل رکھا جائے۔'''(۳۶)

جب جونیجو صاحب اپنے سندھی مہاجرین کے ساتھ کابل پہنچے تھے تو اس کا ذکر عزیز ہندی نے بھی اپنی ڈائری میں کیا ہے کہ:

''ہم مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں کابل میں موجود تھے۔ نواب جان محمد جونیجو سندھ کے رئیس اعظم ہزاروں سندھی مہاجرین کے ساتھ کابل پہنچ چکے تھے۔ مولانا احمد علی امام مسجد پنجابی مہاجرین کے ساتھ کابل آ چکے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب رشتے میں مولانا عبیداللہ سندھی کے بھتیجے تھے۔'' (۳۷)

اس کے بعد کابل کے حالات پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کابل ان مہاجرین کے سمیٹنے کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ لوگ کچھ سراسیمہ سے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اہلِ ملک پر کوئی باہر سے آفت نازل ہوگئی ہے۔ مہاجرین جس جوش وخروش سے آئے تھی' ان کا استقبال دیکھنے ہی متبادل جوش وخروش کے ساتھ نہ ہوا' بلکہ اکا دکا مہاجرین کے لٹنے کی وارداتیں بھی ہوئیں۔" (۳۸)

انجمن مہاجرین ہند اور حکومتِ افغانستان:

مہاجرین کے لاتعداد مسائل کو دیکھتے ہوئے سندھ اور ہند کے قابلِ ذکر مہاجر رہنماؤں رئیس جان محمد جونیجو اور عزیز ہندی وغیرہ نے مہاجرین کا ایک اجلاس بلایا' جس میں محمود خان طرزی بھی اپنے وفد کے ساتھ شریک ہوئے' جو منصوری میں افغانستان کے مشن استقلال کی سربراہی کر رہے تھے "انجمن مہاجرین ہند" بنائی گئی اور اس اجلاس میں مولانا عبیداللہ سندھی کو صدر (۳۹) اور عزیز ہندی کو جنرل سیکرٹری (۴۰) چنا گیا اور یہ تجویز گورنمنٹ کے توسط سے طے ہوئی کہ مہاجروں کو نقل وحمل کی تمام سہولتیں حکومت دے گی اور راستے میں راشن کی بھی حکومت متحمل ہوگی۔ اس کے ساتھ مہاجرین کو قطغن (ترکستان) میں آباد کیا جائے گا۔ مولانا عبیداللہ سندھی بھی چاہتے تھے کہ اس پر فوراً عمل ہونا چاہئے۔ (۴۱)

"انجمن کا سرمایہ ۳۰ ہزار روپے تھا۔ وہ بھی امان اللہ خان (والی افغانستان) نے اپنی جیب سے دیئے تھے۔ حکومت کی سالانہ بجٹ آمدنی نو کروڑ روپے تھی۔ ایسے حالات میں مہاجرین کی ترکستان میں آبادکاری اور ایک ماہ کا سفر خرچ تقریباً ایک کروڑ افغانی نا قابلِ عمل تھا اور قطغن میں ناممکن ہوگیا۔ اس کے باوجود جو مہاجرین دس ہزار کی تعداد میں اپنی استطاعت سے اس سرزمین پر جا بسے' ان کا بعد میں کیا حشر ہوا۔ صحیح اطلاع مشکل سے مل سکی ہے۔" (۴۲)

عزیز ہندی کی ڈائریک سے کچھ اقتباسات مزید پیش کیے جاتے ہیں کہ اس طرح کابل حکومت اور مہاجرین ہند کے بارے میں صحیح معلومات ہو سکے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"برصغیر (ہندوسندھ) میں ابھی ہجرت کا جذبہ وجوش ختم نہ ہوا تھا بلکہ وہ عین عروج پر تھا۔ ماہِ شوال سے شروع ہو کر ذیقعد کے وسط تک کوئی چھ ہفتوں میں ہزارہا مہاجرین درۂ خیبر کو عبور کر کے افغانستان کی سرزمین پر پہنچ چکے تھی۔ ان کا ابھی تانتا بندھا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد میں آبادیاں عہدِ قرباں کا انتظار کر رہی تھیں تا کہ قربانیاں ادا کرتے ہی ہجرت کے لیے اپنے گھر کو خیرباد کہہ کر چل پڑیں۔" (۴۳)

"سردار محمود طرزی کی منصوری واپسی کے بعد حکومتِ افغانستان کا طرزِ عمل مہاجرین کے حق میں بدلنے لگا۔ سب سے پہلا وار مولانا عبیداللہ سندھی پر ہوا۔ انہوں نے جو عارضی حکومت بنا رکھی تھی' امیر امان اللہ خان نے سب سے پہلے اس کو لغو قرار دیا۔

دوسرا وار تحریکِ ہجرت پر کیا گیا۔ کہا گیا کہ جو مہاجرین اب تک افغانستان میں وارد ہو چکے ہیں' ان کی آبادکاری کا پہلے بندوبست ہو جائے' پھر دوسرے مہاجرین آئیں۔ یعنی تا حکمِ ثانی ہجرت کے بند کیے جانے کا اعلان کر دیا۔

تیسرا وار مہاجرین کی ایذا رسانی کی صورت میں کیا گیا۔ یہ وار کابل کی ناخواندہ اور جاہل عوام کی طرف سے تھا۔ وہ اس طرح کہ مہاجر ہزاروں کی تعداد میں کابل سے باہر عیدگاہ کے وسیع میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ لوگ ادھر ادھر اطراف شہر سے آئے اور ہمدردانہ انداز میں مہاجروں کے گروہوں سے مل کر کہتے کہ انہوں نے نذر نیاز پکائی ہے کسی کو برتن وغیرہ دے کر ان کے ساتھ کر دیں کہ ہم ان میں کھانا ڈال کر بھیج دیں اور جب ایسے لوگ ان کے ساتھ جاتے تو وہ آدمی آدمی رات گئے روتے پیٹتے واپس کیمپ میں پہنچتے اور کہتے کہ انہیں ایک "کوچہ بندی" (۴۴) کے سرے پر لا کر کھڑا کرتے اور کہتے کہ ہم بھی اندر سے کھانا لائے دیتے ہیں لیکن نہ کھانا آتا اور نہ ہی برتن واپس آتے۔

کابل اس وقت کوچہ بندیوں کا ایک مجموعہ تھا۔ ہر کوچہ بندی کے سرے پر ایک اور دروازہ ہوتا تھا جسے دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ یہ کسی کے گھر کا دروازہ ہے۔ مگر اسی کے اندر ایک اور کوچہ بندی کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ بعض کابلی ٹھگوں نے اس طرح ہندی مہاجروں کو ٹھگنا شروع کیا تھا کہ بعض لوگوں نے ان سے نقد روپے بھی بٹورنے شروع کر دیے تھے۔ بعض ہندو صرافوں نے بھی اپنے ہاتھ خوب رنگے تھے۔

ان حالات کو دیکھ کر "انجمن مہاجرینِ ہند" کا ایک جلسہ ہوا اور طے پایا کہ ایک وفد نواب جان محمد جونیجو سندھی کی سربراہی میں ہندوستان بھیجا جائے' جو مہاجرین کی آبادکاری کے لیے حکومتِ افغانستان کا ہاتھ بٹائے۔ یہ وفد ہندوستان روانہ ہوا مگر نواب جان محمد جونیجو کو موت نے مہلت نہ دی اور وہ ہندوستان کے کسی مقام پر وفات پا گئے۔" (۴۵)

انجمن مہاجرین کا وفد ہندوستان میں:

● یہ تو تھی ایک تصویر جو افغانستان کے حالات پر مشتمل تھی۔ اب دوسری تصویر جو دیکھیں گے وہ ہوگی رئیس جان جونیجو کی ہندوستان میں آمد اور سندھ میں تحریکِ ہجرت کی۔

رئیس جان محمد جونیجو کی قیادت میں ''انجمن مہاجرینِ ہند'' کا وفد اس لیے ہندوستان آیا کہ ان کے پیشِ نظر افغانستان میں مہاجرین کی آبادکاری کے لیے نئے شہر آباد کرنے کی ضرورت تھی' جس کے لیے سندھ اور ہند کے مسلمانوں سے امداد طلب کرنی تھی۔ رئیس جان محمد ۳۰ ستمبر ۱۹۲۰ء کو لاڑکانہ پہنچے اور ۴/اکتوبر کو ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا' جس سے رئیس جان محمد نے خطاب کیا۔ مگر اس سے پہلے جوڈیشل کمشنر کی طرف سے انہیں ایک خط ملا جس مین لکھا ہوا تھا کہ کراچی آ کر جیکب آباد میں کی ہوئی اعتراض تقریروں کے سلسلے میں جواب دیں۔ نوٹس میں ان تقریروں کے اقتباسات بھی شامل تھے۔

رئیس جان محمد نے جوڈیشل کمشنر کو جواب دیا کہ:

''میں افغانستان کا شہری ہوں۔ یہاں افغان شہری کی حیثیت سے آیا ہوں اور مجھے ''انجمن مہاجرینِ ہند'' نے یہاں بھیجا ہے۔ اگر حکومتِ افغانستان مجھے آپ کے سامنے پیش ہونے کے لیے کہے تو میں آؤں گا ورنہ نہیں۔''

رئیس صاحب نے ۴/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاڑکانہ میں جو خطاب کیا اسے روزنامہ الوحید نے اپنے لاموں میں جگہ دی۔ رئیس نے اس پورے عرصے کی روداد کچھ اس طرح بیان کی:

''اسپیشل ٹرین میں زیادہ تر لوگ مفلس اور بے سروسامان تھے۔ اکثر کے تن پر تو پورے کپڑے بھی نہ تھے۔ ایسے لوگوں کو اگر ٹکٹ نہ دیتے تھے تو سخت رنج اور مایوس ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ''ہجرت امیروں کے لیے تو نہیں'' کیا ہم خدا کے لیے نہیں جا رہے؟ ہم نے بھی یہی سمجھا کہ مذہبی جوش ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس لیے ان کو روکنا مناسب نہیں۔

ہجرت کمیٹی کے پاس چندے کے پیسے نہیں تھے۔ بہت کم لوگوں نے اپنے پیسے سے ٹکٹ خریدے تھے۔ ٹکٹوں اور چندے سے ۳ ہزار روپے سے بھی کم رقم ملی۔ کمیٹی نے ساڑھے تین ہزار روپے کا قرضہ لیا۔ باقی رقم ساڑھے آٹھ ہزار روپیہ میں نے اپنی جیب سے دیئے۔ اسپیشل ٹرین پر کل ۱۴۵۳۸ روپے خرچ ہوئے۔ راستہ بھر مہاجرین کی ایسی مرحبا ہوئی کہ کسی بادشاہ کی بھی نہیں ہوئی ہوگی...... راستے میں ۸ ہزار روپے مہاجروں کی امداد کے لیے ملے ان سے ۵۳ بیل گاڑیاں' ۱۰ بگیاں گدھے اور خچر کرائے پر لیے گئے۔ (۵۴) پھر بھی راستے میں غربا کے کھانے کا بندوبست میں نے اپنی جیب سے کیا۔

افغانستان کی حدود میں افغانی لوگوں نے قافلے کی اپنی وسعت کے طور پر اچھے طریقے سے خدمت کی...... جب جلال آباد پہنچے تو اندازاً ۱۵/مہاجرین بغیر کسی وجہ کے وہاں سے واپس ہونے لگے...... یہاں آ کر سنا ہے کہ ان لوگوں نے ظاہر کیا ہے کہ راستے میں بہت سے فوت ہو گئے' کچھ کو دریا برد کیا گیا

ر کچھ کو جلایا گیا ۔ یہ سب جھوٹ ہے ۔ راستے میں دو پٹھان ہمارے قافلے میں فوت ہوئے تھے ۔ انہیں
کی شہر میں دفن کیا گیا تھا۔ کابل تک سندھی قافلے میں سے ایک عورت فوت ہوئی تھی' وہ گاڑی سے گر گئی
ی...... ابھی ہمارا قافلہ کابل میں ہی تھا کہ ایک دم ہزارہا مہاجرین آ پہنچے ۔ اس وقت تک اندازاً ایک
کھ تیس ہزار کے اندازے میں تھے' ان کا انتظام راستے میں یا کابل میں پورے طور پر نہیں ہو سکا' اسی
لیے امیر کابل نے مہاجروں کو تقسیم کرنے کا خیال کیا ہے' مگر جس طرح امیر صاحب نے کہا اس طرح
لوں نے نہیں کیا ۔

میں یہاں گزارش کروں گا کہ مہاجروں کے پردے میں جو خلق افغانستان میں جمع ہوئی تھی' وہ چار
م کی تھی:

ایک ٹولہ تو صاف طور پر شریر اور شیطانوں کا تھا۔ دوسرا ٹولہ ان لوگوں کا تھا جن کو تماشبین کہا جاتا
ہے۔ کابل میں نہ تو بد پیشہ عورتیں تھیں اور نہ کوئی ناٹک تھا یا کوئی کھیل تماشا' جس سے ان کو سکون ملتا۔ ان
تو افغانستان میں ویرانی نظر آئی ۔ تیسرا ٹولہ ان لوگوں کا تھا' جن کو ضعیف الایمان کہا جائے ۔ جن کو کوئی
ڑی سی تکلیف آئی تو برداشت نہ کر سکے ۔ ایسے تین اقسام کے لوگ واپس ہونے لگے ۔ چوتھا گروہ ایسا
جن کا ایمان کامل تھا اور اب تک افغانستان میں موجود ہے ۔'' (۴۷)

اگر دیکھا جائے تو آگے چل کر اس تحریک کی ناکامی کے اسباب یہ نہیں جو جونیجو صاحب نے
ئے ۔ ایسا تو ہوتا ہے مگر اصل وجوہات میں ایک سیاسی دباؤ تھا' انگریزوں کا حکومتِ افغانستان پر' جن
وجہ سے امان اللہ خان نے سب سے پہلے مولانا عبیداللہ سندھی کی عارضی حکومت کو لغو قرار دیا۔
رے وہ لوگ تھے' جو اصل میں افغانستان چلے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے انتظامی مسائل پیدا کیے۔
ری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جن علمائے کرام نے ہجرت تحریک کو عوام کے دلوں میں بسایا' وہ بہت
تعداد میں ان کے ہمراہ گئے' یعنی وہ مہاجر نہیں بنے۔ محض فتویٰ پر زور رہا۔ اسی میں انہوں نے اپنی
ت جانی ۔ (۴۸)

ایک بات سندھ اور ہند کے علمائے کرام کی بھی تھی ۔ انہوں نے سادہ عوام کو مختلف خیال دیا۔
ری ملا اس ہجرت کو ہی غلط قرار دیتے تھے اور جو اسے صحیح قرار دیتے تھے یعنی خلافت تحریک سے ان کا
بھی تھا' مگر وہ بھی اپنے بیانات بدلتے رہتے تھے۔ جیسا کہ مولانا عبدالباری کے ایک بیان سے
ہوتا ہے:

''میں نے ہر قسم کے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ کابل کے حالات ایسے ہیں کہ

وہاں ہجرت کرنی چاہیے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ سوائے پورا غور و فکر کرنے کے ہجرت کوئی فرض۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی حق ادا کرنے ہیں اور والدین کی رضا لینا بھی ضروری ہے۔'' (۴۹)

یہ بیان بھی ایسے وقت دیا گیا تھا کہ جب ہجرت تحریک اپنے عروج پر تھی' اس کے باوجود یہ واضح ہے کہ عوام نے اپنے طور پر اس تحریک کو اپنی ایمان حرارت سے جلا بخشی' مگر سیاستدانوں اور حکو کے کارندوں نے اسے ناکام بنا دیا۔

رئیس جان محمد جونیجو واحد سندھی لیڈر تھے' جس نے شروع سے آخر تک بلکہ جب تک جان میں تھی اس نے اپنے مقصد سے ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت نہیں برتی۔ وہ لاڑکانہ سے علی گڑھ آئے اور م محمد علی جوہر سے ملاقات کی۔ مولانا صاحب اس وقت ترک موالات کی تحریک کے لیے تبلیغ کر رہے تھے رئیس جان محمد نے مولانا صاحب سے مل کر کئی شہروں کا دورہ کیا۔ نومبر کے آخر میں جونیجو صاحب نے آباد میں خلافت کانفرنس کے ایک اجلاس کو خطاب کیا۔ دسمبر میں وہ آل انڈیا کانفرنس کے اجلاس شریک ہونے کے لیے ناگپور آئے' اس کے بعد وہ بمبئی آئے' جہاں بمبئی خلافت کمیٹی نے مہاجروں لیے امداد کے طور پر ایک لاکھ روپیہ منظور کیا۔ کمیٹی نے پچاس ہزار روپیہ کی پہلی قسط جونیجو صاحب کو وقت پیش کی اور انہوں نے وہ رقم بلا تاخیر افغانستان روانہ کر دی۔

رئیس المہاجرین کی اہم تقریر:

کابل جانے سے پہلے رئیس المہاجرین ایک مرتبہ پھر لاڑکانہ آئے اور کئی اجلاسوں اور جلسو خطاب کیا۔ ۱۵ رجنوری ۱۹۲۱ء کو وہ کابل جانے کے لیے پشاور روانہ ہوئے' جہاں پہنچتے ہی پشاور کے نے رئیس کو آگے جانے سے روک دیا۔ تین ہفتے تک وہ کابل جانے کی اجازت کے لیے پشاور میں ا کرتے رہے' مگر اجازت نہ ملی۔ انتظامیہ کی اس روش کے خلاف پشاور کے لوگوں نے سخت برہمی کا کیا اور ۵ فروری کو ایک احتجاجی جلسہ بھی ہوا' جس میں ہزارہا لوگوں نے شریک ہو کر ایک بار پھر تح ہجرت کے لیے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

رئیس المہاجرین نے اس موقع پر جو تقریر کی اس کے کچھ اقتباسات یہ ہیں:

''حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے انگریز حکومت کی ناانصافیوں خصوصاً مذہبی معاملات ناجائز مداخلت کی وجہ سے اپنے گھر' مال ملکیت وغیرہ چھوڑ کر افغانستان ہجرت کی ہے۔ چار ماہ پہلے رہنمائی میں مہاجروں کا ایک وفد اپنے ہندوستانی بھائیوں سے مدد لینے کے لیے آیا تھا۔ اب ہم واپس

ہتے ہیں' مگر پشاور کی نوکر شاہی ہمیں اپنے وطن جانے سے روک رہی ہے۔ جب میں نے ڈپٹی کمشنر
، پوچھا کہ اجازت نہ دینے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے تو اس نے کہا' آپ خلافت کے ممبر ہیں' اس
، آپ کو اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسی پر میں نے انہیں کہا ہے کہ خلافت کا ممبر ہونے کا مجرم صرف
نہیں ہوں' ساری دنیا کے مسلمان خلافت کے ممبر ہیں۔

اب انتظامیہ کی طرف سے ہمیں افغانستان جانے سے روکنا سراسر ناانصافی ہے۔ ہم بتا دینا چاہتے
کہ سرکار اس معاملے میں اپنی پالیسی بدل دے' ورنہ اس کے نتائج خطرناک نکلیں گے۔'' (۵۰)

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ڈپٹی کمشنر نے سرحد کی حفاظت کے قانون کے تحت رئیس جان محمد جونیجو کو ایک
ں روانہ کیا' جس کے مطابق رئیس کو فوری طور پر پشاور اور سرحد کی حدود سے نکل جانا تھا۔

جونیجو صاحب اب لاہور پہنچے اور مارچ میں ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کیا۔ اس تقریر کے
اقتباسات ہیں:

''انتظامیہ کا کہنا ہے کہ وہ خلافت تحریک کے ممبر کو باہر جانے نہیں دے گی۔ اس قسم کی اقدامات سے
مارے جذبے کو بدل نہیں سکتے۔ میرا تو نظریہ ہی یہ ہے کہ جو مسلمان خلافت کا نہیں اور خلافت کا ممبر
ں اور خلافت کے قائم نہ ہونے اور بچاؤ کی تمنا نہیں کرتا وہ اصل میں مسلمان ہی نہیں ہے۔ ہمیں
فت کے لیے کام کرنے سے روکنا اسلام کے کام میں مداخلت کرنا ہے۔ خدا کی قسم اگر انگریز پورا
پ ہمارے حوالے کر دیں' پھر بھی ہم مداخلت کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں
فت کا راستہ دونوں جہانوں کا راستہ ہے۔'' (۵۱)

لاہور کے بعد رئیس جان محمد جونیجو لکھنؤ پہنچے' جہاں انہوں نے خلافت کانفرنس میں شرکت کی۔ پھر وہ
نا محمد علی جوہر کے ساتھ اجمیر آئے مگر خلافت کانفرنس میں شرکت اس لیے نہ کر سکے کہ وہ بیمار ہوگئے
' پھر بھی انہوں نے اپنی تحریر لکھ بھیج دی تھی۔

اجمیر کی یہ بیماری کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئی اور آخر کار ۱۶/اپریل ۱۹۲۱ء میں غریب الوطن کے
پر اجمیر میں وفات پائی۔ انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ (۵۲)

نستان کی صورتحال پر ایک نظر:

ادھر افغانستان کی صورتحال یہ تھی کہ ''مہاجرین کی عام ناراضگی نے نئی صورتحال پیدا کر دی تھی۔ وہ
کابل کی بدانتظامی کی وجہ سے مہاجرین واپس ہندوستان جانا شروع ہوگئے تھے اور یہ بدنامی اس وقت

پھیلی جب کہ حکومتِ افغانستان نے مہاجرین کی مزید آمد پر پابندی لگا دی تھی۔ پشاور سے کابل تک مہاجرین کی آمد کا تانتا ابھی ٹوٹا نہ تھا اور ہزارہا مہاجرین ۱۳۰ (ایک سوتین) میل کے لمبے راستے رہ ابھی حرکت کر رہے تھے کہ دفعتاً کابل سے پشاور کی جانب گشت شروع ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ ایک ہنگامہ او غلغلہ تھا' جو ہر طرف بپا تھا۔ ایک جوش اور ولولے سے بھرپور اور دوسری غیض و غضب سے بھری' ایک طرف سے صدا اٹھتی تھی کہ واپس آ جاؤ' آگے کچھ نہیں ہے اور دوسری طرف پر زور نعرہ تھا کہ اگر طاقت تھی تو ہجرت کیوں کی تھی۔ ہم ضرور کابل جائیں گے اور وہیں دم لیں گے۔ بعض ایسے جن کے ساتھ ان کے بال بچے تھے' وہ بے حد پریشان ہو رہے تھے۔ آگے جائیں کہ نہ جائیں۔ بہت سے راستے ہی سے لوٹ گئے......'' (۵۳)

وہ آگے لکھتے ہیں کہ:

''انتہائی جوش و خروش کے ساتھ جو قافلے ہجرت کر کے افغانستان پہنچے' جب انہیں اس سرزمین میں کوئی پذیرائی نہ ملی بلکہ انہیں اپنے بھائی بند واپس لوٹتے نظر آئے اور انہیں بھی واپس لوٹ جانے مشورہ دیا تو ان کے جذبات کا کیا حشر ہوا ہوگا۔''

اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بہتوں نے اس مشورے کو مانا اور واپس ہونے والوں کے ساتھ لیے' کئی کابل تک پہنچ گئے اور وہاں سے واپس لوٹے اور کچھ نہ کہا کہ جب آئے ہیں تو واپس نہیں جائیں گے۔ ان میں سے اکثر ترکستان کی طرف چل دیئے اور بعضوں نے روس کے راستے سے ترکی جانے ٹھانی اور قافلوں کی صورت میں شمال کی طرف روانہ ہوتے گئے۔'' (۵۴)

چونکہ مہاجرین سندھ کی داستان اس کے آگے نہیں بڑھتی' وہ مہاجرین جو کابل میں تھے' ان میں سندھ سے تعلق رکھنے والے بھی بہت تھے' مگر چونکہ ان کا علیحدہ کوئی ذکر نہیں ملتا' اس لیے اس باب کو یہیں تک محدود کر دیا گیا ہے۔

تحریکِ ہجرت کی ناکامی کے چند اسباب:

تحریکِ ہجرت کی ناکامی کے اسباب کچھ تو پہلے ہی بیان کیے جا چکے ہیں' ان میں عزیز ہندی کی نوشت کے حوالے سے ایک بار پھر اس بات کو دہرانا چاہوں گا کہ بقول اس کے:

''سچ تو یہ ہے کہ مہاجرین کی آبادکاری کا سلسلہ افغانستان کی غریب حکومت کے لیے سب کٹھن مسئلہ تھا۔ اس میں انتظامی استعداد بھی نہ تھی۔ دوسری طرف ننگ و ناموسِ اسلامی کا خیال

دامن گیر ہو رہا تھا اور پھر انگریزوں کی دسیسہ کاری بھی جاری تھی‘ جونہیں چاہتے تھے کہ مہاجرین افغانستان میں اس قدر کثیر تعداد میں متمکن ہو کر ہمیشہ کے لیے انگریزی حکومت کے لیے ایک سیاسی دھمکی بنے رہیں۔ افواہیں قصرِ سلطانی سے نکل کر پایۂ تخت کے اہل الرائے حلقے میں پھیلنی شروع ہو چکی تھیں کہ سردار محمود طرزی‘ در پردہ امیر امان اللہ خان کو آ کر کہہ گئے ہیں کہ انگریزوں سے اپنے ملک کی آزادی منوانا چاہتے ہو تو اول تحریکِ ہجرت کو بند کر دو۔ دوسرے ان مہاجرین کو جو افغانستان میں وارد ہو چکے ہیں‘ ایسے مقامات پر آباد کرنے کی کوشش کرو‘ جو انگریزی سرحدات سے کافی فاصلہ پر ہوں۔ امیر امان اللہ خان کی اپنی بھی یہی تجویز تھی کہ مہاجرین کو ترکستان میں روسی سرحدات کے قریب آباد کیا جائے۔‘‘ (۵۵)

تحریکِ ہجرت کی ناکامی ہو یا تحریکِ خلافت کی ناکامی‘ یہ بات سب کے ذہنوں میں ابھرے گی کہ ان تحریکات کی وجہ سے سندھ اور ہند کے عوام میں جو ذہنی بیداری پیدا ہوئی‘ وہ آگے چل کر تحریکِ آزادی کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ تاریخ میں برصغیر کے مسلمانوں کی جدوجہد کا یہ بھی ایک سنہری باب ہے۔

تحریکِ ہجرت میں سندھ کے جن لوگوں نے نمایاں حصہ لیا ان میں ڈاکٹر شیخ نور محمد بھی شامل تھے۔ اصل میں وہ حیدر آباد کے جگتیانی عامل (ہندو) خاندان کے ایک فرد تھے‘ وہ دیوان ریجھومل کے بیٹے تھے۔ وہ اسلام سے اتنے مانوس ہوئے کہ خود مسلمان ہو گئے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد بمبئی سے ایم بی بی ایس کا امتحان دیا اور ڈاکٹر بنے۔ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ہجرت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کانفرنسوں میں ولولہ انگیز تقریر کرتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں سندھی قافلے کے ساتھ ہجرت کر کے کابل پہنچ گئے۔ وہاں سے روس‘ جرمنی اور ترکی سے ہوتے ہوئے ۱۹۲۸ء میں سندھ واپس آئے۔ جب افغانستان میں نادر شاہ تخت پر بیٹھے تو انہوں نے ڈاکٹر نور محمد کو بلوا کر شاہی خاندان کا ڈاکٹر مقرر کیا اور ۱۹۴۸ء تک وہ افغانستان میں رہے۔ وہ بڑے مخلص‘ ہمدرد اور لاطمع انسان تھے۔ ۲۲ رنومبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔ (۵۶)

☆☆☆

باب سوم

انگورا، سمرنا کے واقعات اور ترک موالات

خلافت و ہجرت تحریکوں کے ساتھ ساتھ کئی اور واقعات ایسے تھے جن سے سندھ کے لوگ ابتدا سے وابستہ رہے۔

سیوری کے معاہدے کے بعد بھی یونان اور ترکی کی جنگ مسلسل جاری رہی اور یونان کو حیرت انگیز طور پر مسلسل کامیابیاں بھی حاصل ہوتی رہیں۔ ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ یونانی فوجیں ۲۱ راگست ۱۹۲۱ء کو انگورا سے چالیس میل کے فاصلے پر پہنچ گئیں باوجود اس کے کہ سندھ کے حساس مسلمان اس پیش قدمی کے عمل کو روک تو نہیں سکتے تھے، مگر انگورا کے مسلمانوں کے لیے وہ امداد تو فراہم کر سکتے تھے۔ سندھ کے مسلمانوں نے خلافت فنڈ کے ساتھ ساتھ انگورا فنڈ بھی قائم کر دیا۔ جتنا بھی وصول ہوتا تھا وہ مرکزی خلافت کمیٹی کے ذریعے ترکوں تک بھیجا جاتا تھا۔

ستمبر ۱۹۲۱ء کو ترکوں کو فتح نصیب ہوئی اور مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک کی فوجوں نے ایک سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد سمرنا کو بھی فتح کر لیا اور فاتح کی حیثیت سے اس میں داخل ہوئے۔ (۱) اس پورے ایک سال کے عرصہ میں سندھ خلافت کمیٹی اور اس کی لاتعداد شاخیں مختلف قراردادوں کے ذریعے ترکوں کی مالی اور اخلاقی مدد کرتے رہے۔ (۲)

اس طرح مئی ۱۹۱۹ء میں جب یونانی فاتح کی حیثیت سے سمرنا میں داخل ہوئے تھے تو یونانی حکمرانوں نے عوام پر بڑے ظلم کیے۔ سمرنا، سلطنتِ عثمانیہ میں ایشیائے کوچک کا ایک سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ تھا۔ ایسے علاقے میں یونانیوں نے ''ایدن'' اور ''بزعاموٗ'' میں کم از کم ایک سو مقامات کو آگ لگادی تھی۔ لوگوں کو زندہ جلایا گیا۔ مقامی لوگوں کو جلاوطن کیا گیا اور بغیر کسی وجہ کے بچوں سے لے کر بوڑھوں اور عورتوں کو بھی قتل کیا گیا۔ (۳)

پورے سمرنا میں صرف اناطولیہ کا محدود علاقہ ترکی فوج کے قبضے میں تھا۔ یونانیوں کو شروع میں تو بہت سی کامیابیاں حاصل ہوئیں مگر جلد ہی وہ شکست میں بدل گئیں۔ کمال پاشا کی قیادت میں ترکی فوج نے پہلے انگورا اور پھر سمرنا کو فتح کر لیا۔

یہ فتح تو ترکوں کی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ سندھ کا مسلمان اسے اپنی فتح سمجھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔

مکمل فتح کے لیے پورے عالمِ اسلام اور ہند کے ساتھ سندھ نے بھی ۸ ستمبر کو رات ۸ بجے اسلامی یکجہتی کے طور پر دعائے مغفرت مانگی۔ خدائے ذوالجلال نے اس کی سن لی۔ ۱۲ بجے مکمل فتح کی خبر ملی۔ اس لیے ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء سے ۱۷ ستمبر ۱۹۲۲ء تک سندھ کے کونے کونے میں ''جشنِ فتح'' کے طور پر جلسے ہوئے' جلوس نکلے اور فاتحین کے لیے مبارکباد کی قراردادیں پاس ہوئیں۔ کمیٹیوں نے فاتح سمرنا کے لیے نقد انعام مقرر کیا کہ وہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ (۴)

ایسے جلسے جلوسوں کا مختصر جائزہ کچھ اس طرح ہے:

کوٹری ۷ ستمبر ۱۹۲۲ء' گوٹھ امام علی شاہ ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء' ٹنڈو محمد خان' جیکب آباد اور ماتلی ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء' کراچی ۱۳ ستمبر ۱۹۲۲ء۔

اس کے علاوہ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۲ء کو سندھ اور ہند کے تقریباً ہر بڑے شہر میں ''جشنِ فتح'' منایا گیا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ بہت چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں بھی یہ جشن منایا گیا۔

''فاصل کلہوڑہ' میروخان' ہالہ پرانا' ہالہ نیا' نوں واہن' ملا ابڑا' کھپرو' شہدادکوٹ' گھوٹکی' کاکیپوٹہ' میہڑ' گوگارو' میرپور بٹھورو' سعداللہ' ڈینگان' جھرک' ٹنڈو آدم' ماجھند' نصرپور' وسیں شاہ ملوک' شکارپور' ڈھورونارو' جیکب آباد' تھر یچانی' میرپورخاص' تھرپارکر' مٹیاری' ٹھٹھہ' بھان' بھورا' روہڑی' ڈبر' شادی پلی' سونڈا' سکرنڈ' سیوہن' سکھر' موسو مرو' ماڈو' پیر سرہندی' اڈرو' بدین' پیر گوٹھ' ڈگن' چھجڑا' بوبی' رتو دیرو' نوجیون' گدارا' بڑھی وغیرہ وغیرہ شامل تھے۔

لاسین کانفرنس:

"مذہبی طور پر سندھ کے مسلمان سب سے آگے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ تحریکِ خلافت کے آغاز سے یہاں کے باشندے بالکل جذباتی طور پر ترکوں کے حامی رہے۔ ترکوں کو ہر خوشی اور ہر غم کو وہ خود بھی محسوس کرتے اور ان میں برابر کے شریک رہتے تھے۔

ترکوں اور اتحادیوں کے درمیان دسمبر ۱۹۲۲ء سے ۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء تک لاسین کانفرنس میں جو صلح ہوئی اور عہدنامے پر جو دستخط ہوئے' برطانیہ کا کردار قابلِ مذمت رہا۔ وہ برابر روڑے اٹکاتا رہا۔ سندھ کے مسلمانوں نے انتہائی خوشی محسوس کی اور خوب جشن منائے۔ خلافت کمیٹی کی تقریباً ہر شاخ نے جلسہ کیا اور مبارکباد کا پیغام کمال اتاترک کو ارسال کیا۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کے مطابق ترکی علاقوں کی آزادی سے خلافت کی تحریک کا ایک مقصد تو حاصل ہوگیا۔ اس وجہ سے سندھ اور ہند میں عید کے تین دن

مقرر کیے گئے اور سندھ کے سیکڑوں شہروں میں جشن منائے گئے۔(۵) اس طرح جزیرۃ العرب' جو کہ ان دنوں غیر مسلموں کے قبضے میں تھا' وہ عثمانی خلیفے کے اقتدار سے بھی آزاد تھا۔ اسی لیے لاسین کانفرنس کے بعد سندھ خلافت کمیٹی نے ۱۶ر نومبر ۱۹۲۳ء سے ۲۴ نومبر ۱۹۲۳ء تک ہفتہ جزیرۃ العرب منانے کا فیصلہ کیا۔ اسی لیے سندھ کی تمام مساجد میں دعائیں مانگی گئیں اور زیادہ سے زیادہ خلافت بیت المال کی امداد کی اپیل کی گئی۔

ترک موالات تحریک:

پہلی جنگِ عظیم کا خاتمہ ہوا تو برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں سے وعدہ خلافی کر کے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ذلت آمیز شرائط پر ترکی سے صلح کی۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان اور سندھ کے مسلمانوں نے تحریکِ خلافت چلائی' تحریک ریشمی رومال شروع کی اور تحریکِ ہجرت پر عمل کیا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو وائسرائے اور گورنر جنرل ہند لارڈ بیرن چیمسفورڈ (Barin Chelms ford) کو ایک یادداشت دی اور مطالبہ کیا کہ ترکی پر عائد کی ہوئی شرائط پر نظر ثانی کی جائے' ورنہ حکومت کے خلاف ''ترک موالات'' کا آغاز کریں گے۔ اس یادداشت پر سندھ کے ۱۸ر علمائے کرام اور سیاسی رہنماؤں نے دستخط کیے تھے' جو یہ تھے:

حاجی عبداللہ ہارون (کراچی)' مولانا تاج محمود امروٹی (امروٹ)' میاں امین الدین منشی (حیدرآباد)' ڈاکٹر ایم اے احمد (کراچی)' پیر تراب علی شاہ (قمبر)' شیخ عبدالمجید سندھی (حیدرآباد)' مولوی عبدالغفور (جیکب آباد)' مولوی محمد صادق (کراچی)' جان محمد جونیجو (لاڑکانہ)' محمد خان (حیدرآباد)' مولوی عبدالخالق مورائی (مورو)' حکیم فضل محمد (نوشہرو)' محمد ہاشم مخلص (میرپور)' حاجی احمد علی (ڈیگان)' پیر رشداللہ (پیر جھنڈو)' سید اسداللہ شاہ (ٹکھڑ)' نجم الدین (نوشہرو) اور حکیم محمد صادق (مورو)۔

علماء اور سیاست دانوں کی انتہائی کوشش تھی کہ کسی طرح بھی ترکی سے طے کی ہوئی شرائط پر نظر ثانی کی جائے۔ مگر جب اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو آخر کار یہ تحریک بھی زور پکڑنے لگی۔

دیکھا جائے تو اس تحریک کا تخیل بھی سرزمینِ سندھ سے ملا۔ سندھ خلافت کمیٹی کے تحت اپریل ۱۹۲۰ء میں سیوہن میں ایک اجلاس ہوا جس میں ترک موالات کی پہلی مرتبہ قرارداد پاس ہوئی۔

ایک ماہ کے بعد کراچی میں خلافت کا جلسہ ہوا' یہاں بھی ایسی ہی قرارداد پاس کی گئی۔ اس کے دو ماہ

بعد خلافت کمیٹی کا ایک اجلاس قمبر (لاڑکانہ) میں منعقد ہوا اور اسی قرارداد کو دہرایا گیا۔ (٦)

یہ وہ دور تھا جب مسلم لیگ اور کانگریس کا مشترکہ اجلاس ٦ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں منعقد ہوا' جس میں خلافت کمیٹی بھی شامل تھی۔ اس اجلاس میں ترک موالات کی تحریک کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے زور دیا گیا' جس کے فوراً بعد سندھ اور ہند کے علماء نے اس تحریک کے سلسلے میں اپنی طرف سے تصدیق کی اور فتویٰ جاری کیا۔ جس پر سندھ کے علماء میں سے مولانا حاجی محمد قاسم (سونڈا)' مولانا تاج محمود امروٹی اور مولانا شمس الدین (حیدرآباد) نے دستخط کیے۔ (٧)

تھوڑے ہی عرصے کے بعد علماء نے ایک اور جامع فتویٰ جاری کیا' جس کی سندھ کے بہت سے علماء نے اپنی تصدیق دی اور دستخط کیے۔

ان ہی مولانا محمد صادق (کراچی)' مولانا شمس الدین (نوشہرو)' مولانا عبدالواحد (لاڑکانہ)' مولانا فتح علی (سجاول)' مولانا محمد معین صدیقی (دادو)' مولانا عبدالکریم (لاڑکانہ)' مولانا غلام نور (سکھر)' مولانا محمد عثمان میمن' مولانا محمد حسن سرہندی (حیدرآباد)' مولانا محمد عاقل عاقلی (لاڑکانہ)' مولانا محمد عثمان صباغ (تھرپارکر)' مولانا محمد حسن ٹھٹوی' مولانا محمد عمر (خیرپور ناتھن شاہ)' مولانا سید عبدالغنی المعروف عبدالنبی (جیکب آباد)' مولانا عبدالخالق مورائی' مولان خادم حسین (جیکب آباد)' مولانا محمود (شکارپور)' مولانا عبدالواحد (قمبر۔ لاڑکانہ)' مولانا صاحب ڈنہ قرنی (شکارپور)' مولانا محمد صادق (پنو عاقل)' مولانا محمد حسن (کراچی)' مولانا محمد حسن صدیقی (دادو)' مولانا نور محمد گھونکی)' سید تراب علی شاہ (لاڑکانہ)' مولانا میر محمد نورنگی (لاڑکانہ' سید اسد اللہ شاہ ٹکھڑائی (حیدرآباد)' پیر غلام محمد (ٹیاری۔ حیدرآباد)' پیر مٹھل شاہ ٹہلا ہی' مولانا محمد نور' مولانا محمد اسماعیل (پیر جھنڈو)' مولانا محمد امین' مولانا عبدالقادر (پیر جھنڈو)' مولانا محمد' مولانا غلام محمد مجددی (حیدرآباد)' مولانا عبدالکریم (کراچی)' مولانا دین محمد وفائی (کراچی)' حکیم فتح محمد سیوہانی (کراچی)' مولانا عبدالرحیم' مولانا فضل الدین (خیرپور)' مولانا محمد عثمان بلوچ (کراچی)' مولانا محمد نورالحق (پیر جھنڈو)' مولانا علی محمد مہدی (ٹھٹھہ)' مولانا حافظ محمد کامل (لاڑکانہ)' مولانا اسماعیل (گھونکی)' مولانا نصیرالدین صدیق (دادو)' مولانا عبداللہ (پیر جھنڈو)' مولانا محمد عمر سرہندی (ٹیاری)' مولانا عمر سلونو جتوئی (لاڑکانہ)' مولانا محمد سلیمان' مولانا عبداللہ (حیدرآباد)' مولانا محمد ابوالقاسم اور مولانا محمد صدیق (کراچی) شامل تھے۔

ترک موالات کوئی ایسی تحریک نہ تھی جس کو بے قاعدہ یا معمولی سمجھا جائے۔ یہ اپنے عملی اعتبار سے

اصطلاحی انداز میں بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ اس تحریک کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سرکاری کونسلوں کی ممبرشپ' وکالت کا پیشہ' سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم' تعلیمی اداروں کو سرکاری مالی امداد' اعزازی مجسٹریٹیاں' خطاب اور دوسری سرکاری مراعات قبول نہ کی جائیں۔ (۸)

۲۔ حکومت کی فوجی اور غیر فوجی ملازمتوں کو حرام سمجھنا۔

۳۔ انگریزی مال کا استعمال نہ کرنا۔

ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لیے سندھ خلافت کمیٹی نے ایک منظم طریقہ اپنایا۔ اور جیسے پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ لوگوں کو ہدایات دی گئیں جو یہ تھیں:

۱۔ پہلی اگست ۱۹۲۰ء مطابق ۱۵ رذیقعد ۱۳۳۸ھ کے دن عام ہڑتال کی جائے' مگر کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو جب تک ان کے مالکان اجازت نہ دیں' وہ کام نہ چھوڑیں۔ اسی طرح ہسپتالوں' ہیلتھ اور ریلوے کے ملازمین بھی کام جاری رکھیں۔

۲۔ عبادت گاہوں میں اسی دن عاجزی اور گریہ زاری سے دعائیں مانگی' جو لوگ روزے رکھ سکتے ہیں وہ ۳۱ رجولائی یا ۲ راگست کا روزہ رکھیں۔

۳۔ پورے ملک میں جلسے کیے جائیں۔ چھوٹی بستیاں بھی اس میں حصہ لیں۔ تقاریر ہوں نہ ہوں مگر مندرجہ ذیل تجاویز منظور کی جائیں:

(i) ہم فلاں شہر کے باسیوں کا یہ جلسہ مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی اس تحریک سے پوری ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ جو جمعیت شرع اسلام کی اور اسلامی جذبات کے موافق ترکی شرائط صلح پر دوبارہ غور کرنے اور اس میں ترمیم کرنے کی غرض سے کی ہے اور ان کے اختیار کردہ طرزِ عمل یعنی ترک موالات اور کام میں شریک نہ ہونے کو جو شرائط صلح کی مناسب ردوبدل تک رہے گی' تسلیم کرتا ہے۔

(ii) یہ جلسہ نہایت ادب سے شاہی گورنمنٹ کو بادشاہت کے فائدے کی خاطر' جس کی وہ نمائندہ ہے' بڑی تاکید سے ترغیب دیتا ہے کہ وہ صلح کی ان شرائط میں انصاف جیسی ردوبدل پر نظر ثانی کرائے جن پر بے انصافی اور وزیروں کی وعدہ شکنی کی وجہ سے پوری دنیا میں لعنت ملامت کی گئی ہے۔

۴۔ اوپر کی تجاویز جناب نواب وائسرائے بہادر کی خدمت میں ایک لفافہ میں بند کر کے روانہ کی

جائیں، جن میں یہ بھی درخواست کی گئی ہو کہ ان تجاویز کو امپیریل گورنمنٹ کی خدمت میں روانہ کریں۔ (تار دینے کی ضرورت نہیں ہے)

۵۔ مقامی خلافت کمیٹیوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان تجاویز کو پاس کرا کے روانہ کرنے پر خاص توجہ دیں۔

۶۔ کوئی جلوس نہ نکالا جائے۔ تقاریر میں برابری اور حد کے اندر رہنے کا لحاظ رکھا جائے۔

۷۔ بڑے شہروں میں اگر لوگوں کی زیادتی کی وجہ سے ایک جگہ پر انتظام ممکن نہ ہو تو زیادہ جگہوں پر مندرجہ بالا تجاویز بڑھ چڑھ کر منظور کرائی جائیں۔

۸۔ پولیس اور حاکموں (انتظامیہ) کے سمجھانے اور قاعدوں کے اندر رہ کر پوری پیروی لازمی طور پر کی جائے۔ اگر کسی شہر میں تحریر شدہ حکم کے تحت جلسہ پر بندش ہو جائے تو وہاں اجازت لیے بغیر جلسہ نہ کیا جائے۔ (۹)

حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں ترک موالات کے سلسلے میں سندھ خلافت کمیٹی نے جس انداز میں ان ہدایات پر عمل کیا، اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سندھ کے اندر جن مختلف خلافت کمیٹیوں نے قراردادیں منظور کیں، ان کی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ کس طرح سندھ نے اس تحریک کو کامیابی سے آگے بڑھایا تھا۔

ہدایات مطابق مختلف شاخوں کی تفصیل یہ ہے:

تاریخ ۶ راگست ۱۹۲۰ء کو جیکب آباد میں جلسہ ہوا اور مذکور قراردادیں منظور کی گئیں۔ اسی طرح ۱۶ راگست ۱۹۲۰ء کو ٹنیاری میں، ۳۰ راکتوبر ۱۹۲۰ء کراچی میں اور ٹنیاری میں دوبارہ، ۶ راکتوبر ۱۹۲۰ء کو ٹنڈو آدم میں، ۱۶ راکتوبر کو حیدرآباد میں، ۱۹ راکتوبر کو باؤ دیرو میں (ایک بستی) ۲۱ راکتوبر ۱۹۲۰ء کو نصرپور میں ۲۶ راکتوبر کو چھتن شاہ، سرائی مرادعلی چانڈیو، کعب لیماں، ناصری، ماڑی جلبانی اور موریو لاکھو (یہ سب چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں)، ۲۴ رنومبر کو جیکب آباد میں (دوبارہ)، ۶ رنومبر کو ٹھل اور کسبہ غلام نبی شاہ میں (ان دنوں یہ بستیاں ہی تھیں) ۱۰ رنومبر کو میرپور خاص میں، ۱۳ رنومبر کو ٹھٹھہ، ۲۶ رنومبر کو سونڈا میں (ایک بستی) اور دسمبر ۱۹۲۰ء کو گوٹھ مولوی مبارک میں۔ (۱۰)

تحریک ترک موالات میں سندھ کے بہت سے علماء نے حصہ لیا۔ مولانا محکم الدین پر ہیاڑ (الف ۱۰) بہترین مقرر تھی، تحریک خلافت سندھ نے اسے مبلغ مقرر کیا۔ انہوں نے فتویٰ پر بھی دستخط کیے۔ انہوں نے ولایتی اشیاء سے لوگوں کو نفرت دلانے اور دیسی اشیاء کے استعمال کی ترغیب دی۔ انہوں نے جزیرۃ العرب کو محکوم بنائے جانے کے خلاف انگریزوں کے خلاف شدید قسم کی تقاریر بھی کیں۔

نتیجے میں انگریز حکومت نے میر پور خاص میں ان کی زمینیں ضبط کر کے دوسروں کو دی دیں۔ مولانا کو کئی مرتبہ جیل بھی جانا پڑا۔ وہ کانگریس اور جمعیت العلماء میں بھی رہے۔ آخر میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے وطن کی آزادی کے لیے کوشاں رہے۔

مولانا محمد اسماعیل:

مولانا محمد اسماعیل نے بھی تحریکِ خلافت میں شامل ہوکر تحریک ترک موالات کے لیے بڑا کام کیا۔ انہوں نے عملی طور پر تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ولایتی اشیاء کے استعمال سے نقصان اور دیسی اشیاء کے استعمال سے ملکی فائدہ کے سلسلے میں بہت تقاریر کرتے ہوئے لوگوں کو ذہنی طور پر اس قابل بنانے میں کامیابی حاصل کی کہ وہ اصل حقیقت کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ (۱۱)

مولانا محمد پریل منگیو:

مولانا محمد پریل منگیو (۱۲) خلافت کمیٹی سکرنڈ کے جنرل سیکرٹری کے علاوہ مبلغ بھی تھے۔ انہوں نے کئی جلسوں میں قطع تعلقات اور ترک موالات کے سلسلے میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ کئی بستیوں اور گاؤں میں لوگوں نے ولایتی کپڑا گھروں سے لاکر چورنگیوں اور گلیوں میں جلا دیا۔ ان گاؤں میں راہب شاہ، جونا اور چھتن شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر بھی تحریک کی بہت مالی مدد کی۔ وہ انگریزوں کے کٹر دشمن تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف سندھی شاعری میں اپنے احساسات کا بھی اظہار کیا ہے۔

صفحهٔ هستی کان کین کٹباسیں اسیں
تاقیامت داغ تهی دشمن جو رهنداسیں اسیں
آه مارن لئه اساں جی تهی تیاری سرگرم
پر اول ماری عدو پوءِ مرنداسیں اسیں

مولانا محمد سعید گوپانگ:

سندھ میں آزادی کی تحریک شروع ہوتے ہی مولانا حاجی غلام علی نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' جس کی صحت کا اثر اپنے بیٹے پر اتنا زیادہ پڑا کہ جیسے ہی تحریک خلافت شروع ہوئی تو مولانا محمد سعید

گو پانگ اس میں شامل ہو گئے اور اسی سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا' جیسے ہی تحریک ترک موالات اور قطع تعلقات شروع ہوئی تو مولانا محمد سعید نے بڑی جذباتی انداز میں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے لاڑ (جنوبی سندھ) میں جتنے بھی میلے (بزرگوں اور درویشوں پر عرس مبارک) اور ملاکھڑے (دیسی سندھی کشتی) ہوتے تھی' مولانا محمد سعید وہاں پہنچ جاتے تھے اور عام لوگوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت اور حقارت پیدا کرتے تھے۔ (۱۳)

مولانا محمد صدیق پکھی:

سندھ میں تحریکِ خلافت کے آغاز سے مولانا محمد صدیق پکھی ایسے شخص تھے کہ صفِ اول کے عالم اور سیاستدان کی حیثیت سے مولانا محمد صادق کی رفاقت میں وطن کی آزادی کے لیے بڑی خدمت کی۔ خلافتی علماء کے ساتھ فتوؤں کی تصدیق کی اور دستخط کیے۔ مولانا صاحب تحریک کے جلسوں میں نہ صرف شریک ہوئے تھے بلکہ کئی جلسوں کی صدارت بھی کی۔ خلافت کمیٹی کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی رہے اور جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا محمد عاقل عاقلی:

تحریکِ خلافت کے شروع ہوتے ہی مولانا محمد عاقل نے فیض الکریم کی کتاب ''تحقیق الخلافت'' جسے فتویٰ بھی کہا جاتا ہے اس کی تصدیق کی اور اس پر دستخط کر دیئے۔ مگر جیسے ہی اس کے رو میں خلافتی علماء نے ''اظہار الکرامت'' کے نام سے فتویٰ جاری کیا تو مولانا محمد عاقل نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر دستخط کیے اور اس طرح خلافت تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ آگے چل کر جب ترک موالات کے سلسلے میں فتوائیں جاری ہوئیں تو وہ بھی برابر ان کی تصدیق کرتے رہے۔ وہ لاڑکانہ تحریکِ خلافت کے صدر بھی رہے، وہ اچھے حکیم بھی تھے۔ (۱۵)

مولانا محمد عثمان ''قرآنی'':

مولانا محمد عثمان قرآنی ان علمائے کرام میں سے تھے' جنہوں نے تحریک خلافت شروع ہوتے ہی اپنے کو اس سے وابستہ کر دیا اور ترک موالات شروع ہوتے ہی انہوں نے وہ گرانٹ لینا بھی بند کر دی جو ان کے مدرسے کو دی جاتی تھی۔ (۱۶)

ترک موالات کے فتواؤں پر سندھ کے جن لاتعداد علمائے کرام اور دوسرے لوگوں نے دستخط کیے اور تحریک میں عملی حصہ بھی لیا۔ ان میں مولانا معین الدین صدیقی، حکیم معین الدین کھنیاروی، مولانا میر محمد نورنگی، مولانا نور محمد نظامانی، پیر تراب علی شاہ، مولانا حماللہ ہالیجوی، مولانا خادم حسین جتوئی، مولانا عبداللہ کھڈہری، مولانا عبدالخالق مورائی، مولانا عبدالقادر لغاری، مولانا عبدالکریم درس (جنہوں نے اپنے امن سبھائی علماء کے ساتھ دیا، بعد میں اظہار الکرامت کی تصدیق کی اور خلافتی علماء کا ساتھ دیا)۔ مولانا عبدالکریم کورائی، مولانا عطاءاللہ پٹھان، مولانا علی محمد مہیری اور مولانا غلام حسین جمالی وغیرہ شامل تھے۔

قطع تعلقات اور ترک موالات تحریکوں کا سندھ میں اتنا اثر ہوا کہ لوگوں نے اپنا ذریعہ معاش چھوڑ دیا اور ولایتی کپڑے جلسہ گاہ میں ہی جلا ڈالے۔

مولانا تاج محمد قاضی:

مولانا تاج محمد قاضی کا نصرپور سے تعلق تھا۔ انہوں نے نصرپور اور پسگر دائی میں جلسے کر کے لوگوں کو انگریزی حکومت سے تعلقات ختم کرنے اور ولایتی چیزوں کے استعمال سے اجتناب کرنے پر زبردست تقریریں کیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے علاقے میں آگ سی لگ گئی۔ مسلمانوں نے اپنی سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں۔ ان مجاہدوں میں ماسٹر محمد عیسیٰ درس (پرائمری استاد) اور میاں محمد یوسف داؤد پوٹہ (انگریزی استاد) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

کئی لوگوں نے ہاتھ کا بنا ہوا دیسی کھدر کا کپڑا پہننا شروع کر دیا۔ خواتین نے بھی ولایتی کپڑا اور سنگھار کا سامان ترک کر دیا۔ نصرپور میں اس انقلاب آنے کی وجہ سے حاجی عبداللہ لالا اور فدا حسین داؤد پوٹہ نے خاص قسم کی کھدر (جو سفید، رنگین چیک پر اور باریک و موٹی) متعارف کرائی۔ اس کے علاوہ کوٹ کا کپڑا مختلف ڈیزائنوں میں، چادروں اور تولیوں کا نیا کپڑا پیش کیا جو ولایتی کپڑوں کا بہتر متبادل تھے۔

مسلمانوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے (سندھی خواہ انگریزی) نئے اسکول قائم کیے اور اپنے اساتذہ کا تقرر کیا۔ تنازعات کو حل کرنے اور فیصلے کرنے کے لیے جماعتوں کا قیام عمل میں لائے اور تقریباً اسی قسم کی تبدیلی پورے سندھ میں آ گئی۔

لوگ علماء کی تقریریں سن کر انگریزوں کے کٹر دشمن ہو گئے۔ وہ اتنے پرجوش ہوتے تھے کہ بے اختیار اپنے ولایتی کپڑے اتار کر جلسہ گاہ میں ہی جلا دیتے تھے۔ مولانا تاج محمد قاضی نے ایک مرتبہ ٹنڈو نیاری (حیدرآباد) میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے لوگوں پر واضح کیا کہ ولایتی کپڑا اور دیگر اشیاء بذاتِ خود

حرام نہیں ہیں' مگر ان کو ترک کرنے سے دیسی چیزوں کی قدرو قیمت بڑھے گی' اس کے علاوہ انگلینڈ کے ملوں اور کارخانوں اور تاجروں کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لوگوں کو یہ بات دل میں آ گئی اور ہٹیاری کے بڑے بڑے لوگوں نے اپنی بوسکی کی پگڑیاں' قمیصیں اور گھروں میں رکھا ہوا دیگر ولایتی سامان منگوا کر اسی جلسے میں ایک طرف رکھ کر جلا دیا۔

انگریز کب تک یہ برداشت کرسکتا تھا۔ انہوں نے دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع کر دیں۔ مولوی تاج محمد کو بھی گرفتار کیا گیا اور حکومت کے خلافت بغاوت کرنے کے جرم میں ایک سال سخت قید کی سزا دی۔ قید و بند کے اس عرصے کے دوران مولوی صاحب سے چکی چلائی گئی' علاج اور خوراک نا کافی ہونے کی وجہ سے مولوی صاحب کی صحت جواب دے گئی۔ وہ آزاد ہونے کے فوراً بعد وفات پا گئے۔ (۱۷)

انگریز حکمرانوں نے خلافت اور قطع تعلقات تحریکوں کو غیر مؤثر بنانے کے لیے جو طریقہ کار وضع کیا وہ یہ تھا کہ ''امن سبھائیں'' قائم کر کے مختلف گدی نشینوں' مولویوں اور پیروں سے انگریز حکومت کے حق میں تقاریر کروائی جائیں۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران ایک مرتبہ اڈیرو لعل (ضلع حیدرآباد) میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ اطراف کے معززین کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ اس اجلاس کی صدارت ضلع حیدرآباد کے کلکٹر کر رہے تھے۔ وہاں موجود پیروں اور زمینداروں میں نصرپور کے پیر نجم الدین شاہ بھی شامل تھے جو عرف عام پیر جڑیل شاہ جیلانی کے نام سے معروف تھے۔

کلکٹر نے انگریزی حکومت کی اچھائیاں بیان کرنے کے بعد کہا کہ:

''اس وقت سرکار عالیہ دشمنوں سے لڑائی میں مشغول ہے' جس کے لیے سپاہیوں اور پیسہ کی ضرورت ہے۔ آپ لوگوں کو اس مشکل وقت میں حکومت سے تعاون کرنا چاہیۓ۔ حکومت ایسے لوگوں کو تحسین کی نظر سے دیکھے گی۔

تقریر کے بعد وڈیروں اور پیروں نے چندے کا اعلان اور لوگ بھرتی کروانے کی تعداد بتانا شروع کر دی۔ شروع میں بیٹھے ہوئے چند وڈیروں اور کیا جسے نوٹ کیا گیا۔ صاحب بہادر ہر ایک کو آفرین دے رہا تھا۔ وڈیروں نے ایک دوسرے پر سبقت بھی لینے اور اپنی حیثیت جتانے کی کوشش کی۔

جب پیر جڑیل شاہ جیلانی کی باری آئی' تو انہوں نے اٹھ کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ''ہم حاضر ہیں صاحب بہادر۔''

یہ بات کلکٹر کی سمجھ میں نہ آئی۔ پیر صاحب سے وضاحت چاہی۔ پیر صاحب نے کہا:

''صاحب! لوگ نہ ہمارے پیدا کیے ہوئے ہیں نہ خریدے ہوئے ہیں کہ وہ ہمارے اشارے پر چلیں۔ انگریز سرکار کی حکومت میں ہر ایک آزاد ہے اور اپنی مرضی کا مختار بھی۔ رہی بات میری سو میں اور میری ملکیت آپ کے لیے جہاں چاہیں لے چلیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب وڈیرے اور پیرو مرشد اپنے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ (۱۸) کلکٹر صاحب نے مجلس کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر چلتے بنے۔

امن سبھا اور سندھ

پہلی عالمی جنگ میں ترکی کے ہار جانے کی وجہ سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا خدشہ پیدا ہوگیا تو سندھ اور ہند میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوگیا۔ جلد ہی تحریک عدم تعاون اور قطع تعلقات نے حکومت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھی سندھ میں ایسی تنظیم بنائے' جس میں سندھ کے ہر طبقے کے لوگ ہوں اور وہ حکومت کے خلاف ہونے والے اقدامات کے مقابلے میں حکومت کی حمایت کریں۔ خلافتِ تحریک' تحریک عدم تعاون یا قطع تعلقات کے اثرات زائل کرسکیں۔

حکومت کے اشارے سے علماء اور وڈیروں نے مل کر امن سبھا کو قائم کیا۔ علماء کے گروہ کی رہنمائی مولوی فیض الکریم (۱) کر رہے تھے۔ ان کے قریبی ساتھی مولوی عبدالعزیز اور محمد عبدالغنی تھے۔ جب خلافتِ تحریک زور پکڑنے لگی تو مولوی فیض الکریم نے ''تحقیق الخلافت'' کے نام سے ایک فتویٰ کا رسالہ ترکی خلیفے کے خلاف لکھا۔ جس پر سندھ کے امن سبھائی علماء و مشائخ' پیر اور مختلف درگاہوں کے سجادہ نشینوں نے دستخط کیے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اکثر لوگ مذہبی واقفیت پورے طور پر نہیں رکھتے' اس کے علاوہ مذہبی تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے (۲) اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم ان رسم و رواج پر چلیں جن پر ہمارے آباؤاجداد چلے تھے۔

ان علماء کے عقیدے کے مطابق خلافت کی تشریح کچھ اس طرح ہے کہ:

— ''خلافت ایک دنیوی مسئلہ ہے جو کہ لوگوں کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ پھر وہ اسلام کے ارکان میں داخل نہیں' لوگ جسے چاہیں اپنا خلیفہ چن سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے دینِ اسلام مکمل ہو چکا تھا۔

ضرورت یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد احکاماتِ شریعت کو چلانے کے لیے کسی آدمی کو مقرر کیا جائے جو کہ سلطنت کا بھی انتظام چلا سکے۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ جن کا تعلق عوام سے ہے اور لوگ اپنی مرضی سے کسی بھی شخص کو اپنا خلیفہ یا امیر منتخب کرسکتے ہیں۔

مگر اسلام کے اصول لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور ان میں کسی شخص کی رضاء و رغبت شامل نہیں۔

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا مسئلہ اسلام کے اصولوں میں داخل نہیں اور خلیفہ کی تقرری لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص (مسلمان) کسی سلطان کی خلافت کو نہیں مانتا تو وہ اسلام کے دائرے سے خارج نہیں۔ بادشاہ کا تقرر رفتہ ملکی انتظام کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مسئلہ بھی دوسرے دنیوی معاملات نکاح یا خرید وفروخت کی طرح شریعت میں داخل ہے نہ کسی رکنِ اسلام کے موافق ہے۔'' (۳)

اس گروہ کے نزدیک خلافت کے لیے علم' عدالت' کفایت اور ہوش حواس اور اعضاء کا سالم رہنا اور قریشی نسب سے ہونا ضروری تھا:

''علم اس لیے ضروری ہے کہ اگر خلیفہ خود احکامِ شرعیہ سے آگاہ ہوگا تو اسے جاری کرنے کی کوشش کرے گا۔ خلیفہ میں اجتہاد کا عنصر ہونا لازمی ہے کہ دوسرے لوگ اس کی پیروی کریں نہ کہ خود دوسروں کا محتاج ہو۔ وہ عادل بھی ہو۔

کفایت اس لیے لازمی ہے کہ لوگوں کو خدائی قانون کا پابند بنائے' جہاد' زکوٰۃ' بیت المال' فوج اور دوسرے انتظامی کام اچھے طور پر چلا سکے۔

ہوش وحواس اور اعضاء کی سلامتی اس لیے ضروری ہے کہ خلیفہ میں اگر یہ عیوب ہوں گے تو خلافت کے کام نہیں کر سکے گا۔ اگر خلیفہ کو منصبی معاملات سے روک دیا تو یہ بات ویسی ہی ہے' جیسے ہوش وحواس اور اعضاء کی ناسلامتی۔

خلیفے کا قریشی ہونا اس لیے ضروری ہے کہ حدیث شریف ''الامہ من قریش'' سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب اس حدیث کی دلیل پر ہوا تھا۔

یہ تو تھا اس گروہ کا سیاسی عقیدہ' مگر وہ یہ تاثر بھی دے رہے تھے کہ:

''خلافت کے لیے اس وقت جو لوگ ترقی کے لیے کہہ رہے ہیں' وہ خطرناک غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان کو انتشار میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ ایک گروہ ترکی کا حامی ہوگا دوسرا عربوں کا۔ اس طرح ملک اور قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔

دوسری طرف یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے دونوں گروہوں کی شہ پر ترکوں اور عربوں میں دوبارہ جنگ چھڑ جائے اور حرمین شریف میں خواہ مخواہ خونریزی ہو۔ اس لیے بہتر ہے کہ ایسے حالات پیدا ہی نہ کیے جائیں اور مسلمانوں کو آپس میں مل جل کر رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

''ہم مسلمانوں کو خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے تحت بادشاہ وقت کی اطاعت کرنی چاہیے۔ ہر قسم کے شور وغل اور فساد سے بھی پرہیز کرنی چاہیے۔...... ہم نے یہ رسالہ دلائل سے اس لیے پیش کیا ہے کہ ہدایت کا سبب بنے۔(۴)

برصغیر میں علماء کے ساتھ ساتھ پیر و مرشد اور سجادہ نشین بھی مذہبی معاملات میں لوگوں کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امن سبھا کی طرف سے مولوی فیض الکریم کی کتاب فتویٰ پر سندھ کے سجادہ نشینوں نے بھی دستخط کیے تھی۔ انہوں نے مخدوم غلام حیدر صدیقی آف ہالہ کی طرف سے بلائی گئی کانفرنس میں ۴ر جولائی ۱۹۳۰ء کو شرکت کی تھی۔ اس کی تفصیل موجودہ انتظامی تعلق سے پیش کی جائے گی۔

۴ر جولائی ۱۹۳۰ء کے اس نمائندہ اجلاس میں جو قرارداد میں منظور ہوئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ تحریکِ عدم تعاون کو وہ کس نظر سے دیکھتے تھے۔(۵)

(i) ''سندھ کے پیروں کا یہ اجلاس عدم تعاون کی مذمت کرتے ہوئے دیس والوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش کر کے اس تحریک کو ناکام بنائیں۔ اسی سلسلے میں سندھ کے باقی پیروں سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس تحریک کو روکیں۔''

تجویز کنندہ: پیر غلام حیدر شاہ

معاون: پیر محمد امام شاہ اللہ بخش صاحب، پیر بقادار شاہ، پیر خداڈنو شاہ، میاں معصوم شاہ اور پیر فتح محمد

(ii) سندھ کے پیروں کا یہ اجلاس دہلی میں منعقد آل پارٹیز کانفرنس کے مطالبات کی تائید کرتا ہے اور برطانیہ سرکار سے گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کو نمائندگی دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔''

تجویز کنندہ: پیر سید امام شاہ

معاون: پیر سید غلام نبی شاہ

یہ تو تھا پیروں کا گروہ۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ وڈیروں کے گروہ نے اپنا کردار کس طرح ادا کیا۔

ڈیروں کا گروہ:

حکومت نے باثروت لوگوں کو اپنی حمایت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ ان کو یہ باور کرایا گیا

کہ اگر وہ حکومت کے وفادار رہیں گے تو اس میں ان کا فائدہ ہوگا۔ ان کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی کہ:

۱۔ تاج شاہی سے وفاداری کو قائم رکھنا۔(٦)
۲۔ تحریک عدم تعاون کی مخالفت۔(٧)
۳۔ ہند سرکار کے کارکنوں کو اجاگر کرنا۔(٨)
۴۔ تحریکِ خلافت اور کانگریس کی مذمت کرنا۔(٩)

چونکہ امن سبھا کے نام سے حکومتِ وقت نے اپنی حمایت میں عوامی تنظیم قائم کی تھی' اس لیے سرکاری افسران خود اس میں شریک ہوتے تھی۔ یہ عوامی سیاست میں حکومت کی ظاہر ظہور مداخلت کے برابر تھی۔ ان افسران میں کلکٹر اور تحصیل دار بھی شامل تھے۔

گڑھی یاسین کے تحصیل دار مسٹر نانکرام وہاں کے مقامی امن سبھا میں شریک ہوا کرتے تھے۔(١٠) اور نواب شاہ کے کلکٹر مسٹر ای۔ جے بولس (E.J. Bolus) اکثر طور پر امن سبھا کے اجلاسوں کی صدارت کیا کرتا تھا۔ ان اجلاسوں کی خبریں ڈیلی گزٹ میں شائع ہوئی تھیں۔

امن سبھا کی اتنی پذیرائی کے باوجود بھی اس کی شاخیں اتنی نہ ہوسکیں جتنا کہ خیال تھا۔

کچھ شاخیں یہ تھیں:

اوباوڑ' ڈبدین' بیلو' ٹنڈو باگو' ٹنڈو جام' گڑھی یاسین' دیرو محبت' ڈہرکی' مانجھند' نصیر آباد' سکرنڈ' قاضی احمد' قمبر' نواب شاہ اور ہالا۔

امن سبھا میں جن علمائے کرام نے حصہ لیا ان میں مولوی فیض الکریم محمد عبدالغنی اور مولوی عبدالعزیز معروف تھے۔ مولوی فیض الکریم اور محمد عبدالغنی نے کتاب ''تحقیق الخلافت'' تحریر کی اور'' خلافت کے مسئلے پر خیالات'' اور مولوی عبدالعزیز ساہتی پرگنے (علاقہ) میں امن سبھا کے لیے تبلیغ کیا کرتے تھے' جس کے عوض اسے سندھ کی خصوصی پگ (لنگیاں) دی جاتی تھیں۔(١١)

کتاب تحقیق الخلافت میں ترکوں کی خلافت کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاری' صحیح مسلم' حجۃ اللہ البالغہ اور شرح عقائد سے دلائل دیئے گئے تھے۔

'' خلافت کے مسئلے پر خیالات'' ایک چھوٹی سی کتاب تھی جو کہ ١٨ رصفحات پر مشتمل تھی۔ اس میں بھی خلافت کی حقیقت' کیا خلافتِ اسلام کا رکن ہے؟ خلافت کے شرائط' خلافت کس طرح دنیاوی سلطنت ہو گئی۔ ہندوستان کے مسلمان اور اسلامی خلافت' شریف مکہ کی خود مختاری وغیرہ اس کے ابواب

ہیں۔(۱۲)

سندھ کے جن علماء نے ''امن سبھا'' کا ساتھ دیا اور حکومت کے اقدامات اور خیالات کی پذیرائی کی ان کے کچھ نام تحریک خلافت کے علماء کے مقابلے میں اسی باب میں دیئے گئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت نے کس طرح ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پر عمل کیا تھا' جو کہ اس کا مشن تھا۔

باب پنجم

جمعیت العلماء اور سندھ

انیسویں صدی کے آخر میں اگر کسی مضبوط سیاسی پارٹی کا قیام عمل میں آیا تو وہ تھی ''آل انڈیا کانگریس''، ۱۸۸۵ء۔ اس سے پہلے ہندوستان میں برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو کافی عرصہ گزر گیا تھا مگر ایسی کسی سیاسی جماعت کا قیام نظر نہیں آیا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ''آل انڈیا مسلم لیگ'' ۱۹۰۶ء کے قیام کے بعد بھی یہ رجحان محدود رہا۔ البتہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان میں کئی سیاسی' سماجی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں اور جماعتیں وجود میں آئیں۔ جمعیت العلماء کا قیام بھی اس میں سے ایک تھا۔

نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں منعقدہ خلافت کانفرنس کے موقع پر علماء کے اتحاد کی ضرورت محسوس کی گئی اور ہندوستان کے معروف عالم مولانا محمد عبدالباری کی صدارت میں اس وقت موجود علماء کا ایک اجلاس عمل میں آیا۔ سندھ سے مولانا تاج محمود امروٹی' مولانا محمد صادق (کھڈہ۔کراچی) سید اللہ شاہ ٹکھڑائی اور مولانا عبداللہ بھی شریک ہوئے۔(۱)

اس موقع پر اتفاقِ رائے سے ''جمعیت علمائے ہند'' کے نام سے یہ جماعت قائم کی گئی۔ مولانا کفایت اللہ اور مولانا محمد اکرم کو قواعد وضوابط کی ترتیب وتجویز کا کام دیا گیا۔ مولانا کفایت اللہ کو عارضی صدر اور مولانا حافظ احمد سعید کو عارضی سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

جمعیت علمائے ہند کی اگلی نشست امرتسر میں ۲۸ ردسمبر ۱۹۱۹ء کو ہوئی جس میں اساسی اصولوں اور ضابطوں کی تیاری کے لیے پھر سے مولانا کفایت اللہ' مولانا محمد اکرم' مولانا ثناء اللہ اور مولانا منیر زمان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

ایک ایگزیکٹو کمیٹی بھی بنائی گئی' جس میں سندھ سے پیر تراب علی شاہ' مولوی محمد صادق اور مولوی عبداللہ کو ممبر کے طور پر شامل کیا گیا۔(۲)

جمعیت علمائے سندھ:

مرکزی جمعیت علمائے ہند کے قیام کے بعد ضرورت محسوس کی گئی کہ اس جماعت کی صوبائی شاخیں

اور مقامی شاخیں پورے ہند اور سندھ میں قائم کی جائیں' جس کے نتیجہ میں سندھ میں صوبائی شاخ مولانا تاج محمود امروٹی کی صدارت میں قائم ہوئی' جس کے پہلے سیکرٹری حکیم فتح محمد سیوہانی مقرر ہوئے۔ آگے چل کر مولانا محمد صادق (کھڈہ۔کراچی) اور پھر سید اسد اللہ ٹکھوائی بھی اس کے صدر بنے۔مولانا میر محمد نورنگی نائب صدر اور مولانا دین محمد وفائی اس کے سیکرٹری ہوئے۔

سندھ کے کئی شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں' جن کے عہدیداروں میں سندھ کے ممتاز علماء مقرر ہوئے۔ کچھ شاخوں کا تعارف یہ ہے:

صدر: مولوی محمد صادق

نائب صدر: مولوی حسین احمد مدنی

سیکرٹری: مولانا دین محمد وفائی

خزانچی: حکیم فتح محمد سیوہانی (۳)

جمعیت علمائے سندھ شکارپور کے عہدیدار یہ تھے:

صدر: مولانا حمد اللہ

نائب صدر: مولانا حافظ نور محمد

سیکرٹری: مولانا عبدالکریم چشتی

جوائنٹ سیکرٹری: مولانا حافظ محمد ہاشم

خزانچی: مولانا علی شیر (۴)

جمعیت علمائے سندھ بدین کے عہدیدار یہ تھے:

صدر: مولوی غلام علی

نائب صدر: مولوی عبدالوہاب

سیکرٹری: مولوی احمد ملاح

خزانچی: مولوی حاجی عبداللہ (۵)

جمعیت علمائے سندھ میہڑ کے عہدیدار یہ تھے:

صدر: مولوی محمد اکمل

نائب صدر: مولوی اللہ بخش

سیکرٹری: مولوی عبدالوہاب

جوائنٹ سیکرٹری: مولوی عبدالکریم (۶)

جمعیت علمائے سندھ ٹھل کے عہدیدار یہ تھے:

صدر: مولوی نبی بخش عودی

نائب صدر: مولوی محمد اسماعیل

سیکرٹری: مولوی درمحمد

جوائنٹ سیکرٹری: مولوی عبداللطیف (۷)

عوامی جماعتوں اور انجمنوں میں اختلافات کا ہونا کوئی انہونی بات نہیں۔ اس لیے جمعیت علمائے سندھ میں بھی اختلافات پیدا ہوئے۔ مذہبی عقائد اور طریقۂ کار کی بنا پر مولوی عبدالقیوم بھتیاپوری اور مولوی صاحب داد ان اختلافات میں آگے آگے تھے۔ آخر کار یہ اختلافات ٹیاری کے اجلاس ۱۹۲۵ء میں باہمی افہام و تفہیم سے ختم ہوئے۔ (۸)

دوسرا شدید اختلاف ۱۹۳۷ء میں جمعیت علمائے ضلع تھرپارکر کے ارکان میں ہوا۔ انہوں نے کانگریس کے اثرات کا جمعیت پر الزام عائد کیا اور صدر جمعیت پر عدم اعتماد کا بھی اظہار کر دیا۔ (۹)

جمعیت علماء کا کردار مذہبی یا سیاسی طور پر سندھ اور ہند میں بہت ہی اچھا رہا ہے۔ قومی آزادی میں اس کا کردار کسی طور پر دوسری جماعتوں سے کم نہیں رہا۔ باوجود بڑے بڑے بحرانوں کے ان کی مذہبی اور سیاسی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان مذہبی اور سیاسی خدمات میں یہ واقعات شامل ہیں۔

۱۔ تحریکِ خلافت:

سندھ کے جید عالم مولانا تاج محمود امروٹی، مولانا محمد صادق، مولانا عبدالکریم چشتی اور دوسرے کئی علماء حضرات نے خلافتِ تحریک کے لیا گرانقدر خدمات انجام دیں۔ پیر تراب علی شاہ، مولانا حمداللہ

ہالیجوی، مولانا دین محمد وفائی، حکیم فتح محمد سیوہانی اور لاتعداد اسمائے گرامی ایسے ہیں، جنہوں نے تحریکِ خلافت کو سندھ میں عام کرنے میں اپنا پورا زور لگا دیا۔ کئی علمائے مبلغ نے تحریکِ خلافت کے پاس نکل جاتے تھے۔ میلوں (عرس) اور ملاکھڑوں (کشتی) کے مواقع پر بھی تبلیغ سے نہیں ڈرتے تھے۔ جمعیت علمائے سندھ نے سلطان عبدالحمید کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا اور اس کی خلافت کو شرعی قرار دیا۔ ۱۱/اپریل ۱۹۲۳ء کو ایک قرارداد بھی پاس کر دی (۱۰) اور برطانیہ کی وعدہ خلافی پر جمعیت نے بھی قرارداد مذمت پاس کی۔ (۱۱)

۲۔ قطع تعلقات:

یہ سندھ کے علماء ہی تھے، جنہوں نے انگریزی راج کے خلاف عوام میں نفرت پیدا کر دی۔ انہوں نے اپنے اجلاسوں میں ایک دینی فریضہ کے طور پر اس تحریک کو چلایا اور قراردادیں بھی منظور کیں۔ (۱۲)

۳۔ سودیشی تحریک:

انگریز سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ عوام میں خوداعتمادی پیدا کی جائے۔ سندھ اور ہند کے سیاسی مدبروں اور مفکرین نے ایسی حکمتِ عملی اختیار کی اور ''سودیشی تحریک'' چلائی۔ جمعیت علمائے سندھ نے اس تحریک میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اس میں دیسی اشیاء کے استعمال کے لیے فتوے جاری کیے اور غیر ملکی اشیاء کے استعمال سے لوگوں کو باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ (۱۳)

۴۔ سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی:

سندھ کی اپنی تاریخ ہے، تہذیب اور ثقافت ہے، اپنا تمدن اور الگ زبان ہے۔ اس کی جغرافیائی حدود بھی ہیں۔ ان سب کے باوجود انگریز راج نے سندھ کو غیر فطری اور غیر منطقی طور پر بمبئی صوبہ سے ملا دیا۔ ۱۸۴۳ء میں سندھ کو فتح کرنے کے بعد پہلے مارشل لاء لگایا گیا اور پھر اس کے ہٹانے کے بعد اس کا بمبئی سے الحاق کر دیا گیا۔ سندھ کے عوام کے لیے بمبئی جانا بڑا دشوار تھا۔

۱۹۳۰ء کے بعد جب سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک نے زور پکڑا تو دوسری جماعتوں کی طرح جمعیت العلمائے سندھ نے بھی اس میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جمعیت کے ہر جلسے میں اس مطالبے کی قراردادیں پاس کی جاتی تھیں۔

لاڑکانہ کی تحصیل میرو خان کے ایک گاؤں عرضی بھٹو میں جمعیت کے جلسے میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے متعلق جو قرارداد پاس ہوئی' اس کے الفاظ یہ تھے:

''سندھ کو بمبئی سے ضرور علیحدہ ہونا چاہئے۔ بصورت دیگر ہم رعیت کا حال سخت آزردگی کا ہوگا۔ اس لیے یہ جلسہ زوردار الفاظ میں سندھ کی علیحدگی کا مطالبہ کرتا ہے۔'' (۱۴)

جب جمعیت العلماء کا سالانہ جلسہ دسمبر ۱۹۳۱ء میں زیر صدارت مولانا ابوالکلام آزاد کراچی میں منعقد ہوا' تو اس میں بھی بھرپور انداز میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔ (۱۵)

جمعیت العلماء نے اس سے بھی بڑھ کر یہ کام انجام دیا کہ انہوں نے سندھ کے عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی کہ تمہاری منزل صرف سندھ کی بمبئی سے علیحدگی نہیں ہونی چاہئے' کیونکہ سندھ کا جب انگریز گورنر ہوگا' انتظامیہ اس کے ہاتھ میں رہے گی تو یہ تو آزادی نہ ہوئی۔ انہوں نے معنی خیز الفاظ سے عوام کو روشناس کرایا کہ:

''سندھ کے الگ ہونے سے سارے اختیارات فرنگی گورنر کے ہاتھ میں رہیں گے اور سندھ کے ممبران خالی کھوکھوں کی طرح ہوں گے۔'' (۱۶)

۵۔ آزادی کی تحریک اور جمعیت العلمائے سندھ:

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ جس طرح دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا مقصد ہندوسندھ کی مکمل آزادی تھی۔ جمعیت العلمائے سندھ کا بھی اپنے مرکز کے ساتھ ہی مقصد تھا۔ اس جماعت کی وطن کی آزادی کے لیے کوششیں کبھی بھی فراموش نہیں ہوسکتیں۔ وہ ہمیشہ سینہ سپر رہے اور مقصد کے حصول کے سلسلے میں جتنے بھی ظلم وستم کیے گئے' ان کو مردانہ طور پر برداشت کیا۔ ان کا مقصد کبھی بھی مبہم نہ تھا اور نہ اس پر کوئی شک کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

جمعیت العلماء نے اپنے جلسوں میں ایسی لاتعداد قراردادیں بھی منظور کیں' جن کا بالواسطہ مستقل آزادی سے تعلق تھا۔ ہم مثال کے طور پر یہ قراردادیں پیش کرسکتے ہیں:

(i) جس طرح ہماری خلافت اور مذہب کا تحفظ بغیر آزادی کے ناممکن ہے' اس لیے سوراج حاصل کرنا ہمارے مذہبی امور میں داخل ہے۔ جس کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔ (۱۷)

(ii) ٹیاری کے اجلاس میں منظور کی گئی قرارداد کے الفاظ یہ ہیں:

''جمعیت العلماء کا یہ اجلاس اس بات کا زوردار الفاظ میں اظہار کرتا ہے کہ مذہبی آزادی اور مذہبی زندگی

کے لیے ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے دل و جان سے کوشش کریں۔"(۱۸)

سندھ کے عوام کو اس بات پر فخر حاصل ہے کہ نہ صرف صوبہ سندھ کی جمعیت العلماء نے قومی سیاست اور مذہبی معاملات میں بھرپور کردار ادا کیا بلکہ سندھ کے علماء نے مرکزی اجلاسوں میں بھی جلسوں کی صدارت کی۔

ستمبر ۱۹۲۰ء میں کلکتہ کے اہم اجلاس کی صدارت مولانا تاج محمود امروٹی صاحب نے کی، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، سید مرتضیٰ حسین، مولانا عبدالماجد دریابادی، مفتی کفایت اللہ، مولوی محمد داؤد غزنوی، مولانا شائق احمد عثمان، مولانا مسعود علی ندوی اور دیگر کئی جید عالم شریک تھے۔

انہی اجلاسوں میں "ترک موالات" اور "ہجرت" کے لیے فتاویٰ اور شرعی فیصلوں کے لیے ایک دستور العمل بنانے کی تجویز منظور ہوئیں۔(۱۹)

جمعیت العلماء کو سندھ میں مقبول عام بنانے کے کئی اہم مراکز: امروٹ شریف، حیدرآباد، سکھر، ٹیاری، میرو خان اور ہمایوں تھی۔(۲۰)

جمعیت العلمائے سندھ کے چند علمائے کرام:

سندھ کے جن لاتعداد علمائے کرام نے جمعیت العلمائے سندھ میں رہ کر وطنِ عزیز کی خدمت کی ہے، ان میں سے کچھ کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے اور کچھ کے اسمائے گرامی شامل کیے دیتے ہیں:

مولانا احمد ہالائی ولد مولوی محمد بہت بڑے مبلغ تھے۔ جب جمعیت العلماء کو سندھ میں قائم کیا گیا تو مولانا اس میں شریک ہو گئے اور جمعیت کے پلیٹ فارم سے وطن عزیز کی بڑی خدمت کی۔ وطن کی آزادی کے لیے انہوں نے پہلے خلافت تحریک میں شمولیت کی اور خلافت کمیٹی ہالا کے عہدیداران میں سے تھے۔ تحریک کی مالی امداد بھی کی۔ خلافت کے مسئلے کو عوام کے کانوں اور قلبوں تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ ان کی زبان بندی بھی ہوئی اور جیل بھی دیکھنا پڑا۔ وہ امن سبھا کی طرف سے شائع کردہ کتابوں کے سخت خلاف تھی، اس لیے ان کے رد میں جو فتویٰ جاری کی گئی، انہوں نے اس پر دستخط کیے۔(۲۱)

ان کے علاوہ مولوی ابوبکر متعلوی (ٹھٹھہ) مولوی احمد ملاح، سید اسداللہ شاہ ٹکھڑائی، پیر غلام مجدد (حیدرآباد) حکیم فتح محمد سیوہانی اور مولانا عبدالکریم چشتی (شکارپور) وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے بڑی خدمت کی۔

مولانا عبدالکریم ٹکسی ولد غلام حسین ٹکسی جمعیت العلمائے سندھ کے قیام سے اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ وہ جمعیت العلمائے میہڑ (دادو) کے نائب ناظم تھے۔ آخر دم تک جدوجہدِ آزادی اور اصلاحِ خلق کو جاری رکھا۔

اس سے پہلے وہ خلافت تحریک کے پرجوش کارکن تھے۔ خلافتی فتواؤں کے حق میں ساتھ دیا اور دستخط کیے۔ (۲۲)

مولانا فتح علی جتوئی ولد میاں خیر محمد جتوئی بھی ان علماء میں سے تھے' جنہوں نے جمعیت العلمائے سندھ کے قیام سے اپنے کو اس سے وابستہ کر دیا۔ انہوں نے پہلے تحریکِ خلافت میں بھرپور کردار ادا کیا اور جب تحریک ختم ہوگئی تو جمعیت کے اسٹیج سے اپنے وطن کی آزادی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ وہ ۱۹۳۰ء سے کراچی ضلع کے صدر رہے۔ انہوں نے سکھر بیراج میں آنے والی مساجد کے بچاؤ میں سرگرم عمل رہے۔ ساردھا ایکٹ کے خلاف قراردادوں کو منظور کروایا۔ ۱۹۳۱ء میں کراچی میں ہونے والے جمعیت العلمائے ہند کے سالانہ جلسے میں استقبالیہ کمیٹی کے رکن تھے۔ (۲۳)

جمعیت العلماء میں مولانا عبداللہ لغاری' مولانا سید تاج محمود امروٹی' پیر تراب علی شاہ' مولوی حکیم محمد معاذ پیرزادہ' مولانا محمد عاقل عاقلی اور مولانا محمد صادق میمن (کراچی) نے آزادی کے لیے اپنی گرانقدر خدمات انجام دیں۔

مولانا آقا محمد حسین جان سرہندی ولد خواجہ عبدالرحمٰن جمعیت العلمائے سندھ کے قیام سے اس میں شریک ہو کر انگریزوں کے خلاف اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس سے پہلے وہ تحریک خلافت سے وابستہ رہے اور ان فتواؤں پر دستخط کیے جو تحقیق الخلافت کے رد میں لکھی گئیں تھیں۔ (۲۴)

ان کے علاوہ مولانا محمد عثمان قرآنی' مولانا محمد صدیق کچھی' مولانا محمد اسماعیل بھٹو (سکھر)' مولانا فتح علی ولد ناتھو خان (ٹھٹھہ)' مولانا غلام محمد ملکانی اور مولوی عبدالقادر لغاری جمعیت العلمائے سندھ میں رہ کر آزادی کے لیے کام کیا۔

مولانا احمد میمن ولد محمد عارف بہت بڑے مبلغ تھے۔ جمعیت العلماء کا قیام عمل میں آیا تو اس میں بڑے جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور آزادی کے لیے جدوجہد میں جوش و خروش سے کام کیا۔ اس سے پہلے وہ تحریکِ خلافت میں شریک رہے۔ ترکِ موالات تحریکوں میں بھی کام کیا۔ ان کی تقریریں سن کر لوگ جلسے کے دوران ولایتی کپڑے اتار کر جلا دیتے تھی۔ وہ چار مہینے کے لیے جیل یاترا بھی کر آئے تھی۔ (۲۵)

اس کے علاوہ مولانا حمداللہ ہالیجوی' مولانا محمد پریل منگیو' مولانا حاجی محمد قریشی' مولانا حکیم محکم الدین پرہیاڑ' مولانا علی محمد کاکیپوٹہ' مولانا سید علی اکبر شاہ (میہڑ) اور پیر ضیاء الدین شاہ راشدی نے بھی جمعیت کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی کے لیے اپنے تن من اور دھن سے بڑی خدمات انجام دیں۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ولد حافظ محمود چانڈیو نے جمعیت العلمائے سندھ میں شامل ہو کر وطنِ عزیز کے لیے تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ جمعیت العلمائے ہند کے سہارنپور کے اجلاس میں شمالی سندھ سے انہیں نمائندگی دی گئی۔

سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک شروع ہوئی تو مولانا قاسمی صاحب نے اس میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ اسی سلسلے میں جب ''سندھ آزاد پارٹی کا قیام عمل میں آیا تو سندھ کے الگ ہونے تک وہ اس کے سرگرم کارکن رہے۔''

اسی دوران جب فلسطین کے عربوں کے اوپر برے دن آئے اور سندھ کے مسلمانوں نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا اور عربوں کی مالی امداد کی سندھ میں فلسطین کمیٹیاں بنائی گئیں تو مولانا کو فلسطین کمیٹی قمبر کا ناظم بنایا گیا۔ (۲۶)

مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطنی کے بعد جب ۱۹۳۹ء میں واپس سندھ آئے تو ایک نئی پارٹی ''جمنا۔ نربدا سندھ ساگر پارٹی'' کا قیام عمل میں لائے تو اس میں شریک ہو کر قاسمی صاحب نے آزادی کی تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی جب ''جمعیت طلبہ سندھ'' کا قیام عمل میں لائے تو مولانا قاسمی صاحب نے اس کی تشکیل اور عمل میں بھی نمایاں کارکردگی دکھائی۔

مولانا محمد نبوی (مدنی) نے ایک ہندو خاندان میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد ان کی چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ گاؤں کے استاد کے پاس پرائمری تعلیم حاصل کی اور ذہن میں اسلام کی عظمت اجاگر ہونے سے اس نے قرآن شریف بھی پڑھنا شروع کیا اور مکمل کر لیا۔ چونکہ وہ عمر کے چھوٹے تھے' اس لیے اسے کوئی بھی مسلمان کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہ قرآن شریف کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کے لیے عمرکوٹ پہنچ گیا۔ اتفاق سے وہاں سے کچھ حجاج حرمین شریفین جا رہے تھے۔ وہ اس خوش نصیب لڑکے کو اپنے ساتھ لے گئے۔

وہ ترکی کا دورِ حکومت تھی۔ وہ مدینہ طیبہ میں رہے اور عربی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ جب امتحان کا وقت آیا تو شریف مکہ نے اسے اول نمبر قرار دے کر اسے مکہ معظمہ میں شیخ الاسلام کے زیرِ تربیت

رکھا۔اس نے مولانا حسین احمد مدنی اور بعد میں مولانا محمود الحسن سے مشکوٰۃ شریف بھی مکمل کی۔

جب واپس سندھ آئے تو پیر جھنڈو کے مدرسے میں مدرس ہوئے۔اسی دور میں جمعیت العلمائے سندھ کا چرچہ ہونے لگا تو مولانا محمد مدنی اس میں شریک ہوئے اور وطن کی آزادی کے لیے ہم وطنوں کے ساتھ جدوجہد میں شامل ہوگئے۔

۱۹۳۹ء میں مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطنی کے بعد جب سندھ واپس آگئے اور ''جمنا۔نربدا۔سندھ ساگر پارٹی'' کا قیام عمل میں لائے تو مولانا محمد مدنی اس سے وابستہ ہوگئے۔(۲۸)

ان کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم بھٹوی' مولانا غلام فرید سپریو' مولانا مفتی عبدالکریم (پنوعاقل۔سکھر) مولانا عبدالخالق مورائی' مولانا ظہورالحسن درس اور مولانا دین محمد وفائی نے جمعیت العلمائے سندھ کے پلیٹ فارم پر تحریکِ آزادی کے لیے قابلِ تحسین کیا۔

مولانا درمحمد ڈول ولد محمد واصل خلافت تحریک کے خاتمے کے بعد جمعیت العلمائے سندھ میں شامل ہوگئے۔جب تک وہ ٹھل میں رہے تو یہ گاؤں پہلے خلافت اور پھر جمعیت کا مرکز رہا۔اس چھوٹے سے گاؤں میں بھی جمعیت کے کئی اچھے اور بڑے جلسے منعقد ہوئے۔۱۹۴۴ء میں حیدرآباد میں جمعیت کا جو تاریخی جلسہ منعقد ہوا' مولانا صاحب نے اس میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔(۲۹)

ان کے علاوہ مولانا خوش محمد میروخانی' مولانا احمد علی مجذوب' مولوی دین محمد ادیب' مولانا شفیع محمد منگیو' مولانا عبداللہ لغاری (سکھر) اور مولانا عبداللہ کھڈہری (نواب شاہ) نے وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے دوسرے علماء اور سیاستدانوں کے ساتھ اپنا کردار قابلِ ستائش طور پر ادا کیا۔

مولانا عبدالوہاب لُنڈ بلوچ ولد نورنگ خان پہلے کانفرنس میں شامل ہوکر اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا' مگر جب جمعیت العلمائے سندھ کا قیام عمل میں آیا تو انہوں نے اس پلیٹ فارم کو اپنے لیے زیادہ مفید طور طبیعت کا جانا۔وہ بدین علاقے کے مشہور جمعیت علماء میں سے تھے۔۱۹۳۱ء سے وہ جمعیت العلماء بدین کے نائب صدر رہے۔انہوں نے دیسی کپڑے کی اہمیت کو عوام میں اجاگر کیا۔(۳۰)

خاکسار تحریک شروع ہوئی تو مولانا عبدالوہاب اس میں بھی بڑے جوش وخروش سے شریک ہوئے۔وہ بدین اور ٹنڈو باگو تحصیلوں کا سالار مندوب تھا۔خاکسار میں سرگرمی سے کام کرتے ہوئے انہیں جیل یاترا بھی کرنی پڑی اور کوڑوں کی سزا بھی بھگتنی پڑی۔

آگے چل کر مولانا عبدالوہاب صاحب' شیخ عبدالمجید سندھی کے مشورے سے مسلم لیگ میں بھی شامل ہوئے اور قیامِ پاکستان تک اس میں بڑی لگن سے کام کرتے رہے۔(۳۱)

ان کے علاوہ مولانا عبدالکریم بھٹوی' مولانا سید عبدالرحیم شاہ (ٹھٹھہ) مولانا عبدالخالق کنڈیاروی اور مولانا قاضی حبیب اللہ نے جمیعت العلمائے سندھ میں شریک رہ کر تحریکِ آزادی کے کام کو آگے بڑھایا۔

مولانا اللہ بخش مہیسر ولد محمد عمر نے تحریکِ خلافت اور اس کے بعد جمیعت العلمائے سندھ میں بڑی گرم جوشی سے اپنا کردار ادا کیا۔ وہ کافی عرصہ تک میہڑ (ضلع دادو) کی شاخ کے نائب صدر بھی رہے۔ انہوں نے تحریکِ خلافت کے دوران ان فتواؤں کی بھی تصدیق کی' جو مولانا فیض الکریم نے امن سبھا کے پلیٹ فارم سے پیش کیں۔(۳۲)

مولانا سید امیر محمد شاہ ولد سودھل شاہ سب سے پہلے تحریکِ خلافت کے آغاز سے آخر تک سرگرم کارکن رہے۔ امن سبھا کی فتویٰ کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بڑی جدوجہد کی۔ جب جمیعت العلمائے سندھ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا سید امیر محمد شاہ اس میں شامل ہو گئے اور ۱۹۲۵ء سے جمیعت العلمائے سندھ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہو گئے اور بڑی دل جمعی اور لگن کے ساتھ تحریکِ آزادی میں سرگرم عمل رہے۔(۳۳)

مولانا عبداللہ شاہ قتالی ولد محمد شاہ نہ صرف تحریکِ خلافت میں بھرپور انداز سے حصہ لیا بلکہ جب جمیعت العلمائے سندھ کا قیام عمل میں آیا تو اس میں شامل ہو گئے۔ وہ جمیعت العلمائے سندھ کی ورکنگ کمیٹی کے ۱۹۲۵ء سے ممبر رہے۔ تحریکِ خلافت کے دوران وہ گوٹھ شاہپور میں گرفتار کر لیے گئے اور جیل بھیج دیئے گئے۔ وہ ریاست خیر پور کے جانے پہچانے خلافتی رہنما تھے۔(۳۴)

اس کے علاوہ مولانا عبدالعزیز تھریچانی' مولانا عبدالکریم ڈول' مولانا عبیداللہ لاشاری' مولانا حکیم غلام صدیق نوناری' مولانا حافظ فضل احمد' پیر آقا محمد اسماعیل جان' مولانا حافظ خواجہ محمد حسن جان سرہندی' مولانا محمد صادق انڈھڑ اور مولانا محمد عثمان کھٹی نے بھی جمیعت العلمائے سندھ میں شامل ہو کر وطنِ عزیز کے لیے کسی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔

مولانا محمد عثمان بلوچ ولد ملا کریم بخش تحریکِ خلافت سندھ کمیٹی کے کئی عہدوں پر فائز رہے اور جلسوں میں بڑی سرگرمی سے شریک ہوئے۔ اس کی پاداش میں انہیں جیل یاترا بھی کرنی پڑی۔

مولانا محمد عثمان جمیعت کے قیام سے سندھ جمیعت العلماء کی مجلس عاملہ کے ممتاز رکن رہے۔ اس طرح وہ کانگریس کے بھی حامی رہے اور جب مولانا عبیداللہ سندھی جلاوطنی کے بعد سندھ آئے تو ان کی قائم کردہ ''جمنا۔نربدا سندھ ساگر پارٹی'' میں شامل ہو گئے۔(۳۵)

مولانا محمد عظیم شیدا' مولوی محمد مبارک پلی' مولانا میر محمد نورنگی اور مولانا خیر محمد نظامانی نے جمعیت العلمائے سندھ میں بڑے جوش اور جذبے سے کام کیا۔

پیر آغا عبداللہ جان سرہندی' مولانا عبداللہ مری اور مولانا عبدالحکیم ولد مولوی غلام رسول گوٹھ راجنپور (سکھر) نے بھی جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم سے آزادی کی راہ میں قربانیاں دیں۔(۳۶)

مولانا عبدالحق ربانی ولد محمد رمضان ورس جمعیت العلمائے سندھ کے کچھ عرصہ کے لیے ناظم اعلیٰ بھی رہے اور پھر سرگرم کارکن کی حیثیت سے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ بڑے اچھے مقرر تھے۔ ۱۹۴۴ء میں پکہ قلعہ حیدرآباد میں جمعیت العلمائے سندھ کے جلسے میں استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے خطبہ پڑھایا۔

مولانا ربانی نے مسلمانوں میں سیاسی شعور اور مذہبی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے لیے ۱۳۵۱ء میں ایک رسالہ ''مبلغ'' جاری کیا۔ ۱۳۵۵ء میں ''الفاروق'' اور ۱۳۵۷ھ میں ''موحد'' کے علاوہ ۱۳۶۵ھ میں ایک ہفتہ وار اخبار ''عدل'' بھی جاری کیا۔

مولانا ربانی نے سندھ سے بمبئی کی علیحدگی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ سیاسی طور پر وہ کانگریس کے حامی تھے۔ وہ مولانا عبیداللہ سندھی کی سندھ ساگر پارٹی کے رکن بھی رہے۔(۳۷)

جمعیت العلمائے سندھ کے پلیٹ فارم سے سندھ کے لاتعداد علمائے کرام نے اپنا سیاسی' مذہبی اور رفاہی کردار ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ علمائے کرام مختلف تحریکوں میں حصہ نہ لیتے اور شہر شہر بستی بستی لوگوں کے پاس جا کر رائے عامہ ہموار نہ کرتے' ان کو متحد اور منظم نہ کرتے تو انگریز اتنی جلدی اس ملک سے چلے جانے کا نام نہ لیتے۔

سندھ کے جن مشہور اور جید علمائے کرام اور مولوی صاحبان نے تحریکِ آزادی میں اپنے طور خاص کردار ادا کیا' وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ ان علمائے کرام میں مولانا حکیم الٰہی بخش اعوان (شکارپور) مولوی پیر امام الدین شاہ راشدی (لاڑکانہ) مولانا عبداللہ ہنگل ویرائی (۳۹) تحریک خلافت' جمعیت العلمائے سندھ اور ترکِ موالات وغیرہ میں بھرپور حصہ لیا۔

اسی طرح مولانا پیر عبدالستار جان سرہندی ولد خواجہ محمد حسن جان (۴۰) نے تحریکِ خلافت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے جمعیت العلمائے سندھ سے وابستہ رہے۔ وہ بڑے پائے کے رہنما تھے۔ قاضی عبدالکریم عباسی ولد مولانا محمد سعید تحریکِ خلافت اور جمعیت العلمائے سندھ کے مخلص کارکن تھے۔(۴۱) مولانا عزیز اللہ ولد قاضی عبداللہ (۴۲) اور مولانا عزیز اللہ جروار ولد خان محمد جروار (۴۳

نے بھی جمعیت العلمائے سندھ میں شامل ہوکر وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے جدوجہد میں شامل رہے۔
اسی طرح مولانا عطاء اللہ پٹھان ولد نور محمد (۴۴) مولانا علی شیر' (۴۵) مولانا علی محمد مہیری ولد حافظ دھنی پرتو' (۴۶) مولانا غلام علی گوپانگ ولد حیدر خان' (۴۷) مولانا غلام عمر جتوئی ولد میاں محمد صادق' (۴۸) مولانا محمد ابراہیم گڑھی یاسینی ولد مولانا محمد ہاشم' (۴۹) مولوی محمد اسماعیل عودی ولد مولانا نبی بخش' (۵۰) اور مولوی محمد اسماعیل لغاری ولد حاجی خان محمد لغاری (۵۱) نے نہ صرف تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا بلکہ جمعیت العلمائے سندھ کے قیام سے وہ اس سے وابستہ ہو گئے اور اس صوبہ میں عوام کو انگریزوں کے خلاف حقائق اس طرح ذہن نشین کرائے کہ انہوں نے انگریزوں کے ہر فعل کو شک کی نگاہ سے دیکھا' چراغ سے چراغ جلتا گیا اور رفتہ رفتہ صوبہ سندھ برصغیر کے دوسرے علاقوں کے ساتھ تحریکِ آزادی میں اپنا نمایاں کردار ادا کرتا رہا۔ جو بھی تحریک اٹھی وہ یا تو سندھ سے اٹھی یا سندھ میں اسے پذیرائی ملی اور اس طرح سندھ نے باب الاسلام ہونے کا حق ادا کر دیا۔ سندھ کے علمائے کرام اور مشائخ کی اور بھی اتنی بڑی تعداد ہے جو کہ تحریکِ خلافت کے جمعیت العلمائے سندھ میں اپنے کو شامل کر دیا ان میں:

مولانا محمد اکرم انصاری ولد حاجی عبدالحق' مولانا محمد امین آریسر (۵۳) ولد حافظ صدرالدین' مولانا محمد حسین (۵۴) ولد حافظ پیر محمد عرف کچھو اور مولانا محمد داؤد دتیو (۵۵) جنہوں نے تحریکِ خلافت' جمعیت العلماء اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارموں سے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ مولانا محمد سعید گوپانگ ولد حاجی غلام علی' مولانا محمد سلیمان (۵۶) بنوی ولد حاجی ہارون' جنہوں نے تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ فتوؤں کی تائید کی' دستخط کیے' پھر جمعیت العلماء میں ۱۹۲۵ء سے ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے' اسی وجہ سے وہ کانگریس کے نقطۂ نظر کے بھی حامی تھی اور آزادیٔ وطن کے لیے کوشاں رہے۔

مولانا محمد سلیمان واعظ (۵۷) ولد الہندو خان نوناری کے علاوہ مولانا محمد صالح سموں (۵۸) جنہوں نے خلافت تحریک میں گرمجوشی سے حصہ لیا۔ جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم سے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد میں شریک رہے۔ جمعیت میرپور خاص کے نائب ناظم بھی رہے۔ حکومت نے انہیں صوبہ بدر کیا اور تین سال کے لیے جیل میں ڈال دیا۔ مولانا نے آخری عمر میں مسلم لیگ میں سرگرمی سے حصہ لیا اور وطن کی آزادی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔

مولانا محمد صالح عاجز (۵۹) ولد ملا محمود میمن ایک عالم تھے' صحافی تھے۔ ہفتہ وار اخبار ''چیلنج'' جیکب آباد اور ''عدل'' کے ایڈیٹر رہے۔ ہفتہ وار ''جمہور'' کا شکارپور سے آغاز کیا۔ ہفتہ وار ''مجاہد''

کراچی، جو پیر الٰہی بخش نے جاری کی، اس میں سب ایڈیٹر رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی کئی اخبار کے ساتھ وابستہ رہے جیسا کہ ''شہباز''، ''ستارہ سندھ''، ''صبح صادق'' وغیرہ۔

مولانا محمد صالح جمعیت العلماء سندھ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۱ء میں جب پنو عاقل میں جمعیت بڑی کانفرنس ہوئی اور مولانا حسین احمد مدنی نے صدارت کی، اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ وہ ۹ میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے پہلے قیدی تھے۔ انہوں نے ''مجلس احرار الاسلام'' کے جلسے ۶ /۱ ۱۹۳۹ء میں انگریزی تخت و تاج کے خلاف سخت تقریر کی تھی۔

مولانا محمد طیب لکھمیر (۶۰) ولد آخوند خدا بخش نے جمعیت العلماء میں رہ کر جدوجہد آز میں حصہ لیا اور آخر میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔ وہ گوٹھ کھمبڑ لکھمیر کے صدر بھی تھے۔

اسی طرح **مولانا محمد عبدالحکیم** (۶۱) ولد نور محمد نے تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لینے کے جمعیت العلماء کے سیاسی پلیٹ فارم سے جدوجہدِ آزادی میں حصہ لیا۔ حیدرآباد کے تاریخی جلسہ، جو گراؤنڈ پر منعقد ہوا تھا اور قاری محمد طیب دیوبندی نے صدارت کی تھی، مولانا عبدالحکیم نے اس میں گرمجوشی سے حصہ لیا تھا۔

مولانا محمد عثمان شیخ ولد مولوی احمد شیخ اور مولانا محمد علی جونیجو (۶۲) جمعیت العلماء کے پر کارکن تھے۔ مولانا محمد علی آخر میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اپنی سیاسی سرگرمیاں اسی مقصد حصول کے لیے وقف کر دیں جو لیگ کا مقصد تھا اور خدا نے اسے پورا کر دیا۔

ان کے علاوہ **ڈاکٹر محمد عمر شیخ** (۶۳) ولد مولوی احمد سیاست میں مولانا ابوالکلام آزاد اور م عبیداللہ سندھی کو اپنا رہنما تصور کرتے تھی۔ اس لیے مولانا آزاد کی نسبت سے انہوں نے جم العلمائے سندھ سے اپنا سیاسی کردار وابستہ رکھا۔ اسی طرح مولانا محمد ہاشم اسحاق دیرائی (۶۴) ولد اللہ بخش نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز تحریکِ خلافت سے کیا۔ وہ بڑے اچھے مبلغ تھے۔ انہوں نے مدرسے کے لیے سرکاری گرانٹ لینے سے انکار کر دیا۔ تحریک کے دوران اسے جیل بھی جانا پڑا۔ بعد وہ جمعیت العلمائے سندھ میں شامل ہو گئے۔ وہ کافی عرصہ تک جمعیت کے ضلعی شاخ سکھر کے نائب صدر بھی رہے۔ اس نے کاروباری کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے تحریکِ آزادی کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مولانا محمد ہاشم کھٹی (۶۵) ولد میاں عبداللہ نے تحریکِ خلافت میں خلافت کمیٹی ''گنج گلیل''

ناہندر کے صدر رہے۔ اس کے بعد جمعیت العلمائے سندھ کے پلیٹ فارم سے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔

پیر محمد ہاشم جان (٦٦) سرہندی ولد خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے جمعیت العلمائے سندھ سے وابستگی اختیار کی۔ وہ ۱۴۔۱۵/اگست ۱۹۳۷ء کو کراچی میں منعقدہ جلسہ، جس کی صدارت مولانا حسین احمد مدنی نے کی اور حیدرآباد کے پکہ قلعہ کے عظیم الشان جلسہ، جس کی صدارت قاری محمد طیب دیوبندی نے کی، ان میں بڑے جوش اور جذبہ سے شرکت کی۔

مولانا محمد یوسف (٦٧) بنوی ولد محمد سلیمان تحریکِ خلافت سے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کی۔ انہوں نے تحقیق الخلافت کی مخالفت میں "اظہار الکرامت" کے فتویٰ پر دستخط کیے۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سندھ آزاد پارٹی میرپور بٹھورو کے صدر رہے۔ وہ بڑے فصیح اللسان مبلغ تھے۔ آخر میں جمعیت العلمائے سندھ میں شامل ہو کر وطن کی آزادی کے لیے کام کیا۔

مولانا حکیم معین الدین کھنیاروی ولد عبدالرحمٰن نے خلافت تحریک شروع ہوتے ہی اپنے کو اس سے وابستہ کر دیا۔ وہ آل انڈیا خلافت کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ انہوں نے سندھ میں اس تحریک کو عام کرنے میں بڑی جدوجہد کی، فتواؤں پر دستخط کیے اور مالی تعاون بھی کیا۔

تحریکِ خلافت کے بعد انہوں نے جمعیت العلمائے سندھ میں شمولیت اختیار کر لی اور اس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ انہوں نے جمعیت کے پلیٹ فارم سے انگریز راج کو ختم کرنے کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ (٦٨)

مولوی میر محمد جتوئی ولد حاجی عبداللہ نے بھی خلافت تحریک سے وابستگی اختیار کی اور امن سبھا کی سرگرمیوں کے خلاف "اظہار الکرامت" پر دستخط کیے۔ آخر میں جمعیت العلمائے سندھ میں شمولیت اختیار کی اور وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد میں شریک رہے۔ (٦٩)

مولانا نبی بخش ٹھوڑی ولد غلام حسین نے بھی جمعیت کے پلیٹ فارم سے جدوجہدِ آزادی جاری رکھی۔ وہ ورکنگ کمیٹی ضلع جیکب آباد کے ممبر تھے۔ (٧٠) مولانا نذیر حسین جتوئی ولد مولانا خادم حسین جتوئی (جن کے متعلق تحریکِ خلافت کے باب میں لکھ چکے ہیں) انہوں نے کانگریس، جمعیت العلماء اور آزاد پارٹی اور سندھ ساگر پارٹی میں شامل رہ کر تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔

اسی طرح مولانا نور محمد سجاولی ولد حافظ محمد عمر راجا (ولادت ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) گوٹھ خالصہ نزد سجاول

(ٹھٹھہ) جمعیت العلمائے سندھ میں شامل ہو کر جدوجہدِ آزادی میں حصہ لیا۔
اس طرح ایسے لاتعداد علمائے کرام تھے، جنہوں نے عوام کے ذہن کو اس طرح انگریزوں کے خلاف تیار کیا کہ جب موقعہ آیا تو انہوں نے اپنی طاقت کا اثر دکھادیا اور اپنے آپ کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرلیا۔

باب ششم

خاکسار تحریک اور سندھ

علامہ عنایت اللہ مشرقی نے ۱۹۳۱ء میں پانڈوں کے گاؤں میں آل انڈیا خاکسار تحریک قائم کی۔(۱) وہ آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں سے ناراض تھے۔ان کا خیال تھا کہ محمد علی جناح اور کانگریس کے مختلف نعرے فقط انتخابات جیتنے کے لیے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مختلف صوبوں میں ان کی حکومتیں قائم ہوں۔(۲)

علامہ صاحب کا مقصد تھا کہ ہندوستان کو طاقت کے بل بوتے پر آزاد کرا کر اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی جائی۔اس جماعت میں طاقت ۱۹۴۰ء کے بعد آنا شروع ہوئی۔(۳)

سندھ میں اس تحریک کو متعارف کرانے والے نصیر محمد خان نظامانی تھے' جنھوں نے حیدرآباد کو مرکز بنا کر اس کے لیے کام کیا۔ان کے مددگار قاضی محمد اکبر تھے' جو طبابت کرتے تھے۔

لاڑکانہ اور جیکب آباد میں پیر الٰہی بخش نے اس تحریک کی شاخیں قائم کر کے اسے عوامی تحریک بنانے کی کوشش کی۔کراچی میں اس تحریک کو چلانے والے سید حضرت شاہ اور قاضی عبدالرسول ایڈووکیٹ تھے۔

اس سے پہلے کہ خاکسار تحریک کو سندھ میں کتنی کامیابی نصیب ہوئی اور سندھ کے کن لوگوں نے اس میں شامل ہو کر ایک طرف تحریک کی خدمت کی اور دوسری طرف وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے کام کیا' ہم تحریک کے اغراض و مقاصد اور اس کے رہنماؤں کے بارے میں تعارف دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ خاکسار تحریک کا مرکزی دفتر اچھرہ۔لاہور میں تھا اور علامہ عنایت اللہ مشرقی ایک جید عالم اور مفکر اور اس کے بانی تھے۔اس تحریک کے قیام کے لیے کئی اسباب اور واقعات کا عمل دخل تھا۔

بقول نصیر محمد خان نظامانی چند یہ تھے:

۱۔ اسلام کے رہنماؤں نے قومی اتحاد پیدا کرنے کے لیے وعظ و نصیحت کی' مگر بے اثر رہیں۔

۲۔ علماء میں ان کوششوں سے الٹا فرقہ واریت پیدا ہوئی اور نفرت زور پکڑ گئی۔ ہر ایک نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا۔

۳۔ اب تک جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں اور جتنی بھی جماعتیں قائم ہوئی ہیں' مگر کوئی بھی اتفاق اور

اتحاد قائم نہیں ہوا۔

۴۔ علماء تو کیا سیاسی رہنماؤں نے بھی کئی سیاسی فرقے پیدا کر دیئے۔ نہ مذہبی طور پر اتحاد سے اور نہ سیاسی طور پر۔

۵۔ قوم کی اصلاح اور اتحاد کے لیے چندے تو وصول کیے گئے' مگر قومی رہنماؤں کے امیر بننے کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

۶۔ کئی کتابیں لکھی گئیں' قومی گیت اور ترانے لکھے گئے' مگر قوم پھر بھی قوم نہ بن سکی۔ (۴)

ان حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے تحریک کے بانیوں نے ایک نئی سوچ کے ساتھ عوام کو ایک نئی راہ یہ دی کہ:

خاکسار تحریک مکمل محبت' امن و آشتی اور صلح کی تحریک ہے۔ اس میں مسلمان' ہندو' سکھ' پارسی اور عیسائی سب ایک ہوں گے۔ حکومت کی مخالفت کیے بغیر خدا کی مخلوق کی' مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر خدمت ہوگی اور خدمت کرنا ہر خاکسار کا فرض ہوگا۔

بیلچہ اس تحریک کا نشان ہے اور یہ خدمت اور مزدوری کے لیے ہوگا۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہوگا کہ کسی نے بیلچہ کا غلط استعمال کیا اور اسے قانون کے خلاف استعمال کیا۔ اسے خاکسار جماعت سے نکال دیا جائے گا۔ (۵)

تحریکِ خاکسار کے اغراض و مقاصد بقول نصیر محمد خان نظامانی یہ تھے:

۱۔ اپنے اعمال سے قوم کو متحد کر دینا۔

۲۔ چھوٹے بڑے سب کو ایک صف میں کھڑا کر دینا۔

۳۔ ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے محبت میں اضافہ ہوگا اور یہی کام لیا جائے گا۔

۴۔ اپنے خالق اللہ جل شانہ کے عبادت گزار بنا کر ہر ایک کا سر اونچا کر دینا۔

۵۔ ایک رنگ کا لباس پہنا کر سب میں وحدت کا احساس اجاگر کرنا۔

۶۔ مذہبی نفرتوں کو مٹا کر سارے مباحثوں سے چھٹکارا حاصل کرنا۔

۷۔ سیاسی تفرقوں اور مباحثوں سے چھٹکارا حاصل کرنا۔

۸۔ خاموشی کی طاقت سے قومی طاقت میں اضافہ کرنا۔

۹۔ بیلچہ کو اسلامی نشان کے طور پر ہاتھ میں اٹھا کر اور سپاہیانہ قواعد پر عمل کر کے قوم کو چست بنانا۔

۱۰۔ گاؤں یا شہروں کو ایک افسر کے ماتحت کر کے پوری قوم کو ایک حکم کا پابند کرنا۔

۱۱۔ چندہ کبھی بھی جمع نہ کرنا۔
۱۲۔ اور کسی بھی شخص، انجمن یا گروہ کی کبھی بھی مخالفت نہ کرنا۔(٦)

باوجود اس کے کہ یہ تحریک ہر ایک کے لیے تھی، ہر فرد، ہر مذہب کے ماننے والے کے لیے تھی مگر آگے چل کر یہ تحریک مسلمانوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی۔

تحریک خاکسار کے ہر ممبر کے لیے جو شرائط تھے وہ یہ تھے:

۱۔ کوئی بھی مسلمان کسی مسلمان کے خلاف نہیں ہوگا۔
۲۔ پڑوسی طاقتوں سے رواداری رکھی جائے گی۔
۳۔ مجاہدوں اور سپاہیوں میں قابلیت پیدا کی جائے گی۔
۴۔ اپنے سالار کے ہر حکم کو بغیر حجت کے مانا جائے گا۔
۵۔ خدا اور اسلام کی راہ میں ہر وقت اپنا مال و اسباب اور جان حتیٰ کہ فرزندوں کو بھی قربان کرنے کی طاقت پیدا کرنا۔
۶۔ وقت کی پابندی کرنا۔
۷۔ خدا کے سوا کسی طاقت سے نہ ڈرنا۔
۸۔ روئے زمین کی بادشاہی اور اس میں اسلام کے اجتماعی غلبے کا یقین ہونا۔
۹۔ روحانی جذبہ پیدا کرنے، شیطانی اور نفسانی جذبوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنا۔
۱۰۔ صرف خلقِ خدا کی خدمت کرے، مگر اس کا بدلہ نہ مانگے۔
۱۱۔ نماز قائم کرے۔
۱۲۔ صف میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کی اونچ نیچ کو عملی طور پر برابر کر دے۔
۱۳۔ سپاہیانہ زندگی گزارے۔
۱۴۔ ساری غفلتیں اور سستیاں ختم کر دے۔
۱۵۔ بیلچے کو آنحضرت ﷺ کی سنت جان کر اس کو اپنے پاس محفوظ رکھے۔
۱۶۔ خاکی وردی پہنے اور اس پر برادرانہ لال نشان لگائے۔
۱۷۔ آپس میں ملیں تو فوجی سلام کریں۔
۱۸۔ صرف خاکسار سے سودا سلف خریدے۔
۱۹۔ مسلمانوں کے ساتھ مذہبی عقائد کے بارے میں بحث نہ کرے۔

۲۰۔ ہر مسلمان کو ایک تسبیح کے دانے کی طرح متحد کرنے کی کوشش کرے۔

۲۱۔ خاموشی کو اپنا شیوہ بنائے۔

۲۲۔ سننے اور کرنے والا بنے۔ کہنے اور کرنے والا نہ بنے۔

۲۳۔ قوم کے ہر فرد کو مرکزی اجتماع میں شامل کرنے کے لیے عملی طور پر تیار کرے۔(۷)

اس تحریک نے چونکہ اصلاحی اور سماجی کے علاوہ دینی انداز سے عمل شروع کیا' تو سندھ کے عوام نے اس کے پلیٹ فارم کو بھی استعمال کیا۔ مگر چونکہ اس کے قواعد بہت سخت تھے' اس لیے بڑے پیمانے پر اس کی ترویج نہ ہوئی۔ سندھ مین بھی اس کے بہت سے کیمپ لگے۔

اس تحریک میں جن نوجوانوں نے عملی طور پر حصہ لیا' ان میں سے اکثر نے بعد میں نمایاں کارکردگی دکھائی۔ اس تحریک کے ختم ہونے کا سبب اس کے اپنے رہنما اور بانی علامہ مشرقی تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ نے دو مخالف جماعتوں کے طور پر بڑی مقبولیت حاصل کی۔ خصوصاً ۱۹۴۰ء کے بعد تو آل انڈیا خاکسار تحریک اور دوسری سیاسی جماعتیں مقبولیت کے اعتبار سے پیچھے ہوتی گئیں۔ شاید علامہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی طور پر مسلمانوں کو مزید دھڑوں میں تقسیم کیا جائے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ایک جلسے میں خاکساروں کی شمولیت کی تعداد کم از کم مقرر کرنے اور وہ حاضری نہ ہونے کے بعد اسے توڑنے کا اعلان کر دیا۔

۱۹۳۵۔۱۹۳۶ء میں سندھ میں خاکسار تحریک کو نصیر محمد خان نظامانی ایڈووکیٹ حیدرآباد اور ان کے رفقاء نے مقبول بنایا اور اسی میں کئی سیاسی لوگ اور قومی خادم مثلاً میر اللہ بخش خان تالپور جی۔ ایم سید' غلام مصطفیٰ خان بھرگڑی' یوسف ہارون' پیر الٰہی بخش اور کئی لوگ شامل ہو گئے۔ ایک وقت پر خاکسار تحریک کے صوبہ سندھ کے ارکان اور عہدیدار یہ تھے:

امیر: غلام مصطفیٰ خان بھرگڑی

سالار: لعل بن یوسف چانڈیو

جانباز: پیر جان محمد اور میر نور حسین

حاکم اعلیٰ: میر علی احمد تالپور

نائب حاکم اعلیٰ: میر حاجی غلام حسین' علی اکبر کلہوڑہ اور میر محمد خان

سندھ خاکسار کے سالار اعلیٰ یہ تھے:

یوسف ہارون' جی ایم سید اور پیر الٰہی بخش۔

سندھ خاکسار تحریک کے بنیادی ممبر یہ تھے:

حیدرآباد: خیر محمد نظامانی' سید بچل شاہ' احمد شیر راجپوت

کراچی: محمد ہاشم گذر' حاکم خان افغانی' ہارون رشید' حشمت اللہ انبالوی

نواب شاہ: حمزہ خان قریشی' اللہ ادبھائیو میمن' مولوی محمد معاذ' قاضی فیض محمد ایڈووکیٹ' میر محمد خسک اور عبدالکریم میمن۔

تھرپارکر: میر علی بخش تالپر' میر غلام حسین اور محمد سلیمان ایڈووکیٹ۔

دادو: پیر الٰہی بخش اور چاچا غلام رسول (کوٹری)

سکھر: شمس الدین شاہ اور علی اکبر کلہوڑو (شکارپور)

جیکب آباد: میر محمد خان واگھو' الٰہی بخش بلوچ اور بیگم عبدالرزاق مغل (جو کہ سندھ خاکسار عورتوں کی رہنما تھی) (۸)

جی ایم سید' مولانا خیر محمد نظامانی اور مولانا محمد معاذ پیرزادہ کے سلسلے میں تفصیل سے پہلے ہی لکھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر مظہرالدین سومرو نے اپنی تصنیف میں چند علماء کے اسمائے گرامی دیئے ہیں' ان میں سے مولانا محمد پریل منگیو' مولانا عبدالوہاب لنڈ اور مولانا ہدایت اللہ تنیو (سالار ضلع) کے بارے میں ان کی خدمات کا تذکرہ بھی کر چکے ہیں۔ انہوں نے خاکسار تحریک کے لیے بڑی خدمات انجام دیں اور اس کی وساطت سے تحریکِ آزادی کو تقویت بھی پہنچائی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد سلیمان واعظ ولد البندو خان نوناری کا تذکرہ کیا ہے' جنہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز تحریکِ خلافت سے کیا۔ وہ جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم سے انگریز حکومت کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔ جمعیت کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے اور رائے عامہ کو ایک مقصد کے لیے متحد کرنے کی جدوجہد کی۔ اس نے خاکسار تحریک سے بھی اپنے کو وابستہ رکھا۔ (۹)

سندھ میں خاکسار تحریک کے چند اہم نام:

مولانا شفیع محمد نظامانی ولد میر محمد نظامانی نے خاکسار تحریک میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے سلسلے میں بھی اس تحریک میں ایک مخلص کارکن کی حیثیت سے اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ خاکسار تحریک میں رہنے کی وجہ سے آخر دم تک ان کی شخصیت میں وہ اثرات باقی رہے۔ انہوں نے مجاہدانہ طور پر زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارا۔ قیامِ پاکستان کے بعد اپنے گاؤں ڈیپر

تحصیل ہالا میں پرائمری اسکول کا قیام عمل میں لائے۔ اسے تعمیر ملت ہائی اسکول تک پہنچایا اور شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج کا قیام عمل میں لائے' جس میں پاکستان تو کیا' عالم اسلام سے طلبہ آ کر تعلیم سے بہرور ہوتے تھے۔(۱۰)

مولوی محمد یعقوب حاجانو ولد سونہارو خان نے سب سے پہلے تحریکِ خلافت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ کانگریس کے ساتھ مل کر وطن کی آزادی کی جدوجہد کی۔ ۱۹۳۸ء میں خاکسار تحریک کے اپنے محلے کے سالار بھی تھے۔ انہیں سول نافرمانی کی پاداش میں دفعہ ۳۰۷ کے تحت دو سال کے لیے جیل بھی جانا پڑا۔ انہیں ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں رکھا گیا۔(۱۱)

مولانا احمد علی مجذوب دل (ولادت: ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) تھرپارکر میں پیدا ہوئے' وہ بڑے جید عالم تھے۔ تحریکِ خلافت میں حصہ لیا۔ ترک موالات کو مؤثر بنایا اور پھر خاکسار تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ وہ بہترین مبلغ اور دین و وطن کے سپاہی تھے۔ (۱۸ر فروری ۱۹۶۷ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔)

ان کے علاوہ جن علماء کا تذکرہ ڈاکٹر سومرو صاحب نے کیا ہے' ان میں مولانا میر محمد حسین تالپر' مولانا احمد علی نارائی اور مولانا محمد ہاشم (رکن والے) شامل ہیں۔

خاکسار تحریک میں گنے چنے لوگ شامل ہوتے تھے' مگر اس کے باوجود سندھ سے لاتعداد لوگ اس میں شامل ہوئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے' جو نہ صرف پاکستان کے قیام کے بعد فوج میں لیے گئے بلکہ پاکستان نیشنل گارڈ کے طور پر بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ معاشرے میں جہاں بھی رہے بہتر طور پر خدمت کی۔

نواب حاجی محمد داؤد خان تالپر آف تاج پور (ضلع حیدرآباد) سندھ مدرسہ کراچی میں اپنے طالب علمی کے دور میں ڈی جے کالج کے طلبہ عبدالرحیم میمن (۱۲) نصیر محمد خان نظامانی (۱۳) (ٹنڈو سومرہ۔ حیدرآباد) اور میر نور حسین (۱۴) (ٹنڈو باگو) سے متاثر ہو کر خاکسار تحریک کے ممبر ہوئے۔ پہلے تو انہیں اپنی ہاسٹل کا سالار بنایا گیا' بعد میں وہ سندھ بلوچستان کے حاکم اعلیٰ بھی رہے۔

۱۹۳۷ء میں آل انڈیا خاکسار کانفرنس یو پی میں چالیس ہزار خاکسار جمع ہوئے۔ اچانک فیصلہ ہوا اور حکم دیا گیا کہ پورے یو پی کی بارڈر کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ ایک سو' دو سو اور پانچ پانچ سو کے جتھے مختلف سالاروں کو دیئے گئے۔ پانچ سات سالار ایسے تھی' جن کو پانچ سو کا جتھا دیا ہوا تھا۔ نواب محمد داؤد خان ان میں سے ایک تھے۔ اس جتھے میں پنجابی' پٹھان اور سندھی سب شامل تھے۔ سندھ سے جو خاکسار اس میں شریک تھے' ان میں سے حمزہ خان قریشی (۱۵) میر اعجاز علی تالپر (۱۶) اور سید شمس الدین

شاہ (۱۷) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اس جتھے کو پولیس نے گھیر لیا اور انہیں پانی پت لے جایا گیا۔ سامنے ہندال نہر تھی۔ رات کو اس جتھے نے اپنی پگڑیاں لکڑیوں میں لٹکا کر اپنے کو گھیرے سے نکال لیا۔ اس جتھے نے جناب لیاقت علی خان کے گاؤں شاہپور پہنچ کر اگلے روز مسلم لیگیوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ یہ عید میلا دالنبی ﷺ کا دن تھا۔

حکومت کی طرف سے مسٹر لوئیس (ڈی سی) اور مسٹر پنگ (آئی جی) کی سربراہی میں گھڑ سوار فوج نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ پہلے تو دونوں افسران کو باتوں باتوں میں یرغمال بنایا گیا مگر جلد ہی عزت سے پورے جتھے نے اپنی مشروط گرفتاری پیش کی۔ شرائط میں سب کو بی کلاس دینا اور اسلحہ نہ لینا شامل تھا۔ حکومت بھی مجبور تھی۔ پانچ سو کے جتھے کے ساتھ مسلح تصادم ان کے لیے اچھا نہ تھا۔ ان کو راشن کے حساب میں نقد پیسے دیئے گئے۔ انہوں نے اپنے سات خاکساروں کو خیموں سے نکال دیا تھا۔ جب سپرنٹنڈنٹ جیل راؤنڈ پر آئے تو ڈر کے مارے اس کا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ وہ کانگریسی تھا۔ وہ بیچ بچ رو پڑا کہ کسی طور پر بھی سات آدمیوں کو شامل کر کے نفری پوری کریں۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔

اگلے دن سب کی رہائی کے احکامات بھی آ گئے' مگر خاکساروں نے اس دن رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً حکومت کو ایک دن کے راشن کے طور پر نقد پیسے ادا کرنے پڑے۔ اگلے دن پورے جتھے کو ٹکٹوں کے لیے نقد پیسے بھی ادا کیے گئے کہ وہ اپنی اپنی منزل کو روانہ ہو جائیں۔ یہ جتھا جب مظفر نگر پہنچا تو مسلم لیگیوں نے ان کا بڑا پرتپاک استقبال کیا۔ نواب محمد داؤد کو ہاتھی پر بٹھایا گیا اور آگے آگے بین باجے بج رہے تھے۔ لوگ خاکساروں کی ہمت و جرأت پر نازاں رقص کر رہے تھے۔

مظفر نگر سے ٹرین کو خالی کروا کر خاکساروں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ نواب داؤد نے اس کی باگ ڈور خود سنبھال لی اور گاڑی اس کے کنٹرول میں دہلی پہنچی۔ جہاں سے یہ خاکسار سندھ کو روانہ ہوئے۔ کسی ایک جگہ پر کسی ایک خاکسار نے بھی ٹکٹ نہیں لیا۔

خاکساروں کو روہڑی اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ حیدرآباد میں ان کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ چونکہ یہ خاکسار پورے راستہ پر اپنے اپنے اسٹیشن پر اترتے رہے اور کم ہوتے رہے' اس لیے باقی ۳۵-۳۶ خاکسار تھے' جو حیدرآباد اسٹیشن سے چند میل پہلے مرزانی اسٹیشن پر اتر گئے اور پیدل حیدرآباد لانگ مارچ کیا۔ جب یہ گاڑی حیدرآباد پہنچی تو بالکل خالی تھی اور انتظامیہ کو گرفتار کرنے کے لیے ایک بھی خاکسار مل نہ سکا۔

۱۹۳۷ء میں ہی میر نور حسین کی دی ہوئی اراضی (حالیہ ضلع بدین) میں اڈوڑی کیمپ کا اہتمام ہوا' جس میں علامہ مشرقی خود بھی شریک ہوئے تھے۔ اس کیمپ میں نواب محمد داؤد کو سالار محتسب (۱۸) بنایا گیا تھا۔

اڈوڑی کیمپ کے دوران ہر بات اصول اور قاعدے کے مطابق ہوتے ہوتے ایک رات علامہ صاحب مخصوص حد پار کر کے پرچم تک آ گئے۔ محمد داؤد خان نے ایک دم بگل بجایا۔ ڈیوٹی پر خاکسار دوڑتے ہوئے آ گئے۔ علامہ صاحب سے کہا گیا کہ آپ نے قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ''کیونکہ میں ادارہ عالیہ سے تعلق رکھتا ہوں' اس لیے کسی بھی وقت کہیں بھی جا سکتا ہوں۔'' چونکہ قانون میں یہ بات نہیں تھی' اس لیے نواب داؤد نے سب خاکساروں کو حیرت زدہ رکھتے ہوئے ایک درہ کی سزا علامہ صاحب کو دلوائی۔ درہ لگانے والے سے محتسب نے اتنا ضرور کہا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر پھر آہستگی سے ہنٹر پیٹھ پر لگانے لگا۔

یہ خود محتسب کی ایک آزمائش تھی۔ اس لیے کہ علامہ صاحب نے بعد میں محمد داؤد خان سے کہا تھا کہ ''اگر تم کو غافل پایا جاتا تو تمہیں قانون کے مطابق سخت سزا بھگتنی پڑتی۔'' (۱۹)

نواب محمد داؤد (۲۰) ۱۹۳۹ء میں خاکسار سے علیحدہ ہو گئے۔ جس کی وجہ ان کے والد پر حکومت کا سخت دباؤ تھا اور یہ دھمکی بھی تھی کہ اگر ایسا نہ ہوا تو تمام جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ ان کے والد نے اسے اپنی جائیداد سے لادعوا بھی کر دیا تھا' تو نواب داؤد نے کراچی میں محنت مزدوری کر کے گزارہ کیا' مگر خاکسار تحریک سے وابستہ رہے۔ ان کی نظر میں میر علی احمد ٹالپر' خیر محمد نظامانی' یوسف آفندی اور سید سردار علی شاہ اچھے خاکسار تھے۔

خاکسار اپنا خرچہ خود برداشت کرتے تھے اور حکم تھا کہ ایک وقت کھانے پر ۸ پیسے سے زائد خرچہ نہیں کیا جائے۔

مظفر حسین جوش:

خاکسار تحریک ۳۷۔۱۹۳۸ء میں اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس دور میں سندھ سے جتنے لوگ اس میں شریک ہوئے' مظفر حسین جوش بھی اس دور میں خاکسار تحریک سے وابستہ ہوئے۔ بقول ان کے خاکسار کو توڑنے کی وجہ (غالباً) مسلم لیگ کو طاقتور بنانا تھا' یہی وجہ تھی کہ خاکسار کے ٹوٹنے سے سارے خاکسار ممبران مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ وہ خود بھی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے آزادی کی جدوجہد میں شریک ہو گئے۔

مظفر حسین جوش چونکہ رائل انڈین نیوی سے دوسری جنگِ عظیم میں شریک ہوئے تھے اور کئی خاکسار بھی ان کے ساتھ تھے' اس طرح انہوں نے اپنی تحریکِ آزادی کو زندہ رکھا۔ ۴۲۔۴۳ میں ایک مرتبہ وہ گرفتار ہوتے ہوتے بچ گئے تھے۔ (۲۱)

سید سردار علی شاہ:

سید سردار علی شاہ ذاکر (۲۲) بن سید جعفر علی شاہ طالب علمی کے زمانے میں خاکسار تحریک سے وابستہ ہوئے۔ انہوں نے دو سال تک طلبہ تنظیم کے نائب سالار (نائب ناظم) کے طور پر کام کیا اور سندھ میں اس تنظیم کو فعال بنانے کے لیے کوشش کی۔ وہ دہلی کانفرنس ۱۹۴۷ء میں بھی شریک ہوئے تھے۔ سیکنڈری تعلیم نواب شاہ ہائی اسکول اور بی اے (آنرز) ایس آئی کالج کراچی سے کیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء تک روزنامہ ''الوحید'' کی سب ایڈیٹر کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء۔ ۱۹۵۷ء تک روزنامہ ''کاروان'' کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۸ء سے وفات تک بیس سال سے زیادہ عرصہ تک روزنامہ ''مہران'' کے ایڈیٹر رہے۔ مجموعی طور پر تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ صحافی رہے اور پاکستان/سندھ کے ایک بیباک صحافی کے طور پر ''سردار صحافت'' اور ''پاسبان۔ آبروئے قلم'' کے خطابات سے نوازے گئے۔ وہ کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ شاہ صاحب بڑے پائے کے شاعر بھی تھے۔ نعت اور غزل پر دسترس رکھتے تھے۔ وہ کئی اوصاف کے مالک تھے: یار وفادار' غمخوار و مددگار' عشقِ رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ ۱۹۸۲ء میں وفات پائی۔ ان کی زندگی پر وَنجھار پبلکیشن حیدرآباد کی طرف سے ایک کتاب شائع کی گئی' جس کا موضوع تھا ''سید سردار علی شاہ'' سندھ کے تیس ادباء اور شعراء نے شاہ صاحب کی زندگی پر مقالے لکھے اور نظمیں کہیں۔ راقم الحروف بھی ان میں شامل ہے' اور یہ معلومات بھی اسی کتاب سے لی گئی ہے۔

مولانا خیر محمد نظامانی:

مولانا خیر محمد نظامانی کی انقلابی زندگی کا ایک دور وہ تھا' جو ۱۲ برس کی عمر سے شروع ہوا' جس میں مولانا نے تحریکِ خلافت اور اس وقت کی سیاست میں اپنی طالب علمی کے زمانے کا جذبہ اور جوش دکھایا۔ اس پر پہلے ہی مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا کی انقلابی زندگی کا دوسرا دور صحیح معنوں میں ۱۹۳۹ء کے اواخر سے شروع ہوتا ہے وہ ہے

خاکسار تحریک میں شمولیت۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال سے اوپر تھی۔

۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو خاکسار تحریک (لاہور) کے نوجوانوں پر جب پولیس کی فائرنگ کرائی گئی اور ۳۰ خاکسار شہید ہو گئے اور خاکسار تحریک کو پنجاب میں توڑ دیا گیا' اس وقت پورے ہندوستان میں حکومت پنجاب کے خلاف سخت احتجاج ہوا۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی تو پہلے ہی گرفتار کیے گئے تھے۔ ان کی جگہ پر بشیر احمد صدیقی اور ڈاکٹر اسماعیل نامی اس تحریک کے مرکزی رہنما تھے' جو تحریک کے کام کو بحسن و خوبی چلا رہے تھے۔

ایسے وقت میں ''سندھ خاکسار تحریک'' کو فعال بنانے کے لیے خیر محمد نظامانی کو سالار مقرر کیا گیا۔ مولانا نے سندھ کا دورہ کیا' جس کی وجہ سے سندھ کے لاتعداد نوجوان لاہور کے احتجاجی مظاہرے میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے۔ حکومت سندھ کے وزیراعلیٰ میر بندہ علی خان ٹالپر نے اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کی کہ سندھ کا قافلہ پنجاب نہ جانے پائے' مگر مولانا نے وزیراعلیٰ سے مل کر صاف الفاظ میں انہیں بتا دیا کہ ''اگر سرزمین پنجاب پر خون بہانے کی اجازت نہ دی گئی تو ہم اپنا خون سرزمین سندھ میں بہائیں گے۔'' (۲۳)

میر صاحب نے مولانا کو ڈرانے کی کوشش کی کہ وہاں تمہیں بہت نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مگر مولانا اپنی بات کے پکے تھے۔ وہ ایک سو کارکنوں کے قافلہ سے یکم جون ۱۹۴۰ء کو ایک ٹرین کے ذریعے لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔

خانیوال اسٹیشن پر پولیس نے خاکساروں سے بیلچے ان کے حوالے کرنے کو کہا۔ نظامانی صاحب نے انکار کیا۔ نتیجہ میں خاکساروں کی بوگی کو ٹرین سے کاٹ دیا گیا اور پھر ان پر فائرنگ کی گئی۔ نظامانی صاحب اور ان کے ساتھی خاکساروں نے اپنے بیلچوں سے پولیس کا مقابلہ کیا۔

اس مقابلہ میں کوٹری کا ایک سندھی نوجوان رکن الدین شہید ہو گیا اور نظامانی صاحب اور کئی ساتھی اتنے زخمی ہوئے کہ پورا پلیٹ فارم خون سے لال ہو گیا۔ خود نظامانی صاحب ۱۲ گھنٹوں تک بے ہوش رہے۔

جب مقدمہ چلا تو ان سب خاکساروں کو تین تین سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا گیا۔

مولانا صاحب نے جیل میں سندھی میں جو اشعار کہے وہ بھی بڑی ایمان افروز ہیں:

پیغامِ غیرت دیا ہے سندھ والوں کو
محمدؐ کے غلاموں اور خاکساروں کو
زمینِ سندھ میں پیدا ہوا پھر داہر
خبر نہیں کیا ہوا عرب شہسواروں کو

رہِ عشق و محبت میں نہ آئے کوئی عاقل
یہاں سے ملتی ہے راہِ مجنوں یاروں کو
ظلال السیف میں پنہاں رموزِ زندگی ہے
مسلماں خوب سمجھتا ہے رسالت کے اشاروں کو
ضرورت وادیٔ بطحا کو ہے خونِ مسلم کی
لباس سرخ چاہئے حرم کے کوہساروں کو
شہادت گہہ میں حوریں وقفِ انتظار میں ہیں
ابھی بازی لہو سے جیتنی ہے ہزاروں کو
(ترجمہ)(۴۴)

ایک دوسری نظم میں فرماتے ہیں:
قطرہ قطرہ خون کا قربان تیرے نام پر
ہاں فدا ہو جائے جسم و جان تیرے نام پر
دار پر چڑھنا ہو یا گردن پر لگے خنجر
یا گزر جائے سینے سے پیکان تیرے نام پر
راہِ حق میں جائے آبرو تو جانے دو
قربان مرتبہ اور شان تیرے نام پر
تیرے خاطر رنج میں بھی ہے مزہ راحت کا
عیش اور آرام بھی قربان تیرے نام پر
سرفروشوں نے بہایا خون تیرے نام پر
سر کٹا کر خوش ہوئے خان تیرے نام پر
مجھے جرمِ عشق میں ہے سزائے قید پر
کیوں نہ آنکھوں پر رکھوں زندان تیرے نام پر
رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو تحریک میں
گرم ہو جائے گا پھر میدان تیرے نام پر
(ترجمہ)

(باب الاسلام۔ ۷ فروری ۱۹۴۱ء۔ بحوالہ پرین جی پچار۔ ص: ۴۳۸)

مولانا نظامانی ایک سال کی اسیری کے بعد ہائی کورٹ کے حکم سے ضمانت پر جولائی ۱۹۴۱ء میں رہا ہوئے اور تحریک خاکسار صوبہ سندھ کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے دوبارہ کام شروع کیا۔ مگر اسی ہائی کورٹ نے نومبر ۱۹۴۱ء میں پھر ضمانت رد کردی۔

مولانا خیر محمد نظامانی کو اپنے تحریکی اور ذاتی احباب نے یہ مشورہ دیا کہ وہ دوبارہ اپنی گرفتاری نہ دیں۔ ان احباب میں میر علی احمد ٹالپر' غلام مصطفیٰ بھرگڑی' میر نور حسین ٹالپر' ڈاکٹر اسماعیل نامی اور خاکسار تحریک کے دوسرے رہنماؤں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ مکہ معظمہ چلا جائے اور حکومت جرمنی سے رابطہ قائم کر کے اسے خاکسار تحریک سے متعارف کرائے اور مشورہ دے کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو۔ خاکسار تحریک اپنے بیس لاکھ کارکنوں سے پورے ملک میں آگ لگا دے گی۔

اس دور میں دوسری جنگِ عظیم بھی اپنے عروج پر تھی۔ خاکسار تحریک اس سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی' جس طرح مولانا عبیداللہ سندھی پہلی جنگِ عظیم سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

نظامانی صاحب کے ایک ذاتی دوست (پولیس انسپکٹر کراچی) نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ کراچی آ کر آزادی سے اپنا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ مگر مولانا نے مکہ معظمہ جانے کا مشورہ قبول کیا اور سندھ کی بجائے کلکتہ پہنچے اور وہاں سے شبیہ بدل کر (کلین شیو) بمبئی پہنچے اور کچھ بھوج کے باسی کے انداز میں ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر حرمین شریفین پہنچ گئے۔

مولانا نظامانی نے وہاں پہنچ کر مولوی اسماعیل غزنوی کی معرفت مکہ کے وائسرائے شاہ فیصل (بعد کے فرمانروا) سے ملے۔ انہوں نے جرمنی اور اٹلی جانے کی بھی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔

انہوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ہندوستان کی جلاوطن حکومت اس انداز سے قائم ہو جائے' جس طرح کابل میں مولانا عبیداللہ سندھی نے قائم کی تھی اور پھر ترکی کے راستے افواج عراق پہنچیں۔ عراق' ایران اور ہندوستان میں انگریز کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے۔ تینوں ممالک اندرونی طور پر ان افواج کی بھرپور مدد کریں' مگر اس طرح بھی کامیاب نہ ہو سکے' تو انہوں نے انگلستان پہنچنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ انگلستان ان کی مدد کرے اور وہ جنگ میں کامیاب ہوں تو اس کے بعد وہ ہندوستان سے چلے جائیں اور اقتدار ہندوؤں کے بجائے مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ ان کی یہ کوشش اس حد تک کامیاب گئی کہ ان کا لندن جانے کا سرکاری طور پر پروگرام طے پا گیا' مگر ان کی اپنی غلطی سے یہ سارا معاملہ ختم ہو گیا۔

وہ اس طرح کہ مولانا نظامانی نے مکۃ المکرمہ کے قیام کے دوران اپنے پروگرام کی پیش رفت سے متعلق اپنے ایک دوست اور تحریک کے ہمدرد محمد عثمان ڈیپلائی کو ایک خط کے ذریعے آگاہ کر دیا اور یہ بھی لکھا کہ وہ خود عنقریب برطانیہ سرکار کی دعوت پر لندن جا رہے ہیں۔

یہ خط یا تو سنسر ہو گیا یا کسی طور پر فاش ہو گیا' مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومتِ ہند نے مولانا کو ایک مجرم' یک ملازم اور سزا یافتہ مفرور قیدی کے طور پر حکومتِ برطانیہ پر ظاہر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا صاحب کی ندوستانی شہریت ہی رد کر دی گئی۔ بلکہ ان کے وہ احباب اور معاون جنہوں نے انہیں برطانیہ بھجوانے تک کی بات چیت کامیابی سے چلائی تھی' وہ بھی بڑی مشکل میں آ گئے۔

۱۹۴۴ء میں پیر الٰہی بخش وزیر تعلیم سندھ اور سندھ اسمبلی کے رکن علی محمد مری حج پر مکہ المکرمہ پہنچنے کے بعد انہوں نے مولانا کی شہریت بحال کرائی اور جب وہ ۱۹۴۵ء میں کراچی بندر پر پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور باقی رہی ہوئی ۱۴ ماہ کی سزا ملتان اور حیدر آباد جیل میں پوری کی۔ (۲۵)

مولانا نظامانی کو جب کراچی سے گرفتار کر کے ملتان لے جایا گیا تو اس وقت ملتان جیل میں بقول ن کے ساڑھے چار سو سے زیادہ خاکسار وہاں سزا کاٹ رہے تھے اور ان میں سے آدھے سے زیادہ سندھی تھے۔

مولانا کے جیل پہنچتے ہی ان کو ایک رہنما مل گیا۔ انہوں نے روزانہ خاکساروں کو پریڈ کرانا شروع کر دیا۔ جیل انتظامیہ اس سے سخت پریشان ہوئی۔ انہوں نے سختی بھی کی' مگر پریڈ بند نہ ہوئی' تو مجبور ہو کر ہوں نے خاکساروں پر ''لاٹھی چارج'' کیا۔ زخمیوں میں مولانا خود بھی شامل تھے۔ پھر مولانا کو قید تنہائی ں بالکل تنگ اور اندھیری کوٹھری میں چھ مہینے تک رکھا گیا۔ جس کے نتیجے میں نظامانی صاحب نے ۴ دن ک احتجاجی بھوک ہڑتال بھی کی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ خاکساروں پر انسانیت سوز ظلم بند کیے جائیں۔

آخر کار مولانا سے تنگ آ کر انہیں حیدر آباد سینٹرل جیل منتقل کر دیا گیا' جہاں سے اپنی سزا پوری کر کے وہ ۱۹۴۶ء میں رہا ہوئے۔

مولانا خیر محمد نظامانی نے آزاد ہوتے ہی باب الاسلام کے نام سے روزانہ اخبار کا قیام عمل میں ئے اور متوقع آزادی کے سلسلے میں مسلم لیگیوں کی رہنمائی کرنے لگے کہ انہیں مملکتِ پاکستان کے قیام ، بعد کیا کردار ادا کرنا ہے۔ انہوں نے پاکستان کی دستور کے سلسلے میں لکھنا شروع کیا کہ وہ اسلامی ہو ۔ پاکستان میں حکومت الٰہی ہوگی اور نظامِ حکومت بھی اسلامی طرز کی ہوگی۔ ان کے اداریے اور مامین آنے والے وقت اور ذمہ داریاں ہیں اور وہ اپنے رہنماؤں تک کس طرح اپنے دل کی بات

منوائیں اور انہیں صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہ دیں۔(۲۶)

مولانا نظامانی اپنی تحریروں میں اتنے پکے اور سخت تھے کہ "پاکستان کا دستورِ حکومت" کے موضوع
لکھتے ہیں:

"مسلمان اگر پاکستان میں مسلم حکومت قائم کرنے کے لیے مسٹر جناح کی آواز پر لبیک کہتے ہو۔
جمع ہو سکتے ہیں اور انگریز اور کانگریس دونوں کو پاکستان کے قیام کے لیے مجبور کر سکتے ہیں تو ان کی مذ
غیرت اور دینی حمیت سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ پاکستان میں قرآنی حکومت اور شرعی آئین قائم نہ ہو۔
کی صورت میں مسلم لیگی رہنماؤں سے ایسا انتقام لیں کہ انکا نام و نشان ہمیشہ کے لیے گم
جائے۔"(۲۷)

مولانا کے لاتعداد ایسے مضامین اور اداریے ریکارڈ پر موجود ہیں۔

وہ روزنامہ مہران کے ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۳ء تک اور پھر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۹ء تک ایڈیٹر رہے
۱۹۷۰ء میں روزنامہ الوحید میں بھی کام کیا۔ وہ اپنے اصول کے پکے تھے۔ وہ اپنے دل کی بات، جسے وہ
اور سچ سمجھتے تھے، لکھتے تھے اس پر مصلحت کا خول نہیں ہوتا تھا، جس کی وجہ سے مالکان سے جب بھی ان
ہوتی تو پھر وہ اس ادارے سے فوراً علیحدہ ہو جاتے تھے۔

مولانا نظامانی کی صحافتی زندگی بیباکانہ اور حق وصداقت کی زندگی تھی۔ جو سندھ کی صحافتی تاریخ
یادگار کے طور پر رہے گی اور کبھی بھی بھلائی نہیں جا سکتی۔

پروفیسر کریم بخش نظامانی:

۱۹۴۶ء میں ہندوستان کے صوبۂ بہار میں جب مسلمانوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا، ان دنوں خاک
تحریک کے قائد علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اعلان کیا کہ ۳۱۳ خاکساروں کا ایک جیش بہار
مسلمانوں کی مدد کے لیے روانہ کیا جائے گا۔ جو خاکسار اس جیش میں جانا چاہیں وہ خاکسار کے مرکز
دفتر، اچھرہ لاہور پہنچ جائیں۔ علامہ صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ ان ۳۱۳ خاکساروں کا ثواب جنگِ
کے مجاہدوں جتنا ہوگا۔

یہ بیان "الاصلاح" اخبار میں پڑھنے کے بعد نوجوان کریم بخش نظامانی (۲۸) بھی تیار ہو گئے
ان دنوں لوکل بورڈ ہائی اسکول نوابشاہ کے بڑے جذباتی طالب علم تھے۔(۲۹)

اعلان پڑھتے ہی نظامانی صاحب نے اپنا بستر باندھا اور لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔

صاحب انہیں کمسن دیکھ کر خاکسار کے حاکم اعلیٰ پٹنہ احمد دستگیر سے کہا کہ یہ چھوٹا بچہ ہے اسے واپس کر دو' مگر نظامانی صاحب کا عزم دیکھ کر انہیں بھی ساتھ لینا پڑا۔ (۳۰)

بہار کی ریلیف کیمپ کا مرکز پٹنہ تھا اور کریم بخش اپنے ایک درجن ساتھیوں سمیت ہوڑہ ایکسپریس کے ذریعے یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو پٹنہ پہنچے۔ دفعہ ۱۴۴ کی وجہ سے تین تین ٹولیوں میں کیمپ بانکی پورہ نزد برلا مندر پہنچے۔ بیلچے ان کے بستروں میں بندھے ہوئے تھے۔ اس دستہ میں واحد سندھی تھے۔ (مارچ مہینے میں سندھیوں کا ایک اور دستہ لعل بن یوسف کی سرکردگی میں آیا جس میں ۱۵۔۲۰ خاکسار تھے) چونکہ نظامانی اور ایک دوسرے خاکسار نے اپنا بیلچہ ظاہر ظہور اٹھایا تھا' اس لیے گرفتار ہو گئے اور لاک اپ میں ڈال دیئے گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے لاک اپ میں اذان دی' جس کی وجہ سے ان کو مارا گیا۔ مگر عصر کے وقت بھی انہوں نے اذان دی تو ایک ہندو سپاہی نے اسے تھپڑ مارتے ہوئے کہا' ''بہوتا مر جاؤ گے۔''

کریم بخش نے فوراً کہا: ''فقط ۱۲ ار مسلمانوں نے بہار فتح کیا تھا ہم اس وقت ۱۳ ار ہیں۔''

سپاہی نے پھر کہا' ''اکثریتی علاقوں کی ہوا جو تیرے ذہن میں ہے وہ نکال دے۔''

بہرحال ان دو نوجوانوں کی جس آدمی نے ضمانت دی' وہ ان کے لیے غیر تھے۔ جب اس آدمی سے کسی نے کہا کہ ''یہ پتا نہیں کہاں کے سانپ ہیں'' تو اس نے یہ کہہ کر اسے چپ کرا دیا تھا کہ،

''میں انہیں ۱۴ ار سو سال سے پہچانتا ہوں۔''

ان خاکساروں کا یہ کام تھا کہ اس علاقہ میں سروے کریں اور دیکھیں کہ مسلمانوں کا کتنا نقصان ہوا ہے اور جو مسلمان کہیں پھنسے ہوئے ہیں تو انہیں وہاں سے نکال کر ایسے مقامات پر پہنچائیں' جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔

یہ کام اس دستہ نے دو ہفتوں میں کر دیا۔ اس جیش کو ''طوفانی جیش'' کا نام دیا گیا۔ جب یہ دستہ ضلع ''گیا'' کے شہر ''گیا'' میں پہنچا تو پولیس نے ان کا پیچھا کیا۔ سالار نے کہا، گرفتاری نہیں دینی۔ بس پھر تو خاکسار ایک مسجد میں جا پہنچے۔ پولیس نے گھیراؤ ڈال دیا' مگر اندر آنے کی ہمت نہ کی۔ عشاء کے وقت ہوں نے اذان دی' تو وہاں کے مسلمان بھی نماز پر آئے۔ نظامانی صاحب نے اذان کے کھڑے پر کھڑے ہو کر ایک پر جوش تقریر کی کہ:

''ہم انگریزوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا وہ اعلان کہ ''مذہبی آزادی ہے'' وہ کہاں ہے؟ نتیجہ کے رپر گھیرا ختم ہو گیا۔ چونکہ خاکساروں کو بس سروس اٹھاتی تھی' اس لیے وہ رات کو ہی مسجد سے پیدا نکل

پڑے۔ وہ ''کاکوپالی''، ''بمبئی'' اور دوسرے گاؤں پہنچے۔ کاکوپالی ان کا ہیڈکوارٹر تھا' جہاں سے نکل کر وہ دوسرے گاؤں جایا کرتے تھے۔ جب مختلف گھروں میں ان نوجوانوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا' تو وہاں کی عورتیں ان کے اوپر پنکھے لگاتی تھیں۔ تین ہفتے کے اندر اس علاقے کا کام بھی پورا ہوا تو اب یہ جیش پٹنہ سٹی پہنچا' جہاں نظامانی صاحب نائب سالار تھے۔ ۱۰ ارمئی ۱۹۴۷ء کو خاکساروں نے ۱۸۵۷ء کی نسبت سے آزادیٔ ہند کی ۹۰ سالہ سالگرہ منائی۔ اس موقعہ پر علامہ مشرقی نے پہلی مرتبہ یہ تاریخی جملہ کہا تھا۔

''گاندھی ہندو لیڈر تو ہے مگر قومی لیڈر نہیں ہے۔''

۱۱ ارمئی ۱۹۴۷ء کو کریم بخش نظامانی اور محمود خان نظامانی کو دوسرے خاکساروں کے ساتھ کلکتہ بھیجا گیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ جیسے وہاں تقسیمِ ہند عملاً ہو چکی ہو۔ مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے محلوں میں بھی نہیں جاتے تھے۔ خاکساروں کی کیمپ مسجد ناخدا کے نزدیک تھی۔ یہ صوبائی ہیڈکوارٹر تھا۔ خاکسار مسلم محلوں میں رات کو پریڈ کرتے تھے اور اسی وقت مسلمانوں کو ہندو اور سکھوں کے محلوں سے نکالا کرتے تھے۔ جب ''ہوڑہ'' شہر میں فسادات زیادہ ہوئے تو سہروردی مرحوم کی فراہم کردہ ایک بس میں خاکسار اس شہر پہنچے اور بچے کھچے مسلمانوں کو حفاظت سے نکالا تھا۔ نظامانی صاحب کو ایک بوڑھی عورت حصہ میں آئی۔ وہ جب اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر بس کی طرف آرہے تھے تو وہ بڑھیا ان کو کانگریسی سمجھ کر گالیاں دیتی رہی۔ کافی تعداد میں مسلمانوں کو ان خاکساروں نے بچالیا ورنہ ایک دوروز میں وہ بھی شاید زندہ نہ رہتے۔

جب یہ جیش مغربی بنگال کے ''آسن سول'' اور ''برن پور'' اضلاع میں پہنچا تو یہ علاقہ سانپوں سے مشہور تھا اور ان کا کام رات کو جنگلوں سے گزرنا تھا۔ وہ تین ہفتہ تک وہیں رہے۔ بقول ان کے' کہ جب صبح ہوتی تھی تو ان کے لانگ بوٹوں میں سانپوں اور بلاؤں کے سر چپکے ملتے تھے۔

چونکہ ۳۰ جون کو پورے برصغیر کے تین لاکھ خاکساروں کو دہلی میں جمع ہونے کا اعلان کیا گیا تھا' اس لیے اس جیش کے ۹۰ خاکسار آسن سول سے دہلی روانہ ہوئے۔ کریم بخش نظامانی کو ۱۵ کا جیش سالار بنایا گیا۔ چونکہ حکومت بہار خاکسار کو خلاف قانون قرار دے چکی تھی' اس لیے کسی بھی اسٹیشن پر کوئی خاکسار نہیں اترا۔ مگر رات کے اندھیرے میں وہ غازی آباد (نزد دہلی) اترے اور رات وہیں بسر کی۔ خاکساری لباس بدلا۔ بیلچوں کو بستروں میں باندھا۔ صبح کو دوسری ٹرین سے دہلی روانہ ہوئے۔ ٹرین نے جب جمنا کا پل پار کیا تو محمود خان نظامانی بغیر اطلاع کے اتر گئے۔ بعد میں اس ایک خاکسار کی کمی کی وجہ سے نظامانی صاحب کو ۲ کوڑے بھی لگے اور جب تک وہ کیمپ میں نہیں آیا نظامانی صاحب عملاً نظر بند تھے

چونکہ ۳۰ جون کو ۳ر لاکھ خاکسار دہلی میں جمع نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے علامہ مشرقی صاحب نے خاکسار تحریک کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور کہا تھا، ''جہاں تمہارے سینگ سمائیں' وہاں گھس جاؤ۔ اس اعلان سے ۸۰۔۹۰ ہزار کا یہ مجمع (یا ڈیڑھ لاکھ) روہانسا ہو گیا تھا۔ پھر بھی جتنے خاکسار دہلی کی مختلف مساجد میں مقیم تھے' انہوں نے مل کر حکومتِ برطانیہ کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ جو مظاہرین گرفتار ہوئے ان میں سندھ کے میر اللہ بخش ٹالپور (ضلع سانگھڑ) اور عنایت اللہ لانگاہ بھی شامل تھے۔ جو دوسرے سندھ کے خاکسار جمع ہوئے تھے' ان میں گوٹھ باقر نظامانی کے' کرم خان نظامانی اور ٹنڈو سومرو کے کئی نظامانی اور دوسرے کئی گاؤں کے نوجوان جمع تھے۔ ٹنڈو سومرہ کے یہ خاکسار تھے۔

محمد عظیم نظامانی' عبدالرحیم اور عبدالعلیم بن علی خان نظامانی' محمود خان بن محمد خان نظامانی۔

بقول کریم بخش نظامانی صاحب' جب کئی دردناک واقعات علامہ مشرقی کو سنائے گئے' جن میں عورتوں کے پستان کاٹنا' بچوں کو ذبح کر کے ان کا خون ان کی ماؤں کو پلانا' عورتوں کی عصمت دری کرنا اور ان کے ننگے جلوس نکلوانا' مسجدوں کو جلانا، ''گیا' ضلع کی ایک مسجد میں خنزیر پالے ہوئے تھے۔ جب چروا ہے کو تھپڑ مار کے بھگایا گیا اور خنزیروں کو باہر ہانکا گیا' تو پھر مسجد کو دھو کر پاک کیا اور فجر کی اذان دی گئی تو پورے گاؤں میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ لوگوں نے مسجد کو گھیرے میں لے لیا۔ مگر ایک کانگریسی درمیان میں آیا اور فساد ٹل گیا۔ یہ مسجد تین سو سالہ پرانی تھی' جسے آباد کیا گیا تھا۔ کئی گاؤں میں عورتوں نے اپنی عصمت بچانے کے لیے کنوؤں میں چھلانگیں لگائی تھیں۔ ایک گاؤں میں دو دن سے ڈر کے مارے چھپا ہوا ایک بزرگ اور اس کی بیٹی ملے' وہ دو دن سے بھوکے تھے۔ ایک نوجوان نے نظامانی صاحب کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا تھا، ''اے پاک زمین کے باسی' جب تم اس پر قدم رکھو تو اس کو میری طرف سے چوم لینا۔''

جب علامہ صاحب نے یہ دردناک واقعات سنے تو انہوں نے کہا تھا:

''اب اس متعصب قوم کے ساتھ ہمارا گزارہ ہو نہیں سکتا۔'' (۳۱)

لاتعداد خاکسار ایسے تھے' جو دہلی جانے کے لیے تیار تھے' مگر کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے وہ جا نہ سکے۔ ان میں میر رستم خان ٹالپر (۳۲) اور محمد حسن ہسبانی بھی تھے۔ وہ حیدرآباد اسٹیشن پر آنے کے بعد کسی وجہ سے جا نہ سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان خاکساروں کی جس انداز میں تربیت ہوئی' وہ پوری حیاتی میں اس کو یاد کرتے تھے۔ آپس میں ملتے ایک دوسرے کو سلامی دیتے۔ ان میں جو قربانی اور محنت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا

گیا وہ ان کو پوری زندگی میں قدم قدم پر کام آیا۔

سندھ کے خاکساروں کے کئی معروف نام ملتے ہیں ان میں خاص طور پر یہ قابلِ ذکر ہیں:

حفیظ قریشی (ایڈووکیٹ) خیر محمد سنگی احمد خان لانگاہ (ایڈووکیٹ) حفیظ قریشی حیدرآباد کے سالار تھے۔ انہوں نے اپنے دستے کو اس وقت پھلیلی نہر کے درمیان سے تیر کر گزرنے کا حکم دیا' جب ڈی۔ جی نیشنل کالج (گورنمنٹ کالج) حیدرآباد میں نمازِ عصر پر پہنچنے کا وقت ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ کئی خاکسار تیرنا نہیں جانتے تھے' اس لیے ڈبل مارچ میں وہ کالج پہنچ کر نماز میں شریک ہوئے اور اس کے بعد جلسہ میں حاضری دی۔ خیر محمد سنگی نے جلدی میں جوتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ اسے لانگ بوٹ کھولنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ یہ اصل میں ایک جذبہ تھا۔ اس تحریک کا یہ ڈسپلن تھا کہ غیر فوجی ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے اندر فوجی ٹریننگ کو اپنایا اور اس پر کاربند رہنے کی کوشش کی۔

رئیس غلام مصطفیٰ خان بھرگڑی:

رئیس غلام مصطفیٰ خان بھرگڑی ولد رئیس غلام محمد خان بھرگڑی بھی تحریک خاکسار کے پلیٹ فارم سے اپنی سیاسی وابستگی کا آغاز کیا۔ وہ ۱۹۳۷ء سے اس میں شامل ہوئے اور اپنی محنت' لگن اور جدوجہد کی بناء پر جلد ہی ''امیر جانبازانِ ہند'' کے عہدے پر نامزد ہوئے۔

یوپی میں خاکسار تحریک کی ہلچل میں حصہ لیا اور گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے۔

وہ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور آزادیٔ وطن کے مجاہدوں کے ساتھ برابر کام کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں پہلی مرتبہ سندھ اسمبلی میں منتخب ہو کر آئے۔ وہ ۲۳۔ ۲۴ فروری ۱۹۴۶ء میں کوٹیلیشن کانفرنس ''سن'' (دادو) اور پھر دہلی میں بھی شریک ہوئے۔ (۳۳)

میر اللہ بخش خان ولد میر فضل محمد خان:

جب تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو میر صاحب تعلیم چھوڑ کر اس میں حصہ لیا۔ وہ ضلع تھرپارکر خلافت کمیٹی کے سیکرٹری تھے اور ۱۹۲۴ء تک اس میں بڑے جذبے اور جوش سے کام کرتے رہے۔ (۳۴) تحریکِ خلافت کے دوران ایک مرتبہ گرفتار ہوئے اور ایک مہینے کی جیل یاترا بھی کی۔ وہ خاکسار تحریک کے جانباز سپاہی تھے۔ (۳۵)

میر جان محمد خان تالپر جو کہ میر اللہ بخش کے چچازاد بھائی تھے' انہوں نے بھی خاکسار تحریک میں حصہ

لیا۔ ان کے ساتھ جھول شہر کے محمد حیات شر اور جمعہ خان ٹالپر گاؤں کے میر درس محمد ٹالپر بھی شریک تھے۔
میر جان محمد خان خاکساروں کے ساتھ لکھنؤ کے معرکہ میں شریک تھے اور خاکساروں میں ان کا درجہ ''فدائی خاکسار اور پاکباز'' کا تھا۔ انہوں نے خاکسار تحریک کے لیے اپنی ۱۲۰؍ا یکڑ زرعی زمین بھی وقف کی تھی۔(۲۶)

سانگھڑ ضلع کے مولانا عبداللہ لغاری کے ساتھ مولوی عبدالقادر احمدانی بھی تھے' جن کو حکومت نے مدرسہ کھولنے سے منع کر دیا تھا۔(۳۷)

میر علی احمد خان ٹالپر:(۳۸)

علی احمد ولد میر نبی بخش خان خاکسار تحریک میں ۱۹۳۹ء میں شریک ہوئے۔ اس تحریک میں ایک وقت وہ بھی تھا' جب میر صاحب نائب حاکم اعلیٰ صوبہ بہار تھے اور کچھ عرصے کے لیے حاکمِ اعلیٰ صوبۂ سندھ اور بلوچستان بھی تھے۔ ۱۹۴۷ء میں وہ حاکمِ اعلیٰ صوبۂ پنجاب کی حیثیت سے وطن کی آزادی کے لیے دشمن کے اوپر داغ رہے۔(۳۹) قوم پرست مسلمانوں کی کانفرنس دہلی میں ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئی تو اس میں بھی شریک تھے۔

میر نور حسن ٹالپر:

نور حسین ولد حاجی شاہ محمد علامہ مشرقی کی کتابیں ''تذکرہ قول فیصل'' اور ''اشارات'' پڑھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اس وقت وہ ابھی طالب علم ہی تھے۔ وہ ۱۹۳۲ء میں خاکسار تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے طور پر یہ محسوس کیا کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اگر آئی تو یقیناً اس تحریک کی کامیابی سے ہی آئے گی۔ اس لیے انہوں نے اپنی ۹ سو ایکڑ زرعی زمین ''خاکسار تحریک'' کو دینے کا عزم کر لیا۔ باوجود اس کے کہ' ان کے عزیز و اقارب نے انہیں بہت سمجھایا' مگر چونکہ وہ اپنی زمین کا خود مالک تھا' اس لیے انہوں نے علامہ مشرقی کو ایک خط روانہ کر دیا۔ وہ خط علامہ صاحب نے اپنے جریدے ''الاصلاح'' میں شائع کر دیا۔ بعد میں وہ خط ''خاکسار سپاہی'' میں بھی شائع ہوا۔ اس خط کے پڑھنے سے کیا اثر ہوتا ہے وہ ہر قاری خود اندازہ لگا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں، میر نور حسین ٹالپر ولد میر حاجی شاہ محمد ساکن ٹنڈو باگو' یہ بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ...... میرے پاس ۹ سو ایکڑ زرعی زمین ہے...... میں باوجود اس کے کہ آپ کی تحریک میں اسلام کی

شان بالا کرنے کے لیے شامل ہوا تھا' مگر اسلام کی خاطر مجھے دولت کی جو قربانی اپنی تھی' وہ میں دے نہیں سکا۔ ضبط نفس اور احتساب ابھی تک مجھ میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ باوجود یہ کہ شیطانی زنجیریں مجھے زبردستی روکے ہوئے ہیں۔ اب میری غربت ہی مجھے رب کی بارگاہ تک پہنچنے میں میری مددگار ہوگی۔ آج جو کچھ میرے پاس ہے' جو بھی ملکیت اور جاگیر ہے' اپنے ذاتی مکان تک سب کچھ میں تحریک کے لیے وقف کر رہا ہوں۔ برائے مہربانی یہ سب قبول کریں۔ یہ بہتر ہے کہ میں غریب ہو کر زندگی شروع کروں۔

ایک مہینہ پہلے میں نے اسی ارادے کا ذکر صوبہ سندھ کے سالار اکبر جناب نصیر محمد خان وکیل سے کیا تھا' مگر وہ صاحب میری باتوں سے پورے طور پر متفق نہیں ہوئے۔ کہنے لگے، آپ کو صرف خون کا سمجھوتہ کرنا چاہئے اور جانبازوں میں شامل رہنا چاہئے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خالی وعدوں پر میرا ایمان نہیں ہے۔ میں سب سے پہلے اپنی پوری جائیداد آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ اس کے بعد اپنی جان۔

آپ دونوں قبول کرلیں۔ برائے کرم مرکز سے کوئی آدمی روانہ کریں جو مجھ سے زمین کا قبضہ لے۔ خدا کے واسطے زمین کا قبضہ مجھ سے جلد از جلد لیں اور ملکیت کی تبدیلی کے لیے بھی جو تحفظ ضروری سمجھے جائیں' وہ لیے جائیں...... میری آخری تمنا یہ ہے کہ موت سے پہلے میری یہ قربانی قبول ہو۔

اس زمین سے کئی خاکسار گزارہ کر سکتے ہیں اور زمین کی پیداوار سے اچھی آمدنی ہو سکتی ہے۔ چھ ہفتے کے اندر فصل سے ۵ ہزار روپیہ سے زیادہ آمدنی ہونے والی ہے۔ بہرحال! زمین میں کھڑی فصل سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مرکز سے جلد آدمی روانہ کریں کہ وہ زمین اور ملکیت کا حساب مجھ سے لے۔ میری زمین اب آپ کی اور قوم کی ملکیت ہے۔ میں اس انتظار میں ہوں کہ آپ اس کا باقاعدہ قبضہ کب لیتے ہیں۔

اسلام کا حامی اور مددگار

نور حسین ولد شاہ محمد

اس خط پر علامہ عنایت اللہ مشرقی نے ''الاصلاح'' میں جو ادارتی نوٹ تحریر کیا' اس میں لکھتے ہیں:

''......اس جاگیر میں ۹ سو ایکڑ زمین اور مکان بھی شامل ہے۔ چھ ہفتے کے اندر ۵ ہزار سے زیادہ رقم متوقع ہے۔ زیادہ تر یہ ایک فصل کی سالانہ آمدنی ہے۔ اس حساب سے دو فصل کی سالانہ آمدنی گیارہ بارہ ہزار ہوگی۔ اگر کسی زرخیز اور اچھی زمین کے ایک ایکڑ کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے تو اس پوری جاگیر کی نو دس لاکھ روپیہ سے کم نہ ہوگی۔

میر نور حسین! تم پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں، سب خاکسار سپاہیوں کی طرف سے اور میری طرف سے سلام ہو۔

تو نے غالباً ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد ایک مرتبہ پھر خدائے ذوالجلال کے غضب میں آئی ہوئی اور الٰہی نعمتوں سے محروم امت کو زمین اور آسمان کی طرف نظر میں پیاری امت بنانے کی بے مثال کوشش کی ہے۔ تم پر سلام ہو کہ تو نے روٹھے ہوئے خدا کو منانے کی کوشش کی ہے۔ تم پر سلام ہو کہ تو نے حضرت ابو بکرؓ کی زندہ مثال پیش کی ہے۔ تم پر سلام ہو کہ تو نے بڈھے عنایت اللہ مشرقی کے منجمد خون میں تحرک پیدا کر دیا ہے اور تم پر سلام ہو کہ تو نے کمزور اور بھوک کے ستائے ہوئے خاکسار سپاہیوں کے جسم میں پھر سے سانس ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ تم پر سلام ہو کہ تو نے عاجزی، بے بسی اور ناچاری کے اس دور میں امت کے وقار کو بحال کیا ہے۔ تم پر سلام ہو کہ تو نے تیرہ سو پچاس سال کے بعد ایمان کی تعریف زبان اور قولی اقرار کی بجائے عمل سے کی۔ تم پر سلام ہو، کہ تو نے خدا کے دین کو دوبارہ زندہ کیا اور اسلام کی پرانی یاد کو تازہ کیا۔

میں اس خط پر مسلسل تین دن تک سوچ بچار کرتا رہا۔ میر نور حسین ٹالپر کا ایثار میرے وہم و گمان سے بھی زیادہ ہے اور میں سوچ سوچ کر تھک گیا۔ دو تین راتیں اسی ہیجان اور ''شادیٔ مرگ'' کی وجہ سے میرے اعصاب جواب دے گئے۔ نیند صرف تین گھنٹے آئی۔ چوتھے روز میں نے دو تار دیئے۔

۱۔ میر نور حسین سالار ٹنڈو باگو سندھ کو دلی مبارکباد ہو۔ جائیداد کی منتقلی کا انتظام کر رہا ہوں۔ مگر ایک مرتبہ اس پر سوچ بچار پھر کریں۔

۲۔ محمد نصیر خان نظامانی سالار اکبر حیدرآباد سندھ کو

میر نور حسین ٹالپر اپنی پوری جائیداد اس ادارے کے بیت المال کو دینے کے لیے منتیں کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں بذریعہ تار اپنی رائے سے آگاہ کریں۔

۹ نومبر ۱۹۳۶ء کو دونوں ٹیلیگرام ذیل جواب ملا۔

۱۔ میں نے یہ سب کچھ کر کے بڑا سستا سودا کیا ہے۔ لاہور کیمپ میں شامل ہونے کے لیے آ رہا ہوں۔ (نور حسین)

۲۔ جاگیر کی آدھی آمدنی قبول کی جائے۔ تفصیلی خط علیحدہ لکھ رہا ہوں۔ (نصیر محمد)

''اسی مسئلہ پر لاہور کے بڑے بڑے وکلاء سے مشورہ کیا ہے۔ قربانی اتنی بڑی ہے کہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ آج کے دور میں ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ میرا ایمان اتنا طاقتور ہوتا جتنا

میر نور حسین کا ہے تو میں اسی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتا۔ لدھیانہ کی پبلک میٹنگ میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ میر صاحب کا ذاتی سامان نکال کر جائیداد قبول کی جائے اور اسی کو وقف کر دیا جائے۔ دیکھیں میں کس حوصلہ کا مالک بنتا ہوں اور کیا ہوتا ہے۔'' (۴۰)

میر صاحب کی اس قربانی کے بعد اسے خاکسار تحریک کے پاکباز فورس کا سالار بنایا گیا۔ پاکباز فورس ان لوگوں پر مشتمل تھی' جو اپنی جان کے ساتھ جائیداد اور مال و ملکیت کی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کرتے تھے۔

جب دہلی میں ۷ مارچ ۱۹۳۷ء کو پورے ہندوستان کے جانبازوں کی کیمپ لگی اور جب میر صاحب جہاز میں دہلی ایئرپورٹ پر اتری' تو ہزاروں خاکساران کی ایک جھلک دیکھنے اور اسے سلامی دینے آئے تھے۔ اسی کیمپ کا سالار اعظم میر صاحب کو بنایا گیا۔

اس کانفرنس کے بعد میر صاحب نے اپنی جاگیر ''اڈھوڑی'' پر کیمپ لگوائی' جو دسمبر ۱۹۳۸ء میں چار دن تک جاری رہی۔ پورے سندھ سے چار پانچ ہزار خاکسار شریک ہوئے تھے۔

محمد طالب لوہر جو اس کیمپ میں میر صاحب کا انتظامی مددگار تھا' بقول ان کے یہ کانفرنس اتنی عظیم الشان تھی کہ اسے کامیاب کرنے کے لیے میر صاحب نے چالیس پچاس ہزار روپیہ خرچ کیے تھے۔ (۴۱)

حیدرآباد سے خاکسار تحریک پر جو رسالہ ۱۹۳۶ء میں جاری کیا گیا' جس کا نام تھا ''خاکسار سپاہی'' وہ بھی میر صاحب نے جاری کیا تھا۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر میر اللہ بخش ٹالپر (جھول والے) تھے۔

میر نور حسین نے خاکسار تحریک کے لیے بہت کام کیا۔ سندھ کے زمینداروں اور جاگیرداروں کو ذاتی خطوط لکھے کہ وہ ''خاکسار تحریک'' میں شامل ہوں۔ رئیس غلام محمد بھرگڑی کے بیٹے غلام مصطفیٰ بھرگڑی ان کی دعوت پر خاکسار پر شریک ہوئے تھے' جو بعد میں جانباز فورس کے سالار اعلیٰ بنائے گئے۔

میر نور حسین ۱۹۱۱ء میں اپنے گاؤں ٹنڈو باگو (ضلع حیدرآباد) اب ضلع بدین) میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷۹ء میں وفات پائی۔ وہ بڑے شریف النفس انسان تھے۔

سندھ کے جن بزرگوں نے خاکسار تحریک میں نمایاں حصہ لیا ان میں ہالانی (تحصیل کنڈیارو) کے عبدالرحیم ولد میاں عبداللہ میمن بھی شامل تھے۔ (۴۲)

سید شمس الدین شاہ ولد سید قلندر بخش شاہ (ہنگورہ۔ پنو عاقل) (ولادت دسمبر ۱۹۱۹ء) تقریباً ۱۹۳۷ء میں خاکسار سے وابستہ ہوئے۔ وہ ۱۹۴۰ء میں سنی شیعہ فسادات بند کرانے کے سلسلے میں ۱۹۴۰ء میں علامہ مشرقی کے ساتھ گئے' گرفتار ہوئے اور جیل گئے۔ وہ مظفر گڑھ جیل میں سزا کاٹ رہا ہوئے۔ (۴۳)

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ:

خاکسار تحریک میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے ۱۹۳۶ء میں اس وقت شمولیت اختیار کی جب وہ ڈی جے سندھ کالج کراچی میں پڑھنے گئے۔ مرحوم عبدالرحیم میمن (جو اریگیشن میں چیف انجینئر کی پوسٹ سے رٹائرڈ ہوئے تھے) جو خاکسار تحریک کے ڈی جے کالج میں بانی اور روح رواں تھے اور کالج کے بہت سارے طلبہ کو خاکسار میں شامل کر چکے تھے' نبی بخش خان بھی ان کی ترغیب سے اس تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ حمزہ خان قریشی' الٰہداد شجراع' قاضی فیض محمد اور کئی دوسرے صاحبان بھی ان کی کوششوں سے خاکسار میں شامل ہوئے تھے۔

نبی بخش خان بلوچ جب جونا گڑھ کے بہاؤالدین کالج میں داخل ہوئے وہ وہاں خاکسار کے خود روح رواں تھے اور اس کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے احمد خان لانگاہ' سمندر خان پٹھان (سکھر)' عبدالوہاب شیخ (چیف انجینئر کی پوسٹ سے رٹائر ہوئے)' حسن علی ارباب (ہالا)' احمد نواز اعوان (لاڑکانہ)' جمال ابڑو (جو بعد میں کئی اہم آسامیوں پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ سندھ اسمبلی کے سیکرٹری بھی ہوئے) اور کئی دوسرے خاکسار تحریک سے وابستہ ہوئے۔ ان سرگرمیوں کی پاداشت میں نواب محبت خان آف جونا گڑھ سے جو ایک سو روپیہ فیلوشپ دی جاتی تھی' نہ صرف وہ بند کر دی گئی بلکہ نبی بخش خان کو ایم اے میں بھی داخلہ نہ دیا گیا۔ نوجوان نبی بخش خان مایوس نہ ہوئے' انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کر لیا اور خاکسار تحریک سے تعلق اتنا قائم رکھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ان کو علی گڑھ کا سالار بنایا گیا۔ ان کی نظر میں مسلم لیگ کا کردار مسلمانانِ برصغیر اور آزادئ وطن کے لیے قابلِ ستائش تھا۔ اسی لیے انہوں نے' جب قائداعظم علی گڑھ تشریف لائے تو اسے بڑے اہتمام کے ساتھ سلامی دی۔

نبی بخش خان لغاری بلوچ کی کوششوں سے کئی نوجوان طالب علم وہاں بھی خاکسار سے وابستہ ہوئے ان میں سندھ کے سید غلام مصطفیٰ شاہ (سابق وفاقی وزیر تعلیم) قادر بخش لارک (ڈپٹی کلکٹر) غلام محمد بھٹی اور کئی دوسرے شامل تھے۔ اس کے علاوہ بلوچ صاحب جب بھی چھٹیوں میں سندھ آتے تھے تو سندھ کا دورہ کر کے خاکسار کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے عبدالرحیم میمن صاحب اور مولانا شفیع محمد نظامانی کے ساتھ شمالی سندھ کے دورے کیے تھے۔ نظامانی صاحب کے ساتھ دورہ کرتے ہوئے انہوں نے نواب شاہ کو ہیڈ کوارٹر بنایا اور حکیم محمد معاذ کے مطب میں قیام کیا۔ مرحوم محمد اسحاق اثر جو اس وقت کمسن طالب علم تھے' وہ بھی ان سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

نبی بخش خان لغاری بلوچ جو کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک امریکا میں ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے گئے تو وہاں برصغیر پر جتنے بھی سیمینار ہوتے تھے' ان میں کانگریسی نظریہ کے حامی اور ہندو نواز مسٹر تارک ناتھ داس جب بھی خطاب کرتے تھے تو صرف اور صرف کانگریس کی بات کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر میں ہندو ہی آباد ہیں اور وہی تحریک آزادی چلا رہے ہیں۔ ایسے مواقع پر نبی بخش بلوچ نے وہ خدمت سرانجام دی جو ایک مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کی خدمات اور جدوجہد پر روشنی ڈالی بلکہ مسلم لیگ کے نکتہ نظر کو پیش کیا۔ ایک مرتبہ کولمبیا میں مسٹر تارک ناتھ نے تقریر کی اور کانگریس کے نکتہ نظر سے کئی غلط قسم کی باتیں کیں تو نبی بخش خان بلوچ اٹھ کھڑے ہوئے اور کئی سوال اٹھائے۔ نتیجے میں سیمینار کے منتظمین اور تارک ناتھ نے چلے جانے میں عافیت جانی' مگر حاضرین نے بلوچ صاحب کو روک لیا اور توجہ کے ساتھ ان کا نکتہ نظر سنا اور حقیقت کا اعتراف بھی کیا۔

ایک مرتبہ فلاڈیلفیا میں امریکن اکیڈمی آف پولیٹیکل اینڈ سوشل سائنس کی سلور جوبلی کے موقع پر علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر ضیاء الدین نے ڈاکٹر نبی بخش خان کو اپنی یونیورسٹی کا نمائندہ بنایا۔ ڈاکٹر بلوچ صاحب اس تقریب میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ مسٹر تارک ناتھ داس کی تقریر کا موثر جواب اور توڑ پیش کیا اور واضح کیا کہ برصغیر میں دو طاقتیں' دو قومیں ہیں' ایک ہندو دوسری مسلمان اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔

ڈاکٹر بلوچ صاحب امریکا میں بھی اس قدر سرگرم رہے کہ انہوں نے مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ سیکرٹری خود تھے اور وقتاً فوقتاً تقاریب کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ جب ۱۴راگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اسی دن کی نسبت سے انہوں نے بڑے پیانے پر یوم آزادی کی تقریب کا اہتمام کیا۔ نہ صرف اس موقع پر انہوں نے خوشی کے اظہار کو الفاظ کا روپ دیا بلکہ بورڈ پر ایک نقشہ بنا کر حاضرین کو پاکستان کی حدود اور علاقہ جات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے آزادی کے بعد بھی جب تک امریکا میں رہے' تو امریکا اور کینیڈا میں دورے کر کے پاکستان کو متعارف کرایا اور ساتھ ہی مہاجرین کے لیے کپڑوں کے تحفے جمع کر کے جہازوں کے ذریعے پاکستان روانہ کیے۔

نبی بخش خان ولد علی محمد خان لغاری بلوچ ۱۹۱۷ء میں اپنے گاؤں جعفر خان لغاری تحصیل سنجھورو ضلع سانگھڑ میں تولد ہوئے۔ پرائمری تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ میٹرک مدرسہ ہائی اسکول نوشہرو فیروز سے پاس کیا۔ بی اے (آنرز) کی ڈگری ڈی جے سندھ کالج کراچی اور بہاء الدین کالج جونا گڑھ سے

فرسٹ کلاس اور بمبئی یونیورسٹی سے فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن سے حاصل کی۔
ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اور ایم اے اور ڈاکٹرز کی ڈگریاں ایجوکیشن میں کولمبیا یونیورسٹی نیویارک امریکا سے (۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۹ء) حاصل کیں۔
وہ عالمی شہرت یافتہ دانشور ہونے کے علاوہ بہت بڑے محقق اور سندھی ادب کی ڈکشنری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ لاتعداد کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں خصوصاً سندھی لوک ادب کو محفوظ کرنے والے ہیں۔ وہ کئی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر رہے ہیں۔ اس وقت سندھی لینگویج اتھارٹی اور علامہ آئی آئی قاضی چیئر کے چیئر مین ہونے کے علاوہ پاکستان بھر میں کئی علمی، ادبی اور ثقافتی اداروں کے ممبر بھی ہیں۔

لعل بن یوسف:

خاکسار تحریک کے حوالے سے لعل بن یوسف کی تحریک آزادی میں بڑا کردار رہا ہے۔ وہ تحریک سے ۱۹۳۸ء میں وابستہ ہوئے اور تحریک کی ہر چھوٹی بڑی کیمپ میں شریک ہوئے، سوائے مدارس اور کشمیر کے۔ ذاتی زندگی میں ان کا تعلق اسپورٹس سے رہا۔ وہ حیدرآباد میں کرکٹ میں ٹاپ پر رہے اور راوپنگ پلیئر کے طور پر کھیلتے تھے۔ ان کی ولادت ٹنڈو ولی محمد حیدرآباد میں ۲۳ مارچ ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔

فیض محمد صندل نے بھی خاکسار تحریک میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔ خاکسار تحریک کے خاتمے کے بعد بھی پوری عمر ان کی پہچان اسی کے حوالے سے رہی۔

سید منظور نقوی ہوم گارڈ کے ڈپٹی کمانڈنٹ رہے۔ ان کا کام قیامِ پاکستان کے بعد بھی بڑا اہم رہا۔ وہ یہ کہ مہاجروں کی آبادکاری کے علاوہ ان پر یہ فرض عائد تھا کہ کوئی غلط آدمی یا سماج دشمن عناصر مہاجر کے بھیس میں گھس نہ آئے۔ ان کی ولادت ۱۸ رمئی ۱۹۲۴ء کو حیدرآباد میں ہوئی۔

تاج محمد صحرائی شکارپوری ولد نور محمد (ولادت ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۱ء) ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک خاکسار تحریک سے وابستہ رہے۔ وہ ۱۹۴۳ء میں خاکسار طلبہ کا ایک جتھہ لے کر بنگال کے قحط زدہ علاقے کلکتہ میں امداد کے لیے گئے۔ ان کے ساتھیوں میں جمال ابڑو (لاڑکانہ) غلام شاہ (ایڈووکیٹ حیدرآباد) لطف علی ٹالپر (ہیڈ ماسٹر۔ ٹنڈو باگو) محمد سلیمان میمن (ایڈووکیٹ) عاربی (میرپورخاص) شامل تھے۔ جناب تاج محمد ان کے سالار تھے۔

وہ آزادی کی اس جدوجہد میں ۱۰ ر اگست سے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء تک دہلی جیل میں مقید رہے۔ وہ شعبہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہوئے۔ مانے ہوئے ادیب اور شاعر ہیں۔

باب ہفتم

سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کی تحریک'

سندھ کا بمبئی سے الحاق اور اس کے اثرات

سندھ ایک ملک تھا' جسے انگریزوں نے اپنی روایتی چالبازیوں سے مقامی حکمرانوں ٹالپوروں سے ۱۸۴۳ء میں فتح کر کے اس پر مارشل لاء نافذ کر دیا اور چارلس نیپئر فاتح سندھ کو اس ملک جس کی حیثیت اب ایک صوبہ کی تھی' اس کا پہلا گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا۔

نیپئر گورنر کی حیثیت سے ہندسرکار کے گورنر جنرل کے ماتحت اس صوبہ کا انتظام چلاتے تھے۔ نیپئر نے چار سال تک انتظام چلایا۔ مگر اس کے خلاف اپنوں نے بھی اتنی شکایات کیں کہ آخر کار اسے واپس بلالیا گیا اور سندھ کی مختار صوبہ کی حیثیت ختم کر کے اسے بمبئی صوبہ کے ماتحت کر دیا گیا (۱) جو کہ غیر فطری عمل تھا۔ سندھ جنوب میں سمندر سے نہیں بلکہ ہمیشہ شمال مغرب سے محض اقتصادی طور پر ملحق رہا ہے۔'' (۲)

اب سندھ پر بمبئی صوبہ کے گورنر کی طرف سے کمشنر مقرر ہونے لگے۔ پہلے کمشنر کے طور پر بمبئی کے مکانی اداروں کے مسٹر رابرٹ پرنگل (Mr. Rober Prungle) کو مقرر کیا گیا۔ (۳) اس طرح سندھ کے منتظمِ اعلیٰ کے اختیار پہلے سے کم ہو گئے۔ مگر اس کا جواب حکومت کی طرف سے یہ دیا گیا کہ سندھ سے فوجی حکومت ختم کر کے سول حکام کے حوالے کی گئی' جس کا تعلق فوج سے نہیں تھا۔ (۴)

بعد میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ بقول جی ایم سید' انڈیا گورنمنٹ اپنے بمبئی کے ان سول ملازمین کو خوش رکھنا چاہتی تھی' جنہوں نے نیپئر کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔ (۵) وہ نیپئر کے گناہوں سے اپنے صوبے کی حدود کی وسعت چاہتے تھے' جو ہو گئی۔ بمبئی صوبہ سے الحاق کے بعد ایک بات یہ بھی محسوس کی گئی کہ سندھ کے ترقیاتی منصوبوں پر کمشنر کو اختیارات ہی نہیں ہیں۔ ہر معاملے کی فنی وجوہات پر ترقیاتی منصوبوں کی آخری اجازت بمبئی انتظامیہ سے لینا ضروری تھی۔ جس کی وجہ سے غیر معمولی تاخیر بھی برداشت کرنی پڑتی تھی۔

بجائے اس کے کہ سندھ کی انتظامیہ کو زیادہ اختیارات دیئے جاتے کہ وہ آسانی سے کام کر سکے' ۱۸۶۸ء میں ''سندھ ایکٹ'' نافذ کیا گیا۔ (۶) جس کا مطلب تھا' افسران کو عوام کے خلاف چھٹی دینا۔

ہر کام سندھ کے جاگیردار اور سردار یا پیروں اور سجادہ نشینوں سے لینے کی وجہ سے غریب عوام چکی کے دو پاٹوں میں پسنے لگے۔ جب بھی کوئی اعلیٰ عملدار بمبئی سے سندھ کے دورے پر آتا سندھ کے عوام زیادہ مصیبت اور ابتلا میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ رشوت اور رسائی کے لیے دروازے کھل جاتے تھے۔

بمبئی اور سندھ کی ہندو آبادی کے اکٹھے ہونے کی وجہ سے ہندو آبادی کو جو اکثریت حاصل ہو گئی' اس نے تو بہت ہی نئے نئے رنگ دکھلائے۔ اب ہندو اور مسلمانوں کی کئی تنظیمیں بننا شروع ہو گئیں' جو خالص مذہبی بنیادوں پر قائم تھیں اور ہندو مسلم اتحاد رفتہ رفتہ پارہ پارہ ہونیلگا۔ مسلمانوں کی تعلیم کا تناسب تو اور بھی کم ہو گیا۔ چونکہ سندھ کا تناسب بمبئی کے مقابلے میں اور بھی کم تھا' سندھ میں تعلیم کا شعبہ ۱۹۰۰ء میں قائم ہوا تھا۔ پورے سندھ میں ایک بھی کالج نہ تھا۔ ڈی جے سندھ کالج کراچی بھی ۱۸۸۷ء میں قائم ہوا' اس سے پہلے میٹرک کے امتحان کے لیے طلباء کو بمبئی جانا پڑتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تیس سال کے دوران بی اے کے سندھی طلبہ فقط ڈیڑھ درجن تھے۔

(بھیرومل آڈوانی ''سندھ کی ہندو آبادی'' ۱۹۴۷ء ص:۵۹)

سندھ میں آمد و رفت کی کیا سہولتیں تھیں' وہ بھی ذرا ملاحظہ فرمایئے:

کوٹری سے ملتان تک کا سفر دخانی کشتی میں کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد لاہور پہنچ کر دہلی تک ٹرین کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ دہلی سے احمد آباد اور احمد آباد سے بمبئی ایک ہفتہ لگ جاتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا تھا۔

سندھ میں جتنے بھی ادارے تھے ان کے اعلیٰ افسران بمبئی میں ہوتے تھے ان کو بھلا کیا معلوم کہ سندھ کے حالات کیا ہیں اور وہ سندھی زبان سے بھی ناواقف تھے۔ جب ان میں سے کوئی دورے پر آتا تو چند روز میں ان کو کیا معلوم ہوتا۔ وہ تو شکار سے جی بہلا کر واپس چلے جاتے تھے۔ مقامی انتظامیہ ایسے ہر بے خوب جانتی تھی کہ وہ مطمئن ہو کر چلے جائیں اور خود من مانی کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ ہیڈ آفس کا بمبئی میں ہونے کی وجہ سے ڈاک کا آنا جانا' اہم مسائل اور کاغذات پر آخری حکم کا لگنا' مسائل کا فیصلہ ہونا یہ کیسے ممکن ہوتا۔ اس لیے اکثر معاملات میں کافی سے زیادہ دیر کا ہونا کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

ہر گورنمنٹ کا ایک بجٹ ہوتا ہے۔ اگر اس کا زیادہ حصہ ڈاک اور دیگر انتظامی اخراجات پر لگ جائیں تو باقی ترقیاتی اور دوسرے کام کیسے ممکن ہوتے۔ (۷)

ویسے بھی سندھ تاریخی' جغرافیائی' تہذیبی' زبان اور انتظامی حیثیت سے بمبئی سے بالکل مختلف تھا۔ جغرافیائی طور پر وہ بمبئی سے ۸ سو میل دور تھا۔ درمیان میں ایک وسیع صحرا اور سمندر تھا۔ دونوں کی آب و

ہوا مختلف، سماجی رشتے الگ، زبان، رہن سہن، پوشاک، رسم و رواج سب ہی تو مختلف تھے۔(۸) بلکہ صو.
سندھ کے لوگوں کا لباس اور طور طریقے بلوچستان اور پنجاب سے زیادہ ملتے ہیں۔(۹)

جناب جی ایم سید کے مطابق:

ایک سال کے اندر صوبہ سندھ کے اعلیٰ حکام اور عملدار جو سندھ کا دورہ کرتے تھے، وہ اس طرح ہ
کرتے تھے:

''گورنر تین ہفتے، مالیاتی ممبر ۲ دن ریونیو ممبر ۳ دن۔ لوکل گورنمنٹ کا وزیر ۴ دن اور تعلیم
وزیر ایک ہفتہ۔''(۱۰)

سر سلطان محمد شاہ آغا خان نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ، ''بمبئی حکومت نے سندھ میں تعلیم
ترقی کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا اور نہ خاص گرانٹس مختص کیں۔''(۱۱)

ہندوستان کی آزادی سے پہلے سندھ کی بمبئی صوبے سے علیحدگی کی مہم چلی یہ مہم ہندو پاک کے قیا
سے چالیس سال پہلے شروع ہوئی۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک زوروں پر چلی اور آخرکار اپنی کامیابی سے
ہمکنار ہوئی۔ اس تحریک نے ہندو اور مسلمان کو الگ الگ کر دیا اور عملی طور پر دو قومی نظریہ کا ثبوت پیش
کیا۔ جس کا منطقی نتیجہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی دو حصوں میں ہوئی۔ ایک ہندوستان اور دوسر
پاکستان۔ چونکہ سندھ کا بمبئی سے آزاد ہونا بھی صرف مسلمانوں کی تحریک کا نتیجہ تھا اور ہندو اسے اپ
لیے نقصان دہ سمجھتے تھے، وہ بمبئی کی ہندو اکثریت کے بل بوتے پر سندھ میں اپنا زیادہ منافع سمجھتے تھے۔

سندھ کی بمبئی سے علیحدگی، آزادی کی تحریک میں انفرادی اور اجتماعی کوششوں کا نتیجہ تھی اس کی
تفصیل کچھ یوں ہے:

انفرادی کوششیں:

سب سے پہلے ''سندھ پراونشل کانفرنس'' کے موقع پر سیٹھ ہرچند رائے وشنداس نے اس مسئلہ
طرف توجہ دلائی اور سندھ میں جو استحصال ہو رہا تھا اس سے سندھ کے عوام کو آگاہ کیا۔(۱۲) جس کے
بعد مشہور سیاستدان رئیس غلام محمد خان بھرگڑی نے اس اہم مسئلہ کو حکومت کے ایوانوں تک پہنچایا۔(۱۳

سندھ کی بمبئی سے آزادی کے سلسلے میں اکثر و بیشتر اجلاسوں میں باتیں ہوتی رہتی تھیں ا
قراردادیں بھی منظور کی جاتی تھیں۔

سندھ نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی طرف سے ۱۹۱۷ء میں اس وقت یہ سوال مسٹر ایڈون مانٹیگو کو پیش

کیا گیا' جب وہ کراچی کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔'' (۱۴)

شیخ عبدالمجید سندھی ایڈیٹر روزانہ ''الوحید'' نے ۱۹۲۴ء سے سندھ کے اس اہم مسئلے کے لیے اخبار کو اس پر چارک بنا دیا' بلکہ وقف کر دیا۔ (۱۵) اس اہم مسئلے کے لیے اخبار کو اس کا پرچارک بنا دیا' بلکہ وقف کر دیا۔ (۱۵) نتیجہ یہ نکلا کہ اسی سال مسلم ممبروں کی ایک کمیٹی نے محمد علی جناح (قائداعظم) کی سربراہی میں اپنے مطالبات کی ایک یادداشت حکومت کو پیش کی جس میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی بھی شامل تھی۔'' (۱۶)

جب آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ میں منعقد ہوا تو سندھ کی علیحدگی کے سلسلے میں قرارداد مولوی احمد نے پیش کی جس کی حمایت گل محمد خان نے کی اور یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہوئی۔'' (۱۷)

سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے سلسلے میں بہت کوششیں کر رہے تھے۔ انہوں نے اس مطالبے کو عوامی مطالبہ بنانے کے لیے ''سندھ مسلمانوں کا ہفتہ'' ۱۹۲۷ء میں منانے کی تجویز پیش کی۔ (۱۸)

بمبئی صوبہ کے بشمول سندھ کی صورتحال یہ تھی کہ سندھ مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کے باوجود بمبئی کی وجہ سے اقلیتی علاقہ بن گیا تھا اور اس کا تناسب ۲۰/اور ۸۰ کا تھا۔ یعنی مسلمان صرف بیس فیصد تھے۔ (۱۹)

شیخ عبدالمجید سندھی نے اخبار الوحید میں اس مسئلے پر کئی قسطیں تحریر کیں' جو بعد میں ''سندھ کے مسلمانوں کے لیے تنظیمی پروگرام'' کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہوئیں۔ شیخ صاحب اس مسئلے کے لیے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''اس وقت سندھ کے مسلمانوں کے سامنے بمبئی سے علیحدگی اور مسلمانوں کی آزادی کا مسئلہ ہے...... یہ مطالبہ اتنا معقول ہے کہ ہندو بھی اسے قبول کیے بغیر نہ رہ سکیں گے' کیونکہ سندھ کے ہندو بمبئی کاؤنسل کے لیے صرف تین عدد منتخب ہو سکتے ہیں' جب کہ علیحدگی کی صورت میں ہندوؤں کو کاروبار اور دوسرے شعبوں میں تیسرا حصہ ملے گا...... آزاد اور خودمختار سندھ میں ان کا درجہ محکومانہ نہیں بلکہ برادرانہ ہوگا۔'' (۲۰)

شیخ صاحب کے مضامین کا سلسلہ اتنا اہم تھا کہ جی ایم سید نے لکھا:

''سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے سلسلے میں اتنا واضح بحث پہلی مرتبہ سامنے آیا...... شیخ صاحب نے پہلی مرتبہ اتنی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ (۲۱)

چونکہ ہندو رہنما اپنے مفادات کی وجہ سے اس علیحدگی کی مخالفت کر رہے تھے اس لیے مسلم، ہندو اور پارسی ایک مشترکہ اجلاس میں شریک ہوئے اور بڑے بحث مباحثے کے بعد ایک عہد نامہ پر دستخط کیے۔

اس سلسلے میں الوحید کی یہ خبر اہمیت کی حامل تھی کہ:

''جب سے شیخ صاحب نے سندھ کی علیحدگی کا مسئلہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے سامنے پیش کیا ہے اس وقت سے ہندوؤں نے اس کی مخالفت شروع کر رکھی ہے۔ باوجود اس کے کہ کانگریس کمیٹی، نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ اس پر متفق ہو گئے ہیں، مسٹر جیرام داس ہندو مہاسبھا کی مدد سے پورے ہندوستان میں زہر اگل رہے ہیں۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ سندھ میں آزاد خیال اور وطن پرست غیر مسلم اس کوشش میں ہیں کہ اس مسئلہ کو فرقہ وارانہ مسئلہ نہ بنایا جائے...... صوبہ سندھ کانگریس کمیٹی کے صدر سوامی گوبند آنند کے مطابق، اگر سندھ کاؤنسل میں ہندوؤں کو چالیس فیصد نمائندگی دی جائے اور دوسرے حقوق بھی دیئے جائیں، تو سندھ کے ہندو علیحدگی کی تحریک میں شریک ہو جائیں گے۔ غور و فکر کے بعد کراچی میں سندھ نیشنل لیگ کی میٹنگ ہوئی، جس میں تیس (۳۰) ہندو اور مسلم لیڈر شریک ہوئے۔ سب کے دستخطوں سے ایک معاہدہ عمل میں آیا، جس کے شرائط یہ تھے:

۱۔ سندھ کے علیحدگی کے بعد جلد ہی مشترکہ انتخابات کا نظام قائم کیا جائے گا۔

۲۔ کاؤنسل میں مختلف قوموں کی نمائندگی کا تعین آبادی کی بنیاد پر کیا جائے گا، مگر جب بھی دوسرے صوبوں میں اقلیتی قومیں اپنی تعداد سے زیادہ نمائندگی کا مطالبہ کریں تو سندھ میں بھی دس فیصد زیادہ نمائندگی کا حق ہندوؤں کو دیا جائے گا۔

۳۔ قانون کی نظر میں ہندو مسلم برابر ہوں گے اور ملازمتوں کے سلسلے میں دونوں طبقوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے گا۔ (۲۲)

ابھی معاہدہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ہندو لیڈروں نے دوبارہ مخالفت شروع کر دی اور معاہدے کو ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا۔ مخالفت میں ان کے اخباری بیان، کانفرنسیں اور حکومت کے اہل کاروں سے ملاقاتیں شامل تھیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے لندن میں بھی ایک آفس قائم کر کے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ انہوں نے انگریز حکومت کے سامنے یہ بات پیش کی کہ اگر سندھ کی بمبئی سے علیحدگی ہوئی تو مرکزی حکومت کو بہت خسارہ اور بہت سی مشکلات کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔

مسلمانوں کو بھی اس پروپیگنڈہ کے جواب میں لندن میں ''سندھ آزاد کمیٹی'' قائم کرنی پڑی۔

جناب محمد ایوب کھہڑو نے ۱۷ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہندو مسلم اتحاد کا ذکر کیا ہے، جس میں پارسی بھی

شامل تھے۔ اس کی بھی تین شقیں تھیں۔ ہوسکتا ہے یہ الگ معاہدہ ہوا ہو' کیونکہ الوحید میں شائع شدہ معاہدہ اور اس میں کچھ فرق ہے۔ کھہڑو صاحب ''سٹرگل آف سندھ'' میں لکھتے ہیں۔

''کچھ ہندو لیڈر سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے مخالف تھے۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۲۸ء کو سندھ کے ہندو، مسلمان اور پارسی نمائندوں نے ایک معاہدہ کیا' جسے عام طور پر ''سندھ ہندو مسلم عہد نامہ'' کہا گیا۔ اس کے تحت سندھ کی علیحدگی کے متعلق مندرجہ ذیل شرائط کے تحت معاہدہ ہوا:

۱۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ مخلوط انتخابات کا طریقہ اور سندھ کی علیحدگی ایک ہی وقت میں عمل میں آئیں گے۔

۲۔ سندھ کو ایسی ہی مکمل صوبائی خودمختاری حاصل ہوگی' جیسی ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو ہوگی اور آئندہ سندھ کو کسی بھی صوبے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ جب تک سندھ کی علیحدگی پر عمل درآمد کا تعلق' مالیات کے متعلق ہے' تو اس کے لیے ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم کوٹ کو کپڑے کے مطابق کاٹیں گے۔'' (۲۳)

آخر کار وہ وقت آ گیا کہ حکومت برطانیہ نے ۱۲ر نومبر ۱۹۲۸ء کو سائمن کمیشن کا تقرر کیا تاکہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے متعلق اس مسئلے کو جانچ کر کے اپنی سفارشات پیش کرے۔

بمبئی کاؤنسل نے سائمن کمیشن کی مدد کے لیے سر شاہنواز بھٹو کی چیئرمین شپ میں ایک صوبائی کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی میں سید میراں محمد شاہ کو بحیثیت ایک ممبر لیا گیا۔ (۲۴)

۷ مئی ۱۹۲۹ء کو بمبئی کمیٹی کے تمام ممبران نے سائمن کمیشن کو اپنی اپنی رپورٹ پیش کی' جس میں علیحدگی کے خلاف رائے دی گئی تھی۔ سید میراں محمد شاہ نے سندھ کی علیحدگی کے حق میں اور سر شاہنواز نے اس کے خلاف اپنی رائے دی تھی۔ (۲۵)

سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ حکومت برطانیہ کو پیش کی جس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کے درمیاں گول میز کانفرنس منعقد کی جائے' جسمیں ایسا دستور مرتب کیا جائے جو سب کے لیے قابلِ قبول ہو۔

نتیجے کے طور پر ۱۲ر نومبر ۱۹۳۰ء سے ۱۹ر جنوری ۱۹۳۱ء تک تین گول میز کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

انفرادی کوششوں کے ضمن میں شیخ عبدالمجید سندھی بتاتے ہیں کہ:

''سندھ کا بمبئی سے الحاق ہوا تو اس نے سندھ سے سوتیلی ماں کا رویہ اختیار کیا۔ سندھ کے ہنر اور درسگاہوں کا رفتہ رفتہ خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بدلے اگر اسکول قائم ہوئے بھی تو شہروں میں اور شہری لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ آبادگار دن بدن زبوں حالی کو پہنچ گئے۔ زمینیں ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہیں' ان کے لیے تعلیمی بندوبست قطعاً نہیں کیا گیا۔ حالانکہ تعلیمی فیس زمینداروں سے وصول ہو رہی تھی' مگر خرچ شہروں میں ہو رہی ہے۔

سندھ میں اب بھی کوئی سرکاری کالج یا یونیورسٹی نہیں ہے۔ دیہات میں نہ کہیں اسکول ہیں نہ ہسپتال' حتیٰ کہ کراچی اتنا بڑا شہر اور ضلع ہے مگر اس میں ایک بھی ہائی اسکول نہیں ہے۔ گاؤں کی سڑکیں ایسی ہیں کہ خدا کی پناہ...... سندھ بمبئی کے عملداروں کے لیے ایک باغیچہ ہے اور تفریح گاہ و شکارگاہ ہے سندھ کے لوگ سادہ لوح ہیں۔ اس کے زمیندار اور جاگیردار سرکار پرست ہیں۔ سرکاری عملداروں کو راضی رکھنے کے لیے لاکھوں لٹا دیتے ہیں۔ اپنے خرچ پر ہی ان کو شکار کرواتے ہیں۔ جب گورنر اور وزیر یا سیکرٹری آتے ہیں تو ان کو کیا معلوم کہ دیہات میں جن راستوں پر ان کی گاڑیاں چلتی ہیں ان کی مرمت میں کتنے غریب لوگوں سے زمینداروں نے بیگار میں کام لیا ہے ان سے دن رات کس طرح کام لیا گیا ہے...... وغیرہ وغیرہ۔

ایسے حالات کو دیکھ کر ۱۹۲۵ء میں شیخ صاحب نے اس بارے میں الوحید میں لکھنا شروع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ علی گڑھ کے اجلاس میں انہوں نے قراردادیں پیش کیں کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کیا جائے۔

اپریل ۱۹۲۷ء میں مسلم رہنماؤں نے ہندوؤں سے معاہدہ کے لیے جو شرائط پیش کیں' ان میں یہ سوال بھی شامل تھا۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ منعقدہ بمبئی میں مسلمانوں کے یہ تینوں شرائط منظور کی گئیں' ان میں سے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی بھی شامل تھی۔ اگست ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ میں مالی تحقیقات کے شرط سے سندھ کی علیحدگی کا اصول بھی قبول کیا گیا۔ اسی سوال اور مسئلے کو زوردار بنانے کے لیے شیخ صاحب نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور جس کسی شہر میں کسی بھی قومی مجلس میں سوال پیش ہوا وہ خود اس میں شریک ہوئی۔

شیخ عبدالمجید سندھی نے مسلمانوں کو تجویز دی کہ وہ سندھ کی علیحدگی کے لیے جو مصائب پیش آئیں گے' ان کو نمٹانے کے لیے ''آزاد سندھ جماعتیں'' قائم کریں اور وہ گاؤں گاؤں اور بستی بستی میں ہونی چاہئیں۔ ایسی جماعتیں ایک ہزار تک ہونی چاہئیں' جن میں ہندو مسلم سب شامل ہیں۔ اس کے بعد رمضان شریف ختم ہونے سے پہلے آخری جمعہ تک یہ قرارداد پاس کر کے الوحید کو ارسال کی جائے کہ:

''سندھ کے مسلمان ایسے کسی بھی حکومتی ڈھانچے کو قبول نہیں کریں گے' جس میں سندھ دوسرے صوبوں کی طرح آزاد اور خود مختار صوبہ نہیں ہوگا اور سندھ کے مسلمان سندھ کی آزادی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔''

شیخ صاحب کی ان کوششوں کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا اور سندھ کے ہر ایک گاؤں اور بستی میں سندھ آزاد جماعت کی شاخیں قائم ہونا شروع ہوگئیں۔ شیخ صاحب نے اس کو اور موثر بنانے کے لیے ایک خط اخبار میں شائع کیا کہ عیدالفطر کے موقع پر نماز کے بعد اس جماعت کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی قرارداد بھی پاس کی جائے گی۔ (۲۶)

شیخ صاحب سندھ کے مسلمانوں میں جو جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے' وہ اس میں سو (۱۰۰) فیصد کامیاب ہوئے۔ پورے سندھ میں جگہ جگہ یہ دیکھا گیا کہ جلسے ہو رہے ہیں اور کانفرنسوں میں قراردادیں پیش کی جا رہی ہیں۔ سندھ کے ایسے ایسے گاؤں جہاں حکومت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا' وہاں حکومت اور اس کے نظام کے خلاف زوردار تقریریں ہو رہی تھیں۔

علیحدگی کی اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ حکومت نواز وڈیرے اور ہندو اس تحریک کے دیکھتے ہی دیکھتے خود رہنما بن گئے۔ ''سندھ آزاد تحریک'' سندھ کے ہر چھوٹے بڑے کے دل کی دھڑکن بن گئی تھی۔

سب سے بڑی مثال یہ تھی کہ سر شاہنواز بھٹو نے اس سے پہلے سائمن کمیشن کی رپورٹ میں بمبئی کاؤنسل کے ممبر کے طور پر سندھ کی علیحدگی کی مخالفت کی تھی۔ (۲۷) مگر اب وہ خود اس تحریک میں بنیادی کردار ادا کرنے لگے اور اس تحریک کے رہنماؤں میں شامل ہوئے۔ (۲۸)

انفرادی کوششوں کے سلسلے میں لاتعداد رہنما اور کارکن ایسے تھے' جنہوں نے بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے لیے بڑا کام کیا۔ ان میں سے ایک مثال شیخ عبدالمجید سندھی کی شخصیت پیش کی گئی ہے۔

گول میز کانفرنسوں میں سر شاہنواز بھٹو اور سر غلام حسین ہدایت اللہ کو اپنے ہم وطن سندھی بھائیوں کے جذبوں اور امنگوں کی ترجمانی کا موقع ملا۔ انہوں نے سندھ کے مسئلے پر قائم سب کمیٹی کے سامنے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا بہترین ثبوت فراہم کیا۔ اس کمیٹی کی صدارت مسٹر ''ارل رسل'' نے کی۔'' (۲۹)

سر شاہنواز بھٹو اور سید میراں محمد شاہ کی انفرادی کوششیں سندھ آزاد تحریک میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ مگر سندھ آزاد تحریک میں خان بہادر محمد ایوب کھہڑو کی خدمات کو بڑا دخل ہے کہ انہوں نے اسی دور میں ایک کتاب ''سفرنگ آف سندھ'' (Suffering of Sind) شائع کر کے پڑھے لکھے طبقے کو اس

مسئلے کے سمجھنے میں بڑی مدد کی۔ یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں لاڑکانہ میں چھپی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ نے جب ہندوستان میں میں اصلاحات لانے کے لیے ۱۹۳۳ء میں جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی (Joint Parliamentary Committee) مقرر کی' تو سندھ کے مسئلے پر روشنی ڈالنے کے لیے 'سندھ آزاد کانفرنس'' کو بھی ایک نمائندہ بھیجنے کی دعوت دی۔ یہ خان بہادر محمد ایوب کھہڑو ہی تھے' جنہوں نے اس نمائندے کے طور پر نہایت بھرپور انداز میں مدبرانہ طور پر سندھ کے مسئلے کو پیش کیا۔ (۳۰)

سندھ کی تحریکِ آزادی کی اس جدوجہد میں ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خان کی انفرادی کوششوں کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔ اس تحریک کی ابتدا سے لے کر اس کی کامیابی تک وہ بڑے فعال رہے۔ ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس کے موقع پر وہ بھی ''ارل رسل'' کمیٹی پر اثر انداز رہے۔ انہوں نے حقائق کو اس انداز سے پیش کیا کہ کمیٹی نے سندھ کی حق تلفی' عملی اور انتظامی بنیادوں پر مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی۔ آغا خان اس بارے میں خود لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے دلائل سے خود ہندو ساتھیوں نے بھی اتفاق کیا اور یہ تجویز منظور کی گئی۔'' (۳۱)

اس کے علاوہ جن غیر مسلم سیاستدانوں نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے لیے بے حد کوششیں کیں' ان میں پارسی مدبر اور رہنما جمشید مہتا سرفہرست ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ہندوؤں کی مخالفانہ پروپیگنڈے کا مقابلہ کیا' بلکہ ایک پمفلٹ بھی اس بارے میں شائع کیا' جسے اس دور کی سندھ کی سیاسی ڈائری میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ (۳۲)

آزادیٔ سندھ کے لیے اجتماعی کوششیں:

پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی اور آزادی کے لیے ۱۹۰۸ء سے کوششیں شروع ہوگئی تھیں۔ ان میں ''سندھ پراونشل کانفرنس'' کے ذریعے یہ سوال ہر طبقۂ فکر کا موضوعِ بحث بنا۔ اس سلسلے میں جو ریکارڈ سامنے آیا ہے وہ یہ ہے کہ بقول جی ایم سید:

ایسی کانفرنسیں سندھ کے مختلف شہروں میں ہوتی رہیں اور اس مسئلے کا تسلسل کے ساتھ مطالبہ برابر کیا جاتا رہا۔ ۱۹۲۰ء تک ایسی کانفرنسوں کی تعداد کل آٹھ ہے' جو اس طرح سے ہے: (۳۳)

دوسری سندھ پراونشل کانفرنس حیدرآباد میں ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔

تیسری سندھ پراونشل کانفرنس لاڑکانہ میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔

چوتھی سندھ پراونشل کانفرنس شکارپور میں ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔

ایک خاص سندھ پراونشل کانفرنس حیدرآباد میں ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔
پانچویں سندھ پراونشل کانفرنس کراچی میں ۱۹۱۸ء میں ہوئی۔
چھٹی سندھ پراونشل کانفرنس جیکب آباد میں ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔
ساتویں سندھ پراونشل کانفرنس سکھر میں ۱۹۲۰ء میں ہوئی (۳۴)

ان کانفرنسوں میں ''خاص کانفرنس'' نومبر ۱۹۱۷ء حیدرآباد اور مارچ ۱۹۱۸ء کراچی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

حیدرآباد کانفرنس میں سندھ کی علیحدگی کے مسئلے پر خاص غور وفکر کے لیے سیٹھ ہرچندرائے وشنداس کی سربراہی میں کمیٹی بھی تشکیل دی گئی تھی۔ انفرادی کوششوں میں سیٹھ ہرچندرائے کی جدوجہد بھی قابلِ تعریف ہے' اس لیے بھی کہ اس مسئلے کو سب سے پہلے انہوں نے ہی ۱۹۰۸ء میں اٹھایا تھا اور متواتر اس پر بڑے جذبے اور لگن کے ساتھ کام کر رہے تھے۔

۱۹۲۰ء میں جو کمیٹی سیٹھ ہرچندرائے کی سربراہی میں تشکیل دی گئی تھی' اس کے دوسرے ارکان یہ تھے:

۱۔ مسٹر جیرام داس دولت رام ۲۔ ورگدداس آڈوانی

۳۔ نارائن داس بیچر ۴۔ رستم خورشید سدھوا

اس کمیٹی کو ''سیکرٹری آف اسٹیٹ'' کو اپنی سفارشات پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس کے علاوہ اس کمیٹی نے اپنی گزارشات مسٹر چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو کو بھی پیش کیں۔

جی ایم سید اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ان گزارشات میں فقرہ نمبر 1 میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ:

''......سندھ کے باشندے ۷۰ سال سے بمبئی کی غلامی میں زندگی گزار رہے ہیں...... ان کا تقاضا ہے کہ جب تک سندھ کو آزاد اور الگ صوبہ بنایا جائے اور انتظامی کاؤنسل' چارٹرڈ ہائی کورٹ اور الگ انتظامی مشینری دینے کے لیے حکومت کوئی انتظام کرے' اس سے پہلے سندھ کمشنر کو جو اختیارات ۱۸۶۸ء ایکٹ کے تحت دیے گئے تھے' وہ واپس لے کر اسے بمبئی کے دوسرے کمشنروں کی سطح پر لایا جائے۔ بمبئی کے گورنر کو چند مہینوں کے لیے کراچی میں قیام کرایا جائے۔'' (۳۵)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۲۰ء تک سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں سندھ کا ہندو زیادہ فعال تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی نوٹ کی جائے گی کہ کراچی کانفرنس ۱۹۱۸ء جس کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے' یہ بھی مسٹر مرلی دھر جیرامداس کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں مسٹر ہرچندرائے وشنداس کے علاوہ آر بی ہیرانند کھیم سنگھ' لوکول چیلارام' لکھی جیٹھانند پریتم داس' ستداس منگھارام' آر

کے سدھوا اور ڈاکٹر چوتھ رام پیش پیش تھے۔ اس میں مسلمان رہنماؤں میں اگر کوئی شخصیت نظر آتی ہے تو وہ تھے مسٹر غلام علی چاگلا۔

اس کانفرنس میں بھی ''سندھ کی بمبئی سے علیحدگی'' کی قرارداد منظور کی گئی۔ (۳۶)

سندھ کی علیحدگی اور بمبئی سے آزادی کے سلسلہ میں آل انڈیا سطح پر بھی سیاسی جماعتوں نے اس مطالبے کو حقیقت پسندانہ قرار دے کر اس کا ساتھ دیا۔

آل انڈیا کانگریس:

آل انڈیا کانگریس نے پہلی مرتبہ ۱۹۱۳ء میں اپنے سالانہ اجلاس کراچی میں اس مسئلے کو اٹھایا۔ سیٹھ ہرچند رائے وشنداس کانفرنس کو استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اس مسئلے پر مندوبین کی توجہ مبذول کرائی۔ (۳۷)

اس کے علاوہ مانٹگو چیمسفورڈ کمیشن ۱۹۱۷ء میں جب ہندوستان آیا تو اس موقع پر سندھ کانگریس پارٹی نے سندھ پراونشل کانفرنس کا خصوصی اجلاس بلوا کر ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی کہ وہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔

اس سب کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

سیٹھ ہرچند رائے وشنداس، مسٹر جیرام داس دولت رام، ورگداس آڈوانی، مسٹر نارائن داس آنند جی بیچر اور رستم خورشید سدھوا۔ یہ بات پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ ان کے اپنے مطالبے میں سندھ کی علیحدگی شامل تھی۔

خود کانگریس نے اپنے اجلاس ۱۹۲۵ء کانپور کے موقع پر اپنی انتظامی آسانی کے لیے سندھ کو علیحدہ صوبے کی حیثیت دی تھی۔ یہ اقدام سندھ کے کانگریسی لیڈروں کے مطالبے پر اٹھایا گیا تھا۔ (۳۸)

اس کے علاوہ مختلف مسلمان سیاسی رہنماؤں نے ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پر ایک یادھرنامہ (یادداشت) دی، جس میں بمبئی کی علیحدگی کا مطالبہ شامل تھا۔ (۳۹) انڈین نیشنل کانگریس نے اپنی ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کے مطابق اصولی طور پر ان مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ جس کے بعد ڈاکٹر مختار احمد کی صدارت میں مدراس میں کانگریس کا اجلاس ہوا، اس میں بھی سندھ کی بمبئی سے آزادی کے مطالبہ کی حمایت کی گئی۔ (۴۰)

سائمن کمیشن سے عدم تعاون کے بعد آل انڈیا کانگریس نے اپنے اجلاس میں ایک کمیٹی تشکیل دی

جس کی صدارت پنڈت موتی لعل نہرو نے کی۔ اپنی رپورٹ ۱۹۲۴ء میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی مشروط بنائی گئی۔ وہ شرائط یہ تھیں:

نہرو رپورٹ کی شرائط:

۱۔ اس رپورٹ کی پڑتال کرنے کے بعد یہ دیکھا گیا ہے کہ:

(الف) سندھ مالی لحاظ سے خود کفیل ہے۔

(ب) اگر ایسے حالات پیدا ہوں اور سندھ کو مالی مسائل درپیش ہوں اور سندھ کے اکثریتی عوام اسے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔

۲۔ سندھ حکومت ایسی طرز کی ہوگی، جیسی آئین کے تحت دوسرے صوبوں کی ہوگی۔

۳۔ غیر مسلم اقلیت کو وہ رعایتیں حاصل ہوں گی جو نہرو رپورٹ میں دی گئیں ہیں۔ (۴۱)

آگے چل کر گاندھی اروِن پیکٹ ۱۹۳۰ء کے بعد کانگریس کمیٹی کے بمبئی اجلاس میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے مطالبے کو تسلیم کیا گیا۔ (۴۲)

باوجود اس کے کہ آل انڈیا کانگریس ہر موقع پر علیحدگی کے مطالبے کو تسلیم کرتی چلی آ رہی تھی، مگر سندھ کانگریس رفتہ رفتہ اس میں روڑے اٹکانے لگی اور رکاوٹیں پیدا کرنے لگی۔ یہ اور بات ہے کہ وقت کی اس عظیم لہر میں وہ سب رکاوٹیں دور ہوگئیں اور ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ:

بمبئی صوبہ سے سندھ کی علیحدگی کا سوال انفرادی طور پر مسلم لیگیوں کے ذہنوں میں کروٹیں تو لے رہا تھا اور وہ اپنی اپنی دانست میں اس سلسلے میں بہت کچھ کر رہے تھی، مگر آل انڈیا مسلم لیگ بحیثیت مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت کے مسلم اکثریت والے صوبہ سندھ کے بارے میں بہت دیر کے بعد متوجہ ہوئی۔

سب سے پہلے ۱۹۲۵ء میں لیگ کے سالانہ جلسہ علی گڑھ میں واضح اور دوٹوک انداز میں اس نے اپنا فیصلہ دیا اور علیحدگی کے لیے مطالبہ کیا۔ (۴۳)

سائمن کمیشن کی تقرری پر ہندوستان کی ہر سیاسی پارٹی نے اپنا اپنا ردِعمل ظاہر کیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک سر محمد شفیع گروپ تھا اور دوسرا وہ گروپ جس کی رہنمائی محمد علی جناح (قائداعظم) کر رہے تھے۔ (۴۴) اسی دور میں جناح صاحب نے اپنے چودہ نکات

بھی پیش کیے تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ جب تک یہ نکات منظور نہیں کیے جائیں گے اس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے نئے آئین کی کوئی بھی تجویز قابلِ قبول نہ ہوگی۔(۴۵)

بمبئی صوبہ سے سندھ کی علیحدگی کا مطالبہ بھی ان چودہ نکات میں شامل تھا۔اس کے علاوہ جناح صاحب نے گول میز کانفرنس کے موقع پر بھی ''ارل رسل'' کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے اس مطالبے پر زور دیا تھا۔

اس طرح آل انڈیا خلافت کمیٹی نے بھی ۱۹۲۵ء میں اپنی آل انڈیا خلافت کانفرنس کانپور کے اجلاس میں سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کا مطالبہ کیا۔(۴۵-A)

اس اجلاس کے بعد ۱۹۳۲ء میں سالانہ کانفرنس اجمیر شریف' جس کی صدارت شیخ عبدالمجید سندھی نے کی' اس علیحدگی کے مطالبہ کو دہرایا گیا۔

جس طرح سندھ پراونشل کانفرنس کا سلسلہ چلا تھا' اسی انداز میں سندھ کے مسلمانوں نے بمبئی سے علیحدگی کے لیے مختلف اندازسی کانفرنسوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا' جن کا تعلق کسی بھی سیاسی جماعت سے نہیں تھا۔

۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر شیخ محمد عالم کی صدارت میں کراچی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی' جس کا مقصد سوائے اس مسئلے کے اور کوئی نہ تھا۔(۴۶)

''سندھ آزاد کانفرنس'' زیرِ صدارت شیخ عبدالمجید سندھی ۱۸ راپریل ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوئی' اس کانفرنس کا مقصد بھی ایک مسئلہ تھا۔اس سلسلے میں ''سندھ آزاد جماعت'' بھی قائم کی گئی' جس کے اولین عہدیدار یہ تھے:

صدر: سر شاہنواز بھٹو

نائب صدر: خان بہادر محمد ایوب کھہڑو

سیکرٹری: سید میراں محمد شاہ (۴۶-A)

سر شاہنواز بھٹو نے ۲۰ راگست ۱۹۳۲ء کو ایک اجلاس طلب کیا اور ان کی صدارت میں فیصلہ کیا گیا کہ سندھ کے ہر شہر اور بستی یا گاؤں میں سندھ کی علیحدگی کے سلسلے میں جلسے کیے جائیں اور قراردادیں منظور کی جائیں۔اس کے علاوہ یہ بھی طے پایا کہ ۱۶ ردسمبر ۱۹۳۲ء کو ''سندھ آزاد دن'' منایا جائے گا۔

ان فیصلوں پر نہ صرف عمل ہوا بلکہ سیکرٹری آف اسٹیٹ اور وزیراعظم برطانیہ کو ہر طرف سے تار بھیج دیئے گئے کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ تسلیم کیا جائے۔(۴۷)

سندھ میں تیسری آزادی (۴۸) کانفرنس ۲۶ راپریل ۱۹۳۴ء کو سکھر میں منعقد ہوئی جس کی صدارت خان بہادر پیر بخش بھٹو نے کی اور چوتھی کانفرنس ۲۸ جولائی ۱۹۳۴ء کو کراچی میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ (۴۹)

تاریخ سے عیاں ہے کہ حالات اس مطالبے کے حق میں جا رہے تھے' پھر بھی اس کے لیے طویل جدوجہد کرنی پڑی اور برسوں کی محنت اور جدوجہد کا آخر وہ پھل مل گیا' جو ہر محنت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور کامیابی تحریکِ پاکستان کی طرف پیشقدمی تھی' مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس جدوجہد کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ان رکاوٹوں کا بھی ایک سلسلہ تھا' جو کہ کامیابیوں کے ساتھ ساتھ حل ہوتا ہوا سفر کرتا رہا۔

ہم نے اوپر دیکھ لیا ہے کہ سندھ کے کئی ہندو لیڈر اس تحریک کے حق میں مسلمانوں کے ساتھ تھے مگر ایسے لاتعداد ہندو تھے' جنہوں نے نہ صرف مخالفت کی بلکہ قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کیں۔ جب تک ہندو رہنما اس تحریک کو چلاتے رہے' اس کی کوئی خاص مخالفت نہیں کی گئی' مگر جب شیخ عبدالمجید سندھی نے ۱۹۲۴ء میں روزنامہ الوحید میں اس مطالبے کو جگہ دی اور اس کے حق میں لکھنا شروع کیا تو کٹر ہندوؤں نے اس کی مخالفت شروع کردی۔

مخالفت کرنے والوں میں مسٹر ویرول بھگراج' پروفیسر چھبلانی' دیوان ہیرانند کھیم سنگھ' مکھی گوبند رام اور جیرام داس دولت رام کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جب ہندو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہوئے تو بیس سال سے اس تحریک کو چلانے والے سیٹھ ہرچند رائے وشنداس بھی مخالفت پر اتر آئے اور خود ہی اپنی محنت پر پانی پھیرنے کی کوششوں میں شریک ہوگئے۔ (۵۰)

جب ہندوؤں نے زور و شور سے مخالفت کی تو یہ مسئلہ ہندو مہا سبھائیوں کے ساتھ میں آ گیا۔ انہوں نے ۱۹۲۵ء کو ''آل انڈیا ہندو مہا سبھا'' کے اجلاس میں اس کی مخالفت کی اور مسٹر این سی کیلکر (N.C. Kalkar) نے اپنے صدارتی خطبے میں اس کی مخالفت میں پورا زور صرف کیا۔ (۵۱)

ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر مسٹر جیرام داس دولت رام' جو کہ لالہ لجپت رائے اور پنڈت مدن موہن مالویہ سے متاثر تھے' اس نے بھی زور شور سے مخالفت میں لکھنا شروع کیا۔ اس نے تو ہندو مسلم اتحاد کی بھی بھرپور مخالفت کی جو قائداعظم اور مسلم رہنماؤں نے ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء کو تجویز کیا تھا۔ (۵۲)

ہندو مسلم اتحاد کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی تھیں:

۱۔ سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔

۲۔ سرحد اور بلوچستان صوبوں میں نئی اصلاحات عمل میں لائی جائیں۔
۳۔ پنجاب اور بنگال میں مردم شماری کے تحت مسلمانوں کو نمائندگی دی جائے۔
۴۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو ۳/۱ حصہ نمائندگی دی جائے۔(۵۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں ہندو اس تحریک کی مخالفت کر رہے تھے' وہاں کئی ہندو اور پارسی رہنما اس تحریک کی حمایت بھی کر رہے تھے اور مخالفوں کو بھرپور جواب دے رہے تھے۔

سوامی گوبند آنند' مسٹر جیٹھمل پرس رام' مسٹر سندداس منگھارام' مسٹر کے پنیا' مسٹر وشنو شرما' مسٹر ٹیکم داس وادھومل' مسٹر رستم کے سدھوا اور مسٹر جمشید نسروانجی میہتا۔ اس نے تو ۱۹۲۷ء میں بروقت ایک پمفلٹ لکھ کر ان کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا تھا۔ اس نے علیحدگی کے فائدے میں جو اسباب لکھے تھے وہ ایک ہندو کی طرف سے ہونے کی وجہ سے یہاں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ سندھ ایک علیحدہ پرگنہ ہے' حیاتی میں' عادات میں' حالات میں اور پوشاک میں۔
۲۔ جغرافیائی طور پر وہ بمبئی سے بالکل علیحدہ ہے۔
۳۔ گورنر' کاروبار کاؤنسل کے ارکان' بلکہ کاؤنسل کے وزراء اور ممبر کتنے بھی ایماندار ہوں' اس کے باوجود ان کو اپنی توجہ کا پچاسواں حصہ بھی سندھ کو دینا مشکل ہے۔
۴۔ سندھ کے مسائل بمبئی سے بالکل علیحدہ ہیں۔ ان کا ایک ساتھ رہنا دشوار ہے۔
۵۔ سندھ کو اگر مذکورانتظامیہ گورنر' چیف کمشنر اور کاؤنسل ہو گی تو سارے کے سارے اس پر توجہ دیں گے۔ مسائل' مسکلات اور واردات حل کیے جائیں گے۔ اب تو ہمیں مہینے' سال اور پشتوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے کہ ''سرکار کے زیرغور ہے۔''
۶۔ سندھ کو بنانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ یہ کام اپنے ہاتھوں میں اٹھائیں۔ آزادی کی راہ کے لیے اہم کام ہے' بچوں اور بڑوں کی صحیح تعلیم۔ جب تک بمبئی سے ملحق رہیں گی اس وقت تک' سب کچھ کرنا ممکن نہیں ہے۔(۵۴)
۷۔ مجھے یقین ہے کہ سندھ کی آمدنی سے اس کے اخراجات پورے ہو جائیں گے۔
۸۔ سکھر بیراج کے اخراجات ۵ء۴ فیصد پر ساٹھ (۶۰) برس کے لیے حکومت سے قرضہ لیں گے تو کام بن جائے گا' بشرطیکہ ہند سرکار تعاون کی ہلچل کو پانچ کروڑ کی زمینی گروی بینک کی تجویز بحال کر کے ہمت افزائی کرے۔
۹۔ سندھ کے علیحدہ ہونے سے شاہراہیں' ریلوے اور دوسری ترقی کی تجاویز کے لیے' جو ہمارے

پرگنے (علاقے) کے لیے ضروری ہیں، ہمیں اپنی نجات حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ (۵۵)
سندھ کی علیحدگی کے مسئلے نے جب مذہبی رنگ اختیار کیا تو سندھ کے کٹر ہندوؤں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ''سندھ کی ہندو پنچائتوں'' اور ''سندھ مہا سبھا نے اس مسئلے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا دیا۔
جب سائمن کمیشن ۱۲ رنومبر کو کراچی پہنچا تو اس جماعت کے ایک وفد نے سندھ کی علیحدگی کی مخالفت میں زوردار انداز میں اپنا مقدمہ (Case) اس کے سامنے پیش کیا۔ (۵۶)
۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس کے نتائج سے مایوس ہو کر سندھ کے کٹر ہندوؤں نے ''اینٹی سندھ سپریشن کمیٹی'' بنائی، جس کے اہم کارکن دیوان بہادر مرلیدھر، مسٹر لالچند نولرائے، پروفیسر چھبلانی اور سی کے محمد حانی تھے۔ اس کمیٹی نے مختلف اقسام کے پمفلٹ چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کیے اور بڑے شہروں کراچی (۱۳ر اپریل ۱۹۳۲ء)، حیدرآباد (۱۹ر فروری ۱۹۳۵ء) اور سکھر (۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء) میں اجلاس بھی کیے۔ یہ سلسلہ سندھ کی علیحدگی تک قائم رہا۔ (۵۷)
ہندوستان کی نئی اصلاحات کے بل کے مسودے پر غور کرنے کے لیے ۱۹۳۰ء میں برٹش پارلیمنٹ نے ایک جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی تشکیل دی۔ (۵۸) اس کمیٹی نے ''سندھ آزاد کانفرنس'' کے ساتھ تحریک کی مخالفت کرنے والے ہندوؤں کو بھی اظہار خیال کا موقع دیا۔
''سندھ آزاد کانفرنس'' نے خان بہادر محمد ایوب کھہڑو کو اپنا نمائندہ مقرر کیا، جنہوں نے اس مسئلے پر بھرپور انداز میں دلائل پیش کیے۔ اس کی جھلک کھہڑو صاحب کی انگریزی کتاب ''سفرنگ آف سندھ'' میں دیکھی جا سکتی ہے جو ۱۹۳۰ء میں لاڑکانہ سے چھپی تھی۔
ہندوؤں نے بھی اپنا پورا زور لگایا مگر حالات ان کے قبضے سے نکلتے جا رہے تھے۔ بے انتہا کوششوں کے باوجود وہ اس علیحدگی کو روک نہیں سکتے تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ سندھ کی یہ انتظامی علیحدگی آگے چل کر قرارداد پاکستان کی شکل اختیار کرے گی اور گیارہ سال کے مجموعی عرصے کے اندر (۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک) خود ان ہندوؤں کو سرزمینِ سندھ کو خیرباد کہنا پڑے گا۔
ہندو تحریکِ آزادی سندھ میں اتنے جذباتی ہو گئے تھے کہ جیسے جیسے منزل قریب آتی گئی وہ اخلاقی حدود بھی قائم نہ رکھ سکے۔ انہوں نے سندھ کے مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور بدتمیزی کے الفاظ اپنی تقاریر میں استعمال کیے۔
اگر علیحدگی کا یہ مسئلہ مذہبی رنگ اختیار نہ کرتا تو شاید ان کو اپنا آبائی وطن چھوڑنا نہ پڑتا، وہ بھی سندھ اور پاکستان کے ویسے ہی شہری ہوتے جیسے دوسرے اقلیتی فرقے اس وقت موجود ہیں۔

ہندوؤں نے تو لندن میں بھی اپنا آفس قائم کرلیا تھا اور ۱۹۳۴ء سے بڑے زور شور سے کام کیا مگر سر سلطان محمد شاہ آغا خان نے ان کی پوری محنت پر پانی پھیر دیا۔(۵۹)

سندھ کی صوبہ بمبئی کے لیے اجتماعی کوششوں میں ضلع تھر پارکر کا بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ سندھ آزاد تحریک کی شاخیں پورے ضلع میں قائم ہوئیں' خاص طور پر میر پور خاص' عمر کوٹ' شادی پلی' نبی سر' فقیر آباد' کنگور' ڈراوت سر' سنگراسی' خدا بخش بھرگڑی' کسبہ چورن' کسبہ عمرانو جوتڑ وغیرہ' جہاں کئی اجلاس منعقد ہوئے اور قراردادیں منظور کر کے اس اہم مسئلے میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔

آل پارٹیز کانفرنس:

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہندوستان میں اصلاحات لانے کے لیے ۱۹۲۸ء میں برٹش پارلیمنٹ نے ''سائمن کمیشن'' کا تقرر کیا۔ چونکہ اس کمیشن میں ہندوستان سے کوئی بھی ممبر نہیں لیا گیا تھا' اس لیے ہندوستان کی چھوٹی بڑی سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے طور پر اس کمیشن سے کوئی تعاون نہ کیا بلکہ ساری پارٹیاں اپنے لیے کوئی سیاسی لائحہ عمل طے کر کے اپنے طور پر حکومت کو پیش کیے۔

یہی وجہ تھی کہ ۱۹۲۸ء سے ''آل پارٹیز کانفرنسوں'' اور کنونشنوں کا انعقاد ہونا شروع ہوا۔

سب سے پہلے ''آل پارٹیز کانفرنس'' لکھنؤ میں اگست ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر برصغیر کے درج ذیل مسلمان سیاستدانوں مسٹر علی امام' مہاراجہ آف محمود آباد' راجہ نواب علی' ٹی اے کے شیروانی' مولانا ابوالکلام آزاد' ایم سی چاگلا' مسٹر لطیف احمد' محمد اسماعیل' سید جالب' چوہدری خلیق الزمان' محمد سلیم' مسند علی نادی' مولانا اکرم خان' محمد یعقوب عارف اور ڈاکٹر کچلو نے سندھ کی علیحدگی کے لیے اپنے دستخط شدہ بیان پیش کیے۔(۶۰)

نومبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ میں آل پارٹیز کنونشن منعقد ہوا تو سندھ سے سر حاجی عبداللہ ہارون' شیخ عبدالمجید سندھی اور بابا میر بلوچ نے نمائندگی کی۔ اس موقع پر بھی سندھ کی علیحدگی کے مسئلہ کو واضح طور پر پیش کیا گیا۔(۶۱)

آل انڈیا مسلم لیگ دہلی کا اجلاس ۱۹۲۹ء میں سر سلطان محمد شاہ آغا خان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر بھی سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے سلسلے میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اس قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

''جیسا کہ سندھ کو بمبئی علاقہ سے نسلی' لسانی' جغرافیائی اور انتظامی نکتہ نگاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے' اس

لیے اس کانفرنس کی رائے میں اس کو ایک علیحدہ صوبہ بنا کر اسے الگ اسمبلی دی جائے۔ ہندو اقلیت کی مناسب حقوق کی بھی حافظت کی جائے۔ سندھ اسمبلی میں ہندوؤں کو اتنی نمائندگی دی جائے جتنی مسلمانوں کو مسلم اقلیت کے صوبوں میں دینے کا اصول اپنایا جائے گا۔(۶۲)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ۱۹۳۱ء میں لاہور میں منعقد ہوا تو اس اجلاس میں بھی سندھ کی علیحدگی کے مطالبے کو تسلیم کیا گیا۔ یہ وہ اجلاس تھا کہ جس میں مجلس احرار کے رضا کاروں نے بہت بڑا ہنگامہ بپا کیا ہوا تھا' جسے ختم کرنے کے لیے شیخ عبدالمجید سندھی کو کہا گیا تھا اور شیخ صاحب نے گھنٹوں کے ہنگامہ کو اپنی چند منٹ کی تقریر سے خاموش کرنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔(۶۳)

صوبہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے سلسلے میں اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ غیر سرکاری اور سندھ اور ہند کے عوام کی طرف سے کوششوں کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومتِ برطانیہ اور حکومتِ ہند نے اس بارے میں کیا اقدامات کیے۔

حکومتِ برطانیہ اور حکومتِ ہند کی کوششیں:

عوامی خواہشات کے باوجود حکومت نے سندھ کی علیحدگی کے سلسلے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا' بلکہ ''منٹو مارلے اصلاحات'' کے بعد ۱۹۰۹ء میں سندھ کو صرف اتنا حق دیا گیا کہ وہ ''بمبئی کاؤنسل'' میں اپنے چار عدد نمائندے بھیج سکتا ہے۔

بیس سال بعد ۱۹۲۸ء میں حکومت اس وقت اس مسئلے پر متوجہ ہوئی' جب سندھ میں خصوصاً اور ہند میں عموماً اس مسئلہ پر اجلاس' کانفرنسیں اور قراردادیں منظور ہونا شروع ہوئیں۔

سائمن کمیشن جب ۱۲ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو کراچی پہنچا تو ''سندھ محمڈن ایسوسی ایشن'' نے علیحدگی کی موافقت میں اپنی گزارشات پیش کیں' جبکہ سندھ ہندو سبھا نے اس کی مخالفت میں عرضداشت پیش کی۔ نتیجے کے طور پر حکومت بمبئی نے کمیشن سے تعاون کے طور پر ایک صوبائی کمیشن تشکیل دی جس میں سندھ سے سید میراں محمد شاہ کو نامزد کیا گیا اور سر شاہنواز بھٹو کو چیئرمین بنایا گیا۔(۶۴)

اس کمیٹی نے ۷ مئی ۱۹۲۹ء کو کمیشن کو اپنی رپورٹ پیش کر دی' جس میں علیحدگی کے خلاف گزارش کی گئی تھی۔(۶۵) صرف سید میراں محمد شاہ نے اختلافی نوٹ لگایا اور علیحدگی کے حق میں لکھا۔(۶۶)

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مرکزی اسمبلی ہند کی تشکیل شدہ کمیٹی نے علیحدگی کے فائدے میں اپنی رائے دے دی تھی۔(۶۷)

سائمن کمیشن نے مرکزی اسمبلی کی رائے کونظرانداز کرتے ہوئے بمبئی کمیٹی کواہمیت دی اور سندھ کی علیحدگی کی مخالفت میں اپنا فیصلہ اس سفارش سے دیا کہ:

''آئندہ بمبئی کاؤنسل کے سندھی ارکان کوسندھ کے مسائل کے سلسلے میں کاؤنسل کے اندر رہ کر اپنی علیحدہ کمیٹی بنانے کی اجازت دی جائے۔''(٦٨)

سائمن کمیشن کے فیصلے کے خلاف شدید ردِعمل کا اظہار ہوا' جس کا ذکر پہلے اوراق میں تفصیل سے کیا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے گول میز کانفرنسوں کا انعقاد ١٢رنومبر ١٩٣٠ء سے ١٩رجنوری ١٩٣١ء تک لندن میں ہوا۔ اس کانفرنس میں ہر سیاسی پارٹی کو اپنے اپنے نمائندے بھیجنے کو کہا گیا۔

کانگریس نے سول نافرمانی کی وجہ سے اس کا بائیکاٹ کیا۔ باقی تمام سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ گول میز کانفرنس کا مقصد ہندوستان میں سیاسی اصلاحات لانا تھا۔ اس کانفرنس میں سندھ سے نمائندوں کے طور پر سرشاہنواز بھٹو اور سرغلام حسین ہدایت اللہ شریک ہوئے۔ جبکہ دوسری سیاسی پارٹیوں کے ممبران میں ہر ہائی نیس سرسلطان محمد شاہ آغا خان' محمد علی جناح (قائداعظم) سر عبدالقیوم' سرمحمد شفیع اور ڈاکٹر شفاعت احمد خان بھی اس سب کمیٹی میں شامل تھے جو اس موقع پر سندھ کی علیحدگی کے مسئلہ پر بنائی گئی تھی۔(٦٩)

مذکورہ سب کمیٹی کی تشکیل سرشاہنواز بھٹو کی کوششوں سے ہوئی تھی' جس کی صدارت ''مسٹر ارل رسل''(Earl Russel) نے کی۔ اس کمیٹی نے مسلسل غور وخوض کے بعد مالی تحقیقات کرنے کی شرط سے سندھ کو بمبئی سے علیحدگی کی سفارش کر دی' جس میں سب کمیٹی کے دو ہندو ارکان ڈاکٹر مونجی اور راجہ نریندرا ناتھ نے بھی اصولی طور پر علیحدگی کے حق میں ووٹ دیا۔(٧٠)

گول میز کانفرنس ١٩٣١ء کی روشنی میں حکومتِ ہند نے ''مائیلس اردن'' کی صدارت میں سندھ کی مالی حالت کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔(٧١)

کمیٹی نے سندھ کے مختلف سیاستدانوں سے ملنے کراچی اور دوسرے شہروں کا دورہ کیا اور اپنی رپورٹ میں سالانہ ٩٧رلاکھ ٣٠رہزار روپیہ کی کمی کا اندازہ بتایا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ سندھ کو صوبائی حیثیت دیتے وقت ٢٢رلاکھ روپیہ ابتدائی طور پر دینے پڑیں گے۔(٧٢)

باوجود اس کے کہ سرکاری رپورٹیں کوئی زیادہ خوش آئند اور حوصلہ افزا نہ تھیں' اس کے باوجود عوامی تحریک کے دباؤ کے پیشِ نظر برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر رامزے میکڈونلڈ (Mr. Ramsay Mac Donald)

نے کمیونل ایوارڈ (Communal Award) کا اعلان کیا' جس میں اصولی طور پر سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی حقیقت کو تسلیم کیا گیا تھا۔

اب حکومتِ ہند نے اسی سال ۱۹۳۲ء میں مسٹر برین (A.F.L Brayane) کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی کہ ''مائیلس اروِن کمیٹی'' کی طرف سے بتائی ہوئی کمی کو پورا کرنے کے لیے اپنی تجاویز پیش کرے۔ اس کمیٹی میں ارکان کے طور پر سر شاہنواز بھٹو' آنریبل علی بخش' سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون' میر بندہ علی خان ٹالپور' خان بہادر اللہ بخش سومرو' خان بہادر محمد ایوب کھہڑو' قاضی عبدالرحمان' مسٹر لعل چند نول رائے' دیوان بہادر مرلی دھر' پروفیسر چھبلانی' مسٹر ہوسنگ ڈنشا' مسٹر ای ایل پرائس اور پروفیسر بھیجا لیے گئے تھے۔ (۷۳)

کمیٹی نے تین ہفتے کے اندر کراچی میں اپنے اجلاس منعقد کیے اور حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی جس کی مدد سے کمی ۸۰/لاکھ روپیہ دکھائی گئی اور یہ رائے دی گئی کہ یہ کمی ۱۵/سال کے اندر پوری کرنے کے بعد سندھ اپنے اخراجات خود برداشت کرے گا۔ (۷۴)

آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ حکومتِ ہند نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۲ء کو ایک ''سندھ انتظامی کمیٹی'' (Sind Administrative Committee) تشکیل دی جس کے سربراہ تھے' ایچ ڈاؤ (H. Dow) اور ارکان آر بی میکلہان (R. B. Maclahan)' جی کنلا (G. Kaula)' سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون' خان بہادر محمد ایوب کھہڑو' آر۔ بی ہیرانند اور ای ایل پرائس (E. L. Price) کے علاوہ ایچ بی لیمبرک (H. B. Lambrick) تھے۔ (۷۵)

۱۔ کراچی میں گورنمنٹ ہاؤس' کاؤنسل چیمبر' سیکرٹریٹ اور افسران کے قیام کے لیے مناسب جگہ۔

۲۔ سندھ کی بمبئی کے صحت' تعلیم' سائنس' زراعت اور دوسرے اداروں سے مستقبل کے الحاق کے متعلق۔

۳۔ سکھر بیراج پر اطمینان بخش کام کی نگرانی کے انتظام کے متعلق۔

۴۔ سرکاری ملازمین اور سندھ کی علیحدگی سے تعلق رکھنے والے دیگر مسائل کی تفتیش کرنے کے بعد رپورٹ پیش کرنا۔

کمیٹی نے رپورٹ پیش کرنے کے بعد یہ بھی سفارش کی کہ ہندوستان میں نئے اصلاحات لانے سے کم از کم ایک سال قبل سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کیا جائے۔ (۷۶)

۱۹۳۴ء میں خان بہادر محمد ایوب کھہڑو نے ''جوائنٹ پارلیمنٹ کمیٹی'' کے سامنے ''سندھ آز
کانفرنس'' کی طرف سے اپنی قابلِ تعریف رائے پیش کی' جس کی بعد اکتوبر ۱۹۳۴ء میں جوائنٹ پارلیمنہ
کی رپورٹ شائع ہوگئی' جس میں سکھر بیراج کو گورنر کی خاص نگرانی میں رکھنے کی سفارش کی گئی تھی۔ (۷۷
ایک بار پھر احتجاجی قراردادیں اور اجلاسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

بہرحال ۱۹۳۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان میں نئے اصلاحات لانے کے لیے ایک بل
پیش کیا گیا' جس کے فقرہ نمبر ۴۶ کے مطابق سندھ کو ایک علیحدہ صوبے کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ (۶۸) ۓ
اسی سال کے آخر میں منظور کیا گیا۔ اسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کہا گیا۔ اس ایکٹ ـ
مطابق ''آرڈر ان کونسل'' ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء کے تحت یکم اپریل ۱۹۳۶ء سے سندھ کو ایک علیحدہ صو۔
کی حیثیت دی گئی۔ (۷۹)

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ سندھ کے سیاستدانوں نے بمبئی سے سندھ کی آزادی کے ۔
بڑی جدوجہد کی اور قدم قدم پر حکومت اور ہندوؤں سے لڑتے جھگڑتے کامیابی کی منزل تک پہنچے۔
اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے علاوہ سندھ آزاد جماعت نے اس
مسئلے کو جلا بخشی۔ اس طرح انفرادی طور پر کئی شخصیتوں کے نام بھی ابھر کر سامنے آئے۔ کئی شخصیتوں کا ذ
خود بخود اس تحریک کے حوالے سے آ گیا ہے اور کئی کا تذکرہ پہلے کی تحریکوں میں پیش کیا گیا ہے۔ اس ـ
باوجود چند شخصیتوں کو اس تحریکِ آزادی کے سلسلے کے طور پر پیش کرنا ضروری ہے' ان میں علماء اور مشا
بھی آ جاتے ہیں اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے بھی شامل ہیں۔

شیخ عبدالمجید سندھی' جی ایم سید' سر سلطان محمد شاہ آغا خان' جمشید ابن آر مہتا' پیر علی محمد شاہ راشد
محمد علی جناح (قائداعظم) سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون' قاضی عبدالقیوم (حیدرآباد) مولوی محمد صدیق کھ
(کراچی) قاضی عبدالرحمان' میر اللہ بخش ٹالپور (جھول ۔ سانگھڑ) سید جمال الدین حسن بخاری' غلا
حسین غفور بھائی (کراچی) مولانا دین محمد علیگ' مولانا دین محمد وفائی' خان بہادر محمد ایوب کھہ
سر شاہنواز بھٹو' سید میراں محمد شاہ' سیٹھ ہرچند رائے وشنداس (بعد میں مخالف ہو گئے تھے) غلام علی چا
سر غلام حسین ہدایت اللہ' بابا میر بلوچ' آنریبل علی بخش خان' میر بندہ علی خان ٹالپور اور خان بہادر اللہ بخ
سومرو کے علاوہ مولانا شفیع محمد منگیو نے بمبئی سے سندھ کی علیحدگی میں بھرپور حصہ لیا' مولانا شفیع محمد
چھتن شاہ (ضلع نواب شاہ) میں سندھ آزاد جماعت کے صدر بھی تھے۔ (۸۰)

اس تحریک میں مولانا شفیع محمد نظامانی' مولانا خیر محمد نظامانی اور محمد ہاشم گزدر کے علاوہ سید عبدالر

شاہ سجاولی نے سندھ آزاد تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ سندھ آزاد جماعت میں شریک تھے اور سندھ کے عوام کو بمبئی سے علیحدگی کے بارے میں حقائق سے آگاہ کرتے رہے۔(۸۱)

بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک کے سلسلے میں مولانا عبدالکریم چشتی' مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی' حکیم محمد معاذ پیرزادہ اور مولانا عبدالکریم کورائی (۸۲) نے سندھ آزاد جماعت کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ مولانا کورائی اپنے گاؤں میں عودی میں سندھ آزاد جماعت کے سیکرٹری رہے۔ وہ خلافت تحریک میں وطن کے مجاہدوں میں شامل رہے۔

ان کے علاوہ مولانا عطاء اللہ پٹھان' قاضی عبدالکریم عباسی (۸۳) (ٹھٹھہ) نے سندھ آزاد جماعت میں شامل ہو کر تحریکِ آزادی سندھ میں حصہ لیا۔ وہ جمعیت العلماء میں رہے۔ اس سے پہلے خلافت تحریک میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔

مخدوم غلام حیدر (۸۴) بن مخدوم میاں ظہیر الدین قریشی نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں بڑے جذبے سے کام کیا۔ وہ ''سندھ آزاد جماعت'' میں بھی شامل ہوئے اور علیحدگی کے بعد سندھ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ان کی وابستگی سندھ پولیٹیکل پارٹی سے رہی اور ہالا مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔

پیر غلام مجدد سرہندی' مولانا محمد پریل منگیو' مولانا محمد حسن عباسی (لاڑکانہ) مولانا محمد حسن لغاری (سانگھڑ) مولانا محمد صادق میمن کھڈہ (کراچی) اور مولانا محمد صدیق کچھی (کراچی) کے علاوہ مولانا محمد عثمان شیخ نے بھی سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ سندھ آزاد جماعت کا قیام عمل میں آیا تو مولانا محمد عثمان ورکنگ کمیٹی کے ممبر کے طور پر اپنی خدمات انجام دیں۔(۸۵)

مولانا حکیم فضل اللہ سومرو کا تعلق بھی سندھ آزاد جماعت (شکارپور) سے تھا۔ وہ نائب صدر کے عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے لیے اپنے علاقے میں بڑا کام کیا اور رائے عامہ کو بیدار کیا۔ اس سے پہلے وہ خلافت کمیٹی شکارپور کے نائب صدر تھے۔ وہ ان فتوؤں میں بھی شریک رہے جو درآمدی کپڑے کے استعمال پر دی گئی تھیں۔ وہ عالم تھے۔ اپنے مدرسہ ''اشرفیہ'' میں درس و تدریس کرتے تھے۔(۸۶)

سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں مولانا محمد صادق میمن برابر کے شریک رہے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد بنوی بھی اسی تحریک سے وابستہ رہے۔ انہوں نے ٹھٹھہ ضلع میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ وہ بڑے عالم تھے۔ قصیدہ بردہ کی عربی میں شرح لکھی۔ وہ مصنف تھے۔ کئی کتابیں

لکھیں۔ جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم سے جدوجہدِ آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا۔(۸۷) آپ کے استاد مولانا محمد یوسف بنوی بھی اس تحریک علیحدگی سندھ میں پیش پیش رہے۔ان کا تذکرہ پہلے ہی جمعیت العلماء کے اوراق میں کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ مولانا محمد عثمان شیخ اور مولانا محمد عمر کھٹی کی خدمات کو تحریک علیحدگی سندھ کے سلسلے میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا محمد عمر نے ٹھٹھہ ضلع میں اس تحریک کو بڑے زور شور سے مقبول عام کیا پہلے انہوں نے سندھ آزاد جماعت کی بھی بڑی خدمت کی۔ وہ خلافت تحریک کے بہترین کارکن رہے۔ جنوبی سندھ میں تحریک خلافت کے کئی جلسے آپ کی صدارت میں منعقد ہوئے۔انہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی کو منزلِ مقصود تک پہنچایا۔(۸۸)

سر شاہنواز بھٹو ولد غلام مرتضٰی خان بھٹو ضلع لاڑکانہ کے گاؤں گڑھی خدا بخش کے باسی تھے۔۱۹۱۰ء میں ضلع لوکل بورڈ کے رکن ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں امپیریل کاؤنسل دہلی کے رکن منتخب ہوئے۔۱۹۲۰ء میں ضلع لاڑکانہ لوکل بورڈ کے پریذیڈنٹ ہونے وار ۱۹۳۳ء تک رہے۔ وہ بمبئی کاؤنسل پر ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۶ء تک ممبر رہے۔

۱۹۲۴ء میں بمبئی سرکار کے وزیر ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک رہے۔انہوں نے ۱۹۳۴ء میں سندھ پیپلز پارٹی قائم کی۔وہ سندھ اتحاد پارٹی کے لیڈر بھی رہے۔۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۸ء تک وہ جوناگڑھ اسٹیٹ میں دیوان رہے۔(۸۹)

سر شاہنواز نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی کمیٹی میں پہلے مخالفت میں ووٹ دیا۔مگر بعد میں جب سندھ کی رائے عامہ اور سیاستدانوں کی آراء کو اس کے حق میں دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی رائے تبدیل کردی۔۱۹۳۷ء کے انتخابات میں وہ اپنے ہی علاقے میں شیخ عبدالمجید سندھی سے الیکشن ہار گئے تھے۔

وہنانی ضلع بدین کے سید علی بخش شاہ نے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔وہ مرحوم غلام محمد تالپر کے ہم عصر اور دوست اور لارنیس مدرسہ ٹنڈو باگو کے قائم کرنے میں معاون تھے۔

(محمد سومار شیخ ضلع بدین کا مطالعہ ۱۹۸۲ء ص: ۵۷۰)

اسی طرح بدین کے ڈاکٹر سلطان احمد جونیجو کا تحریکِ آزادی میں نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اس کے علاوہ جن نوجوانوں اور بزرگوں نے سندھ آزاد جماعت کے پلیٹ فارم سے سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کے لیے کوشش کی' ان میں پیر علی محمد راشدی' میر غلام علی تالپور' میر بندہ علی تالپور' پیر زادہ عبدالستار' قاضی فضل اللہ' خان بہادر غلام محمد وسنان' ڈاکٹر حاجی ولد غلام حسین قاسم خواجہ' آغا غلام نبی

پٹھان' خان بہادر محمد ایوب کھہڑو' شیخ عبدالمجید سندھی' سر حاجی عبداللہ ہارون' خان بہادر اللہ بخش سومرو' سر غلام حسین ہدایت اللہ' خان بہادر' احمد خان سدھایو' تاج محمد بکھیو' حکیم صوفی لعل بخش کاندھڑو' سید خیر شاہ ولد امام علی شاہ' جی ایم سید' سید غلام القادر شاہ' رئیس امام بخش گاھو' خان بہادر خیر محمد چانڈیو' بابا حاجی میر محمد بلوچ' خان بہادر غلام نبی شاہ ولد موج علی شاہ' میاں محمد عبدالقادر (حیدرآباد)' سید میاں محمد علی شاہ ولد سید الہند و شاہ (بمریا)' سید نور محمد شاہ' حاجی مولانا بخش سومرو' سردار علی گوہر مہر' خلیفہ عبداللہ میمن (بدین)' رئیس نور محمد نظامانی اور کئی دیگر سیاستدان قیام پاکستان تک (اور اس کے بعد) سندھ کی سیاست پر چھائے رہے۔ انہوں نے اپنے اپنے طور اور اپنے انداز سے سندھ کی طرف سے آزادی وطن کے لیے اہم کردار ادا کیا۔

☆☆☆

باب ہشتم

علاقائی سیاست کے تحریکِ آزادی پر اثرات

انگریز سامراج نے ۱۸۵۰ء تک پورے برصغیر پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس میں کئی ممالک اور چھوٹی بڑی ریاستیں سب کے سب اس کے مطیع' بلکہ اس کی نوآبادیات میں شامل ہو چکے تھے۔

عالمی سطح پر جو تغیرات رونما ہوئے تھے'ان کے اثرات سے اور رفتہ رفتہ اصلاحات آنے سے پہلے ملکی سطح پر پھر علاقائی طور پر کئی جماعتیں اور پارٹیاں کام کرنے لگیں' جن کا تذکرہ اور تعارف دیا جا چکا ہے۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد جو تغیرات رونما ہوئے' انہیں مغربی سیاست کا انداز نمایاں طور پر مشرق پر اثر انداز ہونے سے جمہوری اندازِ حکومت کو فروغ ملا۔ انتظامی طور پر سندھ کی صوبائی حیثیت کا نمونہ ایک مثال ہے۔ ابھی یہ تحریک چل رہی تھی کہ اپنے مفادات کے بچاؤ کے طور پر ۱۹۳۰ء میں سکھر بیراج کی تکمیل سے سندھ میں جو تبدیلی رونما ہو رہی تھی' اس کے لیے سندھ کے جاگیرداروں' زمینداروں اور آبادگاروں کے ساتھ ساتھ کسانوں نے بھی اپنے مفادات کے بچاؤ کے طور پر ۱۹۳۰ء میں سکھر بیراج کی تکمیل سے سندھ میں جو تبدیلی رونما ہو رہی تھی' اس کے لیے سندھ کے جاگیرداروں' زمینداروں اور آبادگاروں کے ساتھ ساتھ کسانوں نے بھی اپنے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے ایک خالص علاقائی تنظیم بنانے کا ارادہ کیا۔ نتیجے کے طور پر اسی سال میرپور خاص میں (۱۹۳۰ء) مسٹر جمشید مہتا کی صدارت میں ''سندھ ہاری کمیٹی'' کا قیام عمل میں آیا' جس کے پہلے صدر مسٹر گوکلے پرنسپل تھے اور سیکرٹری کے طور پر شیخ عبدالمجید سندھی' جیٹھمل پرس رام اور جی ایم سید کو چنا گیا۔ (۱) چونکہ یہ پارٹی خالص سندھ کے لوگوں کے مفادات کی محافظ تھی' اس لیے اس پارٹی کی بڑی پذیرائی ہوئی اور مقبول عام ہوئی۔ کئی معروف سیاستدانوں نے بھی اس پارٹی کے پلیٹ فارم سے اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت کے ساتھ ساتھ تحریکِ آزادی کی جدوجہد میں ایک اور پلیٹ فارم کا اضافہ کیا۔

اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ پارٹی فقط سیاستدانوں کے لیے نہیں تھی بلکہ اس میں غیر سیاسی لوگ بھی مذہبی تفریق کے شامل ہوئے مسلمانوں میں سے سیکرٹری چنے گئے' تو ہندوؤں میں سے صدر منتخب ہونا اس بات کا ثبوت ہے۔ اگر مذکورہ شخصیتوں کے علاوہ مسلمانوں میں سے مولوی عبداللہ لغاری' شمس الدین شاہ' قاضی فیض محمد' مولوی نذیر حسین' حکیم محمد معاذ' مولوی عزیز اللہ جروار' کامریڈ عبدالقادر' محمد

خان لاکھو، فقیر محمد منگریو، رئیس بروہی، قادر بخش نظامانی، کامریڈ حیدر بخش جتوئی، محمد امین کھوسو، عبدالقادر کھوکھر، سید شاہنواز شاہ، الٰہی بخش قریشی اور نبی بخش تنیو جیسے لوگ شامل تھے، تو ہندوؤں میں سے ڈاکٹر چمنداس، مسٹر نارائن داس بیچر، مسٹر جیرامداس دولترام، مسٹر سکنداس منگھارام اور پروفیسر گھنشام جیسے لوگ بھی شریک تھے۔ (۲)

باوجود اس کے کہ ''ہاری پارٹی'' (کسان پارٹی) عملی طور پر کوئی زیادہ مؤثر نہ ہو سکی، مگر اس کے باوجود اس کی جتنی بھی کانفرنسیں ہوئیں اس سے سیاسی اور معاشرتی طور پر کسانوں کے موجود ہونے اور ان کے حقوق و مسائل کی موجودگی کا احساس تازہ رہا۔ زیادہ مؤثر نہ ہونے کی وجوہات میں یہ بات شامل ہے کہ اس دور میں جو اہم مسائل تھے، وہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور سب سے بڑھ کر خود پورے برصغیر کی آزادی تھی۔ پوری قوم اس جدوجہد میں لگی ہوئی تھی۔

بہرحال ہاری کمیٹی کی اہم کانفرنسوں میں سے ایک کانفرنس ۱۵ر نومبر ۱۹۳۶ء کی ہے، جس کی صدارت مسٹر جمشید مہتا نے کی تھی۔ اس میں اڑھائی سو کے قریب کسانوں نے شرکت کی۔ (۳)

تقریباً ۱۲ر سال کی جدوجہد کے بعد پہلی مرتبہ ۱۹۴۲ء کو ''لیجلیشن کمیٹی کو تشکیل دیا'' جس میں تین وزراء، ایک زمیندار اور دس اسمبلی ارکان لیے گئے تھے۔ (۴)

مذکورہ کمیٹی نے چار مہینوں کے اندر اپنی رپورٹ پیش کی جس کی سفارشات یہ تھیں:

۱۔ کسانوں کو حقوق دیئے جائیں۔ ایک طبقہ کو پیدا کرنے کے لیے نہیں جبکہ زمین سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے، کہ وہ پیداوار بڑھا سکیں۔

۲۔ زمیندار اور کسان کے حقوق و فرائض اور تعلقات کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے اور کسانوں کو ان کے حقوق کی ضمانت دی جائے۔

۳۔ پانچ سال کام کرنے والے کسان کو موروثی حق دیئے جائیں۔

۴۔ موروثی کسانوں کا ریکارڈ رکھا جائے۔ (۵)

کسان کمیٹی نے رپورٹ بھی دی۔ سفارشات بھی مل گئیں، مگر ان پر توجہ کسی نے نہ دی۔ سیاسی افراتفری میں وہی وزراء اور اسمبلی ممبران بھی اس معاملے کو آگے بڑھا نہ سکے۔ احساسِ محرومی نے آخر کسانوں کو یہ احساس دیا کہ ان کے اپنے نمائندے اسمبلی میں ہونے چاہئیں۔ نتیجے میں ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ''ہاری پارٹی'' نے سندھ سے اپنے چار امیدوار کھڑے کیے۔ ان کے انتخابی حلقے یہ تھے:

۔ حیدر بخش جتوئی ڈوکری اور وارہ کا حلقہ انتخاب ضلع لاڑکانہ۔

۲۔ عبدالقادر حیدرآباد

۳۔ قاضی فیض محمد کنڈیارو (ضلع نواب شاہ)

۴۔ رانجی کولی (کولہی) جیمس آباد ضلع تھرپارکر۔ غیر مسلم حلقۂ انتخاب

چونکہ سیاست امیروں کا کھیل ہے' اس لیے ان غریب کسانوں کے امیدوار کامیاب نہ ہو سکے۔ قدرت نے انہیں ایک اور موقعہ بھی فراہم کیا۔ اسی سال اسمبلی کو توڑ دیا گیا اور نومبر ۱۹۴۶ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے (۷) مگر نتیجہ وہی صفر نکلا۔

''سندھ کسان کمیٹی'' ایک بھی نشست جیت نہ سکی۔ مگر اس کا ایک نتیجہ ضرور سامنے آیا۔ نئی وزارت نے ''ہاری جانچ کمیتی'' تشکیل دی۔ اس کے ارکان یہ تھے:

۱۔ سر راجہ ٹامس چیئرمین سندھ سرکار کا زرعی مشیر

۲۔ مسٹر محمد مسعود ممبر کلکٹر (ڈی سی) نواب شاہ

۳۔ نورالدین صدیقی ممبر منیجر انکمبر ڈاٹیشن سندھ

۴۔ آغا شاہی سیکرٹری

مذکورہ کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کرتی یا سفارشات تجویز کرتی' اس سے پہلے برصغیر کی تقسیم اور آزادی عمل میں آ گئی۔ سندھ' پاکستان کے ساتھ مل کر ایک نئی مملکت میں ایک صوبہ بن گیا اور ہاری کمیٹی بھی اپنے نئے دور میں داخل ہو گئی۔

ہاری کمیٹی میں سندھ کی کئی معروف شخصیات نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کی خدمات باوجود اس کے کہ وہ ایک طبقے کے مفادات کے لیے سیاست میں آئے تھے' مگر پھر بھی آزادی وطن میں ان کا بھی کردار تھا۔

کامریڈ حیدر بخش جتوئی کا نام اس سلسلے میں بہت معروف ہے۔ ۱۹۴۳ء میں سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر ہاری کمیٹی کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ ''ہاری حق دار'' کے نام سے اخبار جاری کیا۔ وہ سندھ اسمبلی میں دو چار مرتبہ امیدوار بھی رہے' مگر کبھی منتخب نہ ہو سکے۔ (۹)

قاضی فیض محمد تھے تو مسلم لیگی اور آزادئ ہند و سندھ کی تحریک میں بڑا کردار ادا کیا' مگر قیامِ پاکستان کے فوراً بعد وہ پانچ سال کی رفاقت چھوڑ کر ہاری کمیٹی میں شامل ہو گئے۔ وہ ۱۱ برس کی عمر کے تھے تو تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے کام کیا اور ۱۹۱۹ء سے لیکر جب تک یہ تحریک قائم رہی اس کے پلیٹ فارم سے وطن اور قوم کے لیے کام کرتے رہے۔ وہ ان طلبہ میں بھی شامل تھے' جنہوں نے پڈعیدن ریلوے اسٹیشن (نواب شاہ) پر ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن کو ٹرین میں گزرتے ہوئے ''سائمن گو بینک''

کے نعرے لگائے تھے۔ وہ کانگریس ہلچل میں بھی بہرہ ور رہے اور ۱۹۳۳ء میں جب کراچی میں کالج کے طالب علم تھے تو عبدالرحیم میمن ہالانی والے اور اللہ داد شجراع شکار پور والے کے ساتھ خاکسار تحریک میں بھی شامل رہے۔ ۱۹۴۲ء میں بنگال کے قحط کے دوران ایک والنٹئر کے طور پر دو مہینے تک وہاں خدمات سرانجام دیں۔(۱۰)

کامریڈ عبدالقادر:

کامریڈ عبدالقادر نے ۱۹۳۰ء میں ہی اس وقت ہاری کمیٹی میں شامل ہو کر وطن کی آزادی میں حصہ لیا جس وقت مسٹر جمشید مہتا اور جیٹھ مل پرسرام نے میر پور خاص میں ہاری کمیٹی کی کانفرنس بلائی اور اس تحریک کی بنیاد ڈالی۔ باوجود اس کے کہ یہ تحریک مقامی جاگیرداروں اور زمینداروں سے حقوق لینے کے لیے وجود میں آئی تھی، مگر ایک تحریک کے طور پر غیر ملکی حکمرانوں کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ کامریڈ عبدالقادر نے ہاری حقوق کے لیے سید شاہ نواز شاہ (جون والے) اور پیر بھاون شاہ نورانی والے کے ساتھ بڑا کام کیا۔ وہ کافی عرصہ تک کمیٹی کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ وہ بڑی معتدل مزاج اور مخلص کارکن تھے۔(۱۱)

مولانا عبداللہ لغاری:

مولانا عبداللہ لغاری، حکیم محمد معاذ پیرزادہ اور مولوی نذیر حسین جتوئی نے ''ہاری کمیٹی'' کے اسٹیج سے تحریکِ آزادی میں اپنا کردار ادا کیا۔ یہ وہ رہنما تھے جو تحریکِ خلافت سے بھی وابستہ رہے اور انگریز حکمرانوں کے لیے ہمیشہ درد سر بنے رہے۔ ان کا تذکرہ پہلے ہی تحریکِ خلافت کے باب میں کیا جا چکا ہے۔

مولانا عزیز اللہ جروار:

مولانا عزیز اللہ جروار نے ہاری کمیٹی میں شامل ہو کر کسانوں کے حقوق کی بات کی۔ وہ اس کمیٹی کے سرگرم رکن تھے۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی کی وفات کے بعد بڑے عرصے تک وہ سندھ ہاری کمیٹی کے صدر رہے۔ وہ مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگردوں میں سے تھے۔ جب مولانا عبیداللہ سندھی نے جمعیت طلباء سندھ کا قیام عمل میں لائے تو مولانا جروار اس کے جوائنٹ سیکرٹری رہے۔ وہ جمعیت العلماء اور

سندھ ساگر پارٹی کے بھی رکن رہے اور انگریزوں کے خلاف مذہبی اور سیاسی کردار ادا کیا۔ وہ جیل بھی گئے مگر اپنی جدوجہد میں کبھی کمی نہ آنے دی۔ (۱۲)

ان کے علاوہ مولانا محمد صالح عاجز' مولانا محمد اسماعیل لغاری اور مولانا محمد یعقوب حاجانو نے ہاری کمیٹی میں رہ کر نہ صرف کسانوں کے حقوق کی بات کی بلکہ اس طرح سے تحریکِ آزادی کی دوسری جماعتوں میں شامل رہ کر اپنا بہترین کردار ادا کیا۔ ان کا ذکر پہلے ہی مختلف اوراق میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

مولانا محمد حسین سومرو (بدین) مولانا محمد علی (سانگھڑ) مولانا محمد علی شاہ (خیرپور) اور مولانا میر محمد حسن تالپر (نواب شاہ) نے بھی ہاری کمیٹی کے لیے بڑی جدوجہد کی اور غریبوں کے حقوق کی بات کی۔

ان میں مولانا محمد علی شاہ نے ہاری کمیٹی میں رہتے ہوئے جیل یاترا بھی کی۔ مولانا محمد علی تحریکِ خلافت میں بھی شریک رہے۔ وہ خلافت کمیٹی ضلع سکھر میں مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ (۱۳)

سندھ آزاد پارٹی اور تحریکِ آزادی:

اس سے پہلے کہ تحریکِ آزادی کی مجموعی اور اجتماعی جدوجہد کو سندھ کے حوالے سے آگے بڑھائیں' اس سے پہلے مختلف انجمنوں اور تنظیموں کی کچھ بات ہو جائے۔ کیونکہ انفرادی طور پر ان تنظیموں اور پارٹیوں کا بھی تحریکِ آزادی میں اجتماعی حیثیت سے بڑا اہم کردار رہا ہے۔

سندھ آزاد پارٹی کا قیام ۱۹۳۵ء میں عمل میں آیا۔ اس کے عارضی صدر شیخ عبدالمجید سندھی تھے' جنہوں نے اس پارٹی کو فعال بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سندھ آزاد پارٹی کے اغراض و مقاصد یہ تھے:

۱۔ ہندوستان کے لیے مکمل جوابدہ حکومت قائم کرانا۔

۲۔ صوبوں کے لیے جوابدہ حکومت کا قیام۔

۳۔ مختلف فرقوں اور سیاسی جماعتوں کے درمیان اتحاد قائم کرانا۔

۴۔ مسلم قوم کی مذہبی' اخلاقی' تعلیمی' معاشرتی اور مالی اصلاح اور بہتری کے لیے کوشش کرنا۔ (۱۴)

شیخ عبدالمجید سندھی نے اپنی بے لوث جدوجہد سے اسے سندھ میں مقبول عام بنایا' جس کی وجہ سے اس پارٹی کی شہروں میں کسبوں میں شاخیں قائم ہوئیں جو اس طرح تھیں۔ (۱۵)

(۱) حیدرآباد (۲) نواب شاہ (۳) شکارپور (۴) کراچی (۵) جیکب آباد (۶) عمرکوٹ (۷) ہالہ (۸) سجاول (۹) چک (۱۰) ابراہیم پنوہر (دادو) (۱۱) بنو (ٹھٹھہ) (۱۲) جھتن شاہ

(سکرنڈ) (۱۳) داؤد مہیسر (میہڑ) (۱۴) پیر بخش ٹالپور (۱۵) فقیر آباد (دیہہ ۲۲ نصرت) (۱۶) گوٹھ تنیہ (میرو خان۔ لاڑکانہ) (۱۷) گوٹھ ہاشم سومرہ (ٹھٹھہ) (۱۸) کنگورو (ڈگھڑی) (۱۹) گوٹھ کرم خان نظامانی (ہالہ) (۲۰) جھرک (ٹھٹھہ) (۲۱) گوٹھ مراد پور (ٹھل۔ جیکب آباد) (۲۲) گوٹھ عودی (ٹھل۔ جیکب آباد) (۲۳) ماتلی (۲۴) جھمپیر (کراچی) (۲۵) گوٹھ خیر محمد خان لغاری (۲۶) گوٹھ مولوی عبداللہ خان لغاری (۲۷) گوٹھ سیال (دادو) وغیرہ۔ (۱۶)

چونکہ اس پارٹی کا بنیادی مقصد سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی تھا' اس لیے ایک سال کے اندر جب اپریل ۱۹۳۶ء میں سندھ نے ایک صوبہ کی شکل اختیار کی تو اس پارتی نے آگے چل کر آل انڈیا مسلم لیگ سندھ صوبہ سے الحاق کر لیا۔ (۱۷) اس پارٹی نے سندھ اسمبلی کے پہلے انتخابات میں اپنے طور پر حصہ لیا اور ۳ نشستیں حاصل کیں۔ (۱۸)

مسلم لیگ سے الحاق کے بعد یہ پارٹی باقی نہ رہی۔ یہ ضروری ہے کہ اس پارتی کی مختلف شاخوں میں جو لوگ مختلف عہدوں پر فائز رہے' ان کا مختصر تعارف کرایا جائے۔ البتہ ان لاتعداد لوگوں کا تعارف ممکن نہ ہوگا' جنہوں نے کارکن کے طور پر اپنا کردار ادا کیا۔

سندھ آزاد پارٹی کے صدور (مختلف شاخوں میں)

مولانا خیر محمد لغاری	گوٹھ مولوی خیر محمد لغاری
حاجی عبدالحئی نومانی	کنگورو (ڈگھڑی)
حاجی حبیب اللہ	گوٹھ اللہ آباد (دادو)
پیر غلام مجدد سرہندی	حیدر آباد
مولانا عبدالواحد	نواب شاہ
میاں محمد حسین عباسی	گوٹھ سیال (تحصیل دادو)
مولانا محمد یوسف	گوٹھ بنو (ضلع ٹھٹھہ)
مولانا محمد حسین لغاری	گوٹھ مولوی عبداللہ لغاری
حاجی محمد رحیم بخش	جیکب آباد
مولانا شفیع منگیو	گوٹھ چھتن شاہ (سکرنڈ) (۱۹)
سید صدرالدین شاہ	مراد پور (تحصیل ٹھل) (۲۰)

سندھ آزاد پارٹی کے نائب صدور:

حکیم فضل اللہ ۔ شکارپور

مولانا عبدالکریم عباسی گوٹھ ہاشم سومرو (ٹھٹھہ)

مولانا حاجی عبدالقادر گوٹھ داؤد دمبیسر (میہڑ۔دادو)

مولانا عبدالحلیم گوٹھ مراد پور (تحصیل ٹھل۔جیکب آباد)

مولوی محمد موسیٰ فقیر آباد۔دیہہ ۲۲ ر نصرت (تھرپارکر) (A-۲۰)

سندھ آزاد پارٹی کے جنرل سیکرٹری اور سیکرٹری:

مولانا عبدالکریم چشتی شکارپور

مولانا عطاء اللہ ماتلی

مولانا عبدالکریم گوٹھ عودی۔تحصیل ٹھل (جیکب آباد)

مولانا حاجی محمود سجاول

مولانا محمد صالح عباسی گوٹھ سیال تحصیل دادو (B-۲۰)

سندھ آزاد پارٹی کے خزانچی:

مولانا ابوبکر سجاول (ٹھٹھہ)

مولانا عبدالحمید گوٹھ اللہ آباد (دادو)

مولانا شفیع محمد نظامانی گوٹھ کرم خان نظامانی (ہالہ) (۲۱)

سندھ آزاد پارٹی ورکنگ کمیٹی کے ارکان:

مولانا عبدالکریم ککھل بھوی تحصیل میروخان (لاڑکانہ)

مولانا خوش محمد تحصیل میروخان (لاڑکانہ)

مولانا عبدالرحیم (کراچی)

مولانا عبدالصمد (کراچی)

مولانا عبدالکریم (کراچی)

مولانا علی انور بھٹی	گوٹھ تونیہ۔ تحصیل میرو خان (لاڑکانہ)
مولانا غلام محمد	گوٹھ جھمپیر (کراچی)
مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی	تحصیل میرو خان (لاڑکانہ)
مولانا محمد ابراہیم بھٹوی	تحصیل میرو خان (لاڑکانہ)
مولانا محمد اسماعیل قریشی	گوٹھ تونیہ۔ تحصیل میرو خان (لاڑکانہ)
مولانا نذیر حسین	گوٹھ تونیہ۔ تحصیل میرو خان (لاڑکانہ)
مولانا محمد چکڑو	گوٹھ تونیہ۔ تحصیل میرو خان (لاڑکانہ)
مولانا محمد عثمان	چک
مولانا محمد پریل منگیو (ناظم)	چھتن شاہ (سکرنڈ۔ نواب شاہ) (۲۲)

سندھ اتحاد پارٹی:

''سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک کے دوران ایک ایسی پارٹی کی ضرورت محسوس کی گئی جو کہ غیرفرقہ وارانہ اور غیر مذہبی انداز میں اپنی خدمات انجام دے سکے۔ ایک ایسا پلیٹ فارم جس پر مسلم، ہندو اور دیگر مذہب کے لوگ آسانی سے مل جل کر کام کرسکیں۔

جی ایم سید نے اپنے طور پر یہ کوشش کی اور کراچی میں مختلف سیاستدانوں کا اجلاس ۳۰ جون ۱۹۳۵ء کو سر غلام حسین ہدایت اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شرکاء میں خصوصی طور پر خان بہادر اللہ بخش سومرو، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، شیخ عبدالمجید سندھی، علامہ آئی آئی قاضی، حکیم فتح محمد سیوہانی، جی ایم سید، مسٹر حاتم علوی، سید میراں محمد شاہ اور مسٹر جیٹھمل پرسرام قابلِ ذکر ہیں۔ (۲۳)

اس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو سیاسی جماعت بنائی جائے گی وہ خالص اقتصادی بنیادوں پر قائم ہوگی اور اس کا آئینی مسائل سے تعلق رکھنے والی ہنگامی جماعتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوسکا۔ (۲۴)

۳۱ راگست ۱۹۳۶ء کو سندھ کے ان سیاستدانوں کا ایک اور اجلاس ہوا اور کافی غور وخوض کے بعد ''سندھ اتحاد پارٹی'' کا قیام عمل میں لائے۔ اس کے اغراض ومقاصد یہ بیان کیے گئے۔

۱۔ اقتصادی بنیادوں پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کرنا۔

۲۔ ہر فرقہ کے لوگوں کو ملازمت، تعلیم اور تجارت میں سہولت مہیا کرنا۔

۳۔ آبادکار اور مزدوروں کے مفادات کو ترقی دینا اور غیر آباد/ بارانی اراضی کے لیے آب پاشی کا

خاص انتظام کرنا۔

۴۔ گاؤں کی ترقی، دیہی فن کی حوصلہ افزائی اور بستیوں میں موجودہ دور کی سہولتیں مہیا کرنا۔

۵۔ چھوٹے کھاتیداروں کو سودخوروں اور بڑے زمینداروں کے پنجے سے بچانا۔

۶۔ کسانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

۷۔ آبادکاروں کو قرضوں سے نجات دلانا۔

۸۔ ملک میں تعلیم کو فروغ دینا اور رشوت کو ختم کرانے کی کوشش کرنا۔

۹۔ صوبے کی مکمل خودمختاری کے لیے کوشاں رہنا۔ (۲۵)

اس پارٹی کی قیادت سر حاجی عبداللہ ہارون کے سپرد کی گئی اور سر شاہنواز بھٹو، سر غلام حسین ہدایت اللہ اور سید میراں محمد شاہ اس کے ڈپٹی لیڈر مقرر ہوئے۔ (۲۶) مگر سید میراں محمد شاہ کے تیسرے ڈپٹی لیڈر مقرر کرنے پر سر غلام حسین ہدایت اللہ نے اعتراض کیا اور پارٹی سے علیحدہ ہوکر اپنی پارٹی ''سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی'' کا قیام عمل میں لائے۔ (۲۷)

باوجود اس کے کہ یہ پارٹی غیر مذہبی اور غیر فرقہ وارانہ انداز سے بنائی گئی، مگر جب انتخابات کا دور آیا تو کسی بھی غیر مسلم نے اس پارٹی سے تعاون نہ کیا۔ اس لیے پارٹی نے تمام نشستوں پر مسلمان نمائندے کھڑے کیے گئے، جن میں سے ۲۲/امیدوار کامیاب ہوکر اسمبلی میں پہنچے، مگر اس کے لیڈر سر حاجی عبداللہ ہارون اور ڈپٹی لیڈر سر شاہنواز بھٹو کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ (۲۸)

اس کے علاوہ انگریز گورنر سر لانسیلاٹ گراہم (Sir Lancelot Graham) نے جمہوری اقدار کو نظرانداز کرتے ہوئے اتحاد پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کی بجائے اس نے سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی کے لیڈر سر غلام حسین ہدایت اللہ کو حکومت بنانے کی دعوت دی جبکہ اس پارٹی کی اپنی صرف تین نشستیں تھیں: سر غلام حسین ہدایت اللہ، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو اور غلام محمد خان اسران۔

سندھ اتحاد پارٹی کو خان بہادر اللہ بخش سومرو کی قیادت میں مخالف پارٹی کا کردار ادا کرنا پڑا۔ اسے کانگریس پارٹی کا تعاون بھی حاصل رہا۔ (۲۹)

سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی کو سہارے کی ضرورت تھی۔ اس نے اکثریتی پارٹی ''اتحاد پارٹی'' سے کچھ اصولی معاہدہ کیا وہ یہ تھا:

۱۔ وزارت کی رہبری کے لیے دونوں پارٹیوں کی ایک جوائنٹ ورکنگ کمیٹی بنائی جائے کہ وہ قانون سازی کے سوالات، اصولی مسائل اور انتظامی طریقہ کے متعلق وقت بہ وقت مشورے دے سکے۔

۲۔ ملکی ترقی اور لوگوں کی فلاح وترقی کے لیے دونوں جماعتوں کا ایک یکساں منصوبہ تیار کیا جائے' جسے ورکنگ کمیٹی کی ہدایات کے مطابق وزارت عمل میں لائے گی۔ (۳۰)

''اتحاد پارٹی'' کے سہارے سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت سے کئی اہم اور اچھے کام سرانجام دیئے۔جس کا کریڈٹ حقیقی طور پر ''اتحاد پارٹی'' کو ہی جاتا ہے۔مثلاً:

۱۔ ریونیوز مین پر سے چوپائے مال کی پنچری کا معاف ہونا۔

۲۔ بڑے افسران کی دربار سے کرسیوں کے پروانے دیئے جانے کی روایت کو ختم کرنا۔

۳۔ لوکل بورڈ پر ارکان کی نامزدگی کو ختم کرنا۔(۳۱)

یہ کمزور اتحاد ایک کمزور حکومت کے ساتھ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔''اتحاد پارٹی'' کو وعدہ کے مطابق وزارت میں حصہ نہ مل سکا' اس لیے ایک روپیہ کی کٹوتی کی تجویز پر ''سندھ پولیٹیکل پارٹی'' کو ''سندھ اتحاد پارٹی'' اور کانگریس پارٹی'' نے آزاد ہندو گروپ کے تعاون سے شکست دے دی۔(۳۲)

اب خان بہادر اللہ بخش سومرو کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی' جس نے ''سندھ اتحاد پارٹی'' کانگریس اور آزاد ہندو گروپ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر کے ۲۳ مارچ ۱۹۳۸ء کو وزارت بنائی۔ وزارت میں تینوں گروپوں کی نمائندگی ملنے سے کانگریس اور آزاد ہندو گروپ کو بھی اقتدار میں لایا گیا۔ اللہ بخش سومرو وزارت کے تین وزیر یہ تھے:

۱۔ خان بہادر اللہ بخش وزیر خزانہ اور داخلہ

۲۔ نیچلداس وزیرانی وزیر پی۔ڈبلیو۔ڈی۔میڈیکل اور پبلک ہیلتھ

۳۔ پیر الٰہی بخش ریونیو

یہ وزارت بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی لگان بڑھانے کے مسئلے پر پارٹی اور وزارت کا اختلاف اتنا بڑھ گیا کہ وزیراعلیٰ کو اپنی وزارت بچانے کے لیے مسلمانوں کی بجائے ہندو ارکان کی طرف جھکنا پڑا اور پھر انتشار کا شکار ہو گئی۔

اس پارٹی نے سندھ کی سیاست میں دو سال تک خدمت سرانجام دی۔کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس سے تعاون کیا۔(۳۳)

سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی:

یہ تو پہلے ہی لکھا گیا ہے کہ ''سندھ اتحاد پارٹی'' سے ناراض ڈپٹی لیڈر سر غلام حسین ہدایت اللہ نے

ایک سال کے اندر ہی دوسری سیاسی جماعت بنائی' جسے ''سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی'' کا نام دیا گیا۔ اس کا قیام یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء کو عمل میں لایا گیا۔ اس پارٹی کے اغراض و مقاصد یہ بیان کیے گئے۔

۱۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے بعد برطانوی قانون کے تحت سیاست کو فروغ دینا۔

۲۔ دوسری ہم خیال سیاسی جماعتوں سے ممکن حد تک تعاون کرنا۔

۳۔ مسلمانانِ سندھ کی سیاسی خدمت کرنا۔

۴۔ مجموعی طور پر جملہ سندھ کی سماجی' تعلیمی اور صنعتی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

۵۔ کھاتہ داروں' زمینداروں اور آبادکاروں کے حقوق کی حفاظت کرنا اور سندھ میں زرعی ترقی کے لیے کوشاں رہنا۔

اس جماعت کے لیڈر سر غلام حسین ہدایت اللہ تھے اور ڈپٹی لیڈر خان بہادر محمد ایوب کھہڑو اور میر بندہ علی ٹالپور تھے۔ سیکرٹری جنرل نور محمد ایڈووکیٹ کو بنایا گیا۔ (۳۴) اس جماعت کے اہم ارکان یہ تھے: خان بہادر سید محمد کامل شاہ' خان بہادر غلام محمد خان اسران۔ سید قبول محمد شاہ' خان بہادر قیصر خان بوزدار' خانصاحب پیر رسول بخش شاہ' شمس الدین بارکزئی' جی ایم عیسائی' رحیم بخش' میر صوبدار خان' اللہ ڈنہ خان سندرانی' رئیس یار محمد خان جونیجو' ڈاکٹر سلطان احمد جونیجو' کیپٹن شیخ عطا محمد' خان بہادر امام بخش جتوئی اور نظر علی خان۔ (۳۵)

اس جماعت کی پہلی ناکامی یہ تھی کہ پہلے انتخابات میں اس نے ۱۷ امیدوار کھڑے کیے مگر کامیاب صرف تین ہوئے۔

سر غلام حسین ہدایت اللہ' خان بہادر محمد ایوب کھہڑو اور غلام محمد خان اسران' اس جماعت کو پہلی کامیابی یہ ہوئی کہ باوجود تین امیدوار کامیاب ہونے کے گورنر سر لانسیلاٹ گراہم (Sir Lancelot Graham) نے جمہوری اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے' اس پارٹی کو وزارت بنانے کی دعوت دی' جبکہ اس کی مخالف اتحاد پارٹی نے ۲۲ نشستیں حاصل کی تھیں۔

''مسلم پولیٹیکل پارٹی'' نے ہندو آزاد گروپ کے تعاون سے پہلی وزارت بنائی' جس کے وزیر یہ تھے:

۱۔	سر غلام حسین ہدایت اللہ	وزیر اعلیٰ۔ خزانہ' داخلہ' عام انتظام اور سیاسی امور
۲۔	مکھی گوبند رام	وزیر پولیس اور پی ڈبلیو ڈی
۳۔	میر بندہ علی خان	وزیر ریونیو (۳۶)

کچھ عرصے کے بعد ''سندھ اتحاد پارٹی'' نے بھی برسر اقتدار جماعت سے تعاون کرنا شروع

یا۔ مگر مکھی گو بندرام کے استعفیٰ کے بعد سر غلام حسین نے ہندو آزاد گروپ سے مشورہ کیے بغیر ڈاکٹر
سنداس کو وزارت میں لے لیا تو ہندو آزاد گروپ اور مسلم پولیٹیکل پارٹی میں اختلافات کی خلیج وسیع
گئی۔ اس میں اور اضافہ اس وقت ہوا جب اسپیکر بھوجسنگھ کی وفات کے بعد سید میراں محمد شاہ کو
پیکر بنایا گیا۔ اس کے علاوہ سندھ اتحاد پارٹی تعاون کے بدلے اپنے کچھ آدمیوں کو وزارت
ں لانا چاہتی تھی۔ آخرکار سب پارٹیوں نے مل کر ایک روپیہ کٹوتی کی تجویز پر غلام حسین وزارت کو
ست دی۔

اس طرح یکم مارچ ۱۹۳۸ء کو سندھ کی پہلی وزارت اور ''سندھ مسلم پولیٹیکل پارٹی'' کے اقتدار کا
تمہ ہوا۔ (۳۷)

سندھ مسلم جماعت جو سر غلام حسین ہدایت اللہ کی کوششوں سے وجود میں آئی تو اس کے درج ذیل
مہدیدار تھے:

صدر: سر غلام حسین ہدایت اللہ

نائب صدر: شیخ عبدالمجید سندھی

نائب صدر: احمد نذیر خان

جنرل سیکرٹری: قاضی خدابخش وکیل

خزانچی: مسٹر یار محمد

ورکنگ کمیٹی کے ارکان تھے:

۱۔ شاہ محمد ڈونگر
۲۔ غلام دستگیر پاندھیانی
۳۔ شیخ محمد وارث
۴۔ ڈاکٹر ولی محمد عباسی
۵۔ قاضی عبدالرزاق
۶۔ فتح محمد سیوہانی
۷۔ قاضی عبدالرسول وکیل
۸۔ تاج محمد اوڈھر
۹۔ فیروز ناناوکیل
۱۰۔ سعید علی
۱۱۔ مولوی حاجی عبدالرحیم
۱۲۔ عبدالکریم ٹیگر
۱۳۔ حاجی جارو خان

سندھ پیپلز پارٹی:

یہ پارٹی ۱۲ رجون ۱۹۳۶ء کو قائم کی گئی تھی۔ پارٹی کے عہدیدار یہ تھے:

صدر:	سر شاہنواز بھٹو
نائب صدر (اول):	خان بہادر اللہ بخش سومرو
نائب صدر (دوئم):	سید میراں محمد شاہ
جنرل سیکرٹری:	حاتم علوی
جوائنٹ سیکرٹری:	جی ایم سید (۳۹)

جمنا زیدا۔ سندھ ساگر پارٹی:

پس منظر اور تعارف یہ ہے کہ اس پارٹی کا وجود اور قیام مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت اور ذ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ پارٹی ۱۰ ردسمبر ۱۹۳۹ء کو اس وقت وجود میں آئی' جب مولانا عبیداللہ سندھ سالہ جلاوطنی کے بعد سندھ پہنچے تھے۔ (۴۰)

سندھ اور ہند کی دو شخصیات مولانا عبیداللہ سندھی اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن ایسی گزری جنہوں نے اس وقت ہندوستان کی آزادی کے لیے سوچنا شروع کیا' جب ہندوستان کی دو بڑی جماعتیں آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ فقط ملکی سیاست میں انگریز کے سائے تلے اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ملک میں زیادہ سے زیادہ آئینی اصلاحات کے ذریعے غیر سے مراعات حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔

شیخ الہند تو سعودی عرب میں قیام پذیر ہو کر ترکی اور شریف مکہ سے تعاون حاصل کرنے کی کوش رہے تھے اور مولانا عبیداللہ سندھی نے افغانستان پہنچ کر جلاوطن حکومت بنائی' جس کے وزیر دا تھے۔ وہاں سے تحریک ریشمی رومال اٹھی اور سندھ اور ہند میں اس کے اثرات نمودار ہوئے' گرفتا ہوئیں اور سزائیں دی گئیں۔

وہ وقت بھی آیا جب حکومت افغانستان نے ہندوستان کی انگریز حکومت کے دباؤ میں آ کر حالات پیدا کیے کہ مولانا عبیداللہ کو کابل چھوڑ کر سوویت روس اور حرمین شریف میں جانا پڑا۔ وہ مجمو پر ۲۷ سال جلاوطن رہے۔

اس دوران کئی عالمی واقعات رونما ہوئے اور ہندوستان کی سیاست میں بھی بہت سی تبد

نما ہوئی تھیں۔

پہلی جنگِ عظیم کا اختتام اور سلطنتِ ترکیہ کا محدود ہونا۔ ترکی سے خلافت کا خاتمہ' روس میں زار
ومت کا خاتمہ اور کمیونزم پر حکومت کے ڈھانچے کا استوار ہونا' ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا زور اور
تمام پر پہنچنا' سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کی تحریک کو برصغیر میں کامیابی سی ہمکنار ہونا' پوری برصغیر
ں آل انڈیا نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کو عوام میں پذیرائی حاصل ہونا اور برصغیر کا دوقومی
ریہ کی طرف رفتہ رفتہ بڑھنا۔ یہ سب ایسی باتیں تھیں' جن پر مولانا عبیداللہ سندھی نے سندھ میں واپس
تے ہی سوچنا شروع کیا۔ وہ متحدہ ہندوستان کے قائل تھے۔ انہوں نے جلاوطن حکومت چلائی تو بھی
ہوستان کی اور تحریک ریشمی رومال چلائی اور ملک کو آزاد کرانے کے لیے مہم چلائی تو بھی پورے
ہوستان کے لیے۔ لہٰذا انہی خطوط پر انہوں نے ایسی پارتی کی بنیاد ڈالی' جس کے پاس محبت کا پیغام ہوا
رسب کے لیے ہو۔ اس کے پاس ہر قوم اور ہر نسل کے لیے محبت کا پیغام تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے پارٹی کے لیے جو نام تجویز کیا وہ بھی اپنے مقاصد کی ترجمانی کرتا تھا:

''جمنا نربدا' سندھ ساگر پارٹی'' جس کا مطلب یہ تھا کہ ''جس طرح گنگا اور جمنا'' دریاؤں کے سنگم
خطہ ہندو تہذیب کا سرچشمہ ہے' اسی طرح ''سندھ ساگر'' مسلم تہذیب کا خزانہ ہے۔ اگر ہم ان دونوں
لیم الشان ہندوستان کے حصوں کو اپنے نظریئے کے تحت سمجھوتہ کرا سکے اور دونوں کو اپنے طرف مائل کر
لے تو ہندو مسلم اتحاد کو کھولنے والی چابی مل جائے گی۔'' (۴)

ان حالات میں دونوں مذہب کے اچھے انسان' باہمی اتحاد کی روشنی میں سندھ اور ہند کو ایک وحدت
ں وادی بنادیں گے اور قوت کے ذریعے دنیا کی رہبری کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

جمنا سندھ ساگر پارٹی کا نصب العین یہ تھا:

۱۔ دارالرشاد' السواد الاعظم اور قاسم العارف کے پرانے کارکن اور ان کے ساتھی جو وطن کی
ست کو اپنا مذہبی فرض مانتے ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے اندر ایک مستقل پارٹی کو تشکیل دیتے ہیں۔
ں کا شمالی مغربی ہندوستان کے محدود علاقہ سے تعلق ہوگا۔

۔ پارٹی کا نام' جمنا۔ نربدا' سندھ ساگر پارٹی ہوگا۔

۔ پارٹی کا کام چار حصوں میں تقسیم ہوگا۔

آج کا صوبہ سندھ جس کا مرکز کراچی ہے۔

دریائے سندھ اور اس کو بھرنے والے پانچ دریاؤں کی زمین جس کا مرکز لاہور ہے۔

iii۔ گنگا اور جمنا دریاؤں کا درمیانی حصہ اور ان کے اثر کے تحت اجمیری' بناری علاقہ' جس کا مرکز دہلی ہے۔

iv۔ ہندوستان کا کوئی بھی علاقہ' جو اپنی مرضی سے پارٹی میں آنا چاہئے۔ (۴۴)

۲۔ جس پارٹی کے نظریاتی اور بنیادی اصول یہ ہیں:

الف۔ سیاسی جدوجہد میں تشدد نہ کرنے والے اصول سے نجات حاصل کرنے کی کوشش۔

اسی تاریخی حقیقت کو نہ بھولنا چاہئے کہ عیسائیت نے تشدد نہ کرنے والے اصول پر مسلسل تین صدیوں تک عمل کرنے کے بعد منزل مقصود حاصل کی۔

ب۔ کسان اور ہنرمند' محنت کشوں کی معاشی حالت کو ترقی دے کر یورپ کے محنت کش طبقہ جیسا بنانا۔

کیونکہ جب تک ملک کی عام آبادی یعنی عوام کی معاشی حالت اچھی نہ ہوگی اس وقت تک سیاسی ترقی کی منزل ہاتھ نہیں آئے گی۔

ج۔ ہندوستان کو ایک ملک نہیں' بلکہ یورپ کی طرح کئی ممالک کا علاقہ سمجھنا زبان اور تہذیب کو ملک کی تقسیم کی بنیاد سمجھنا۔

د۔ ہر ایک ہندوستانی ملک یا علاقہ (مطلب کہ جس علاقہ میں ایک زبان استعمال کی جاتی ہو اور ان کی تہذیب میں یکسانیت ہو) میں رہنے والے مرد اور عورتوں کے حقوق کو برابر تسلیم کرنا اور جمہوری طریقے سے قومیت کو ترقی دینا۔ نسل' مذہب اور قدامت کو بڑائی کا وسیلہ نہ بنانا۔

ہ۔ ہر ایک ہندوستانی ملک یا علاقہ کے عام آدمی کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دے کر ووٹ کی قدر و قیمت اور اہمیت سمجھانا۔ (تشریح)

جو بھی ہندوستانی زبانیں عربی طرز خط میں لکھی جاتی ہیں' ان کی سمجھ بوجھ عام طور پر بڑھانا' مروجہ طرز خط کے ذریعے بہت ہی مشکل بات ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حروف کے الگ الگ لکھنے کا رواج قائم کیا جائے۔ یا رومن حروف میں تحریر شروع کی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ٹائپ رائٹر سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

ہم جیسا کہ کسی بھی بات کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتے' اس لیے رفتہ رفتہ سمجھ اور سوچ پیدا کر کے کامیابی حاصل کریں گے۔ (۴۳)

و۔ ترقی یافتہ یورپ کی اشیاء اپنے ملک میں تیار کرنا اور وطن کی خدمت اور حفاظت کرنے کے لیے

مردوں اورعورتوں میں بہادری اور دلیری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے یورپی طرزِ زندگی کی تربیت دینا۔ (تشریح)

یورپی اقوام کی سیاسی برادری میں شامل ہوئے بغیر ایشیائی سیاسی ترقی آسان نہیں اور نہ ہندوستان کی۔ اس لیے سماجی تبدیلی والے عمل کو خوشی سے برداشت کرنا چاہئے۔ ورنہ رجعت پسند قوتیں ملک کو تباہ و برباد کردیں گی۔ (۴۴)

ز۔ سوچ' اخلاق اور سیاست میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے امام ولی اللہ دہلوی (۴۴) کے طریقے اور دانائی کو پارٹی کی عقلی بنیاد تسلیم کرنا۔ اسی طریقے سے لوگوں کو انسانوں کی خدمت کے لیے تیار کرنا۔ (تشریح)

دوسرے ہزار ہجری صدی کی ابتداء سے یعنی جلال الدین اکبر کے دور سے مسلمان علماء کے ایک حصہ نے ابن عربی کے فلسفہ یا دیدانت کے فلسفہ کو بہتر بنانے اور ترویج دینے میں معروف رہے کہ اس کو ہندوستانی زندگی کے لیے ایک بنیاد بنا سکیں۔ حقیقت میں امام ولی اللہ کا فلسفہ ان مجموعی کوششوں کا نچوڑ ہے۔ اس لیے تمام مذہب میں برادری یا یکسانیت کی باتیں ڈھونڈ سکتے ہیں اور انسان ذات کی ارتقائی تاریخ کی تشریح کی جاسکتی ہے۔

ح۔ ہندوستان کے اتحاد کو فیڈریشن سمجھنا یا ہندوستان کو ایک ملک سمجھنا ایسے غلط ہے' جیسے کوئی آدمی روس کو چھوڑ کر باقی تمام یورپ کو ایک ملک کہے۔ (۴۵)

ط۔ فیڈریشن کی تکمیل کے لیے زیادہ دیر تک برٹش کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) کا فیصلہ کرنا۔

ی۔ فیڈریشن کی زبان' ترقی یافتہ ہندوستانی (اردو) اور انگریزی ہوگی۔ (تشریح)

اردو کو رومن حروف میں لکھ کر یورپی اقوام کے سامنے لانا اور مقطع حروف میں لکھ کر ایشیائی اقوام تک پہنچانا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

۳۔ پارٹی کے عملی سیاسی اصول یہ ہیں:

الف۔ پارٹی اپنے نظریات کو عام کرنے کے لیے کچھ خاص تعلیمی اداروں میں خدام خلق تیار کرے گی۔ فقط وہ لوگ پارٹی کے رکن ہو سکتے ہیں جو انسان کی خدمت کو اپنا فرض سمجھیں اور تشدد نہ کرنے کے اصول کو اپناتے ہوئے اس فرض کی تعمیل میں ہر طرح کی تکالیف کو برداشت کرنے کا پختہ عزم کریں اور یہ بھی کہ تکلیف دینے والوں پر کسی طور پر بھی ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

ب۔ پارٹی کے جتنے بھی لوگ حکومت میں شامل ہوں گے' ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کرسی پر بیٹھ

کر ملک کے تمام باشندوں سے ایک جیسا سلوک کریں اور یہ بھی کہ رشوت کو بند کرائیں گے۔

ج۔ پارٹی کے تاجر ممبر، ناپ تول میں کمی بیشی نہیں کریں گے۔ حساب کتاب میں خیانت نہیں کریں گے اور سود کو بند کرائیں گے۔

د۔ پارٹی کے زمیندار ممبر، ہاری (کسان) سے جو بھی معاہدہ کریں گی، اسی پر پابند رہیں گے۔ ہاری کے کنبہ کی بوقت ضرورت اور بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے میں بھی مددگار رہوں گے۔

ہ۔ پارٹی کے ہاری ارکان، حکومت کی طرف سے مقرر شدہ زمینی محصول یا مالگذاری اور زمیندار کا حصہ، معاہدے کے تحت پابندی سے ادا کریں گے۔

و۔ پارٹی کے ہاری ممبران کسی سے بھی کوئی معاملہ کریں گے تو امانت کا خیال رکھیں گے۔

ز۔ پارٹی کے جو ارکان علمی اور اخلاقی خدمت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، وہ اپنے ملک سے جہالت کے خاتمے کے لیے کوشش کریں گے۔ وہ زندگی کی انتہائی کم ضرورتوں پر اکتفا کریں گے۔

ح۔ پارٹی کے ہر علمی ممبر کا یہ فرض ہوگا کہ وہ حتی المقدور ہر ایک مرد اور عورت کو لکھنا اور پڑھنا سکھائیں گے۔

i۔ اپنے ملک کی زبان

ii۔ اپنی بین الاقوامی زبان

iii۔ ہر پابند مذہب کو ان کی ملکی زبان میں

ط۔ پارٹی کے ہر اس ممبر پر جو اخلاقی استاد یا مرشد کا درجہ رکھنے والا ہے، فرض ہوگا کہ وہ اپنے ملکی بھائیوں کے حقوق کا احترام سکھائے۔ یہاں تک کہ ان کے ملک کا ہر شخص کسی بھی دوسرے انسان کی جان و مال اور عزت کو نقصان پہنچانا اخلاقی طور پر حرام سمجھے۔

ی۔ پارٹی کا ہر ممبر اپنی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے خود محنت کر کے روزی حاصل کرے گا۔ اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ملک سے بیکاری کی زندگی کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہر امیر اور غریب آدمی کو کسی نہ کسی طرح محنت کش بنایا جائے۔ (۴۶)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی نے پہلی مرتبہ لسانی بنیادوں پر ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور شاہ ولی اللہ کے فلسفے اور ویدانت پر قائم خودمختار ریاستوں کے اتحاد کا منصوبہ پیش کیا۔ (۴۷)

ہندوستان کی آزادی کے آثار یقینی ہو چکے تھے، مگر تقسیم ہند کا مسئلہ ہندو مسلم بنیادوں پر زور پکڑ رہا

تھا۔ ان حالات میں مولانا عبیداللہ سندھی کا پیار ومحبت اور اخوت کا پرچار جو کہ دوقومی نظریہ کے بھی مخالف تھا' وہ صدا بہ صحرا ثابت ہو رہا تھا۔ مولانا اپنی جدوجہد جاری رکھتے مگر ان کی زندگی نے بھی وفا نہ کی۔ آپ کے معتقدوں اور پیروکاروں نے پارٹی کو قائم رکھنے کی بھی کوشش کی' مگر وقت آگے جاچکا تھا۔

کارکردگی:

مولانا عبیداللہ سندھی نے پارٹی کے قیام کے فوراً بعد ۱۴ دسمبر ۱۹۳۹ء کو مدرسہ دارالرشاد' پیر جھنڈو (نزد سعید آباد) ضلع حیدرآباد میں پارٹی کا اجلاس طلب کیا اور ۲۸ دسمبر کو کراچی میں میٹنگ کی اور جمعیت خدام الحکمت کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا' کہ کارکنوں کی شاہ ولی اللہ کے فلسفہ پر تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ عملی اتحاد قائم کرنے کی صورت پیدا کی جائے۔ (۴۸)

سندھ میں اس شعبے کے دومراکز قائم کیے گئے:

۱۔ پیر جھنڈو' مدرسہ دارالرشاد۔ اس کی قیادت راشدی خاندان کے پیر صاحبان کے حوالے کی گئی۔

۲۔ مدرسہ مظہر العلوم۔ کھڈہ۔ کراچی۔ جس کی رہنمائی مولانا محمد صادق کر رہے تھے۔

دونوں مدارس میں تفسیر قرآن مجید کے ذریعے کارکنوں کی پارٹی کے مقصد کے تحت ذہنی تربیت کی جاتی تھی۔ (۴۹)

ایک شعبہ ''بیت الحکمت'' بھی قائم کیا' جس کی تین شاخیں تھیں۔ دوشاخیں کراچی اور پیر جھنڈو کے علاوہ ایک شاخ دہلی میں ۱۷ نومبر ۱۹۴۰ء کو قائم کی گئی۔ (۵۰) اس ادارے کے اغراض و مقاصد بھی وہی تھے' جو خدام الحکمت کے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی علماء اور عوام دونوں کی سیاسی تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سندھ ساگر پارٹی کے تحت پیر جھنڈو میں ایک انسٹیٹیوٹ قائم کیا' جس نے ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء سے ''سندھ ساگر انسٹیٹیوٹ'' کے نام سے کام شروع کیا۔

اس کے علاوہ ۲۵ جون ۱۹۴۲ء کو مدرسہ دارالرشاد کے نزدیک ''سندھ ساگر نیشنل اسکول'' کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ مگر دو سال کے بعد اس کا نام بدل کر ''محمد قاسم ولی اللہ تھیولاجیکل کالج'' رکھا گیا' اور مولوی بشیر احمد لدھیانوی کو لاہور سے بلوا کر اس کا وائس پرنسپل مقرر کیا گیا۔ اس اسکول و کالج سے طلبہ دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ انگریزی اور عربی زبانوں کے ساتھ ساتھ فلسفہ شاہ ولی اللہ' ویدانت کی فلاسفی اور یورپین فلاسفی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو

دارالبقا کا سفر اختیار کیا۔(۵۱)

اس جماعت اور اس کے اداروں سے عام لوگوں کے علاوہ جن علمائے کرام کا خصوصی طور پر تعلق رہا اور سیاسی خدمات بھی انجام دیں' ان میں سے قابلِ ذکر نام یہ ہیں:

مولانا دین محمد وفائی' مولانا حبیب اللہ (لاڑکانوی)' مولانا عبدالحق ربانی' مولانا شفیع محمد منگیو' مولانا عبدالرحیم شاہ (سجاول ٹھٹھہ)' مولانا عزیز اللہ جروار (سکھر)' مولانا علی محمد کاکیپوٹہ (شکارپور)' مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (لاڑکانہ)' مولانا عبداللہ لغاری (سانگھڑ)' مولانا محمد سلیمان بگھیو (لاڑکانہ)' مولانا محمد صادق (کھڈہ کراچی)' مولانا حکیم محمد معاذ (نواب شاہ)' پیر ضیاء الدین راشدی (پیر جھنڈو) اور مولانا نذیر حسین جتوئی (لاڑکانہ)۔

ان علمائے کرام کا مختصر تعارف تحریکِ آزادی کے مختلف ادوار میں اور مختلف تنظیموں کے حوالے سے پہلے ہی کرایا گیا ہے۔

ان علمائے کرام کے علاوہ مولانا عبداللہ کھڈہری نے بھی سندھ ساگر پارٹی کے قیام ۱۹۳۹ء سے وطن کی آزادی کی تحریک میں شامل ہو کر کام کیا۔ وہ خلافت تحریک کے سرگرم رکن بھی رہے اور ترک موالات میں بھی بڑی جذبے سے کام کیا تھا۔ انہوں نے جمعیت العلمائے ہند کے پلیٹ فارم سے وطنِ عزیز کی سیاسی اور دینی خدمت بھی سرانجام دی۔(۵۲)

باب نہم

مسلمانوں اور ہندوؤں میں دوری کے اسباب اور سندھ

جب تک سندھ اور ہند میں شخصی حکومتیں قائم تھیں ہندو اور مسلمانوں میں نفرت اور حقارت نہیں تھی' اگر تھی تو بھی شخصی' مگر قومی سطح پر پوری ایک قوم دوسری قوم سے نفرت اور حقارت کا احساس دلانے' تاریخ خصوصاً سندھ کی تاریخ میں ایسی بات نظر نہیں آتی۔

ٹالپور دورِ حکومت میں بھی ہندو مسلم ایک بود و باش اختیار کیے ہوئے تھے۔ ہندو تجارت کرتے تھے یا امیروں اور وڈیروں کے پاس منشی کے طور پر کام کرتے تھے۔ خود ٹالپور امیروں کے پاس ہندو میر منشی ہوا کرتے تھے۔

۱۸۴۳ء میں انگریز راج شروع ہوا تو غیروں نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ایسے حالات پیدا کیے کہ یہ دونوں قومیں پورے برصغیر میں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے دور ہوتی چلی گئیں۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ کھل کر ایک دوسرے کے مدِ مقابل ہو کر زور آزمائی کرنے لگیں۔

یہی وجہ تھی کہ پاکستان کی بنیاد ''دو قومی نظریہ'' پر رکھی گئی۔ اس نظریہ کی بنیاد کو دیکھنے کے لیے پچھلے ایک صد سالہ حالات کو مختصراً ان ہی اسباب کے حوالے سے پیش کیا جائے گا جو یہ ہیں:

ا۔ ہندو کی احساسِ کمتری:

برصغیر سندھ اور ہند پر مسلمانوں کی صدیوں تک حکمرانی اور ترقی کو دیکھتے ہوئے جب ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے آزادی کی جنگ شروع کی تو ہندو نہ صرف اس سے بالکل الگ تھلگ رہے بلکہ انگریزوں کی اس لیے مدد کی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کی حکمرانی میں آ جائیں۔ انہیں غیروں کی غلامی پسند تھی' بجائے ہم وطنوں کی حکمرانی کے' جس میں وہ خود بھی حصہ دار رہتے تھے۔

انہوں نے اس حد تک انگریزوں کی مدد کی کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کی' وہاں کے ہندوؤں نے مخبری کی اور حریت پسندوں کو گرفتار کرانے میں دل و جان سے مدد کی۔ ایسے غدار تو کئی مسلمان مفاد پرست بھی تھے' مگر ان کا مفاد فقط اور فقط ذاتی تھا۔ ہندو کا مفاد ذاتی کے بجائے قومی تھا۔ وہ بحیثیت ہندو قوم کے مسلمانوں کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کی حاکیت جو انہوں نے

ہندوستان میں دیکھی تھی' وہ ذہنی طور پر اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک ہندوستان کے مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر ابھی موجود تھے اور یہ جنگِ آزادی ان کو مرکزی حیثیت دے کر لڑی جا رہی تھی۔

اگر ہندو آزادیٔ وطن کی اس جنگ میں برابر کے شریک رہتے تو غالب امکان یہ تھا کہ تقریباً ایک صدی پہلے ہی برصغیر سے انگریز سامراج کا راج ختم ہو جاتا۔

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کی وہ بات نہ رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ ان کے احساسات کو دھچکہ لگا تھا۔ جس کا اظہار مسلم رہنماؤں نے بار بار کیا۔

۲۔ تعلیمی فرق:

انگریز نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں صرف مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھ لیا تھا' اس لیے وہ مسلمانوں کی بجائے ہندوؤں کو آگے لانے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ ان کو تمام تعلیمی سہولتوں سے نوازا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو کثرت سے عالیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے سول سروسز میں انگریزوں کے مددگار بنتے گئے اور مسلمان سوائے چند کے باقی پرائمری تعلیم میں ہی رہ گئے۔ بالکل ان پڑھ اور جاہل رہے۔ نتیجے کے طور پر جو اس وقت حاکم تھے' وہ تعلیمی کمی کی وجہ سے نائک اور کلرک کے طور پر ماتحت رہ گئے۔ ہندو تعلیمی اداروں سے لے کر اعلیٰ ملازمتوں میں اعلیٰ افسر بن گئے۔

اس تعلیمی فرق نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے بارے میں بڑا احساس بنا دیا۔

۳۔ زمینوں کی منتقلی:

یہ امر واقع ہے کہ ٹالپور دورِ حکومت تک ہندو تاجر تھے' تجارت انہی کا پیشہ تھا اور مسلمان زمیندار اور کسان تھے' مگر انگریز دورِ حکومت میں جو تاجر تھے' وہ تجارت کے ساتھ زمیندار بھی بنتے جا رہے تھے۔ وہ اتنے تعلیم یافتہ بھی تھے کہ اپنے حساب کتاب میں جاہل مسلمان کو سود در سود میں ادھار دے کر ان کی زمینوں پر قبضہ کرنے جا رہے تھے۔ یہ تناسب پچانوے اور پانچ سے گھٹ کر ساٹھ اور چالیس تک پہنچ گیا تھا۔ انگریز حکومت بیس سال اور جاری رہتی تو یہ تناسب بیس اور اسی کا رہ جاتا اور شاید وہ وقت بھی آ جاتا کہ سوائے چند مسلم زمینداروں اور جاگیرداروں کے باقی پورے صوبہ سندھ کی زمینداری ہندو کے

ہاتھ میں چلی جاتی۔

ٹالپور دورِ حکومت تک زمینداری اور جاگیرداری نظام کی اصل وجہ وہ قبائلی سردار اور رہنما تھے جو بوقتِ ضرورت دشمن سے لڑنے کے لیے فوج مہیا کرتے تھے اور خود بھی میدانِ جنگ میں اپنے اپنے آدمیوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ یہ کام ہندو کر نہیں سکتا تھا۔ وہ لڑائی جھگڑے اور ہاتھا پائی تک سے اتنے دور رہتے تھے کہ سندھ میں بزدلی کی علامت کے طور پر معروف تھے۔ خواتین اپنے بچوں کو کسی بزدلی پر یہی طعنہ دیتی تھیں کہ تم ''بنیے تو نہیں'' یا تم ''مہتے'' تو نہیں مگر جب عنان حکومت انگریز کے ہاتھ میں آ گئی اور ابتدائی دور میں جاگیرداری اور زمینداری کو قائم رکھنے کے بعد انگریز کے نزدیک اس کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی' بلکہ یہ ان کو اپنے خلاف محسوس ہونے لگی' اس لیے انگریز سے صرف زمینوں کی ہندوؤں میں منتقلی کو اچھی نظر سے دیکھ رہا تھا بلکہ مددگار ثابت ہو رہا تھا۔

۴۔ مذہب کا تبدیل کرنا:

ہندو اور مسلمان میں ایک دوسرے سے دوری اور نفرت کی ایک اور وجہ مذہب کی تبدیلی بھی رہی۔ جب کوئی ہندو مسلمان ہو جاتا تو مسلمان اسے ہندوؤں سے بچاتے اور چھپاتے پھرتے اور ہندوؤں نے کئی ایسی تحریکیں شروع کی ہوئی تھیں کہ دوسری قوموں کو ہندو بنائیں گے یا جو مسلمان ہو جاتے تھے انہیں واپس ہندو بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ اس طرح مقدمہ بازی اور اکھاڑ پچھاڑ پر جتنا بھی خرچہ آتا وہ سب مل کر اسے برداشت کرتے تھے۔ اس کی متعدد ایسی مثالیں یہاں پیش کی گئی ہیں' جس کو پڑھنے کے بعد یہ بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ سندھ کی ہندو اور مسلم ہر طرح سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تھے اور ان کا مل جل کر رہنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

سندھ میں ہندوؤں کے مسلمان ہونے کے واقعات اور کشیدگی

شیخ عبدالرحیم (۱) سندھی:

حیدرآباد کے معروف ڈاکٹر شمس الدین شیخ کی زوجہ محترمہ غلام فاطمہ جو شیخ عبدالرحیم سندھی کی بڑی بیٹی تھی' وہ اپنی ایک کتاب میں رقم طراز ہیں کہ:

''حیدرآباد کے ہندوؤں میں آڈوانی اور کرپلانی خاندان اپنی عادات اور بود و باش کے سلسلے میں بہت مشہور تھے۔ وہ بڑے تاجر تھے اور ملازمتوں میں بھی بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ وہ بڑے خوشحال اور

سخی تھے۔ وہ شراب نہیں پیتے تھے اور صوفیانہ زندگی کا طریقہ اپنائے ہوئے تھے' اکثر موحد تھے۔ کئی ہندو اسلام کی خوبیوں سے متاثر تھے مگر ہندو جاتی سے نکلنا ان کے لیے دشوار تھا۔

سب سی پہلے میرے والد نے اسلام کا نعرہ لگایا' جس کی وجہ سے انہیں کئی تکالیف اور دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ہندو جتنی اسلام کی مخالفت کرتے' میرے والد اس سے زیادہ جرأت مندانہ طور پر اسلام کی تبلیغ کرتے۔ ان کی زبان میں بڑا مٹھاس تھا' اس لیے ہندو اپنے بچوں کو ان سے ملنے سے روکتے تھے۔

ایک دن دہلی سے ایک بزرگ اور جید عالم حیدرآباد تشریف لائے۔ شیخ صاحب ایک مسلمان دوست عبدالکریم ولد محمد بچل تیوری کے ساتھ وعظ سننے گئے' تو پھر ۸ دن تک برابر ان سے اسلام کی حقانیت کے بارے میں باتیں سنتے رہے۔

اب والد صاحب نے نمازیں پڑھنا شروع کیں اور روزے بھی رکھے۔ وہ اپنے دوست کی مدد سے سحری اور افطاری کے لیے کھانے کی اشیاء اپنی کمر سے باندھ کر رکھتے۔ والد کے مسلمان ہونے کی خبر نے عاملوں کو بہت پریشان کیا اور وہ شیخ صاحب کو واپس ہندو بنانے کی بڑی کوشش کرنے لگے۔ پہلے تو اس کے دوست عبدالکریم سے ملنے پر پابندی لگائی گئی' پھر خنزیر کا گوشت و قیمہ' مخفی طور پر پکوا کر کھلانے کی کوشش کی۔ مگر خدا نے ان کو بچا لیا۔ ایک درویش آدمی نے روکا کہ وہ قیمہ مت کھانا۔ پھر اسی دن ان کے بھائی ٹھاکرداس پانی میں ڈوب گئے اور ہندو وہ قیمہ کھلا نہ سکے۔

والد مرحوم کو یہ فکر تھی کہ وہ کس طرح اپنی بیوی اور بیٹیوں کو ان ہندو عاملوں کے محلے سے باہر نکالے۔ اس بات کا علم نانی جان کو ہو گیا تو اس نے اپنی بیٹی کو مسلمان ہونے سے بچانے کے لیے اپنے ڈوبنے کی دھمکی دی اور پھر میری والدہ کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ شیخ صاحب نے میری ماں کو مردانہ لباس بھی بنوا دیا تھا مگر وہ بھی کارآمد ثابت نہ ہوا۔ ایسا موقعہ ہی نہ ملا کہ اسے استعمال کیا جاتا۔ اس دوران آڈوانی خاندان میں بھی مورچول مسلمان ہو گیا' اس کے بیٹوں میں بھی میوہ رام وغیرہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلامی نام شیخ محمد صدیق اور شیخ غلام محمد تھے۔ ان کے بھتیجے شیخ شمس الدین ڈاکٹر (غلام فاطمہ کے شوہر) بھی آگے چل کر مسلمان ہوئے' مگر ان کے والد اور شیخ غلام محمد کے بھائی مہاسول مسلمان نہ ہوئے تھے۔ البتہ ان کی بہن مسلمان ہوئی وہ بیرسٹر حسن علی عبدالرحمٰن کی زوجہ بنی۔

والد مرحوم کو دوسرے ہندوؤں کو مسلمان کرنے کا جنون تھا۔ مذکور افراد بھی والد مرحوم کے مشورے سے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو ختنہ کرنے کے لیے ٹیاری بھیجا تو حیدرآباد کے عاملوں میں سور شرابا ہو گیا۔ انہوں نے شرط عائد کی کہ ختنہ کے وقت سرگس (بارات کی طرح جلوس جو سندھ میں اکثر ختنہ سے

قبل گھوڑے پر بٹھا کر دھوم دھام سے نکالا جاتا تھا) نہیں نکالا جائے گا۔ مگر اچانک سرکس نکالا گیا۔ ان کو گھوڑے پر بٹھا کر پورے بازار میں گھمایا گیا اور والد مرحوم نے ان کی رہنمائی کی۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ ہندوؤں کے حوصلے پست ہو جائیں۔

ان دنوں والد مرحوم کا تبادلہ جیکب آباد ہو گیا۔ وہ دو بیٹیوں (غلام فاطمہ اس میں شامل تھی) کی وجہ سے بڑا پریشان تھا کہ ان کو کسی طرح ہندو محلوں میں سے نکالے۔ آخر کار خوب میں ان کو زہر دی کر مارنے کا ڈراؤنا منظر بھی نظر آیا۔ عین ان دنوں مرحوم پیر عبدالرحمٰن سرہندی (پیر ہاشم جان کے دادا) نے ان کو اطمینان اور یقین دلایا کہ اگلے سال تمہارا پورا کنبہ مسلمان ہو جائے گا۔

آخر عید کے دن والدہ نے پختہ عزم کر لیا کہ وہ باہر نکلیں گی۔ والد مرحوم نے دو پٹھانوں (اعظم اور لعل خان) کو اپنے تعاون کے لیے تیار کیا۔ ہندوؤں نے سکھوں سے مدد مانگی ہوئی تھی۔ ان کو ہر وقت ہمارے باہر نکلنے کا خطرہ تھا۔ اس لیے بلوہ کرانے کا انتظام کر رکھا تھا۔

جب ان لوگوں اور پٹھانوں کے درمیان محلہ ''فقیر کا پڑ'' میں تو تو میں میں تک ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ والد مرحوم مجھے اور والدہ کو اپنے ساتھ لے کر حاجی احمد پانولی کے مکان میں لے آئے۔ میں نے ماں سے پوچھا کہ ہم کہاں آئے ہیں تو انہوں نے کہا' ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہیں ایک کمرے میں رکھا گیا۔ اس دن حیدرآباد میں بہت شور شرابہ ہوا' جس کا الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ ہندوؤں نے ہمارا پیچھا کیا' دھمکیاں دیں' مگر والد مرحوم نے ہندوانہ کپڑے اتار کر اب مسلمانوں جیسا لباس پہن لیا اور بلند آواز سے مسجد میں اذان دے کر نماز پڑھنے لگے۔ ہندوؤں نے اس مسجد اور گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ مالک مکان ڈر گیا مگر والد مرحوم ڈرے نہیں۔ وہ اللہ جل شانہ سے دعا مانگتے رہے۔ انہیں کامل یقین تھا کہ اللہ کے گھر میں وہ امن سے رہے گا۔ اس سے حاجی احمد کی بھی ڈھارس بندھی۔

رات گئے تک سارے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے' یہاں تک کہ وڈیل اور دیال سنگھ بھی چلے گئے۔ والد مرحوم ہمیں وہاں سے نکال کر پھلیلی کے نزدیک پیر پشینگی کے گھر لے آئے' وہ دل گردے والے آدمی تھے۔ اس نے فوراً کہا'' کل ہم کورٹ میں چلیں گے۔''

''چھوٹی بہن ابھی تک دادی کے پاس تھی' اس لیے ماں بڑی پریشان تھی۔ دادی نے بچی واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بلکہ انہوں نے مقدمہ دائر کر دیا کہ بچی کا ماں کے بغیر جینا ممکن نہیں۔ والد مرحوم نے بھی مقدمہ داخل کیا کہ ماں کی بغیر بچی نہیں رہ سکتی' اس لیے اسے ماں کے حوالے کیا جائے۔

بچی کو کورٹ میں لایا گیا' جہاں وہ دیکھتے ہی والد کی طرف بڑھی تو جج نے بچی ہمیں دے دی۔

ہندو اب بھی خاموش نہ رہے۔ انہوں نے کہا کہ بچی کی ماں کو زبردستی لے گئے ہیں اور مسلمان بنایا گیا ہے' مگر والدہ نے بھی کورٹ میں یہ بیان دے دیا کہ وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہوئی ہے اور مسلمان رہے گی۔

اس موقعہ پر والد مرحوم نے ان عاملوں کو بھی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اگر مسلمان ہونا چاہتے ہو تو ظاہر ہو جاؤ۔ اسی موقع پر میوہ رام اور بھگوانداس مسلمان ہو گئے۔ ان کے نام محمد صدیق اور غلام محمد بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے والد شیخ احمد (مور چول) بھی مسلمان ہوئے تھے۔

محمد صدیق نے اپنی اہلیہ اور پانچ بچے چھوڑ دیئے تھے اور غلام محمد نے بیوی کو بھی چھوڑ دیا تھا' کیونکہ و مسلمان نہیں ہوئی تھی اور شادی صرف ۹ ماہ پہلے ہوئی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ مقدمے والے دن حیدرآباد میں فساد ہونے کا بڑا خطرہ تھا۔ ہندوؤں اور مسلمان دونوں کے لیے اپنی اپنی عزت کا معاملہ تھا۔ یہ مقدمہ حسن علی آفندی وکیل نے چلایا تھا۔ (۲)

ہندوؤں نے ابھی شکست تسلیم نہیں کی تھی' وہ ہمیں واپس اپنے دھرم میں لانے کی برابر کوششیں کرتے رہے' انہوں نے الزام لگایا کہ ہماری ماں نے نکلتے وقت زیورات ساتھ اٹھا لیے ہیں۔

اس وقت کئی مسلمان بھی جوش میں آ گئے تھے' ان میں گوٹھ کرم خان نظامانی کے رئیس اللہ بخش نظامانی' ہالہ کے مخدوم غلام محمد نقشبندی پٹھان (۳) اور فیض محمد کلکٹر قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو جائے' اب کورٹ نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے مکان (پشوری محلّہ) کو ہی کورٹ بنایا گیا۔ ماں نے بیان دیا کہ:

''جس وقت میں گھر سے نکلی تھی' اس وقت میرا چچا ٹھاکرداس پھلیلی نہر میں ڈوب گیا تھا' جس کی وجہ سے زیورات سیف میں بند تھے۔'' (۴)

اسی موقعہ کو غنیمت جان کر والد صاحب کی تبلیغ سے چچا ٹھاکرداس کی بیوی کو بھی مسلمان کیا گیا۔ اسی نے اسی وقت علی الاعلان مسلمان ہونے کا اظہار کیا۔

ہمارے پاس کوئی ملکیت نہ تھی۔ مخیّر مسلمان ہماری اعانت کرتے تھے' ان میں سیٹھ حاجی وریل' سیٹھ حاجی یوسف' سیٹھ حاجی سکنو' عبدالرحمٰن میمن ڈپٹی' قاضی فیض محمد اور قاضی محمد لائق دس دس روپیہ ماہانہ دیتے تھے۔ انہوں نے ٹھوڑھا چاڑھی پر ایک مکان بھی لے کے دیا تھا۔ ہماری دادی ماں جو اندر میں مسلمان تھی وہ بھی ہماری کبھی کبھی مدد کرتی تھی۔ والد صاحب نے اپنے بھائی نانک کو بھی مسلمان کر لیا اور اس کا نام عبدالکریم رکھا۔ وہ قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہوئے اور استنبول میں شہید ہو گئے۔

جب والد مرحوم کو معلوم ہوا کہ پیر آغا حسن جان (پیر ہاشم جان کے والد) حج پر جا رہے ہیں' تو غربت کے باوجود وہ بھی اللہ کے سہارے تیار ہو گئے۔ جاتے وقت ان کو میری والدہ نے صرف ۱۸ روپیہ دیئے' مگر بعد میں زیورات بیچ کر ۶ سو روپے روانہ کیے تھے۔

ہم اب ۱۲ آدمی گھر میں کھانے والے تھے اور کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ مگر والدہ نے کبھی حوصلہ نہ ہارا اور خوب محنت کر کے دن گزارے۔ ہمارے گھر میں کافی برکت تھی۔

ایک دن گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا' اچانک ایک روزہ دار نے آواز دے کر دو آنے دیئے کہ انہیں روزہ افطار کرایا جائے۔ ان دو آنہ میں اتنی برکت ہوئی تھی کہ مہمان نے روزہ افطار کیا اور ہم سب مکینوں نے بھی کھانا کھایا۔

شیخ احمد جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے' ان کے ایک پوتے شمس الدین کی طبیعت والد مرحوم کو بڑی پسند آئی (بعد میں شمس الدین ڈاکٹر ہوئے تھے) اس لیے اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے۔ ان کو سرہندی پیروں میں لے گئے۔ اس طرح وہ بھی جلد مسلمان ہو گئے۔ بعد میں ان کی شادی حیدر آباد کی مسجد میں ہوئی' ان کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی اور میری عمر ۱۴ سال کی۔'' (۵)

یہ تھی شیخ عبدالرحیم سندھی کی کہانی اور اس طرح کے کئی ہندو حیدر آباد اور سندھ میں مختلف اوقات مسلمان ہوتے رہے اور ہندو اور مسلمانوں میں مذہبی جنگ جاری رہی۔ اس لیے ان میں ایک دوسرے سے نفرت بھی بڑھتی گئی۔ وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے تھے۔ دوقومی نظریہ برابر اور عملی طور پر نظر آ رہا تھا۔

اسی سلسلے میں دوسرا اہم واقعہ شیخ عبدالمجید سندھی کا بھی ہے۔ چونکہ وہ تنہا تھے' اس لیے وہ اور بھی زیادہ مشکل میں تھے۔

شیخ عبدالمجید سندھی:

ٹھٹھہ کے ایک ہندو دیوان لیلا رام کے گھر میں دو بچے تھے' ایک گیان چند اور دوسرا جیٹھا نند پرائمری تعلیم (۶) کے بعد وہ این۔ جے۔ وی ہائی اسکول کراچی میں داخل ہوئے' جس کے بعد انہوں نے عملی زندگی اختیار کی۔ اس عمر میں چھوٹا بچہ جیٹھا نند اپنے آبائی مذہب کو حقیقت سے دور دیکھ کر اپنے ذہن کو مطمئن نہ رکھ سکا اور اس نے اصل حقیقت اور سچائی کو حاصل کرنے کی جستجو شروع کی۔ اپنے بڑے بھائی کو اپنی پیاس سے باخبر کیا اور اسلام کو پرکھنے کا تہیہ کر لیا۔

گیان چند بھی کٹر مذہبی نہ تھا۔ وہ چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتا تھا۔ اس لیے اس نے چھوٹے بھائی کو

ٹھٹھہ کے ایک مسلمان چونگی انسپکٹر تاج محمد سے ملایا' جو مذہبی طور پر کافی روشن خیال تھا۔ جب تاج م
نے ہونہار بچہ جیٹھانند کے سامنے وحدانیت اور روحانیت کی پوری حقیقت آشکار کی تو بچے کی پیاس او
بڑھ گئی۔ وہ اسلام کی حقانیت سے بہرہ ور ہوتے گئے اور تشنگی دور کرتے کرتے آخر وہ وقت بھی آیا کہ کلم
طیبہ خود بخود اس کی زبان سے ادا ہونے لگا۔

یہ وہی دور تھا' جب حیدرآباد کے بطل حریت شیخ عبدالرحیم سندھی نہ صرف دائرۂ اسلام میں داخل
ہو چکے تھے' بلکہ کئی اور تعلیم یافتہ نوجوان ہندو بھی ان کے دست سعید پر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ا
میں شیخ عبدالسلام' شیخ عبدالقدوس اور شیخ عبداللہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں ڈاکٹر شیخ محمد یعقوب بھی تھے'
کراچی ہسپتال میں ملازمت کرتے تھے۔

جب شیخ عبدالمجید پر والدین کا شک وشبہ بڑھ گیا تو فیصلہ یہ ہوا کہ ان کو شیخ عبدالرحیم کے پا
حیدرآباد جانا چاہیے۔ وہ ایک وکیل کے پاس ملازم تھے۔ انہوں نے وہاں استعفیٰ دیا اور شیخ عبدالرح
کے پاس ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدرآباد پہنچ گئے' جن پر ہندوؤں کے تین مقدمے پہلے ہی چل رہے تھ
اور انہوں نے شیخ عبدالرحیم سندھی کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ جج ہندو' وکیل ہندو' دولت ہندوؤں کے
پاس اور افسر شاہی بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔ ان حالات میں جب شیخ عبدالمجید حیدرآباد پہنچے تو انہیں
رات کے اندھیرے میں ٹھوڑہ چاڑھی کے قریب قاضی امام علی چاڑھی پر واقع ایک مسجد کے پیش اما
مولوی خلیل احمد کے پاس پہنچایا گیا۔ انہوں نے اپنے حجرہ میں پناہ دی مگر اڑوس پڑوس میں ہندوؤں کے
مکان تھے' اس لیے دیا جلا کر روشنی کرنا بھی مصلحت کے خلاف سمجھا گیا۔

ہندوؤں نے اس دوران شیخ صاحب کی تلاش میں کراچی اور حیدرآباد کا کونہ کونہ چھان مارا۔ ا
شہروں میں جتنی بھی مساجد تھیں اور مدرسے تھے' وہاں ان کے جاسوسوں نے کئی چکر کاٹے مگر وہ اپ
ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخرکار رات کے اندھیرے اور سناٹے کا پھر فائدہ اٹھایا گیا اور شی
صاحب کو ٹھوڑہ چاڑھی مسجد سے نکال کر جامع مسجد صدر (حیدرآباد) منتقل کیا گیا۔ کیونکہ وہ جگہ پہلی جگہ
کے مقابلے میں زیادہ محفوظ تھی۔ وہاں پر چند دن کے قیام کے بعد ایک رات انہیں شیخ عبدالعزیز (ایڈ
''الحق'') اپنے ساتھ لاہور لے گئے۔ شیخ عبدالعزیز نے ہی یہ اطلاع دی تھی کہ ہندوؤں کی طرف۔
شیخ عبدالمجید کو ڈھونڈنے کی کوششیں تیز تر ہو گئی ہیں اور پولیس میں بھی رپورٹ درج کرا دی گئی ہے' ج
کی وجہ سے پولیس بھی ان کی پوری مدد کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ شیخ عبدالعزیز کو شیخ عبدالرحیم سندھی پر ہونے والے مقدموں کے سلسلے میں کوئی و

کرنا تھا' کیونکہ حیدر آباد میں ہندوؤں کی طاقت اور اثر ورسوخ کی وجہ سے کوئی وکیل ان کی مدافعت کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔

جب شیخ عبدالعزیز اور شیخ عبدالمجید لاہور پہنچے تو پہلے ایک معروف وکیل شہاب الدین سے رابطہ قائم کیا گیا' جنہوں نے ان مقدمات میں پیش ہونے کی حامی بھر لی۔(۷) اس کے بعد دونوں شیخ صاحبان لاہور سے لدھیانہ آئے' جہاں ایک معمولی تاجر شیخ احمد سے پناہ دینے کے لیے کہا گیا' جنہوں نے ایک مسجد کے حجرے میں شیخ عبدالمجید کے رہنے کا بندوبست کیا۔ مگر شیخ صاحب کی طبیعت بہت جلد خراب ہوگئی' جس کی وجہ مسلسل سفر کی تھکن اور اندھیرے حجروں میں رہائش اور خوراک کی کمی تھی۔ شیخ عبدالمجید اپنے طور پر ٹرین کے تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو کر واپس کراچی پہنچ گئے اور جونا مارکیٹ کے مشہور غلام محمد پشوری کے ہوٹل کے ایک کونے میں بستر لگا کر رہنے لگے۔

اس دوران طے یہ ہوا کہ شیخ صاحب کی عمر کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا جائے کیونکہ ان کے عزیز واقارب نے جو مقدمہ داخل کیا تھا' اس میں اسے صغیر (کم سن) بتایا گیا تھا۔ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی غرض سے شیخ صاحب کو سول ہسپتال آنا پڑا۔ جیسے ہی وہ ڈاکٹر سے مل کر واپس ہوئے تو سامنے ان کے چچا تکومل نظر آ گئے اور انہوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ پھر کیا تھا' تکومل نے دوڑ کر شیخ عبدالمجید سندھی کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اور گھر چلنے کے لیے منتیں کرنے لگا۔ انہوں نے بوڑھے ماں باپ کا واسطہ دیا جو بیٹے کی جدائی میں بہت پریشان تھے۔ مگر شیخ صاحب پر چونکہ اسلام کا عشق غالب تھا' اس لیے انہوں نے ساری منتیں اور ماں کی محبت کے واسطے کو نظر انداز کرتے ہوئے چچا کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور دوڑتے ہوئے جونا مارکیٹ پہنچے' جہاں سے انہیں مولانا عبداللہ اور ان کے بیٹے مولانا محمد صادق کے مدرسے سے کھڈہ میں لایا گیا۔ یہ مدرسہ ہمیشہ مومنوں کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے چھوٹے بڑے مدت مدید سے ان بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ یہاں پر یہ اطمینان تھا کہ اس محلہ میں کم از کم ہندوؤں کو آنے کی جرأت نہ ہوگی۔

یہاں پر مولانا عبداللہ کے ایمان پر شیخ عبدالمجید کی رسم طہر بھی کرائی گئی۔ یہ اس مومن کے صبر کے امتحان کا وقت تھا (بڑی عمر ہونے کی وجہ سے) ان کا خون بند ہی نہ ہو رہا تھا' جس کی وجہ سے ان کی حالت بہت نازک اور کمزور سی ہوگئی۔ دوسری طرف سٹی ڈپٹی کلکٹر کے جاری کردہ وارنٹ پر ایک گورے ایس پی نے ڈیڑھ سو سپاہیوں کے ساتھ پورے کھڈہ محلہ کو گھیرے میں لے لیا۔

جس جگہ پر شیخ صاحب کا قیام تھا اور انہیں چھپایا گیا تھا وہاں سخت پہرہ کی وجہ سے انہیں کسی بھی قسم کی

طبی امداد نہیں دی جا سکتی تھی۔ کوئی راہ نہ پا کر شیخ صاحب نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی کہ "اے پروردگا
اگر میری زندگی اہلِ اسلام کی خدمت کے لیے کارگر ہونی ہے تو مجھے صحت دے ورنہ مجھے جلد موت سے ہ
آغوش کردے اور اس عذاب سے نجات دے دے۔"

اللہ کی شان ہے ایک طرف دعا پوری ہوئی تو دوسری طرف خون بہنا بند ہو گیا۔ صحت مند ہونے کے
بعد شیخ صاحب کو اونٹ پر بٹھا کر سمندر کے کنارے پولیس کے گھیرے سے باہر نکال کر کیاڑی سے گھوما
سٹی ریلوے اسٹیشن پر لے آئے اور ٹرین میں سوار کر کے لاڑکانہ لے جایا گیا اور وہاں سٹی مجسٹریٹ کے
سامنے بیان دلوا کر ان کی عمر کا سرٹیفکیٹ ریکارڈ پر لایا گیا۔

یہ وہی دور تھا جب رئیس غلام محمد خان بھرگڑی نے لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے حیدر آبا
میں وکالت شروع کی تھی۔ شیخ صاحب کو رئیس موصوف کی طلب پر حیدر آباد پہنچایا گیا' جہاں سے رئیس
نے سٹی ڈپٹی کلکٹر کراچی کو ایک خط لکھا کہ شیخ عبدالمجید ان کی تحویل میں ہے اور مقدمہ کی تاریخ مقرر کیجیے
کہ انہیں عدالت میں پیش کیا جائے۔

مقررہ تاریخ پر جب شیخ عبدالمجید کو کورٹ میں لایا گیا تو ہزارہا ہندو اور مسلمان وہاں جمع ہو گئے تھے
اور نقصِ امن کے خدشہ کی وجہ سے پولیس کی ایک بھاری جمعیت کو عدالت کے باہر تعینات رکھا گیا۔

عدالت میں دونوں طرف سے زبردست دلائل دیئے گئے اور باوجود عمر کے سرٹیفکیٹ کے عدالت
نے شیخ صاحب کو مقدمہ کے دوران ان کے عزیزوں کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کیا۔ بازی ہاتھوں سے
جاتی ہوئی دیکھ کر رئیس غلام محمد بھرگڑی نے انتہائی جرأت سے کام لے کر کورٹ کو چیلنج کیا کہ وہ ایک بیرسٹر
کی حیثیت میں اپنے موکل کے تحویل کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار تھے۔ عدالت کس قانون کے تحت
لڑکے کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی اس کے عزیزوں کی تحویل میں دے رہی ہے۔ رئیس کے اس
ولولہ انگیز اعلان نے مجسٹریٹ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کیا اور شیخ صاحب کو رئیس صاحب کی تحویل میں
رہنے کی اجازت دے دی۔

اس فیصلے نے ہندوؤں کو بہت مایوس کیا اور مسلمانوں کے جمِ غفیر نے شیخ عبدالمجید کو اپنے کندھوں
اٹھا کر پورے شہر میں جلوس کی شکل میں گھمایا اور رئیس صاحب کی قیام گاہ تک پہنچایا۔ مسلمانوں کے ا
جوش و خروش سے متاثر ہو کر ہندوؤں نے مقدمہ سے دلچسپی ختم کر دی اور شیخ صاحب نے آزادی
ساتھ مسلمانوں کی طرح سندھ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ (۸)

اس نوجوان شیخ عبدالمجید سندھی نے آگے چل کر سندھ کی سیاست' سندھ کی بمبئی سے علیحدگی اور ا

کی آزادی میں جو کردار ادا کیا' وہ تو تحریکِ خلافت کے باب میں پیش کیا گیا ہے۔ خلافت تحریک' تحریک ریشمی رومال اور دوسری خدمات میں' خصوصاً روزنامہ الوحید میں بحیثیت ایک ایڈیٹر کے وہ ایسے نگینے کی طرح چمک رہے ہیں کہ ایسی اور کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔

مسماۃ زبیدہ عرف لال کرپلانی:

۱۹۳۳ء میں حیدرآباد کے کرپلانی خاندان کی ایک پڑھی لکھی خاتون لال کرپلانی مسلمان ہوگئی۔ اس کا نام زبیدہ رکھا گیا اور اس نے ایک مسلمان سپاہی غلام محمد سے شادی کر لی۔ شادی سے پہلے اس لڑکی نے اپنی بلوغت کا سرٹیفکیٹ ایک مجسٹریٹ سے اور دوسرا کراچی ہسپتال سے بھی حاصل کرلیا تھا۔

ان سارے حقائق کے باوجود ہندوؤں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح عورت کی واپسی ہو اور شادی منسوخ ہو جائے۔ یہ مقدمہ کئی ماہ تک چلتا رہا اور وہ دونوں غریب اس میں گھسٹتے رہے۔ (۹)

ہندوؤں نے مل کر وکیلوں کا ایک پینل بنا کر اس کے تحت مقدمہ لڑا۔ جب کہ مسلمانوں کی طرف سے خان بہادر غلام محمد بھرگڑی ایڈووکیٹ تھے اور ان کی طرف سے مسٹر حاتم' سید میراں محمد شاہ اور مرزا قادر بیگ پیش ہو رہے تھے۔

جس دن مقدمے کی پیشی ہوئی تھی' اس دن پورا حیدرآباد شہر بلکہ باہر کے لوگ بھی کورٹ پہنچ جاتے تھے۔ ہندو ہر حالت میں یہ مقدمہ جیتنا چاہتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کرپلانی گھرانہ ہندوؤں میں باعزت اور اونچی ذات والا تھا۔ ہندوؤں کو ڈر تھا کہ اگر مقدمہ ہار گئے اور یہ لڑکی مسلمان ہوگئی تو دوسری نیچ ذات والی لڑکیوں اور لڑکوں کو بڑی تعداد میں مسلمان ہونے سے روکنا مشکل ہو جائے گا۔

ہندوؤں نے اس مقدمہ کو بھی بڑی عزت اور وقار کا مسئلہ بنا دیا۔ جج بھی ہندو تھا۔ اس نے پہلے ہی ایک ایسے کیس میں فیصلہ ہندوؤں کے حق میں دے دیا تھا۔ اس بار بھی ہندو اس امید میں تھے کہ اب بھی فیصلہ ان کے حق میں ہوگا۔ مگر جب ۲۱ دسمبر کو عدالت نے فیصلہ دیا تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

اس دور کے ایک اخبار کا بیان ہے:

''یہ وہی جج تھا جس نے تلساں کے مقدمہ میں ناتھ اور دوسرے جواب داروں کو بھاری بھرکم سزائیں سنائیں اور ہندو دنیا میں شہرت حاصل کی۔ مگر یہاں اس کی بات نہ چل سکی۔ اب وہ ہندوؤں کے سامنے بڑا پاپی تھا۔''

"ہندو اخبارات نے ایک بار پھر طوفان کھڑا کر دیا ہے اس طرح کہ جیسے ان میں سے ہر ایک کا گھر گر گیا ہے۔"

خدائے ذوالجلال نے یہ ثابت کر دکھایا کہ "ان اللہ علی کل شئی قدیر۔"

مقدمہ میں کامیابی کے بعد مسماۃ زبیدہ نے ایک بیان دیا۔ مختصراً یہ کہ:

"میرے مسلمان ہونے اور ایک مسلمان سے شادی کرنے کو ہندوؤں نے روایتی ضد کی بنا پر اپنی انا کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ ہم میاں بیوی پر مقدمہ دائر کر دیا۔ ساڑھے سات ماہ کی تکالیف' مصائب اور بے پناہ اخراجات کے بعد خدا کے فضل و کرم سے حق کو کامیابی حاصل ہوئی اور باطل کو شکست...... مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمان ان لمحات میں میرا ساتھ نہ دیتے تو اس مقدمہ میں کامیابی مشکل تھی۔ بہرحال اسی لیے میں مسلمانوں کی شکر گزار رہوں۔" (۱۱)

اس دور میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جس اتحاد کا مظاہرہ کیا اس نے مسلمانوں کے چھوٹے تو کیا بڑے بڑے اور طاقتور لوگوں کو بھی تکالیف اور مصائب سے دوچار کر دیا تھا۔

۱۹۲۹ء کا ایک واقعہ ہے "پیر جو گوٹھ" میں ایک (مسلمان) موچی نے دو ہندوؤں کو قتل کر دیا اور وہ موچی بھی پولیس مقابلے میں مارا گیا۔ ہندوؤں نے اپنے اخبارات میں پیر پاگارو کے لیے اودھم مچانا شروع کیا اور مطالبہ کیا کہ دوہرے قتل میں خود پیر صاحب ملوث ہیں' اس لیے انہیں گرفتار کیا جائے۔

ہندو مہا سبھائیوں نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ واقعی پیر پاگارو کو گرفتار نہ کیا گیا اور گرفتار کرنے سے پہلے ان سے اسلحہ بھی چھین لیا گیا۔ پورے گاؤں میں پولیس کا پہرہ لگایا گیا اور اس کا خرچہ بھی پیر صاحب سے لیا گیا۔

اس پوری روداد پر مولوی نور محمد صاحب نے "نور الاسلام" جریدے میں ایک اداریہ لکھا جس کا عنوان تھا:

پیر پاگارو کی گرفتاری پر دو آنسو:

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

......مسلمان آج ہندوؤں کے ہاتھوں میں اگر سیدھی طرح غلام نہیں پھر بھی اس میں شک نہیں کہ وہ جس طرح چاہیں ذلیل و تباہ کر سکتے ہیں۔ گاؤں کے ان پڑھ اور کمزور مسلمان اتنے فنا ہو چکے ہیں کہ ایک

طرف ہندو تو دوسری طرف پولیس ان کو جس طرح بھی چاہیں موڑ سکتے ہیں۔ گویا وہ ان دونوں بھیڑیوں کے منہ میں ہیں۔

سردار واحد بخش بھٹو کو گورنر بمبئی کے ٹیلی گرام پر آزاد کیا گیا تو ہندو عوام نے طوفان برپا کر دیا۔ نتیجے میں دوبارہ مقدمہ چلانے کے لیے حکومت مجبور ہو گئی۔ سنتے ہیں کہ سردار صاحب کا اس مقدمہ پر اب تک سات آٹھ لاکھ روپیہ خرچہ ہو چکا تھا' اس کے عوض سردار صاحب اگر ایک اخبار جاری کرتے تو وہ غریب اور پسے ہوئے عوام کے کام آتی۔

آج ہندوؤں کے پروگرام کے تحت ایسا شخص مصائب کا شکار ہوا ہے' جسے سندھ کا بادشاہ کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ لاکھوں افراد ان کے لیے پروانوں کی طرح اپنی قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔

پیر صاحب کی گرفتاری سے کئی ماہ پہلے ہندو نواز اخبارات نے ایسا زہر پھیلایا کہ آخر انہیں گرفتار کیا گیا۔ در پردہ کوئی بڑی سازش کام کر رہی ہے۔'' (۱۲)

سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کی تحریک کے دوران جب یہ تحریکِ آزادی مراحل میں داخل ہوئی اور علیحدگی صاف نظر آنے لگی تو سندھ کے ہندوؤں نے فساد برپا کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کی شان میں حیدر آباد کے ایک ہندو نتھو رام سے ۱۹۳۲ء میں ایک گستاخانہ کتاب لکھوائی اور مفت تقسیم کروائی۔ مسلمانوں کے احتجاج پر حکومت نے اسے گرفتار تو کر لیا مگر ہندو وکلا اور عام لوگ اسے رہا کرانے کی کوشش کرنے لگے۔

مقدمہ چلنے کی دوران ۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء کو ایک مسلمان عبدالقیوم پٹھان نے اسے اس وقت قتل کر دیا جب وہ عدالت میں موجود تھا۔ پولیس کا باہر سخت پہرہ تھا۔ ایک بجے اچانک عبدالقیوم نے کورٹ روم میں جج اور وکلا کے درمیان چاقو کے تین وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس پر پورے ہند اور سندھ کے ہندو رہنماؤں نے ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ (یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ) جب عبدالقیوم پر مقدمہ چلایا جا رہا تھا تو اس نے کہا تھا: ''نتھو رام کو فقط جیل کی سزا ہوتی حالانکہ اس کی سزا موت تھی' جو اسے مل چکی۔ اب مجھے بھی پھانسی دے دو۔'' (روزنامہ الوحید ۲۲ ستمبر ۱۹۳۳ء)

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ہم ہندو دنیا کو وقت بوقت خبردار کرتے رہے کہ وہ اپنے لوفر طبقہ پر ضابطہ رکھیں مگر اصلاحی اقدام اٹھانے کے بجائے آئے دن بدتمیزی کے بازار گرم رہے۔ یعنی اس بدنیت فرقہ کے بدتہذیب افراد سلام اور پیغمبر اسلام کے لیے جھوٹے حملے کرتے رہے۔ جس کے در پردہ سارے ہندوؤں کا ہاتھ نظر آتا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان جذبات میں آ کر کوئی ایسا قدم اٹھائیں کہ وہ سندھ کی علیحدگی کے خلاف پروپیگنڈہ کر سکیں ...... اور اب اسی پروگرام کے تحت انہوں نے ایسا ہی کیا ہے کہ وائسرائے ہند اور برطانوی پارلیمنٹ تک ہندوؤں نے تار بھیجے ہیں کہ سندھ کو علیحدہ نہ کیا جائے۔" (۱۳)

ہندوؤں کی طرف سے نکلنے والا اخبار "فتح" نے اس واقعہ پر لکھا:

"مسلمانوں کے پاس محمد صاحب کی عزت بچانے اور ان کے کردار کو خوبی سے پیش کرنے کے لیے اور تسلی بخش جواب ہی نہیں' اسی وجہ سے وہ قتل کرنے پر اتر آئے۔ نتھو رام کو قتل کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا ایک دشمن کم ہوا مگر مسلمانوں کو یہ نوٹ کرنا چاہئے نہ ان کی (عبدالقیوم) ہلاکت سے یہ سمجھا جائے گا کہ اسلام ایک گرا ہوا اور لعنتی مذہب ہے۔" (۱۴) (نعوذ باللہ)

اسی طرح ہندوؤں کی یہ ہرزہ سرائی "چاند" اخبار میں بھی ملتی ہے کہ وہ کس طرح مسلمانوں کی دل آزاری کرتے تھے:

وہ "القیوم" (۱۵) دوزخی کتا۔ اس نے نتھو رام کو قتل کر کے نہ صرف اسلامی تہذیب سے پردہ اٹھایا ہے بلکہ جملہ شیر دل ہندوؤں کو نیند سے بیدار بھی کیا ہے اور انہیں کہا ہے کہ اٹھو اور ایسا کام کر دکھاؤ کہ مسلمانوں کے دل سے "یا حسین۔ یا حسین" اور المدد و المدد" کی چیخیں نکل جائیں۔ ہم مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ان کا مذہب ربڑ کا غبارہ ہے جو نتھو رام کی کتاب کے اثر سے پھٹ جائے گا؟

اگر کسی ہندو کے قلم کے ایک ہی تیر سے اسلام خطرہ میں آ جاتا ہے تو ایسے اسلام کی خواہش اور آرزو رکھنا کیسی انسانیت ہے۔ اسلام خونخوار اسلحے کا نام ہے...... وغیرہ (۱۶) اس مضمون میں تو اور بھی مسلمانوں اور اسلام کو بے تحاشا گالیاں دی ہوئی ہیں۔

اخبار "سنسار سماچار" میں بھی اسی طرح اسلام کے خلاف علی الاعلان بکواس کی جاتی تھی' جس کا خلاصہ ہے:

"اسلام ایک خونی اور وحشی مذہب ہے۔ پورے سندھ کے ہندو مل کر اسی خونی اور وحشی مذہب کو ختم کر دیں گے۔" (۱۷)

"سندھ ہندو" اخبار لکھتا ہے:

"عبدالقیوم نے سیشن کورٹ میں بیان دیا ہے کہ اس نے نتھو رام کو خدا کے حکم کے تحت قتل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خون کے مقدمہ میں خدا کو جوابدار بنایا ہے۔ عدالت کو چاہئے تھا کہ غازی عبدالقیوم کے خدا صاحب کو بھی اس کے ساتھ مجرموں کے کٹہر میں کھڑا کرتے۔ جب عبدالقیوم کو عدالت

نے مجرم جان کر خون کے بدلے پھانسی کی سزا دی ہے تو اصل جوابدار ''خدا'' کی آخری کونسی سزا ہو سکتی ہے۔'' (۱۸) (نعوذ باللہ)

یہ انگریز کا دور تھا جس میں ہندوؤں میں ایسی ہمت اور حوصلہ کی بات نظر آتی ہے اور اسی وجہ سے ہندوستان کو بھی دولخت ہونا پڑا۔ دوقومی نظریہ کی اصل بنیاد ہی یہی تھی۔ جس سے انکار کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے برابر تھا۔

اسی وجہ سے مولانا نور محمد نظامانی لکھتے ہیں:

''ہم سندھ اور بمبئی حکومت سے پوچھتے ہیں کہ ان شرمناک حملوں کے بعد ہم کون سا راستہ اختیار کریں۔ سندھ سے ہجرت کر جائیں یا ان ناپاک حملوں کو برداشت کر کے اپنی عزت کو داغدار کرتے رہیں اور ہندوؤں کے غلام بن کر رہیں۔ یہ دونوں صورتیں ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم صاف صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ اب مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اب زیادہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ فساد' گالیاں اور الزام تراشیوں کا یہ لامتناہی سلسلہ اسی لیے شروع کیا گیا ہے کہ سندھ کی علیحدگی میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ بمبئی حکومت سے یہ استدعا ہے کہ ان حالات میں وہ مسلمانوں کے لیے کوئی راہ بتائے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اب اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہیں کریں گے۔'' (۱۹)

یہ بات بھی نوٹ کی جائے کہ انگریز کا قانون اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب کو تحفظ دے رہا تھا۔

ان دنوں جب ہندو اخبارات بکواس اور گستاخی کرتے تھے تو حکومت اور قانون نے کوئی قدم نہ اٹھایا۔ مگر جب مولانا نور محمد نظامانی نے مضامین یا نظمیں لکھنا شروع کیں تو ان کے اوپر عتاب نازل ہوا۔ وہ ''طیراً ابابیل'' میں لکھتے ہیں:

''فتح اخبار جاری ہوا جس نے مسلمانوں اور اسلام کو گالیاں دیں۔ چاند اخبار جاری ہوا تو اس کا مقصد بھی فقط مسلمان' پیغمبرِ اسلام اور خداوند کریم پر حملے کرنا تھا۔ اس نے اپنے پرچے کی ابتداء ہی اس عنوان سے کی کہ:

''شیطان کا خدا کو چیلنج کہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر آسمان چھوڑ دو ورنہ تیری خدائی کی خیر نہیں۔'' (نعوذ باللہ)

مجبور ہو کر میں نے بھی جواب لکھنے شروع کیے جو ہندوؤں کے تناسخ ارواح یا آواگون (یعنی جون کا بدلنا) وغیرہ کے سلسلے میں تھے۔ بس پھر کیا تھا ہندو دنیا میں وہ طوفان برپا ہوا کہ خدا کی پناہ۔ اس سے متاثر ہو کر نظم والے اس پرچے پر تنبیہ کی گئی۔ مجھے تو حیرت ہوئی کہ ان کو تو کچھ نہیں کہا اور میرے اوپر قانونی

پابندی عائد کی گئی۔

میں یہ کھلم کھلا بتا دیتا ہوں کہ اگر میری ذات پر ہندوؤں کی طرف سے حملے کیے گئے تو کسی حد تک صبر سے کام لے سکتا ہوں۔ مگر حضرت محمد ﷺ کی شانِ اقدس میں ذرہ برابر حملہ کیا گیا تو وہ ہمارے اسلامی جذبات سے کھیلنے کے مترادف اور غیرت کے لیے چیلنج ہوگا۔'' (۲۰)

ہندو مسلم علیحدگی کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ دوقومی نظریہ ازل سے اور اصولی قسم کا ہے۔ ہندو مسلم ایک نہیں ہو سکتے اور انگریز حکومت میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔ جب کہ ہندو محکوم تھا' تو اس حد تک بات نہ بڑھی وہ ہندو ذہنیت کا مظاہرہ نہ کر سکا اور مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اقلیت کا خیال رکھے۔ ان کے خداؤں کو برا بھلا نہ کہے۔ ان کی عبادت گاہوں کا احترام کرے۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر میں انگریزوں سے پہلے نسلی فسادات قومی سطح پر نہیں ہوئے۔ کوئی مثال ہوگی تو انفرادی اور شخصی قسم کی۔

یہ واقعہ جیکب آباد کا ہے۔ اپریل ۱۹۲۹ء میں ہندوؤں نے ایک ابوالحسن نامی مسلمان کو قتل کر دیا۔ ابوالحسن جیکب آباد ضلع کی معروف دینی شخصیت مولوی عبدالوہاب کا بیٹا تھا۔ ابوالحسن خود بھی ایک عالم تھے۔ ان کی ایک ہندو سے دوستی تھی۔ ہندوؤں کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں ابوالحسن اس ہندو نوجوان کو مسلمان نہ بنا دے۔ اسی خوف کے نتیجے میں ابوالحسن کا قتل کیا گیا اور اسی سازش میں آٹھ دس مقامی ہندو سیٹھ شامل تھے۔

اس واقعہ کے بعد ایک اور سازش کے تحت ہندوؤں کے ۹ر آدمیوں کو گولیوں سے قتل کر دیا گیا۔ وہ سب کے سب غریب ہندو تھے۔ اس سازش میں بھی جیکب آباد کے ہندوؤں (سیٹھوں) کا ہاتھ تھا۔ مقصد تھا مقدمے کی آڑ میں مسلمانوں کے معزز زمینداروں کو ملوث کر کے ان کو مالی طور پر تباہ کرنا۔

بس پھر کیا تھا۔ پورے سندھ کے ہندوؤں نے سندھ اور ہندوستان کو سر پر اٹھا لیا۔ ضلع جیکب آباد کا شاید ہی کوئی معزز اور زمیندار بچا ہو' جسے انہوں نے اس مقدمے میں نہ پھنسایا ہو یا اس کے گھر کی تلاشی تک نہ کروائی ہو۔ ہندوؤں کے رہنماؤں اور اخبارات کے ایڈیٹر جو ہندو تھے' سب کے سب جیکب آباد پہنچ گئے اور اس معاملے کو مزید تقویت دینے کے لیے انتظامیہ پر بہت دباؤ ڈالتے رہے۔ (۲۱)

اس تکلیف دہ موقع پر شیخ عبدالمجید سندھی' سر عبداللہ ہارون کے ساتھ جیکب آباد آئے اور پھر اس واقعہ کی تفصیلات ''روزانہ الوحید'' میں سات قسطوں میں ۱۶ر جون تک شائع ہوئیں اور اس سازش سے پردہ اٹھایا۔

''ابوالحسن ۱۶ر اپریل کو قتل ہوئے پھر ۱۷ر اپریل کو تھانیدار کے مکان پر پوسٹر لگایا گیا کہ:

''سننے میں آ رہا ہے کہ ابوالحسن کے قتل کا معاملہ رفع دفع (سندھی میں لیے مٹی) کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کے پاس جوابدہ ہو۔ اگر قاتل رجوع نہ ہوئے (پکڑے نہ گئے) تو بدلہ میں دس قتل کروں گا۔'' (ایک مومن)

اس پوسٹر پر شیخ عبدالمجید سندھی (ایڈیٹر الوحید) بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ا۔ آخر میں ''ایک مومن'' لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی بھی مسلمان یہ پوسٹر لکھتا تو وہ ''ایک مسلمان'' لکھتا نہ کہ ''مومن'' یہ تو ہندو ہی ہیں جو مسلمانوں کو ''مومن'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ (۲۲)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''ابوالحسن'' جیسی معروف شخصیت کے بدلے میں اگر کوئی مسلمان قتل کرتا تو ان گاؤں کے مسکین اور غریب ہندوؤں کی بجائے سیٹھوں کو قتل کرتا۔

ان قاتلوں نے قتل کرانے کے بعد نہ صرف پورے سندھ کو سر پر اٹھالیا ہے بلکہ جلسوں میں ماتم ہے' اخباروں میں ماتم ہے۔ پنچائتوں کے وفود کراچی آئے ہیں۔ تاروں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ چندے اکٹھے کیے جارہے ہیں۔ مگر ان مظلوم اور مسکین ہندوؤں کے ورثاء کو تو ایک پائی تک نہیں دی گئی۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح مسلمان اس ایک الزام میں پکڑے جائیں اور اصل قاتل سکون سے رہیں۔

ہندوؤں نے اب تک یہ الزام جیکب آباد میونسپلٹی کے صدر میر نور محمد پر لگایا ہے' جو بہت بڑا زمیندار ہے اور لاکھوں روپیہ خرچ کرسکتا ہے اور دوسرے مسلمان خان بہادر دلمراد خان پر جو ۷۔۸ برس تک بلدیہ جیکب آباد کے صدر رہ چکے ہیں۔'' (۲۳)

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سندھ میں عملی طور پر جس انداز سے دوقومی نظریہ پروان چڑھا تھا اور ہندو مسلم ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرچکے تھے' وہ ۱۹۳۵ء سے ہی نظر آ رہا تھا' جب سندھ کے مسلمانوں نے سندھ کی بمبئی صوبہ سے علیحدگی کی تحریک کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر آگے چل کر علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے اسی بات کو سیاسی اسٹیج سے پیش کیا تھا۔

مسماۃ اسلام خاتون عرف کشنی برہمن:

ایک ہندو عورت جو مسلمان ہوئی اور اس کا نام اسلام خاتون رکھا گیا تھا' اسے ہندوؤں نے اتنا پریشان کیا کہ وہ ایک داستان بن گئی۔

اس عورت نے اس دور کے ایک ہفتہ وار میگزین ''مسلمان'' میں خط شائع کروایا جو میرپور خاص سے نکلتا تھا۔ اس خط کے حوالے سے رسالہ لکھتا ہے:

غریب بیوہ اسلام خاتون اس وقت سخت دارو گیر ہے' کئی دنوں تک اس نے جیل کاٹی اور اتنی تنگ ہو گئی کہ اس نے ایک خط اخبار کے نام لکھا ہے جو پڑھنے سے دل تڑپنے لگتا ہے۔ کلیجہ ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔ آنکھیں رو رہی ہیں کہ ہائے ہائے۔ اسلام کی ایک شدت سے شیدا خاتون سے کیا کیا کارستانیاں ہوئی ہیں۔ ہم وہ خط اس کے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں۔

سندھ کے مسلمان بھائیوں سے اپیل:

''بھائیو! ایک مسلمان بہن کو ظلم سے بچایئے۔ میں ''اسلام خاتون'' عرف کشنی برہمن' اوباڑہ (ضلع سکھر) عرض کرتی ہوں کہ میرا مقدمہ' جو روہڑی میں چل رہا ہے' وہ اب اوباڈرہ منتقل ہو گیا ہے۔ میں نے مجسٹریٹ سے گذارش کی تھی کہ وہاں تو میرا خون ہو جائے گا لیکن پنچائت کے زور پر ایسا کیا گیا ہے۔ مجھ پر وقت بوقت دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ میں اسلامی مذہب ترک کر دوں۔ اسی بات سے مجھے انکار ہے۔ میرا سر رلانے کے لیے مقدمہ منتقل کیا گیا ہے۔ خدا کے نام پر میری مدد کیجئے اور میرا خون ہونے سے بچایئے اور اس کے لیے کوئی انتظام کریں۔

اسلام خاتون۔ سکھر (۲۴)

مذکورہ کئی مثالیں پیش کرنے کے علاوہ ایک اور بات بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ:

سندھ میں وہ غیر مسلم جو حرام چیزیں کھاتے ہیں ایسے جانور کھاتے ہیں جو مسلمانوں کے مذہب میں حرام ہیں' ان لوگوں کو تو مسلمان اپنے برتنوں کو چھونے بھی نہیں دیتے اور اگر انہیں پانی پلاتے ہیں تو ہاتھ میں پلاتے ہیں۔

اس کے برعکس وہ ہندو جو بنیا کہلاتے ہیں' گوشت خور نہیں ہیں۔ مسلمان نہ صرف ان کو اپنے برتنوں میں کھلاتے ہیں بلکہ ان کے ہاتھ کی چیزیں بھی کھا لیتے ہیں۔ مگر تقسیم ہند سے پہلے یہ بات نہیں تھی۔ اس طرح ہندو اپنی اچھوت قوموں سے سلوک کرتے تھے' مسلمانوں سے بھی ان کا یہی سلوک تھا' بلکہ اس سے بھی کمتر۔ ''وہ مسلمانوں کو ہاتھ میں پانی پلاتے تھے اور مسلمانوں سے ہاتھ ملانا بھی پاپ سمجھتے تھے۔ ''راہ چلتے دو انگلیاں اٹھا کر ''میاں دعا'' کہہ کر جان چھڑاتے تھے۔ مجموعی طور پر سیاسی' سماجی اور اقتصادی لحاظ سے مسلمان ہندو کی نظر میں کمتر اور کمزور تھا۔ (۲۵)

☆☆☆

سندھ مسلم لیگ کا دوسرا دور اور حکومتِ سندھ

یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مسٹر سدھوا کی طرف سے پیش کردہ ایک روپیہ کی کٹوتی کی تجویز پر سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس شکست میں جی ایم سید اور پیر علی محمد راشدی (وہ ممبر نہ تھے) کا اہم کردار تھا۔(۱)

چونکہ اسمبلی میں پہلے ہی خان بہادر اللہ بخش سومرو کو اکثریت حاصل تھی' جیسا کہ انتخابات کے نتائج میں دکھایا گیا تھا' ان کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی۔ خان بہادر نے اتحاد پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے کانگریس اور ہندو ارکان کے تعاون سے ۲۳ مارچ ۱۹۳۸ء کو اپنی وزارت اس طرح بنائی:

خان بہادر اللہ بخش سومرو وزیر اعظم' وزیر خانہ و داخلہ

نہچلداس وزیرانی وزیر۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی

چیتومل وزیرانی وزیر۔ پبلک ہیلتھ اور میڈیکل

پیر الٰہی بخش وزیر۔ ریونیو

اسی سال اکتوبر ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کراچی بڑے پیمانے پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور سندھ کے ۲۹/ارکان نے ایک عہد نامہ پر قائداعظم کے روبرو دستخط کیے کہ وہ اسمبلی میں مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے۔ اس کی ذمہ داری جی۔ ایم۔ سید پر ڈالی گئی کہ وہ اللہ بخش سومرو کی وزارت کے خلاف تحریکِ عدم اعتماد پیش کریں گے۔(۲)

باوجود اس کے کہ سندھ مسلم لیگ کو منظم کرنے میں قائداعظم کو کامیابی تو ہوئی تھی' مگر ضروری تھا کہ سندھ اسمبلی کے اندر موجود چھوٹے چھوٹے گروپوں کو ختم کر کے مسلم لیگ میں شامل کیا جائے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہر ایک اپنے آپ کو رہنمائی کے لیے پیش کر رہا تھا اور اس کے لیے سب کی رضامندی اور اسمبلی ممبران کی حمایت بھی ضروری تھی۔

اس وقت شیخ عبدالمجید سندھی نے ممبران اسمبلی کی جو تصویر کشی کی ہے' اس کے مطابق ''وزراء قوم کے خیر خواہ نہیں۔ اب تک انہوں نے کوئی بھی بھلائی کا کام نہیں کیا۔ اس وزارت پر مسلمانوں کو اعتماد نہیں ہے اور یہ وزارت کانگریس کی ہے' جس کی ہم لوگ قرارداد میں مذمت بھی کر چکے ہیں۔

باوجود اس کے کہ کانگریس نے اعلان کیا تھا کہ وہ سندھ کی موجودہ وزارت میں مداخلت نہیں کرے گی، مگر اب جبکہ سارے مسلمان اسمبلی ارکان مسلم لیگ کے پرچم تلے وزارت قائم کرنا چاہتے ہیں تو تاروں اور ٹیلیفونوں کے ذریعے تنقید ہو رہی ہے۔"(۳)

جی ایم سید (سید غلام مرتضیٰ شاہ) نے اس موقعہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

موجودہ وزارت کو قائم کرنے میں، میں مددگار تھا مگر اب مخالف ہوں...... وہ دوست نما دشمن ہیں...... مسلمانوں کے دلوں میں کانگریس کی جو محبت تھی، اس کو ختم کرنے کے لیے موجودہ وزیر جوابدہ ہیں۔ اب بھی اگر خبردار نہ ہوئے تو موجودہ وزراء اپنی وزارتوں کو قائم رکھنے کے لیے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں، کبھی مسلمانوں کے آگے سر جھکاتے ہیں، کبھی کانگریس کی چوکھٹ چومتے ہیں، مگر اب سندھ کے لوگ بیدار ہو چکے ہیں۔ اس لیے ان کو چاہئے کہ اپنا رویہ بدلیں۔"(۴)

اس موقعہ پر میر ایوب خان اور خان فقیر آف ایبٹ آباد کی تقاریر کے بعد قائداعظم کی موجودگی میں سندھ مسلم لیگ پارٹی کو از سر نو زندہ کیا گیا۔ اس وقت سندھ صوبائی مسلم لیگ کے عہدیدار یہ نامزد ہوئے:

صدر:	حاجی عبداللہ ہارون
نائب صدر:	پیر غلام مجدد سرہندی
جنرل سیکرٹری:	شیخ عبدالمجید سندھی
جوائنٹ سیکرٹری:	(i) پیر علی محمد راشدی
جوائنٹ سیکرٹری:	(ii) آغا غلام نبی پٹھان
خزانچی:	سر غلام حسین ہدایت اللہ (۵)

آل انڈیا مسلم لیگ کاؤنسل کے سندھ سے جو ارکان نامزد کیے گئے وہ یہ تھے:

کراچی:۔

پیر غلام حیدر شاہ۔ سید مہر علی شاہ (سجاول) سر غلام حسین ہدایت اللہ، مولوی ضیاء اللہ، مولوی ظہور حسین درس، محمد ہاشم گذدر اور شیخ عبدالمجید سندھی۔

حیدرآباد:۔

پیر حاجی عبدالستار جان سرہندی، رئیس غلام بھرگڑی، بابو جلال الدین، میر بندہ علی خان تالپور اور شیخ نور محمد

میرپورخاص: عبدالغفار خان (پلیڈر)

نوابشاہ: سید حسین بخش شاہ (سکرنڈ) سید خیر شاہ اور سید نور محمد شاہ

دادو: پیر علی محمد شاہ راشدی اور جی ایم سید۔

لاڑکانہ: قاضی فضل اللہ، محمد ایوب کھوڑو اور غلام محمد اسران

سکھر: شیخ واجد علی (شکارپور) آغا نبی پٹھا (سلطان کوٹ) آغا نظر علی خان (ایڈیٹر سندھ زمیندار۔ جیکب آباد) اور شیخ عبدالحکیم۔ (۶)

باوجود اس کے کہ سندھ مسلم لیگ کی تنظیم نو مرکزی رہنماؤں کی موجودگی میں ہوئی۔ حکومت سندھ کے کانگریسی حمایتی وزیر اعلیٰ خان بہادر اللہ بخش سومرو بھی اس میں شریک رہے مگر بات جب اسمبلی میں مسلم لیگی پارٹی کے وزیرِ اعلیٰ کی زیر بحث آئی تو اس میں وہ سارے مسلمان اسمبلی ممبران متفق نہ ہو سکے۔ حالانکہ متفقہ فارمولے پر ۲۷ ارکان نے دستخط بھی کر لیے تھے۔ (۷) اس دوران جو واقعات رونما ہوئے ان کا مختصراً جائزہ کچھ یوں ہے کہ:

''جب وزیر اعلیٰ سندھ مسٹر اللہ بخش سومرو سے مسلم لیگ کے صدر سر حاجی عبداللہ ہارون نے مسلم لیگ میں شمولیت کے لیے کہا تو سومرو صاحب نے اپنے لیے وزیر اعلیٰ برقرار رہنے کی شرط عائد کی اور اس وقت اسے اسمبلی میں اکثریت بھی حاصل تھی، مگر مسلم لیگ کے کچھ سرکردہ ارکان ان کی وزارت اعلیٰ سے ناخوش تھے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

قائداعظم کے مشورہ کے مطابق ۱۳ اکتوبر کو مسلم اسمبلی ممبرز کی میٹنگ کے لیے وزیر اعلیٰ سندھ اللہ بخش سومرو اور پیر الٰہی بخش نے دعوت نامے جاری کر دیئے۔ مقصد تھا پارٹی لیڈر کا انتخاب اور وزراء کے نام تجویز کرنا۔

اجلاس میں ممبران کی اکثریت یا ان کے نمائندوں نے شرکت کی اور متفقہ فیصلہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جب اجلاس شروع ہوا تو اللہ بخش سومرو نے اپنی شرط کو پھر دہرایا کہ مسلم لیگ کا پارٹی لیڈر اسے بنایا جائے اور وہی وزیر اعلیٰ برقرار رہے۔

دستخط کرنے والے ارکان میں اللہ بخش کے حمایتی زیادہ تھے، مگر جن ارکان کو سومرو صاحب پسند نہ تھے وہ ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ بحث مباحثے کے بعد جلد ہی اللہ بخش سومرو اجلاس سے چلے گئے۔ جس کے بعد سر غلام حسین کو مسلم لیگ پارٹی کا لیڈر اور میر بندہ علی کو ڈپٹی لیڈر منتخب کیا گیا۔

دوسری طرف سندھ کانگریس پارٹی نے مرکزی کانگریس کو سندھ کی سیاسی فضا سے باخبر رکھا، انہیں بھی یہ ہدایت کی گئی کہ کانگریس کے ارکان اسمبلی اللہ بخش سومرو سے تعاون جاری رکھیں اور اس طرح

کانگریس وزارت قائم رہے گی۔ اسی لیے کانگریس کی طرف سے سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی سندھ کا دورہ کیا کہ کانگریس کا سندھ کے اندر اثر برقرار رہے۔

اللہ بخش سومرو وزارت کو دوطرفہ خطرہ یہ تھا کہ اگر (۸) وہ مسلم لیگ کو راضی رکھتے ہیں تو ہندو گروپ مخالف ہو جاتا ہے اور اگر ہندو گروپ کو راضی کرتے ہیں تو مسلم لیگ مخالف بن جاتی ہے۔ ایسی صورتحال میں مسلم لیگ نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرلیا کہ کسی طور پر بھی اللہ بخش سومرو وزارت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنی ہے اور اس کے لیے انہوں نے پروگرام بھی مرتب کرلیا۔

اللہ بخش سومرو بہترین پارلیمینٹرین تھے۔ انہوں نے ۲۰ فروری ۱۹۳۹ء کو اپنی وزارت میں وزراء کا اضافہ کیا اور مسلم لیگ کے لیڈر اور ڈپٹی لیڈر سرغلام حسین اور پیر الٰہی بخش کو شامل کر کے وزارتوں میں ردوبدل کر دیا۔ پیر الٰہی بخش کو تعلیم اور سیلف گورنمنٹ' میر بندہ علی ٹالپور کو ریوینیو' ڈیٹل مل دولت رام کو زراعت اور جنگلات اور سرغلام حسین کو داخلہ' قانون اور عمومی انتظامات کے محکمے دیئے۔

اسی طرح مسلم لیگ کی طاقت میں ایک بار پھر کمی آ گئی۔ اس کے دو اہم رکن حکومت میں شامل ہو گئے۔ اب سوائے اس کے کہ رائے عامہ کو کسی جذباتی مسئلہ پر متحد کر کے اس حکومت کو کمزور کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا' اس لیے مسلم لیگ کے کچھ ارکان نے اپنے طور پر مسجد منزل گاہ کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ (۹)

مسجد منزل گاہ کا سانحہ:

مسجد منزل گاہ سکھر میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے وہ اس وقت زبون حالت میں تھی۔ مسجد کے سامنے ہندوؤں کا ایک مندر ''سادھ بیلہ'' دریا کے اندر ایک چھوٹے سے جزیرہ پر واقع تھا۔ ہندو مسجد کو مسافر خانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ سکھر کے مسلمانوں نے حکومت بمبئی سے وقت بوقت یہ تقاضا کرتے رہتے تھے کہ اسے مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔ (۱۰)

سندھ مسلم لیگ نے اس مسئلے کو ۱۹۳۸ء میں کراچی کانفرنس میں اٹھایا تھا اور ایک قرارداد بھی منظور کی تھی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسجد منزل گاہ مسلمانوں کو دی جائے۔ آہستہ آہستہ اس مسئلہ نے سیاسی رخ اختیار کیا اور ہندو مسلم جماعتوں نے مذہبی رنگ اختیار کرلیا۔

مسلم لیگ نے بڑے سوچ بچار اور غور وخوض کے بعد ایک کمیٹی مقرر کی کہ وہ اس مسئلہ کو لے کر اللہ بخش سومرو وزارت کے سامنے پیش کرے۔

مسجد کمیٹی (Masjid Manzilgah Restoration Committee) نے اپنی میٹنگ ، سکھر میں رکھی جس کی صدارت خان بہادر محمد ایوب کھوڑو نے کی اور اپنے مطالبے کو ایک قرار کی شکل دی۔ جس سے مقصد واضح ہوا۔ وہ یہ تھا کہ: (۱۱)

۱۔ موجودہ سندھ وزارت کی مسجد منزل گاہ کے خلاف پالیسی پر رنج وافسوس کا اظہار کیا گیا۔

۲۔ سندھ اسمبلی کے مسلمان ارکان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ وزارت پر دباؤ ڈالیں کہ مسجد منزل گاہ مسلمانوں کو واپس کی جائے۔ اگر وزارت ایسا نہ کرے تو وہ وزارت کی حمایت چھوڑ کر اس کا خاتمہ کریں اور ایسی وزارت قائم کریں جو نہ صرف مسلمانوں کو مسجد واپس کرائے بلکہ مسلم قوم کی بھی خدمت کرے۔

۳۔ سندھ کے مسلمانوں کو اپیل کی گئی کہ اپنے اسمبلی نمائندوں کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرائیں کہ اگر مسجد منزل گاہ کمیٹی کے مشورے پر عمل نہ کیا گیا تو دوبارہ انہیں ممبر کے طور پر منتخب نہ کریں گے۔

۴۔ ۱۸ راگست کو مسجد منزل گاہ کا دن مقرر کیا گیا۔ جس دن پر شہروں اور گاؤں میں جلسے کر کے موجودہ وزارت کی پالیسی پر افسوس کا اظہار کیا جائے۔ سندھ کے مسلمانوں کو چاہئے کہ ارکان اسمبلی سے تقاضا کریں کہ وہ موجودہ وزارت کا ساتھ چھوڑ دیں۔

۵۔ سندھ کے مسلمانوں کو عام طور پر اور مسلم لیگ کی شاخوں سے خاص طور پر درخواست کی گئی کہ وہ ان ہدایات پر عمل کریں اور مسلم لیگ رضا کار بھرتی کر کے ان سے قسم نامے پر عہد لیا جائے۔

۶۔ حکومت سندھ سے مطالبہ کیا گیا کہ مسجد منزل گاہ کی چار دیواری جو ریسٹ ہاؤس کے ساتھ ہے اور وقف کی ملکیت ہے وہ بھی مسلمانوں کو واپس کر دی جائے۔

۷۔ اگر مسلمانوں کے مطالبات وزارت نہ مانے تو آل انڈیا مسلم لیگ کو مسجد منزل گاہ حاصل کرنے کے لیے یکم اکتوبر سے ستیاگرہ (۱۳) شروع کرنے کے لیے کہا جائے گا' جس کے لیے مسجد منزل گاہ کمیٹی کے سیکرٹری کو ہدایت کی گئی کہ وہ ۲۷ راگست کو سکھر میں کمیٹی کی میٹنگ بلوائے اور کم از کم پانچ ہزار رضا کار بھرتی کرنے کا کام شروع کرے۔ ستیاگرہ کرنے کے لیے دس ہزار روپیہ جمع کرے۔ جو حضرات رضا کار ہونا چاہیں یا فنڈ میں رقم دینا چاہیں وہ نظر علی خان سیکرٹری مسجد منزل گاہ کمیٹی یا خان بہادر کھوڑو سے خط وکتابت کریں۔ کمیٹی کے ممبران یہ تھے:

(۱) آغا نظر علی خان (۲) سید محبوب شاہ (۳) واجد علی شیخ (۴) ڈاکٹر یامین۔

مسجد منزگاہ ''ریسٹوریشن کمیٹی'' کی قرارداد پر حکومت سندھ نے کوئی توجہ نہ دی' نتیجے میں یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء سے ستیا گرہ کا آغاز کیا گیا اور تین دن کے اندر اندر یہ مسئلہ آگ کی طرح پورے سندھ میں پھیل گیا۔ منصوبے کے تحت ستیا گرہ اس طرح ہوا:

۱۔ کراچی میں مسلم وزراء کے سامنے محمد ہاشم گذدر نے ستیا گرہ کرایا۔
۲۔ کراچی ضلع میں محمد عثمان سومرو کے آگے پیر غلام مرتضیٰ (میہڑ) نے کرایا۔
۳۔ دادو ضلع میں پیر الٰہی بخش کے آگے سید علی اکبر شاہ (میہڑ) نے کرایا۔
۴۔ لاڑکانہ ضلع میں حاجی امیر علی خان کے آگے قاضی فضل اللہ نے کرایا۔
۵۔ نواب شاہ ضلع میں سید محمد علی شاہ کے آگے جی ایم سید نے کرایا۔
۶۔ تھر پارکر ضلع میں غلام نبی شاہ کے آگے پیر اسماعیل جان سرہندی نے کرایا۔
۷۔ ہالا میں مخدوم غلام حیدر کے آگے پیر غلام مجد دسرہندی نے کرایا۔
۸۔ سکھر شہر میں پیرزادہ عبدالستار کے آگے محبوب علی شاہ نے کرایا۔
۹۔ سکھر ضلع میں کیہر خان بوزدار کے آگے جولوی عبدالرحمان (بھرچنڈی) نے کرایا۔
۱۰۔ جیکب آباد ضلع میں مہراب خان سرکی کے آگے آغا غلام نبی پٹھان نے کرایا۔
۱۱۔ جیکب آباد شہر میں وزیر اعلیٰ اللہ بخش کے سامنے آغا غلام نبی پٹھان نے کرایا۔
۱۲۔ شکارپور شہر میں وزیر اعلیٰ اللہ بخش سومرو کے آگے سید صادق علی شاہ نے کرایا۔
۱۳۔ مسجد منزل گاہ میں مسجد منزل گاہ کے پاس واجد علی شیخ نے کرایا۔
۱۴۔ سندھ کے آگے سندھ کے پاس پیر غلام مجد دسرہندی نے ستیا گرہ کرایا۔ (۱۴)

منزل گاہ کمیٹی کے لیے ایک اور مددگار جماعت بنائی گئی کہ ستیا گرہ کرنے والوں کی مدد کرنے اور ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ اس جماعت کے کارکن اور ان کے فرائض یہ تھے:

کھانا پہنچانے کے لیے خان محمد عالم' حکیم تاج الدین' حاجی گل محمد' حکیم عبدالحق اور حافظ محمد صدیق۔

کیمپ آفس کے لیے نعمت اللہ' شیخ عبداللطیف وکیل' مستری امید علی' مستری علی بخش عبدالکریم اور صاحب علی شاہ

پیغام رسانی کے لیے ماسٹر غلام حسین اور محمد یامین۔

سامان پہنچانے کے لیے سیٹھ محمد اسماعیل' عبدالکریم اور سیٹھ عبدالرزاق۔

شہر سے سامان اکٹھا کرنے کے لیے مولوی عبدالعزیز' مولوی محمد بخش' چودھری غلام قادر' باغو قصاب'

مستری اختر علی اور چودھری گاما۔(۱۵)

پیر غلام مجدد سرہندی نے ۱۳۱۳ رضا کاروں کی جماعت سے مسجد منزل گاہ میں ستیا گرہ شروع کرایا' جس کے نتیجے میں حکومت نے ان سے مسجد خالی کرنے کا حکم دیا۔ان کے انکار سے پولیس نے آنسو گیس کا استعمال کیا اور سب کو گرفتار کرلیا۔(۱۶)

اس موقعہ پر اسلام کے نعرے لگائے گئے اور دین پر قربان ہونے کے لیے وعظ کیے گئے۔ان گرفتار ہونے والوں میں ۳۶ / ۳۶ آدمی سید گھرانے کے ۱۱ علماء اور ۳ حافظِ قرآن بھی تھے۔(۱۷)

ایک طرف منزل گاہ پر مسلمانوں نے ستیا گرہ شروع کی تو دوسری طرف ہندوؤں نے ردِّعمل کے طور پر ایسے حالات پیدا کیے جس سے یہ ستیا گرہ فرقہ وارانہ فسادات میں تبدیل ہوگیا۔

آریہ سماج کے ایک لیڈر ڈاکٹر مونجی نے سکھر شہر میں برہنہ تیغ لیے ہوئے مسلمانوں کو للکارا۔اس نے ہندوؤں کو خوب بھڑکایا' جس کی وجہ سے فساد پھوٹ پڑے۔ہندوؤں نے بھی منزل گاہ کو اپنا مذہبی معاملہ بنا دیا۔(۱۸) کانگریس اور مہا سبھائیوں نے بھی اپنے اجلاس کیے اور اس مسئلہ کو اپنی سوچ کے مطابق زندگی اور موت کا معاملہ بنا دیا۔حکومت نے حکیم فتح محمد سیوہانی' مولانا محمد صادق کھڈہ (کراچی) اور مولانا یونس عبدالعزیز دہلوی کو روانہ کیا کہ وہ مسلم لیگی کارکنوں سے ستیا گرہ بند کروائیں۔(۱۹)

پیر غلام مجدد سرہندی' جی ایم سید' سید صادق علی شاہ (شکارپور) آغا نظر علی پٹھان' شیخ اختر علی (شکارپور) آغا غلام نبی پٹھان' ڈاکٹر یامین' قاضی فضل اللہ' نعمت اللہ قریشی اور شیخ واجد علی کو ۹/نومبر ۱۹۳۹ء کو سینٹرل جیل حیدرآباد روانہ کیا گیا۔(۲۰)

جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ان میں بہت جانی و مالی نقصان ہوا۔سندھ اسمبلی کے اجلاس میں مسٹر سدھوا کے سوال کے جواب میں سر غلام حسین ہدایت اللہ نے بتایا کہ ' ۱۶۴/ گھر جلا دیے گئے۔دس آدمی گولیوں کا شکار ہوئے۔مجموعی طور پر ۱۵۸/ قتل ہوئے اور ۲۷ زخمی ہوئے جن میں ۹۳۹ گاؤں کے اور ۵۸ شہروں کے تھے۔۷ پولیس انسپکٹر اور سپاہی معطل ہوئے۔(۲۱)

چونکہ یہ گرفتاریاں گورنر کے خصوصی حکم نامہ کے تحت دو ماہ کے لیے دیئے ہوئے اختیارات سے ہوئیں تھیں' اس لیے ۹/جنوری ۱۹۴۰ء کو ان سب کو رہا کردیا گیا تھا۔

فسادات کی تحقیقات کرنے والی کمیٹی کے سامنے قسم نامہ پر بیان دیتے ہوئے مسٹر جمشید نے کہا:

''۲۴/ اکتوبر کو مسٹر شاہد اس کے مکان پر مسٹر سید (جی ایم) سے منزل گاہ معاملے میں میری گفتگو ہوئی تھی۔سید نے مجھی کہا کہ ''جمشید' تمہیں پتا ہے کہ میں نہ کٹر ہوں۔تعصبی' مگر حالیہ وزارت نے سندھ میں

تباہی لاکھڑی کی ہے۔اس لیے ہمیں ضرور اس کی جڑیں کاٹنی چاہئیں۔میں نے انہیں کہا کہ اس سے قوموں کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگی۔اس نے کہا کہ ایسی کشیدگی ہونے کا امکان نہیں ہے۔اگر پھر بھی گڑبڑ پیدا ہو گئی' تو پھر ایسی باتوں کا صوبہ کی ترقی کے لیے ہوجانا لازمی امر ہے۔مجھے مزید کہا کہ تجھ میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ تم انقلاب سے ڈرتی ہو اور میرا اعتقاد یہ ہے کہ ملک کی ترقی ہو اور انقلاب برپا ہو۔(۲۲)

ستمبر ۱۹۴۰ء میں جسٹس ویسٹن کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی' جس نے منزل گاہ فسادات کی رپورٹ دیتے ہوئے لکھا:

''فسادات میں ۱۵۱/ہندو اور ۱۴/مسلمان قتل ہوئے۔۵۸ ہندو اور ۱۸/مسلمان زخمی ہوئے...... احتجاج مسلم لیگ کی طرف سے کرایا گیا تھا کہ طاقت حاصل کی جائے......منزل گاہ کا وہ حصہ جو مسجد ہے وہ مسلمانوں کو دیا جائے اور باقی حصہ ہندوؤں کے پاس رہے۔''(۲۳)

روزنامہ الوحید کی رپورٹ کے مطابق ۱۶۴/مکان جلائے جانے کے علاوہ ۴۶۷ مکان لوٹے گئے اور جو ہندو قتل ہوئے وہ ۱۶۱/تھے۔(۲۴)

مسجد منزل گاہ سے سندھ میں منافرت کی آگ پھیل چکی تھی' جس کی وجہ سے کانگریس بھی اللہ بخش وزارت سے بدظن ہوگئی اور ۱۸/مارچ ۱۹۴۰ء کو اس کی وزارت کو شکست دے کر میر بندہ علی کی وزارت قائم کی گئی۔(۲۵) جی ایم سید نے لکھا ہے......قانون سے انحراف کرنے والے ہزار ہا لوگوں کو جیل بھیج دیا گیا۔مسلمانوں نے زبردستی مسجد پر قبضہ کیا تو ہندوؤں نے اسے خالی کرانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالا۔حکومت نے جب زبردستی مسلمانوں سے قبضہ لیا اور اہم رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا تو ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے...... ہندوؤں کے لیے گاؤں میں رہنا دشوار ہوگیا۔کانگریس نے عارضی نفع کی خاطر مسلم لیگ سے مل کر اللہ بخش سومرو(۲۶) وزارت کو شکست دی اور لیگ کو طاقت میں لائی۔''

سندھ مسلم لیگ اور ''یومِ نجات''

پس منظر:

یہ پہلے ہی بیان کیا گیا ہے کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت آئین کی شق اول پر تو عمل نہ ہوسکا' البتہ اس کی دوسری شق کو' جس کا تعلق خودمختاری سے تھا اسے نافذ کیا گیا۔کانگریس اور مسلم لیگ نے ۱۹۳۶ء میں عام انتخابات میں عملی طور پر حصہ لیا۔کانگریس مجموعی نشستوں میں سے پچاس فیصد بھی حاصل نہ کرسکی اور گاندھی جی کے اس دعوے کی عملی طور پر تردید بھی ہوگئی کہ کانگریس ۹۵ فیصد عوام کی نمائندہ جماعت

ہے۔ کانگریس نے ہندوؤں کے حلقہ ہائے نیابت میں واضح اکثریت حاصل کی اور مسلمانوں کے ۴۹۱ انتخابی حلقوں میں سے صرف ۲۶ نشستیں حاصل کیں۔ اس کے مقابلے میں مسلم لیگ نے ۱۰۶ نشستیں حاصل کیں۔ کانگریس نے ہندو اکثریت کے پانچ صوبوں میں واضح اکثریت حاصل کی اور دو صوبوں میں اس نے اقلیتوں کے ساتھ اتحاد کر کے اپنی پوزیشن مضبوط بنائی۔ اس طرح اس نے سات صوبوں میں اپنی حکومت بنائی وہ تھے:

بہار، اوڑیسہ، بمبئی، سی پی اور مدراس کے علاوہ یوپی اور سرحد۔ (۲۷)

صوبہ سرحد میں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود عبدالغفار خان کے بھائی ڈاکٹر خان نے کانگریسی وزارت بنائی۔ البتہ صوبہ بنگال، پنجاب اور سندھ میں مسلم لیگ کو اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ ان صوبوں میں مسلم لیگ نے یا ان کے تعاون سے وزارتیں قائم ہوئیں۔

مسلم لیگ کو یہ توقع تھی کہ نمائندگی کے تناسب سے اسے بھی ہندو اکثریتی علاقوں میں وزارتیں دی جائیں گی مگر کانگریس نے مسلم لیگ کی جداگانہ حیثیت کو ہی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ بلکہ وہ اقتدار کے نشہ میں ایسی بدمست ہوئی کہ اس کی اصلی ذہنیت نمایاں ہو کر سامنے آ گئی۔ ان کی وزارتیں صرف دو سال کے لیے قائم رہیں مگر اس دوران صوبائی خودمختاری کے آلہ سے انہوں نے ہندو تہذیب کے احیاء اور مسلم کشی کے انتظامات شروع کرائے۔

کانگریس نے سرعام ہندو راج کے نعرے بلند کر دیئے اور آریہ سماج، مہاسبھا اور شدھی کے حامی سرگرم عمل ہو گئے۔ مذکورہ صوبوں کا کام کانگریسی وزراء کے ہاتھوں میں آتے ہی فسادات عام ہو گئے۔ مسلمانوں کی مساجد، عبادت گاہوں اور مقبروں کی بے حرمتی ہونے لگی۔ عیدوں پر اور خصوصاً عیدالاضحیٰ پر گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ تجارت اور صنعت وحرفت میں مذہبی تعصب کو ہوا دی جانے لگی۔ یوپی کے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں تبدیلیاں لائی گئیں اور نئے نظام کو ''ودیا مندر اسکیم'' کا نام دیا گیا۔

اسی طرح ''بندے ماترم'' کا گیت گانے اور کانگریسی جھنڈے کو سلامی دینے کے لیے مسلمان طلبہ کو مجبور کیا گیا۔ جبل پور میں کئی فسادات ہوئے جن میں مسلمانوں کی جان و مال کو بہت نقصان پہنچا۔ لیکن مجرم پھر بھی مسلمانوں کو قرار دیا گیا۔ ان پر جھوٹے مقدمات قائم کیے گئے۔ ایک غیر مسلم سیشن جج نے ایک ہندو کے قتل کے الزام میں چھ نا کردہ گناہ مسلمانوں کو پھانسی اور چوبیس کو حبس دوام کی سزا سنا دی۔ وہ ایک سال قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور ہائی کورٹ میں بے گناہ ثابت ہونے پر رہا ہوئے۔ مطلب یہ کہ کانگریسی وزارتوں کا یہ مختصر عرصہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کی داستانوں سے بھرا پڑا ہے۔

۱۹۳۸ء میں مسلمانوں کی طرف سے مقرر کردہ پیر پور کمیٹی نے مظالم کی تحقیقات کر کے ایک رپورٹ ''پیر پور رپورٹ'' کے نام سے شائع کی۔ اس رپورٹ کے مطالعہ سے ہندوؤں کے بے پناہ مظالم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (۲۸)

ساتھ ہی ساتھ اردو کی جگہ پر ہندی کو مروج کرنے اور قومی زبان بنانے کے لیے کانگریسی وزارتوں کی کوشش زور وشور سے شروع ہوگئی۔ اس طرح ہندو تہذیب کو مسلم تہذیب پر مقدم کرنے اور پروان چڑھانے کی کوشش کی گئی۔

اسی دوران ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوگیا اور برطانوی حکومت سخت مشکلات سے دوچار ہوگئی۔ کانگریس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ مطالبہ کر دیا کہ فوری اعلان کر دیا جائے اور کانگریس کو ملک کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے۔

اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں کے ساتھ بڑا ظلم ہوتا۔ مگر حکومت برطانیہ نے اپنے طور پر اس مطالبے کو مسترد کر دیا۔ اس پر احتجاج کرتے ہوئے ۱۹۳۹ء میں ہی کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیئے اور عام کانگریسیوں نے اپنے خطابات بھی واپس کر دیئے۔

یہ مسلمانوں کے لیے سنہری موقع تھا کہ آپس میں اتحاد کر کے اپنی بقاء کے لیے کچھ کریں۔ قائداعظم نے اسی لیے برصغیر کے تمام مسلمانوں سے '...... یومِ نجات' منانے کی اپیل کی اور اس کے لیے ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کا دن مقرر کر دیا۔ (۲۹)

جس طرح قائداعظم کی اپیل پر برصغیر ہندو پاک کے تمام مسلمانوں نے کانگریس کے خلاف ''یومِ نجات'' منایا اسی طرح سندھ میں بھی اسی اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ پورے صوبے میں ردِعمل کا اظہار کیا گیا۔ سندھ کے کونے کونے تک جلسے ہوئے۔ جلوس نکالے گئے اور مختلف قراردادیں منظور کر کے حکومت سے مختلف مطالبات بھی کیے گئے۔ ''یومِ نجات'' بڑے جوش وخروش سے منایا گیا۔ ۲۲ر دسمبر کو یومِ فتح بھی قرار دیا گیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا گیا' کہ کانگریس کی ظالمانہ حکومت اور ناانصافیوں سے مسلمانوں کو نجات حاصل ہوئی تھی۔ (۳۰)

کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ خالقدنہ ہال میں منعقد ہوا' جس کی صدارت سر حاجی عبداللہ ہارون نے کی۔ پورا ہال بھرا ہوا تھا۔ لوگ باہر کھڑکیوں اور دروازوں میں کھڑے تقاریر سن رہے تھے۔

صبح ۹ بجے تلاوت کلام پاک کے بعد مولوی عبدالحیٰ حقانی کی وجد آفریں نظم ''یومِ نجات'' سننے کے بعد حاجی عبداللہ ہارون نے افتتاحی تقریر کی اور یومِ نجات منانے کا مقصد بیان کیا اور قائداعظم کی طرف

سے کی گئی اس اپیل پر جو نکتہ چینی ہوئی اس کا مدلل جواب دیا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل قراردادیں پیش ہئیں، جو متفقہ طور پر اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں منظور ہوئیں۔

قرارداد نمبر ۱:

کراچی کے مسلمانوں کا یہ اجتماع، یہ رائے قائم کرتا ہے کہ کانگریسی وزارتوں کی طرف سے مسلمانوں سے روا رکھی ہوئے سلوک سے یہ ثابت نہیں کیا کہ وہ انصاف اور معقولیت سے جملہ ہندوستانی قوموں کی نمائندگی کرتی ہے۔ بلکہ وہ دوسری اقلیتی قوموں کے حقوق کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام رہی ہے۔

کانگریسی وزارتیں اپنے فرائض کی بجا آوری میں ناکام ہوئی ہیں اور مجلس قانون ساز میں بھی مسلمانوں کی عام رائے کی توہین کی ہے۔ مسلمانوں کی ثقافت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کی اور ان کی مذہبی و معاشی زندگی میں مداخلت کی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی اور اقتصادی حقوق کو پامال کیا ہے اور اخلاقی معاملات خواہ فسادات میں ہمیشہ ہندوؤں کی طرفداری کی اور ہندوؤں کے مقاصد کی تائید کی ہے۔ اس نے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے۔

کانگریسی حکومت نے چھوٹی چھوٹی باتوں میں اور ضلعی حکام کے معمولی فرائض میں بھی مداخلت کی اور ایسی فضا پیدا کی، جس سے ہندو عوام کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان میں ہندو راج (اکھنڈ بھارت) قائم ہو گیا ہے اسی وجہ سے کانگریسی ہندوؤں میں ایسی اور اتنی جرأت آور بے خوفی پیدا ہوگئی کہ انہوں نے مخالف ہندوؤں اور مسلمانوں پر زیادتیاں شروع کیں اور مسلمانوں کے حقوق میں مداخلت کی۔

اسی لیے یہ جلسہ مختلف صوبوں میں کانگریس حکومت کے ختم ہونے پر ایک طرح کے ظلم سے نجات محسوس کرتا ہے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ پچھلے اڑھائی سال سے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم، زیادتیاں اور ناانصافیاں ہو رہی تھیں ان پر آج ''یوم نجات'' منایا جائے۔ یہ جلسہ رب پاک سے دعا گو ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسی قوت، طاقت اور تنظیم عطا فرمائے کہ ایسی وزارتوں کے قائم ہونے کو روک سکیں اور مقبول عام وزارتوں کو قائم کر سکیں جو سب قوموں سے برابری اور انصاف قائم رکھ سکیں۔

کراچی کے مسلمانوں کا یہ جلسہ ان سب صوبوں کے گورنروں اور ان کے مشیروں، کاؤنسلوں کو درخواست کرتا ہے کہ مسلمانوں کی جائز شکایات اور ان پر ڈھائے ہوئے مظالم، جو کانگریس حکومت نے کیے ہیں، اس اعلان کے تحت جو گورنروں نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۲۵ء کے فقرہ نمبر ۹۳ کے

مطابق صوبوں کو حکومت کے اختیارات دیتے وقت کیے تھے' جلد سے جلد ازالہ کریں اور سب مظالم کو رفع کر کے عام لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ حکومت سب کے ساتھ انصاف کرے گی۔

قرارداد نمبر ۲:

قائداعظم محمد علی جناح وائسرائے ہند سے دوران ملاقات اور مختلف کانگریسی رہنماؤں اور گاندھی کے درمیان تازہ کی ہوئی گفتگو میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کے لیے کراچی کے مسلمانوں کا یہ جلسۂ عام پُرزور تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ اس بات کو اپنے پُرزور الفاظ میں دہراتا ہے کہ مسلمان ہر طرح سے اپنے قائد کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ اس جلسہ کی رائے ہے کہ قائداعظم کی کوشش اور جدوجہد صرف مسلمانوں کے لیے نہیں' بلکہ ساری اقلیتی قوموں کے فائدہ کے لیے بھی ہے۔ اس میں عام طور پر پورے ملک کی یقینی ترقی اور آزادی کی ضمانت ہے۔ (۳۱)

چونکہ ۲۲ دسمبر جمعہ کا دن تھا' اس لیے پورے سندھ میں نماز جمعہ کے بعد ''یوم نجات'' کے سلسلہ میں دعائیں مانگی گئیں اور خدائے ذوالجلال کا شکرانہ بھی ادا کیا گیا۔ روزنامہ الوحید کی خبروں کے مطابق کوٹڑی کی میمن مسجد' بھٹی مسجد' ناگولیس مسجد' اسٹیشن مسجد اور جامع مسجد میں دعاؤں کے بعد مندرجہ ذیل قراردادیں بھی منظور کی گئیں:

۱۔ کوٹڑی کے مسلمانوں کا یہ اجتماع قائداعظم محمد علی جناح پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ پچھلے اڑھائی سال کی دوران جہاں جہاں کانگریس حکومتیں قائم تھیں' وہاں اقلیتوں' خاص طور پر مسلم قوم کے کلچر' تہذیب اور سیاسی حقوق کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ یوپی' سی پی اور بہار میں مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو خطرے میں پڑ گئی۔

جیسا کہ نا انصاف کانگریسی وزارتیں دفع ہو گئیں ہیں اس لیے یہ اجتماع رب پاک کا شکرانہ بجالاتا ہے اور دعا گو ہے کہ ہندوستان میں ایسی حکومتیں قائم ہوں جو ہندوؤں' مسلمانوں' اچھوتوں اور دیگر اقلیتی قوموں کی صحیح نمائندہ ہوں۔

۲۔ یہ جلسہ قائداعظم پر اعتماد کرتے ہوئے امید کرتا ہے کہ ان کی کوششوں سے کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ہو جائے' جس سے پورے ملک کو فائدہ پہنچے گا۔

۳۔ یہ اجتماع یہ بھی اظہار کرتا ہے کہ سندھ کے مسلمانوں کا موجودہ وزارت پر کوئی بھی اعتماد نہیں۔ اس لیے گورنر' وائسرائے اور وزیر ہند کو توجہ دلاتا ہے کہ موجودہ وزارت کا جلد خاتمہ کیا جائے

۴۔ یہ اجتماع مختلف صوبائی گورنروں سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ ان کے صوبوں میں کانگریسی وزارتوں نے جو زیادتیاں اور ناانصافیاں کی ہیں' ان کی تحقیقات کرائی جائے اور مسلم قوم کی جائز شکایات کا ازالہ کیا جائے۔(۳۲)

ضلع لاڑکانہ کے گاؤں اور شہر میں کئی جلسۂ عام ہوئے اور مساجد میں نمازِ جمعہ کے بعد دعائیں مانگی گئیں۔ یومِ نجات بالکل پُرامن طور پر منایا گیا کہ امن عامہ کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔ مختلف اجتماعات میں قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔ سب سے بڑا اور عظیم الشان جلسہ زیرِ صدارت محمد ہاشم گذدر منعقد ہوا' جس میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں' جو درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ جلسہ کانگریس حکومتوں کے خاتمہ اور اقلیتی قوموں سے ظلم اور زیادتیوں کے خاتمہ پر رب العزت کا شکر بجالاتا ہے۔

۲۔ قائداعظم پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔

۳۔ موجودہ سندھ وزارت کی روش پر نفرت کا اظہار کرتا ہے اور بااختیار حکام بالا سے استدعا کرتا ہے کہ اس وزارت کو ختم کر کے نئے سرے سے انتخابات کرائے جائیں۔

۴۔ موجودہ وزارت مسلمانوں کی سخت مخالفت کے باوجود ہندوؤں کے دباؤ میں آ کر مخلوط انتخابات کا انعقاد کا بل پاس کرانے کی کوشش کر رہی ہے' وہ موجودہ وقت میں سخت نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اس بل کے پاس ہونے سے ہندو مسلم تعلقات مزید خراب ہو جائیں گے۔ اس لیے گورنر سندھ سے اپیل کی جاتی ہے کہ ایسے بل کے پیش کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

۵۔ یہ جلسۂ عام ''اصلاح اخبار'' کی نازیبا روش پر مذمت کرتا ہے جو قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے مسلم رہنماؤں کے خلاف مسلسل لکھ رہا ہے۔ یہ جلسۂ عام اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسلمانوں کو اس اخبار کے بائیکاٹ کی گذارش کرتا ہے۔

اس جلسہ میں بہت بڑے علماء اور رہنما شریک ہوئے' خاص طور پر حاجی محمد نواز خان کھہڑو' حکیم علی محمد شاہ بقا' مولوی محمد اسماعیل قریشی' مولوی محمد ابراہیم بھٹوی' محمد علی کا کیپوٹہ' سرائی علی گوہر لاہوری' مولوی غلام حسین اور حکیم محمد عالم۔(۳۳)

اسی طرح گوٹھ بٹھی تعلقہ میرو خان (لاڑکانہ) میں ۲۲ردسمبر ۱۹۳۹ء کو بعد نمازِ جمعہ ایک جلسۂ عام زیرِ صدارت مولوی عبدالکریم بھٹوی منعقد ہوا' جس میں جو قراردادیں پاس ہوئیں وہ گورنر سندھ اور وائسرائے کو روانہ کر دی گئیں' جن میں سندھ وزارت کو ختم کرنے کا مطالبہ بھی شامل تھا۔(۳۴)

گوٹھ سونو خان جتوئی (تحصیل لاڑکانہ) میں ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو مولوی غلام محمد کے زیرِ صدارت جلسہ ہوا جس میں بھی سندھ وزارت کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ (۳۵)

گوٹھ نواں آباد (تحصیل ڈوکری ضلع لاڑکانہ) میں ایک جلسہ زیرِ صدارت پیر عبدالستار جان سرہندی ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو منعقد ہوا' جس میں بھی سندھ وزارت کے خاتمے کے لیے قراردادیں منظور کی گئیں۔ (۳۶)

ضلع لاڑکانہ میں دیگر جلسے جن رہنماؤں کے زیرِ صدارت منعقد ہوئے وہ یہ تھے:

گوٹھ فرید آباد (تحصیل ڈوکری) زیرِ صدارت محمد پریل خان سیال' گوٹھ غنی کھہاڑو (تحصیل وارہ) زیرِ صدارت خان محمد شاہ' گوٹھ بنگل دیرو تحصیل (رتو دیرو) زیرِ صدارت حاجی محمد عباس بھٹو۔ (۳۷)

لاڑکانہ ضلع کے جن دوسرے گاؤں میں اسی قسم کے جلسے ہوئے اور قراردادیں منظور کی گئیں وہ یہ تھے:

گوٹھ لکڑ' گوٹھ ٹکو' گوٹھ عثمان خان گوپانگ' گوٹھ سہا گوخان' گوٹھ کھبونواں' گوٹھ عمر گوپانگ' گوٹھ باڈہ' گوٹھ پٹڑ وغیرہ۔

مختلف شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے گاؤں کے نام اس لیے لکھ رہے ہیں کہ اس سے اندازہ ہوگا کہ سندھ کے شہروں کے علاوہ اندرون صوبہ میں بھی تحریک کس حد تک عوامی بن رہی تھی اور صوبہ سندھ نے کس حد تک تحریکِ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

حیدرآباد ضلع میں ٹنڈو محمد خان' ٹنڈو ولی محمد (حیدرآباد کا ایک حصہ) ٹیاری اور تلہار وغیرہ شامل ہیں۔ (۳۸)

نوابشاہ ضلع کے یہ گاؤں قابلِ ذکر ہیں:

گوٹھ احمد خان لغاری' گوٹھ قاسم کھاہی (نوشہرو فیروز) شاہ پور چاکر' گوٹھ ملکہ (مورو) گوٹھ محراب پور (سکرنڈ) گوٹھ ابراہیم چنا (سکرنڈ) وغیرہ۔ (۳۹)

سکھر ضلع میں جہاں جلسے ہوئے اور ''یومِ نجات'' منایا گیا وہ یہ تھے:

چک (سکھر) گڑھی بڈھل (شکارپور) میاں جو گوٹھ (شکارپور) حاجی حسین ملاح (گھوٹکی) سکھر اور گھوٹکی شہر بھی شامل تھی۔ (۴۰)

تھرپارکر ضلع میں یہ شہر اور گاؤں شامل تھے:

لاڈیوں (سنجھورو)' کنگرو (ڈگھڑی) نبی سر اور نبی سر روڈ وغیرہ۔ (۴۱)

سندھ مسلم لیگ کی سالانہ تنظیم نو اور قرارداد:

''سندھ صوبہ مسلم لیگ کی جنرل باڈی کی میٹنگ ۲۸ رجنوری ۱۹۴۰ء کو سرحاجی عبداللہ ہارون کی صدارت میں کراچی میں منعقد ہوئی۔ نئے سرے سے انتخابات عمل آئے۔ جو نئے عہدیدار منتخب ہوئے وہ یہ تھے:

صدر:	حاجی عبداللہ ہارون
نائب صدر:	جی ایم سید
جنرل سیکرٹری:	پیر علی محمد راشدی
جوائنٹ سیکرٹری:	آغا غلام نبی پٹھان
خزانچی:	حاجی عبداللہ ہارون

کاروباری کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

محمد ایوب کھہڑو' محمد ہاشم گذدر' پیر عبدالستار جان سرہندی' آغا غلام نبی پٹھان' قاضی فضل اللہ' سید نور محمد شاہ' شیخ عبدالمجید سندھی' حاجی عبداللہ ہارون' سید حسین بخش شاہ' سید محبوب علی شاہ' غلام نبی اسران' سید خیر شاہ' مولوی محمد اسماعیل' آغا نظر علی' شیخ واجد علی' سیٹھ عبداللطیف میمن' پیر علی انور شاہ' محمد یوسف' سید غلام نبی شاہ' محمد بخش' جی ایم سید' سید علی اکبر شاہ' پیر محمد اسحاق سرہندی' مولانا ظہور الحسن درس' پیر غلام مرتضیٰ سرہندی' محمد حسن شورو' سید غلام حیدر شاہ' مولانا ضیاء اللہ' چودھری غلام محمد اور حاجی نظر الدین۔(۴۲)

اس موقعہ پر کئی فیصلے کیے گئے جو یہ تھے:

۱۔ مجوزہ آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس لاہور کے لیے صدر قائداعظم محمد علی جناح کو بنایا جائے اور اس کی اطلاع سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کو بذریعہ تار روانہ کی جائے۔

۲۔ صوبہ سندھ مسلم لیگ کے عہدیدار ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی ہوں گے اور جنرل باڈی اپنے آپ میں سے ۲۵ رارکان ورکنگ کمیٹی کے مقرر کرے گی۔

۳۔ سکھر ضلع میں جو افسوس ناک واقعات ہوئے ان کی جوابدہ موجودہ وزارت ہے۔ دونوں اطراف (مسلم اور ہندو) کا جو جانی و مالی نقصان ہوا ہے اس کے لیے دلی ہمدردی کے ساتھ یہ اپیل کی جاتی ہے کہ دونوں قومیں آپس میں محبت سے رہیں اور اللہ بخش سومرو (وزیر اعلیٰ) کی پالیسی کے شکار نہ ہوں۔

۴۔ آل انڈیا مسلم لیگ لاہور کے اجلاس میں سندھ کی طرف سے وہی وفد ہوگا' جسے سیکرٹری سندھ مسلم لیگ کا سرٹیفکیٹ ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ خواہشمند حضرات ۲۰ فروری تک اپنی درخواستیں روانہ کریں۔

۵۔ آئندہ اسمبلی انتخابات کے لیے مسلم لیگ کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے خواہشمند حضرات ۱۵/اپریل ۱۹۴۰ء تک اپنی درخواستیں دیں۔

۶۔ مسلم لیگ کے کام کو تحریکی طور پر مقبول بنانے کے لیے ایک بس اور ایک لاؤڈ اسپیکر خرید لیا جائے گا' جس کے لیے جی ایم سید' سید خیر شاہ اور محمد ایوب کھہڑو ایک ایک ہزار روپیہ دیں گے۔ بقیہ خرچہ حاجی عبداللہ ہارون برداشت کریں گے۔ اگر کام اچھا کر دکھایا تو کارکنوں کو چھ ماہ کے اندر دوسری بس بھی دی جائے گی۔

۷۔ پانچ سو آدمیوں سے سالانہ دس روپیہ چندہ وصول کیا جائے گا۔

۸۔ ضلعی مسلم لیگ کانفرنسیں منعقد کی جائیں گی۔ پہلی کانفرنس ۲۵ فروری کو گوٹھ مراد میمن (ملیر) میں ہوگی اس کا مکمل انتظام پیر غلام مرتضیٰ سرہندی کے ذمہ ہوگا۔

۹۔ اسی طرح مئی ۱۹۴۰ء میں سندھ مسلم لیگ کا اجلاس لاڑکانہ میں محمد ایوب کھہڑو کے ذمہ ہوگا۔

۱۰۔ اسمبلی میں مسلم لیگ کے ارکان جرگہ بلوں کی مخالفت کریں گے۔

۱۱۔ آل انڈیا مسلم لیگ سکھر کی مسجد منزل گاہ کے فسادات اور گرفتاریوں کی تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی مقرر کرے۔

۱۲۔ مسلم لیگ ریلیف فنڈ کے لیے مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے:

صدر: محمد ایوب کھہڑو (۴۳)

جنرل سیکرٹری: سید محبوب علی شاہ

خزانچی: حافظ محمد صدیق

اس کے لیے نیا ارکان منتخب ہوئے:

آغا نظر علی خان' جی ایم سید' سید خیر شاہ' ڈاکٹر محمد یامین' نعمت اللہ قریشی' ابوشوکت حمزہ' شیخ واجد علی' سید رسول بخش شاہ' قاضی فضل اللہ' آغا غلام نبی' حاجی گل خان' تاج الدین اور غلام نبی بروہی۔

قرارداد (پاکستان) ۱۹۳۸ء

آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت قائداعظم کو سپرد ہوئی تو سندھ صوبائی مسلم لیگ کی قیادت شیخ عبدالمجید سندھی کر رہے تھے۔ انہی کی کوششوں سے ۸ تا ۱۰/ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس میں پاکستان کے قیام کے لیے ایک ایسی قرارداد پیش ہوئی جو دو سال بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لاہور ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کو پیش ہوئی۔ اس کا تفصیلی جائزہ ''نے آئینی فارمولے'' کے عنوان کے تحت پہلے پیش کیا گیا ہے۔ موقع کی مناسبت سے ایک بار پھر اس کا اختصار پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ یوہی قرارداد تھی جو بعد میں قیامِ پاکستان کے لیے سنگِ میل ثابت ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں بنگال کے وزیراعلیٰ اے۔ کے فضل الحق، آسام کے وزیراعلیٰ سعد اللہ جان، سندھ کے وزیراعلیٰ خانبہادر اللہ بخش سومرو اور پنجاب کے وزیراعلیٰ سر سکندر حیات کے علاوہ مولانا شوکت علی، راجہ صاحب محمود آباد، نواب اسماعیل خان (بہار) چودھری خلیق الزماں، مولانا جمال میاں فرنگی محل، سید سجاد یلدرم (یو۔ پی)، بیگم مولانا محمد علی جوہر، حاجی عبداللہ ہارون، شیخ عبدالمجید سندھی، سید غلام بھیک نیرنگ (انبالوی)، عاشق علی ایڈووکیٹ (گیا بہار)، عبدالرؤف شاہ (ناگپور) پیر مرید حسین (سجادہ نشین درگاہ غوث بہاؤ الحق۔ ملتان) نواب احمد یار خان دولتانہ، ملک برکت علی (پنجاب)، نوابزادہ لیاقت علی خان (میرٹھ) اور مسلم لیگ کے روحِ رواں قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک تھے۔

پہلا اجلاس ۸/ اکتوبر کو رات نو بجے شروع ہوا پھر بھی کانفرنس ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور ہزارہا لوگ پنڈال سے باہر کھڑے تقاریر سنتے رہے۔ اس موقع پر مولانا عبدالحیٔ حقانی، میر ایوب خان، جناب مظفر حسین (چیف کمانڈنگ آل انڈیا جمعیت القریش والنٹر کور) نے قومی نغمے پیش کیے۔ حاجی عبداللہ ہارون صدر سندھ مسلم لیگ نے معزز مہمانوں کی خدمت میں استقبالیہ کلمات پیش کیے۔ شیخ عبدالمجید سندھی نے قائداعظم کا نام صدارت کے لیے پکارتے ہوئے مختصر تقریر کی۔ وزیراعلیٰ اے کے فضل الحق نے ایک پُر مغز تقریر کی اور سندھ کو صحیح معنوں میں اسلامی صوبہ قرار دیا۔

نواب سر سکندر حیات نے سرحد اور سندھ کی صوبائی حکومتوں پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے نیشنلزم کا ڈھونگ رچا کر وہاں کے مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کی ہے۔

کانفرنس کی دوسری نشست ۹/ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو رات ۹ بجے قائداعظم کی صدارت میں شروع

ہوئی۔ تلاوت اور قومی نغموں کے پیش ہونے کے بعد ایبٹ آباد کے خان بہادر فقیرا خان نے مختصر تقریر میں سندھ کے باشندوں کو سرحد کے عوام کا پیغام تہنیت دیا۔

سی۔ پی کے نمائندہ سید عبدالرؤف شاہ ایم۔ ایل۔ اے نے 'ودیا مندر' اسکیم پر سخت تنقید کی اور کانگریس حکومت کی بداعمالیوں کو بے نقاب کیا۔

خان بہادر مخدوم مرید حسین ملتانی نے سندھ اور ہند کے مسلمانوں کو متحد ہونے کی تلقین کی۔

بہار کے نمائندہ عاشق حسین ایم۔ ایل۔ اے نے اپنے صوبے کی حالتِ زار پیش کرتے ہوئے کئی درانگیز واقعات سنائے کہ کس طرح کانگریسی حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کی۔

مولانا جمال میاں نے کانگریسی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے سوئے ہوئے شیر کو گولی مار کر گہری نیند سے جگایا ہے۔

نوابزادہ لیاقت علی خان نے مسلم لیگ کی جدوجہد کو ہندو سے نہیں بلکہ ایک سیاسی جماعت کانگریس سے جنگ قرار دیا۔

پیر عبدالستار جان سرہندی نے اپنی تقریر میں سندھ میں سیاسی بیداری لانے پر زور دیا۔

تیسرے دن ۱۰ اکتوبر کو شام تین بجے تیسری نشست میں پیر غلام مجدد سرہندی نے فلسطینی مسلمانوں پر برطانیہ کے مظالم سے متعلق قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ برطانیہ یہودی نواز حکمت عملی ترک کر دے۔

مولانا شوکت علی نے اس قرارداد کے حق میں پُر زور تقریر کی۔

اسی دن رات کو نو بجے کانفرنس کی چوتھی اور آخری نشست زیرِ صدارت قائداعظم شروع ہوئی جس میں سکھر بیراج سے متعلق معلومات محمد ہاشم گزدر نے دی اور قرارداد پیش کی جس کی حمایت میں خان بہادر محمد ایوب کھوڑو اور سر حاجی عبداللہ ہارون نے تائید کی، جس کے بعد سندھ مسلم لیگ کے سیکرٹری شیخ عبدالمجید سندھی نے وہ قرارداد پیش کی جسے پاکستان کے لیے پہلی اور مؤثر قرارداد قرار دیا جا سکتا ہے۔
اس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

''ہرگاہ کہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کی مجلسِ عاملہ کا ہندو مسلم مسئلہ کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ سے گفت وشنید کرنے سے انکار (اس بہانے سے کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے) کانگریس کے اس عزم کی عقدہ کشائی کر رہا ہے کہ وہ مسلمان قوم میں نفاق پیدا کر کے ان پر ہمیشہ کے لیے تسلط برقرار رکھے۔

''ہرگاہ کہ کانگریس نے اپنے اخبارات کے ذریعہ مسلم عوام سے براہِ راست رابطہ کی مہم شروع کر دی ہے تاکہ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد ٹوٹ جائے اور دنیا کو بھی یہ تاثر دیا جائے کہ کانگریس ہی ہندوستان کی سب قوموں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

''ہرگاہ کہ کانگریس نے ہندو راج قائم کرنے کی نیت سے بعض صوبوں میں ایسی وزارتیں بنائی ہیں جن میں یا تو کسی مسلمان کو بالکل شامل نہیں کیا گیا ہے یا اگر (برائے نام) کوئی مسلمان وزیر لیا بھی ہے تو ایسا جسے اپنی مسلمان قوم میں کوئی بھی مقام حاصل نہیں ہے۔

''ہرگاہ کہ اس (غلط) طریقہ سے قائم کردہ صوبائی وزارتوں نے اس طرح سے راج کرنا شروع کیا ہے کہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے ان کا حوصلہ پست کر دیں۔ مسلم کلچر کے صحت مندانہ اور تعمیری اثرات کو (ہندوستان سے) ختم کر دیں۔ مسلمانوں کے مذہبی رسم و رواج اور ان کی مذہبی ذمہ داریوں کو روک دیں اور ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے ان کے سیاسی حقوق کو پامال کر دیں۔

''ہرگاہ کہ جمہوریت کے تسلیم شدہ اصولوں کے برعکس کانگریس کی یہ کوشش ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے' ان میں بھی مسلمانوں کو سیاسی قوت کے طور پر ابھرنے نہ دیا جائے اور اس مقصد سے ان صوبوں (مثلاً: سرحد' بنگال' پنجاب اور سندھ) میں بھی ایسے گروہوں کو برسرِ اقتدار لا رہی ہے یا ان کے ساتھ مل کر مخلوط وزارتیں بنوا رہی ہے یا ایسی وزارتوں کی پشت پناہی کر رہی ہے جن گروہوں کو مسلمان اراکین کی اکثریت اور مسلمان عوام کا اعتماد حاصل نہیں ہے۔

''ہرگاہ کہ کانگریس نے اپنی مرکزی ہائی کمان کی اتھارٹی کو صوبائی وزارتوں کے کام پر اس طرح مسلط کر رکھا ہے جو طریقہ فاشی آمریتوں میں مروج ہوتا ہے...... اس طرح مسلمانوں کی حق تلفی ہو رہی ہے......

''ہرگاہ کہ کانگریس یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ:

(الف) مسلمانوں کی سخت مخالفت کے باوجود ''ودیا مندر اسکیم'' ہندی میں قدیم ہندو طریقۂ تعلیم (جس پر ہندو مذہب اور تہذیب کا پہلو غالب رہتا ہے) کو رائج کیا جائے۔

(ب) ''بندے ماترم'' کے نغمہ کو قومی ترانے کی حیثیت سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر بھی مسلط کیا جائے۔ حالانکہ اس نغمہ کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس میں بت پرستی کے عناصر موجود ہیں۔ اس کے بنیادی نظریہ کے مطابق یہ نغمہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کی علامت ہے۔

(ج) ہندی کو دیوناگری رسم الخط ہندوستان کا قومی رسم الخط متعین کیا جائے۔ حالانکہ اقلیتوں نے اس

تجویز کی سخت مخالفت کی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ہندومت کے خیالات اور ہندو فلسفہ اور ثقافت کا بیج انسانی دماغوں میں بویا جاتا ہے اور ہندوستان پر برہمن کلچر کے مسلط ہونے کا امکان روشن ہوتا ہے۔

(د) ہندو اکثریت کے زور پر بلندیاتی اداروں میں مخلوط انتخابات کرائے جائیں تاکہ مسلمانوں کو صحیح نمائندگی حاصل کرنے کا موقع نہ ملے۔

(م) اردو اسکول بند کیے جائیں اور اردو تعلیم کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے' تاکہ ہندوستان سے اردو کا نام ونشان مٹ جائے۔

(ر) تقریر وتحریر اور جائز سیاسی سرگرمی کی آزادی کو اس بہانے ختم کیا جائے کہ ''لا اینڈ آرڈر'' (قانون امن عامہ) کے لیے خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔

(ز) مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور رسم ورواج میں جبر وتشدد اور اسلحہ کی مدد سے رکاوٹ ڈالی جائے۔

''ہرگاہ کہ ہندوستان کی اکثریت ہزار ہا سال سے دقیانوسی ''چھوت چھات کی رسم پر کاربند رہی ہے جو رسم قوم پرستی' انسانی مساوات' جمہوریت اور ان تمام مہذب اصولوں کے برعکس ہے' جن کو جدید دنیا پہلے ہی تسلیم کر چکی ہے۔ اس کے لیے کوشش کر رہی ہے اور اس رسم کے ذریعہ آج ہندوستان کے کروڑہا انسان اقتصادی اور سماجی طور پر عدم مساوات کا شکار ہو چکے ہیں اور ہمیشہ کی غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں......

''ہرگاہ کہ مشترکہ توقعات اور نظریات کی بنا پر واحد متحد ہندوستان اور متحد قومیت کا ارتقاء اور فروغ ناممکن بن چکا ہے۔

جس کے اسباب یہ ہیں:

ہندو اکثریت کی پرانی مذہبی ''چھوت چھات'' کی ذہنیت اس کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مذہب' زبان' رسم الخط' ثقافت' سماجی وتمدنی روایات' نظریاتی رجحانات اور زندگی کے مقاصد میں بنیادی فرق ہے اور بعض علاقوں میں نسلی فرق بھی ہے۔

''اس لیے یہ کانفرنس نہایت ضروری سمجھتی ہے کہ برصغیر میں دائمی امن اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں آزادانہ ثقافتی ترقی' اقتصادی اور سماجی اصلاح اور سیاسی حق خود ارادی حاصل کرنے کی خاطر آل انڈیا مسلم لیگ سے سفارش کی جاتی ہے کہ وہ اس بات پر ازسر نو غور کرے کہ ہندوستان کے لیے کون سا آئین مناسب ہوگا' جس کے ذریعے ان دونوں قوموں کو اپنا اپنا صحیح مقام حاصل ہو سکے اور اپنے لیے ایسا

آئینی منصوبہ تیار کرے جس کے تحت مسلمان قوم مکمل طور پر آزادی حاصل کر سکے۔

مزید یہ کہ کانفرنس آل انڈیا مشترکہ وفاق (جس کے لیے ۱۹۳۰ء کے ایکٹ میں بندوبست کیا گیا ہے) کو نامنظور کرتی ہے اور حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ کو عمل میں لانے سے گریز کرے۔ کیونکہ اس ایکٹ میں درج منصوبہ ہندوستان کے عوام کے لیے بالعموم اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص نقصاندہ ہے۔

''آخر میں یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایسا کوئی بھی آئین قبول نہیں کریں گے۔ بشرطیکہ اس کی بنیاد اس قرارداد میں بیان کیے گئے اصولوں میں مبنی ہو اور مسلم لیگ کے مشورے اور اس کی منظوری سے تیار کیا گیا ہو۔''

یہ قرارداد شیخ عبدالمجید سندھی (ایم۔ایل۔اے سندھ) نے پیش کی۔ تیار کنندہ خانبہادر مشتاق احمد گورمانی (ایم۔ایل۔اے پنجاب) تھے۔ تائید سر حاجی عبداللہ ہارون (ایم۔ایل۔اے مرکز) سید عبدالرؤف شاہ (سی۔پی) اور مولانا عبدالحامد بدایونی (یو۔پی) نے کی۔

(خان محمد پنہور ''ہوندا سے حیات۔علی محمد راشدی''۔ حیدرآباد۔ شیخ عبدالمجید سندھی یادگار سوسائٹی ۱۹۷۸ء ص: ۴۸)

یہ وہی قرارداد تھی جس کی بنا پر مسلم لیگ کے آئندہ اجلاسوں میں بھی اسے واضح الفاظ سے دہرایا گیا اور مسلمانوں کو علیحدہ قوم و ملک کا تصور دیا گیا۔

مسلم لیگ کا یہ پہلا اجلاس تھا جس میں اتنی جرأت سے ایسی قرارداد پیش کی گئی اور منظور کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن قائم کرنے کے لیے سندھ سے ابتدا ہوئی اور سندھ کی سرزمین سے پاکستان کے قیام کے لیے بنیادی پتھر رکھ دیا گیا۔

قراردادِ لاہور اور صوبہ سندھ:

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اور تاریخی اجلاس مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں رکھا گیا تھا جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ یہ اجلاس تین دن ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ مارچ تک اقبال پارک (منٹو پارک) میں جاری رہا۔ اجلاس میں پچاس ہزار مسلمان جمع ہوئے اور وفود پورے برصغیر سے شریک ہوئے تھے۔ (۴۵)

اس اجلاس میں صوبہ سندھ کے تین وزراء شیخ عبدالمجید سندھی، جی۔ایم سید اور خان بہادر محمد ایوب

کھہڑو (یہ تینوں وزراء اور سر عبداللہ ہارون صدر سندھ مسلم لیگ' چاروں اسٹیج پر بیٹھے تھے) کے علاوہ او
کئی مسلم لیگی رہنما اور سرگرم کارکن بھی شریک ہوئے جن میں سید حسن بخش شاہ (محراپور) خانصاحب حق
نواز (شکارپور) مسٹر منیر احمد (لاڑکانہ) حاجی دوست محمد (لاڑکانہ) غلام محی الدین (سکھر) ایم۔ا۔
خالق' عبدالرؤف (کراچی) امیر احمد (لاڑکانہ) عبدالحئی صدیقی (سکھر) رئیس افضل خان کھہڑ
(مورو) چودھری رحمت اللہ (تھرپارکر) محمد اسلم (کراچی) محمد علی چودھری (تھرپارکر) مرزا رحمان
بیگ (سکھر) محمد ہاشم جونیجو (تھرپارکر) محمد رمضان اور مقبول احمد (تھرپارکر) شامل تھے۔(۴۶)

اس تاریخی اجلاس کے بارے میں قائداعظم نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ "مسلم لیگ کا لاہور سیشن
اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح کرے گا۔(۴۷) اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس میں ایک
ایسی قرارداد پیش ہوئی تھی جو صوبہ سندھ مسلم لیگ کانفرنس ۸'۹'۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ہونے والی ورکنگ
کمیٹی کی میٹنگ' جس میں سرسکندر حیات اور قائداعظم شریک تھے' قائداعظم کو وہ مسودہ قرارداد دیا گیا جو کہ
فروری ۱۹۴۰ء کو صوبہ سندھ مسلم لیگ کے صدر سر حاجی عبداللہ ہارون نے قائداعظم کو ایک یادداشت
کے طور پر دیا تھا۔(۴۸)

اس قرارداد کو اپنی نئی تجاویز سے مکمل اور موثر کرنے کے بعد ۲۳ تاریخ کو اجلاس میں پیش کیا گیا۔ یہ
قرارداد شیر بنگال مولوی فضل الحق وزیر اعلیٰ بنگال نے پڑھ کر سنائی جس کے بنیادی نکات حسب ذیل تھے:

مسلم لیگ کا یہ اجلاس دستوری معاملات کے متعلق لیگ کونسل اور ورکنگ کمیٹی کی کارروائی کی توثیق
کرتے ہوئے پوری شدت کے ساتھ اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ وفاقی اسکیم' جس کی دستور مجریہ ۱۹۳۵ء
میں تشریح کی گئی ہے اس ملک کے حالات کے لحاظ سے قطعاً غیر موزوں اور ناقابلِ عمل ہے اور مسلم
ہندوستان کے لیے کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں......

"مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس ملک میں وہی دستور قابلِ عمل ا
مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول ہوگا جو ذیل کے بنیادی اصولوں کے مطابق تیار کیا جائے:

۱۔ جغرافیائی طور پر متصل اکائیوں کی ایسے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے' جس کی تشکیل
ضروری علاقائی ردو بدل کے ساتھ اس طرح کی جائے کہ مسلم اکثریت والے علاقوں کو جیسا
وہ ہند کے شمال مغرب و شمال مشرق میں ہیں' آپس میں ملایا جائے گا تا کہ وہ آزاد مملکت
جائیں۔ ان مملکتوں میں شامل ہونے والی وحدتیں خودمختار اور صاحب اقتدار ہوں گی۔

۲۔ ان اکائیوں اور علاقوں کے دستور میں اقلیتوں کے مذہبی' ثقافتی' اقتصادی' سیاسی' انتظامی

حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے موثر تحفظات رکھے جائیں۔ اسی طرح کے تحفظات کے ذریعے ہندوستان کے ان حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔

یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا بنیادی اصولوں کے بموجب ایسی دستوری اسکیم مرتب کرے جس میں ان ریاستوں کو سارے مسائل مثلاً دفاع، خارجی معاملات، رسل و رسائل، کسٹم اور دیگر ضروری امور کا اختیار دیا گیا ہو۔''

اس قرارداد میں لفظ ''پاکستان'' کا ذکر نہیں تھا۔ لیکن محض اس میں مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس لیے ہندوؤں نے اور ان کے اخبارات نے اسے طنزاً ''قراردادِ پاکستان'' کا نام دیا۔ مسلمانوں نے اس نام کو لبیک کہا اور اسے قبول کرلیا اور بعد میں یہ قرارداد اس نام سے مشہور ہوئی۔ (۴۹)

مذکور قرارداد کے پیش ہونے کے بعد ہندوستان کے کئی مسلم لیگی رہنماؤں نے اس کے حق میں دلائل دیئے۔ صوبۂ سندھ مسلم لیگ کے صدر اور قرارداد کے اصل محرک سر حاجی عبداللہ ہارون نے حمایت میں جو تقریر کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''یہ ایک عالم آشکار حقیقت ہے کہ ہندوستان میں مسلمان سندھ سے آئے۔ سندھی مسلمانوں کا یہ پہلا سوال (مطالبہ) ہے جو کہ اب آل انڈیا مسلم لیگ کا ہے۔ سال ۱۹۳۸ء میں سندھ مسلم لیگ نے ایک قرارداد منظور کر کے ''آزاد ریاستوں'' کے عنوان سے اسے شایع کیا۔ جس میں شمال مشرق اور مغرب والے علاقے شامل ہوں گے۔ اسی کے بعد آئینی منصوبہ بنایا گیا جس پر نظرثانی کی جارہی ہے۔ یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس قرارداد کو بغیر کسی رکاوٹ کے منظور کریں۔''

انہوں نے ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ 'اگر ہندو صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ اتفاق کا سلوک نہ کیا گیا، تو مسلم صوبوں میں ہندوؤں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا، جو ہٹلر نے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا۔''

انہوں نے یہ بھی امید ظاہر کی کہ یہ قرارداد ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کے لیے قابلِ قبول ہوگی۔ (۵۰)

قرارداد لاہور منظور ہونے پر پورے برصغیر میں ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ مسلم لیگ کے صوبائی، ضلعی اور مقامی پلیٹ فارموں سے اس کے حق میں قراردادیں منظور ہونے لگیں۔

صوبۂ سندھ تو اس معاملے میں دو قدم اور آگے تھا۔ یہ قرارداد اسی کے جذبات کی عکاسی کرنے

والی تھی اور وہی اس کا محرک بھی تھا اس لیے سندھ کے کونے کونے میں جلسے ہوئے اور متفقہ انداز کی قراردادیں منظور ہو کر اخبارات کی زینت بننے لگیں۔

قراردادِ لاہور کی حمایت میں مشترکہ قراردادوں کے اہم نکات یہ تھے:

۱۔ سندھ کے عوام قراردادِ لاہور کی مکمل حمایت کرتے تھے۔

۲۔ سندھ کے مسلمانوں کا قائداعظم کی قیادت پر مکمل بھروسہ ہے۔

۳۔ ہندوستان کے مسلمان ایسا کوئی بھی دستور منظور نہیں کریں گے جو آل انڈیا مسلم لیگ کو قابلِ قبول نہ ہوگا۔''

سندھ کے بڑے بڑے شہروں کو چھوڑ کر جن گاؤں اور چھوٹے شہروں میں بھی جلسے ہوئے اور یہ قراردادیں منظور ہوئیں ان میں:

ٹنڈو محمد خان، قمبر علی خان (لاڑکانہ) شاہپور چاکر (نوابشاہ) ہالا، ہیر (تحصیل قمبر) جھمپیر (ٹھٹھہ) میاں جو گوٹھ (شکارپور) محمد خان جروار (ماتلی۔ حیدرآباد) محبوب تونیہ (میرو خان۔ لاڑکانہ) مورو (نوابشاہ) سید صاحب (نواب شاہ) چاچڑ (کوٹڑی) دیہہ خالصہ (مورو۔ نوابشاہ) اور چک (سکھر) وغیرہ شامل تھے۔(۵۱)

یہ قرارداد ایسی تھی کہ پوری مسلم قوم کے دل اور ضمیر کی بات تھی۔ اسی لیے آگے چل کر ہر سال ۲۳ مارچ کا دن ''یومِ پاکستان'' کے طور پر بڑے اہتمام سے منایا جانے لگا۔ ہر شہر اور گاؤں میں جلسے ہوئے اور بڑے شان سے جلوس نکلتے اور پورے شہر کا چکر لگاتے۔ نعروں کی گونج اور قومی ترانوں اور نغموں کی سریلی دھنوں پر لوگ خوشی میں رقص کرنے لگتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب خوشی کے دن بہت قریب ہیں۔ ایسی ہی تقریبات میں سے نمونے کے طور پر ایک تقریب کا منظر پیش کیا جاتا ہے جو نوابشاہ میں منائی گئی تھی۔ روزنامہ الوحید کے الفاظ میں:

''حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے فرمان کے مطابق ۲۳ مارچ ''یومِ پاکستان'' بڑے شان و شوکت سے منایا گیا۔ جلوس اور میٹنگ کا بندوبست مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی طرف سے کیا گیا تھا۔

چورنگی میں اجلاس کے پنڈال کو بہترین نمونے پر سجایا گیا تھا۔ صبح ۸ بجے نیشنل گارڈ نوابشاہ کے سالار مسٹر محمد عظیم خان نے پرچم لہرانے کی رسم ادا کی۔

شام ۴ بجے جامع مسجد سے بینڈ باجوں کی دھوم میں ایک جلوس نکالا گیا جس کا انتظام نیشنل گارڈ کے ہاتھ میں تھا۔ جلوس کو اس طرح سجایا گیا تھا کہ سید غلام قادر شاہ ایک سجائے ہوئے گھوڑے پر سبز پرچم

سے جلوس کی رہنمائی کر رہے تھے' پیچھے منظم نیشنل گارڈ کے رضا کار قومی ترانہ گا رہے تھے۔ ان کے پیچھے مسلم نوجوانوں کی جماعت اور شہر کے لوگ تھے۔ لاؤڈ اسپیکر سجائی ہوئی گھوڑا گاڑی پر لگایا ہوا تھا' جہاں سے قومی ترانے اور تقاریر جاری تھیں۔ جلوس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ تھے۔ پورے جلوس کے ہر ایک شرکاء کے لیے پھولوں کے ہار تھے جو پہنے ہوئے تھے۔ جلوس مسلمانوں کے محلوں میں سے قومی ترانے' اللہ اکبر کے نعرے اور مسلم لیگ کے فلک شگاف نعروں کی گونج کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ہر چوک پر قومی ترانے بھرپور انداز میں گائے گئے اور تقاریر ہوئیں۔ اس طرح سے یہ جلوس آگے بڑھتا رہا اور پورے شہر کا چکر کاٹ کر شام کو سات بجے مرکزی چوک پر پہنچا اور تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔

صدارت سید غلام قادر شاہ نے جس نے آخر میں صدارتی خطبہ بھی دیا۔ درمیان میں محمد صالح کو کوریجہ نے قومی ترانہ سنایا۔ خطاب کرنیوالوں میں ڈاکٹر صوفی صاحب' محمد عظیم سالار نیشنل گارڈ' مسٹر عبدالولی ایڈووکیٹ' ابرار حسین شاہ بخاری اور مسٹر اللہ ادبھایو ایڈووکیٹ شامل تھے۔

اس موقع پر قراردادوں میں قائداعظم پر مکمل اعتماد کے اظہار اور پاکستان کے علاوہ کسی بھی اور تشکیل کو قبول نہ کرنے کے علاوہ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ:

راشن ڈپوؤں کی تقسیم آدم شماری کی بنیاد پر کی جائے اور ۱۹۴۲ء کا قانون رد کر کے دیہات میں ڈپو قائم کیے جائیں اور نوابشاہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آدم شماری کے پیشِ نظر ان کے لیے میونسپل نشستوں میں اضافہ کیا جائے۔ (۵۲)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے آزادی کے ساتھ اپنے مقامی اور قومی حقوق کی بات بلاخوف وخطر کی اور اسی کے طفیل وہ کٹھن راہوں سے گزرتے ہوئے اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔

سندھ مسلم لیگ کاؤنسل کی ۲۲ ردسمبر ۱۹۴۰ء کو میٹنگ ہوئی جس میں کئی تجاویز منظور ہوئیں' ان کے مطابق:

۱۔ سندھ اسمبلی میں مسلمان ارکان کو استدعا کی گئی کہ سندھ کا مسلمان مخلوط انتخابات کے خلاف ہے۔ اس لیے حکومت کو آگاہ کر دیں کہ وہ یہ بل اسمبلی میں پیش نہ کرے اور اگر حکومت اس بات پر دباؤ ڈالے تو وہ اسکی مخالفت کریں۔

۲۔ مسلم لیگی وزراء میر بندہ علی خان' محمد ایوب کھہڑو اور شیخ عبدالمجید سندھی ۱۹۴۱ء کے اختتام سے پہلے سندھ اسمبلی کے اندر مسلم لیگ پارٹی کا قیام عمل میں لائیں۔ کاؤنسل ہر مسلمان ممبر سے یہ بھی

استدعا کرتی ہے کہ وہ مسلم لیگ پارٹی میں شریک ہوکر مسلمانوں کے اتحاد کو مضبوط بنائیں۔

۳۔ مندرجہ بالا مقصد کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس کے چیئرمین جی۔ایم سید اور سیکرٹری محمد ہاشم گزدر ہوں گے۔(۵۳)

کمیٹی کے ارکان یہ تھے:

جی۔ایم سید' یوسف ہارون' قاضی فضل اللہ' آغا غلام نبی پٹھان' پیر عبدالستار جان سرہندی' محمد ہاشم گزدر اور سید حسن بخش شاہ۔

اس جگہ پر سندھ کی مختلف تحصیلوں اور اضلاع میں تحریکِ آزادی کی کارکردگی پر طائرانہ نظر ڈالی جائے گی۔

تحریکِ آزادی میں ٹھٹھہ ضلع جو اس وقت کراچی میں شامل تھا' کی قربانیاں اور جدوجہد اپنی جگہ پر مسلمہ حیثیت کی حامل ہیں۔نمونے کے طور پر اس ضلع کی تحصیل ''جاتی'' کا مختصر طور پر ایک جائزہ پیش کیا جائے گا۔اس سے اندازہ ہوگا کہ سندھ کے لوگ وطن کی آزادی میں کس قدر دلچسپی رکھتے تھے۔حالانکہ شہروں سے دور چھوٹی چھوٹی بستیاں جدید تعلیم اور ترقی سے بہرہ ور نہیں ہوئی تھیں۔

۱۹۳۰ء میں شیخ عبدالمجید سندھی کی قانون ساز اسمبلی میں کامیابی میں ''جاتی'' کے لوگوں کی جدوجہد بھی شامل ہے' جس میں مولانا حاجی ولد بھیگار' محمد یعقوب اور مولوی محمد یوسف میمن گجائی کی کوششیں بھی شامل ہیں۔(۵۴)

جاتی شہر میں مسلم لیگ کا باقاعدہ قیام کافی دیر سے یعنی ۱۹۴۵ء میں عمل میں آیا۔مگر بعد میں وہ اس علاقے کے لوگوں کی یہ تحریک بن گئی۔''جاتی'' مسلم لیگ کے صدر سید عباس علی عرف ابوشاہ اور جنرل سیکرٹری خان صاحب ناتھو خان چانڈیو تھے۔مخلص کارکنوں میں مٹھن رونجھو' اسماعیل کھٹی اور حاجی اسماعیل ولد احمد علی میمن شامل تھے۔(۵۵)

۱۹۴۵ء میں یوسف ہارون کی انتخابات میں کامیابی کی ایک وجہ جاتی کے عوام کی پرخلوص جدوجہد بھی تھی۔

یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو جاتی کے عوام کا ایک زبردست جلوس نکلا جو اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ قائداعظم زندہ باد' مسلم لیگ زندہ باد اور سیٹھ یوسف ہارون زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا پولنگ اسٹیشن پہنچا۔

جن مخلص کارکنوں اور بااثر لوگوں نے مسلم لیگ امیدوار کا الیکشن ورک کیا ان میں خلیفہ ماکر پیو'

''دوم'' خلیفہ قادر' میاں عبداللہ مشائخ' وڈیرو اسحاق کھہیم' میاں حاجی محمد بادن' محمد یعقوب منارو (زمیندار)' میاں محمد میمن (ٹیلر ماسٹر)' محمد یوسف زکریا (لوہار)' میاں محمد صدیق میمن' حاجی بابا اور محمد اسماعیل احمد علی میمن اور محمد اسماعیل کھٹی قابلِ ذکر ہیں۔

سید گروپ کے امیدوار پیر علی محمد راشدی کے الیکشن ورک کے لیے جب جی۔ایم سید ''جاتی'' پہنچے تو مسلم لیگیوں اور عوام نے ان کو گھیر لیا۔ ان کے حامیوں نے سید صاحب کو وہاں سے نکال کر کھی جیرامداس گنگا دھرداس کے مکان میں چھپالیا۔ بعد میں انہیں پچھلے دروازے سے نکال کر واپس روانہ کر دیا گیا۔(۵۶)

اس انتخاب میں سیٹھ یوسف ہارون بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔اسی طرح ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگی امیدوار حاجی فضل محمد خان لغاری کامیاب ہوئے۔سید گروپ کے پیر غلام حیدر شاہ مقابلہ ہار گئے۔(۵۷)

تحصیل جاتی (ضلع ٹھٹھہ) کے جن لوگوں نے وطن کی آزادی میں بڑے جذبے اور ولولے سے حصہ لیا ان میں حاجی ناتھو خان تھہیم کا ذکر پھر سے اس لیے کرتے ہیں کہ وہ نیشنل گارڈ جاتی کے نائب سالار تھے اور مسلم لیگ جاتی شہر کے جنرل سیکرٹری بھی تھے۔(۵۸)

وڈیرو محمد عمر تھہیم ولد سمیو حاجی محمد بھی تحریکِ آزادی کے سرگرم کارکن تھے۔وہ نیشنل گارڈ تحصیل جاتی کے سالار تھے۔(۵۹)

محمد یعقوب منارو مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے'اسی طرح وڈیرہ حاجی لکھا ڈنو ہنگورجو نے بھی ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو کر تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ان کے علاوہ کئی علماء' مشائخ اور سیاسی رہنماؤں نے جاتی تحصیل میں تحریکِ آزادی کو جلا بخشی اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔

اس سے پہلے تحریکِ خلافت کے دور میں ۱۷رجب ۱۳۴۱ء کو حضرت مغل بھیں کے عرس کے موقع پر تحریکِ خلافت کا جلسہ زیرِ صدارت مولانا حاجی فتح علی جتوئی کے منعقد ہوا۔اس موقعہ پر ضلع خلافت کمیٹی کے سیکرٹری میاں فتح محمد علیگ اور ایک طالبعلم محمد قاسم اور دوسرے رہنماؤں نے خطاب کیا۔یہ جلسہ تین دن تک جاری رہا۔مخالفوں نے بڑی کوشش کی کہ یہ جلسہ درہم برہم ہو مگر ان کی منشاء پوری نہ ہو سکی۔

(رسول بخش تمیمی کی ''تاریخ جاتی'' مغل بھیں ادبی سوسائٹی۔جاتی۔۱۹۸۷ء ص:۱۴۳)

مسلم لیگی رہنماؤں میں خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے عمر کے آخری حصہ میں بڑے جذبے کے ساتھ مسلم لیگ سے وابستہ رہ کر تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ اس سے پہلے وہ تحریکِ خلافت کے عظیم

کارکن تھے۔ اظہار الکرامت کے امیں شریک رہے اور ترک موالات تحریک میں بھی حصہ لیا۔(٦٠)

سندھ آزاد کانفرنس:

یہ کانفرنس ۲۸۔۲۹ جولائی ۱۹۳۴ء کو چی میں بلوائی گئی تو سجاول (ٹھٹھہ) سے مولوی حاجی محمود، محمد صدیق عمرانی اور دوسرے علماء نے شرکت کی۔ اس سال ضلع کراچی کی ورکنگ کمیٹی پر سید عبدالرحیم شاہ کو لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ جو سجاول میں برانچ قائم کی گئی، اس کے صدر سید پیر محمد شاہ، سیکرٹری مولوی حاجی محمود خادم اور خزانچی ملاں ابوبکر کو منتخب کیا گیا۔

۳ مئی ۱۹۳۶ء کو "سندھ آزاد کانفرنس" ورکنگ کا اجلاس کراچی میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کے بنگلہ پر منعقد ہوا تو سجاول (ٹھٹھہ) کی نمائندگی وڈیرہ محبتان سومرو اور سید مہر علی شاہ نے کی۔

تحصیل سجاول نے ۱۹۳۵ء میں سر ظفر اللہ کے خلاف، تسرائے نے ہند کی انتظامی کاؤنسل کے رکن منتخب ہونے پر احتجاج کیا کہ وہ قادیانی ہے اور ۱۹/اپریل ۱۹۳۵ء کسبہ خان محمد شاہ (سجاول) میں ایک جلسہ زیر صدارت مولوی حاجی علی بخش منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مولوی محمود اور مولوی فتح علی نے ولولہ انگیز تقاریر کیں۔

اس کے علاوہ "آل انڈیا کانگریس" کے تحت سجاول میں کانگریس کی ذیلی کمیٹی ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئی۔ سیٹھ مادھوداس، سیٹھ دریانومل، سیٹھ تھانورداس، ہزاری مل، سومارمل شائی والا اور ساقی سجاولی اس کے سرگرم کارکن تھے۔ ۱۹۴۳ء میں ایک لائبریری بھی قائم کی گئی جس میں کانگریس کے اخبارات اور رسائل آتے تھے خاص طور پر بھارت واسی، ہندو، سنسار سماچار وغیرہ۔

اسی طرح ۱۹۳۷ء۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا بھی اس علاقہ میں قیام عمل میں آیا۔ کراچی کانفرنس ۱۹۳۸ء میں شرکت کے لیے تحصیل سجاول کے حاجی محمد یوسف کھٹی، خمیسو عمرانی اور محمد اسماعیل نے شرکت کی۔ بعد میں جو سرگرم کارکن سامنے آئے ان میں حاجی سرور شاہ، ابراہیم بھان، لام ڈنو خواجہ، حاجی عمرانی، محمد یوسف جمالی داروغہ اور کئی دوسرے حضرات شامل تھے۔

جب کراچی ضلع مسلم لیگ منظم ہوئی تو پیر نظام حیدر شاہ کو صدر، محمد یوسف چانڈیہ نائب صدر، پیر غلام مرتضیٰ سرہندی سیکرٹری اور سجاول کے سید پیر محمد شاہ کو ورکنگ کمیٹی اور صوبہ سندھ مسلم لیگ کاؤنسل پر نمائندہ کے طور پر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں جب ڈسٹرکٹ اسکول بورڈ کراچی نے سید مہر علی شاہ کی صدارت میں ضلع بھر کے اسکولوں پر مسلم لیگ کے پرچم لہرانے کا فیصلہ کیا تو سجاول کے سارے اسکولوں

پر مسلم لیگ کا پرچم لہرانے لگا۔ ۱۹۴۰ء میں مولانا عبیداللہ سندھی کی ٹھٹھہ کانفرنس کے انتظامات یہاں کے عبدالرحیم شاہ نے کیے تھے۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ کی اخبارات میں جو رسہ کشی شروع ہوئی تو یہاں کے ہاکروں نے بڑے جذبے کے ساتھ اخبارات گھر گھر پہنچانا شروع کر دیئے۔ الوحید ۴۰ کے مقابلے میں سنار سماچار ۵۵ اور ہندو ۲۵ کاپیاں بکنے لگیں۔ محمد اسماعیل عمرانی ''روزنامہ الوحید'' کے بڑے مخلص ایجنٹ تھے۔

سندھ مسلم لیگ کی پہلی وزارت اور بعد کے حالات:

سر غلام حسین کی پہلی وزارت (۲۸/اپریل ۱۹۳۷ء تا مارچ ۱۹۳۸ء) کی شکست کے بعد خان بہادر اللہ بخش سومرو کی وزارت نے ۲۳ مارچ ۱۹۳۸ء سے دوسری کابینہ کے طور پر کام کیا۔ مگر چونکہ پہلی وزارت کی طرح یہ دوسری وزارت بھی مسلم لیگ کی نہیں تھی اور مسلم لیگ کے ممبران اسمبلی اللہ بخش سومرو نے حق میں نہیں تھے' اس لیے انہوں نے کانگریس کے تعاون سے اپنی وزارت کو جاری رکھا۔

جب مسلم لیگ نے ایک طرف عدم اعتماد کی تحریک کی تیاری کی اور دوسری طرف مسجد منزل گاہ کا سانحہ پیش آ گیا' جس کی وجہ سے کانگریس بھی اللہ بخش سومرو سے بدظن ہو گئی تو ان کی وزارت کو (مارچ ۱۹۴۰ء) مارکیٹنگ بل کی درستی میں شکست ہو گئی' جس کے نتیجے میں ۱۹/مارچ ۱۹۴۰ء کو میر بندہ علی خان تالپور نے تیسری وزارت بنائی جو مسلم لیگ کی پہلی وزارت تھی۔

وزیراعلیٰ کی حیثیت سے میر بندہ علی خان نے داخلہ' سیاسی امور اور عام انتظامی امور کے محکمے اپنے پاس رکھے۔

دوسرے وزراء میں سے شیخ عبدالمجید سندھی کو خزانہ' صحت' پبلک ہیلتھ اور آبادکاری کے محکمے دیئے گئے۔ خان بہادر محمد ایوب کھہڑو کو پی ڈبلیو ڈی کا محکمہ' نیچلد اس وزیرانی کو ریونیو' جی۔ ایم سید کو محنت' صحت' جنگلات' تعلیم اور دیہی ترقی کے محکمے اور رائے صاحب گوکلداس کو زراعت اور مقامی خود مختار حکومت کے محکمے دیئے گئے۔ (۶۱)

چونکہ یہ وزارت ہندو مسلم اتحاد سے قائم ہوئی تھی' اس لیے اس کے ٹوٹنے کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ باوجود اس کے کہ اللہ بخش سومرو وزارت ٹوٹ گئی تھی مگر اسے چاہنے والا گروپ اب بھی موجود تھا۔ اس کی ہر طرح سے کوشش تھی کہ اس کو کسی طرح وزیر بنایا جائے۔

بقول جی۔ ایم سید' انہوں نے اپنے طور پر خانبہادر اللہ بخش سومرو سے ایک معاہدہ کر رکھا تھا اور اس میں مسلم لیگ ہائی کمان سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔ اس کے مطابق آخر کار ۲۳ نومبر ۱۹۴۰ء کو جی۔ ایم سید نے وزارت سے استعفیٰ دیا اور ان کی جگہ پر اللہ بخش سومرو دوبارہ وزیر بن گئے۔ ان کے محکمے تھے خزانہ' صحت' پبلک ہیلتھ' آبادکاری اور عام انتظامی امور۔

''اسمبلی میں ایک مشاورتی کمیٹی بھی بنائی گئی جس پر ہندو مسلم ممبران اسمبلی نے دستخط کیے تھے۔ اس کا کام معاہدے پر عملدرآمد کرنا تھا۔

ممبران یہ تھے:

چیئرمین: میر بندہ علی ٹالپور' سیکرٹری: جی۔ ایم سید' ممبر: سر غلام حسین ہدایت اللہ' اللہ بخش سومرو' محمد ہاشم گزدر' شیخ عبدالمجید سندھی' محمد ایوب کھہڑو' ڈاکٹر چوئتھرام' رستم سدھاوا' پیر الٰہی بخش' نارائن داس بیچر' فرینڈ' بنچلد اس وزیرانی' خان صاحب گوکلد اس' نیون رام اور دوسرے آزاد گروپ سے بھی شامل تھے۔

جی۔ ایم سید اور اللہ بخش سومرو معاہدے کے باعث میر بندہ علی کو بھی مستعفی ہونا تھا اور اس کے لیے جی۔ ایم سید اپنے گروپ کی طرف سے میر صاحب پر دباؤ ڈالتے رہے۔ دوسری طرف مسلم لیگ میر بندہ علی وزارت کو بچانے کی کوشش کرتی رہی مگر اس میں اس وقت ناکامی ہوئی جب جی۔ ایم سید گروپ نے کانگریس سے مل کر کٹوتی کی تجویز پر اس وزارت کو شکست دیدی۔ یہ ۷ مارچ ۱۹۴۱ء کا دن تھا۔ اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو اللہ بخش سومرو وزیر ہوتے ہوئے بھی کانگریس اور ہندو آزاد ارکان کے ساتھ جا کر مخالف بنچوں پر بیٹھے۔ میر بندہ علی ایوان میں اعتماد کی فضا نہ دیکھ کر مستعفی ہو گئے۔ (۶۲)

اسی دن ۷ مارچ ۱۹۴۱ء کو سندھ اسمبلی کے اجلاس میں خان بہادر اللہ بخش سومرو کی وزارت دوبارہ وجود میں آئی۔ اس کی وزارت اور محکمے اس طرح سے تھے:

وزیر اعلیٰ: خان بہادر اللہ بخش سومرو۔ خزانہ

وزیر: سر غلام حسین ہدایت اللہ۔ داخلہ' سیاسی امور قانون اور عام انتظام۔ (۶۳)

وزیر: رائے صاحب گوکلد اس میولد اس مقامی خود مختار حکومت اور زراعت

وزیر: پیر الٰہی بخش۔ تعلیم' صنعت' جنگلات' محنت' آبادکاری' دیہی ترقی۔

وزیر: پیرزادہ عبدالستار' پی ڈبلیو ڈی' صحت' پبلک ہیلتھ

مسلم لیگ وزارت کی کمزوری اور ٹوٹ جانا خود لیگ کی کمزوری تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قائداعظم ایک بار دسمبر ۱۹۴۰ء میں کراچی تشریف لائے اور آپ کی کوششوں سے صوبہ سندھ مسلم لیگ' انتظامی کمیٹی کا

قیام عمل آیا۔اس کی تنظیم اس طرح تھی:

چیئرمین: جی۔ایم سید

ممبران: قاضی فضل اللہ' پیر عبدالستار جان سرہندی' یوسف ہارون' حاجی عبداللہ ہارون' محمد ہاشم گزدر' سید حسن بخش شاہ' آغا نبی پٹھان' سید علی اکبر شاہ اور فیض محمد منگریو (لاڑکانہ)۔(۶۴)

اس کمیٹی نے ایک منصوبہ تیار کیا جس کے تحت مسلم لیگ کو ضلعی کمیٹیوں کے تحت کانفرنسیں بلانا' کسبوں میں دورے کر کے لوگوں کو مسلم لیگ سے روشناس کرانا' آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان کے سلسلے میں لٹریچر چھپوا کر تقسیم کرنا اور ہندوؤں کی غلط پالیسیوں سے عوام کو آگاہ کرنا شامل تھا۔

اس کمیٹی نے جی۔ایم سید اور سر حاجی عبداللہ ہارون کی رہنمائی میں بڑا فعال کام کر کے دکھایا۔ انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں سندھ کے اندر مسلم لیگ کی ۴۵۰ شاخیں قائم کر دیں۔اس کے علاوہ کئی کانفرنسیں بھی بلائی گئیں جن میں سیوہن' کوٹری' مورو اور سلطان کوٹ کی کانفرنسیں بھی شامل ہیں۔(۶۵)

جی۔ایم سید نے مسلم لیگ کی تبلیغ کے لیے ایک کتابچہ ''پاکستان کے مطالبے'' کے سلسلے میں شائع کرایا۔اس کتابچہ میں وہ قائداعظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح نے اسلام کی سچی خدمت کی ہے۔انہوں نے مسلمانوں کے صحیح مقصد کو پیش کیا ہے۔جناح صاحب وہ صاحب دو آزاد مغربی اور مشرقی ریاستیں قائم کریں گے۔''(۶۶)

انہی دنوں جی۔ایم سید نے روزنامہ الوحید کراچی میں ایک مضمون تحریر کیا جس کا عنوان تھا ''پاکستان میری نظر میں۔''

وہ لکھتے ہیں:

''......جس طرح مسٹر منشی' گاندھی سے الگ ہو کر ''اکھنڈت بھارت'' کی تحریک چلا رہے ہیں اسی طرح میں بھی سمجھتا ہوں کہ میں کوئی گناہ کروں گا' اگر میں مسلمانوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش نہ کروں! فرق صرف یہ ہے کہ میں پہلے یہ تحریک سندھ کے دیہی علاقہ کے مسلمانوں سے شروع کرنا چاہتا ہوں' جو اس تحریک کو کامیاب کر سکیں گے۔پھر پنجاب' فرنٹیئر اور بلوچستان کے ہم خیال دوستوں کی مدد سے اس تحریک کو مقبول عام بنانے کی کوشش کروں۔ممکن ہے کسی وقت پوری مسلم لیگ جماعت اس خیال کی ہو جائے۔''

اس کے بعد انہوں نے پاکستان کے قیام کے بعد کئی فوائد گنوائے۔(۶۷)

آخر میں لکھتے ہیں:

''اس تحریک کو مقبول عام بنانے کے لیے انشاء اللہ جلد ہی دیہات کا دورہ کروں گا۔'' (۶۸)

اس وقت سندھ مسلم لیگ کے عہدیدار اور ارکان جو منتخب ہوئے وہ یہ تھے:

صدر: حاجی عبداللہ ہارون (ایکس آفیشو)

آنریری سیکرٹری: پیر علی محمد شاہ راشدی

سندھ مسلم لیگ کاؤنسل کے ارکان یہ تھے:

کراچی: محمد ایوب کھوڑو (وزیر) شیخ عبدالمجید سندھی (وزیر) جی۔ایم سید (وزیر) (۶۹) محمد ہاشم گزدر، یوسف ہارون، محبوب احمد قریشی، مولانا ضیاء اللہ، حاجی نظرالدین (ڈیلی حیات۔کراچی) اور مولانا ظہورالحسن۔

میرپورخاص: نواب غلام حسین لغاری، فقیر محمد خان منگریو اور چودھری غلام احمد

نوابشاہ: سید خیر شاہ

دادو: محمد قاسم (میہڑ) محمد اسماعیل (ایڈیٹر مسلم گزٹ)

لاڑکانہ: قاضی فضل اللہ، علی گوہر خان لاہوری اور پیر حسام الدین راشدی

سکھر: آغا غلام نبی پٹھان، آغا نظر علی، نعمت اللہ قریشی، پیر رسول بخش شاہ (گھونکی) جام عبدالرزاق (ایم پی ڈکھن) (۷۰)

مسلم لیگ رفتہ رفتہ سندھ میں مقبولیت حاصل کرنے لگی۔شہر شہر گاؤں میں اس کی شاخوں کا قیام، مختلف شہروں اور گاؤں میں ہر سال کانفرنسوں کا منعقد ہونا اور ہر سال ۲۳ مارچ کو ''یوم پاکستان'' منانا اس کے حق میں فائدہ مند ہو رہا تھا۔

جب بھی ۲۳ مارچ کا دن قریب آتا تھا تو صوبہ سندھ مسلم لیگ کاؤنسل وہ دن منانے کا پروگرام مرتب کرتی اور عام مسلمانوں سے اپیل کرتی کہ سب مل کر یہ دن بڑے اہتمام اور شان و شوکت سے منائیں۔

صوبہ سندھ مسلم لیگ کاؤنسل کی اپیل کا اندازہ اس طرح کا ہوتا تھا۔

'صوبہ سندھ مسلم لیگ کاؤنسل سندھ کے مسلمانوں سے درخواست کرتی ہے کہ عیدالاضحیٰ کو بطور یوم پاکستان'' منایا جائے۔اسی دن نماز عید سے پہلے یا بعد میں یہ قرارداد منظور کی جائے کہ ہندوستان میں پاکستان کا قائم کرنا مسلم لیگ کا مقصد عظیم ہے۔جس کی ہم پر زور تائید کرتے ہیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کو پاکستان کا مطلب سمجھایا جائے اور رب العزت سے دعا کی جائے کہ وہ دن ہمیں جلد دکھائے۔ہر ایک مسلمان بیج لگائے جس پر ''پی'' (P) لکھا ہو جس کا مطلب ہے ''میں

پاکستان کا حامی ہوں۔'' (۷۱)

حاجی عبداللہ ہارون کی وفات اور جی۔ ایم سید کا صدر ہونا:

سر حاجی عبداللہ ہارون ''سندھ مسلم لیگ کے صدر'' جس نے اپنی لگن' جذبے اور جدوجہد سے مسلم لیگ کی بڑی خدمت کی' اپنا سرمایہ لگا کر اس پودے کی آبیاری کی۔ وہ ۲۷/اپریل ۱۹۴۲ء کو وفات پا گئے۔

سر عبداللہ ہارون کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری جی۔ ایم سید کو سونپی گئی اور انہوں نے حتی المقدور کوشش کر کے تھوڑے ہی عرصے میں وہ کام کر دکھایا جس کی ان سے توقع کی گئی تھی۔

اسی دوران جنگِ عظیم دوم اپنے عروج پر پہنچی۔ آل انڈیا کانگریس نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر انگلستان پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ ہم جنگ میں آپ کی مدد اس شرط پر کرنے کو تیار ہیں کہ آپ ہندوستان کو فوراً آزادی دیں گے اور وہ بھی ہندوستانی کی واحد نمائندہ جماعت کانگریس کے ہاتھ میں عنانِ حکومت دی جائے گی۔

ایسے مشکل ترین اور آڑے وقت میں کانگریس کا یہ مطالبہ انگریزوں کو قطعاً پسند نہ آیا اور اس پر کان نہ دھرا تو آل انڈیا کانگریس نے ''انڈیا چھوڑ دو Quit India'' کا نعرہ لگا کر تحریک شروع کر دی۔ انہوں نے ساری وزارتیں چھوڑ دیں اور القاب وغیرہ واپس کر دیئے۔ جس پر آل انڈیا مسلم لیگ نے ''یومِ نجات'' منایا۔ سندھ کے وزیراعلیٰ خان بہادر اللہ بخش سومرو نے چونکہ کانگریس کے تعاون سے حکومت بنائی تھی' اس لیے انہوں نے بھی کانگریس کی اپیل پر ۲۶/ستمبر ۱۹۴۲ء کو وائسرائے ہند کو ایک خط لکھ کر اپنے خطاب واپس کر دیئے۔ خط کا متن مختصراً یہ ہے:

''یہ میرا ایمان ہے کہ ہندوستانی آزادی حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں...... مگر وزیراعظم مسٹر چرچل کی ہاؤس آف کامن میں کی جانے والی تقریر سے ہندوستان کے سمجھ بوجھ رکھنے والے اور قوم پرستوں میں سخت ناامیدی اور مایوسی پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز کے پاس آزادی دینے کا کوئی پروگرام نہیں۔ اس لیے میں ایسی حکومت کی طرف سے ملے ہوئے خطاب اپنے پاس رکھ نہیں سکتا اور واپس کر رہا ہوں۔'' (۷۲)

۱۴/اکتوبر ۱۹۴۲ء کو گورنر سندھ نے اللہ بخش سومرو کو وزارت اعلیٰ سے برطرف کر دیا۔ (۷۳)

اسی دوران پورے ہندوستان میں کانگریسی رہنماؤں اور کاؤنسلوں کے ممبران بھی بڑی تعداد میں گرفتار کیے گئے۔

چونکہ اللہ بخش سومرو کے بعد سندھ میں طاقتور گروپ خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کا تھا' پھر بھی مسلم لیگ اور گورنر دونوں کی رائے سر غلام حسین ہدایت اللہ کی طرف تھی کہ انہیں وزیر اعلیٰ بنایا جائے۔

آخر کار ۱۴ اکتوبر کو ہی سر غلام حسین نے نئی وزارت بنائی' جس میں پیر الٰہی بخش' محمد ہاشم گذدر' گوکلداس ایم رو چلانی اور ڈاکٹر ہیمن داس روپ چند واد ھوانی نئے وزیر لیے گئے۔ (۷۴)

یہ بات پہلے ہی بیان کی گئی ہے کہ اسمبلی کے اندر ہر دور میں مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹی رہی۔ اس وقت بھی یہی حال تھا۔ اللہ بخش سومرو وزارت کے ٹوٹنے کے بعد جب سر غلام حسین ہدایت اللہ کو وزارت بنانے کے لیے کہا گیا تو مسلم لیگ جی۔ ایم سید گروپ اس سے تعاون کرنے کو تیار تھا اور دوسرا گروپ' جس کی قیادت شیخ عبدالمجید سندھی کر رہے تھے وہ اس کے حق میں نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سر غلام حسین اپنی پارٹی مسلم لیگ چھوڑ کر اللہ بخش سومرو کی وزارت میں چلے گئے تھے۔

یہ وہی دور تھا کہ جس میں سندھ اسمبلی نے پاکستان کے حق میں ایک تاریخی قرارداد پاس کر کے اس نئے ملک کے وجود اور قیام میں آنے کی راہ ہموار کر دی۔

''تحریکِ پاکستان میں ایک ایسا بھی موقع آیا کہ انگریز نے قائداعظم سے کہا کہ وہ مسلم اکثریت والے کسی بھی صوبے سے اپنی اکثریت کا ثبوت دے۔'' (۷۵)

یہ ایسا نازک مرحلہ تھا کہ قائداعظم کو بہت پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ قائداعظم نے بنگال کے وزیر اعلیٰ سر فضل الحق اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات سے رابطہ قائم کیا۔ مگر کہیں سے بھی پاکستان کے حق میں قرارداد کے پاس ہونے کی کوئی امید نظر نہ آئی۔ صوبہ سرحد' جس کے وزیر اعلیٰ خان عبدالغفار خان کے بھائی خان صاحب کی حکومت کانگریس کے تعاون سے قائم ہوئی تھی اس لیے اس سے ایسی امید رکھنا عبث تھا۔ اب قائداعظم نے صوبہ سندھ پر اپنی امید کی نظر رکھی اور سندھ کے مسلم لیگی لیڈروں سے رابطہ قائم کیا۔

''اس موقع پر بھر چونڈی کے پیر عبدالرحمٰن' جو ایک روحانی پیشوا بھی تھے اور سندھ اسمبلی میں ان کے کئی معتقد بھی تھے مگر ان کی اکثریت کانگریس کے ساتھ تھی۔ پیر صاحب نے ایک ایک ممبر سے خود جا کر کہا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں تحریکِ پاکستان کی تائید میں ووٹ دیں اور تحریک کی حمایت کریں۔ (۷۷)

سابق پروفیسر اور سندھ یونیورسٹی کے سابق رجسٹرار غلام نبی بھنگر نے ایک ایسا انکشاف کیا ہے جو اب تک راز ہی رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ۱۹۴۳ء کا زمان تھا وہ ایس۔ ایم کالج کراچی میں استاد تھے اس دور میں طلبہ میں سے بہت ذہین بچے پاکستان اور مسلم لیگ سے بہت پیار کرتے تھے ان کی امنگیں اور

جذبات ان دونوں سے وابستہ تھے۔ایک دن بعد دوپہر غلام رسول صدیقی (وکیل خیر پور) جو اس وقت بی۔اے کے ہونہار طالب علم تھے' ان کے پاس آئے اور انہیں دیکھتے ہی زور زور سے رونے لگے۔وہ بہت ہی جذباتی اور بہترین اسٹوڈنٹ فیڈ ریشن کے کارکن تھے۔بھنگر صاحب سمجھے کہ وہ کوئی ڈرامہ کر رہا ہے۔انہوں نے اسے چپ کرایا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟

یہ وہی وقت تھا جب انگریز اور کانگریس نے قائداعظم کو چیلنج دیا تھا کہ کسی بھی مسلمان اکثریتی صوبہ سے پاکستان کے حق میں کوئی قرارداد منظور کروا کے دکھائے۔غلام رسول نے فوراً کہا کہ ''پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کروائی ہے۔''

غلام نبی بھنگر (۸۷) نے بتایا کہ یہ وہ دور تھا جب سندھ اسمبلی میں بڑی افراتفری تھی اور طاقت جی۔ایم سید کے ہاتھ میں تھی۔میں نے غلام رسول سے پوچھا کہ یہ کس طرح ممکن ہوگا' تو انہوں نے فوراً کہا:

''آپ میرے ساتھ علامہ آئی۔آئی قاضی کے پاس چلیں۔''

میں اس کی بات سمجھ گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس طریقے سے واقعی یہ بات ممکن ہے۔''

ہم دونوں علامہ صاحب کے بنگلے پر پہنچے۔غلام رسول نے علامہ صاحب کو دیکھتے ہی وہی ڈرامہ شروع کر دیا اور اس انداز سے رو رہے تھے کہ خود علامہ صاحب حیران اور پریشان ہو گئے' میں نے اس کو چپ کرایا۔علامہ صاحب نے ماجرا پوچھا۔جب علامہ صاحب سے ملنے کا مقصد بیان کیا گیا تو انہوں نے پوچھا۔

Are you realy making Pakistan?

علامہ آئی آئی قاضی کے اس بھڑ کانے والے جملے کی وضاحت کرتے ہوئے غلام نبی بھنگر صاحب نے بتایا کہ' علامہ صاحب دور رس نگاہیں رکھنے والے تھے اور انہیں مسلمانوں کے آپس کے مخالفانہ رویہ کا بھی بخوبی علم تھا۔پاکستان کے قیام کے بعد اب تک جو کچھ ہوا ہے' علامہ صاحب اس سے آگاہ تھے۔

(اپنے طور پر میرا خیال ہے کہ علامہ صاحب غلام رسول کے رونے دھونے کو طنزیہ طور پر یہ جملہ فرمایا تھا۔خوشی کے بجائے رونے کا عمل اچھا شگون نہ تھا۔(مصنف)

وہ بھی سمجھ گئے تھے ہم ان کے پاس یہ مدعا لے کر کیوں آئے ہیں۔انہوں نے مجھے فرمایا کہ ''تم جاؤ اور جی ایم سید کو میرے پاس لے آؤ۔''

بھنگر صاحب نے بتایا کہ:

ہمیں یہ احساس تھا کہ جی۔ایم سید اس وقت بیلنسنگ پاور (Balancing Power) ہیں اور اگر سر غلام حسین ہدایت اللہ کو چیف منسٹر بنایا گیا تو یہ قرارداد ہر حالت میں منظور ہو جائے گی۔اس کے

علاوہ یہ بھی احساس تھا کہ جی۔ایم سید علامہ آئی۔آئی قاضی کی بہت عزت واحترام کرتے تھے اور وہ ان سے جو کچھ کہیں گے جی۔ایم سید وہی کریں گے۔

میں رات کو ٹرین کے ذریعے سن پہنچا۔صبح کو سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے بتایا کہ ''میں نے محمد ایوب کھوڑو سے باتیں کرلی تھیں' مگر اب انہیں سب کچھ چھوڑنا پڑے گا۔''

میں نے علامہ صاحب کو جی۔ایم سید کے آنے کی اطلاع دی تو انہوں نے میرے ذمہ یہ کام بھی کر دیا کہ میں شام کے وقت ان کے بنگلہ پر آنے کے لیے سر غلام حسین اور میر بندہ علی کو اطلاع دے دوں۔ میں نے سوچا کہ سب سے پہلے یہ اطلاع سر غلام حسین کے لیے خوشی کا باعث ہوگی اور میں نے وقت ضائع کیے بغیر ان کو اطلاع کردی۔دوسرے ارکان کو بھی علامہ صاحب نے اطلاع کرادی تھی۔

اسی دن کو علامہ آئی۔آئی قاضی کے بنگلہ پر میٹنگ ہوئی جس کے بعد وہی ہوا جو غلام رسول صدیقی چاہتا تھا۔(۷۹)

یہ ۳ر مارچ ۱۹۴۳ء کا دن تھا جب جی۔ایم سید نے سندھ اسمبلی میں قرارداد پاکستان پیش کی۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ ''ہندوستان کے مسلمان علیحدہ قوم ہیں اور علیحدہ قومیت کے تحت علیحدہ وطن کا مطالبہ کرتے ہیں۔''(۸۰)

یہ قرارداد جی۔ایم سید نے خود پیش کی تھی۔ان کے الفاظ تھے:

''یہ اجلاس حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ وہ عزت مآب وائسرائے کے ذریعے شہنشاہ انگلستان کو اس صوبے کے مسلمانوں کے جذبات اور خواہشات سے آگاہ کریں کہ:

جیسا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔جن کا علیحدہ مذہب' فلسفہ' سماجی رسومات روایات' سیاسی اور اقتصادی نظریت ہیں۔وہ ہندوؤں سے بالکل مختلف ہیں۔مسلمانوں کو وہاں اپنی علیحدہ آزاد قومی ریاست ہو' جہاں وہ ہندوستان کے اکثریتی علاقوں میں آباد ہیں۔اسی لیے وہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں ایسا کوئی آئین قابلِ قبول نہیں ہوگا' جس میں مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت دوسری قوم کے زیر اثر رکھا جائے۔اسی لیے ضروری ہے کہ ان کی اپنی علیحدہ ریاست ہو۔اگر مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت رہنے کے لیے مجبور کیا گیا' تو حکومت اس کے لیے ذمہ دار ہوگی جس کا نتیجہ خانہ جنگی بے گور و کفن کی طرح ہوگی۔''(۸۱)

اس قرارداد کے حق میں شیخ عبدالمجید سندھی نے تقریر کی اور اجلاس کے سامنے دو ترامیم پیش کیں۔ جس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ قرارداد لکھتے وقت سارے رہنما موجود نہ تھے۔خصوصاً شیخ عبدالمجید

سندھی۔ اس لیے کہ مسلم لیگ کے دو دھڑوں میں سے ایک کی رہنمائی جی۔ ایم سید اور دوسرے کی شیخ عبدالمجید سندھی کر رہے تھے۔

باوجود اس کے کہ بہچلداس وزیرانی ان ترامیم پر اعتراض کیا' مگر وہ منظور کی گئیں۔ ترامیم میں آخری تیسری سطر میں لفظ ''اپنی'' کی جگہ ''اقلیتوں کی سلامتی کے لیے'' شامل کیا گیا اور دوسری ترمیم کی آخری سطر کے الفاظ ''خانہ جنگی بے گور و کفن'' کی بجائے ''خوفناک'' لفظ استعمال کیا گیا۔ اس طرح قرارداد کی تین سطروں کی ہیئت یہ ہوئی:

''......اسی لیے ضروری ہے کہ ان اقلیتوں کی سلامتی کے لیے علیحدہ قومی ریاست ہو۔ اگر مسلمانوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت رہنے کے لیے مجبور کیا گیا تو' حکومت اسی کے لیے ذمہ دار ہوگی' جس کا نتیجہ خوفناک ہوگا۔''

اس اجلاس میں مجموعی طور پر ۲۷/ارکان موجود تھے۔ ۲۴/ نے قرارداد کی حمایت میں ووٹ دیا اور تین ارکان نے مخالفت کی۔

حمایت کرنے والوں میں شیخ عبدالمجید سندھی' سر غلام حسین ہدایت اللہ' پیر الٰہی بخش' حاجی محمد ہاشم گزدر' خان بہادر محمد ایوب کھہڑو' جی۔ ایم سید' میر بندہ علی ٹالپور' میر غلام علی ٹالپور' خان بہادر حاجی امیر علی لاہوری' خان بہادر اللہ بخش گبول' سردار بہادر سردار قیصر خان' محمد عثمان سومرو' جام نواب جان محمد' خان بہادر غلام نبی شاہ' خان بہادر غلام محمد اسران' ارباب توگاچی' سید محمد علی شاہ' مسز جینا بائی' جی الانا' محمد یوسف چانڈیو' خان صاحب سہراب خان سرکی' شمس الدین خان بارکزئی' رئیس رسول بخش خان انڑ' سید نور محمد شاہ اور علی گوہر خان مہر۔

مخالفت کرنیوالوں میں ڈاکٹر ہیمنداس آر۔ وادھوانی' لعلومل آر موٹوانی اور راجہ صاحب گوکل داس تھے۔ (۸۵)

مذکورہ تین ہندو ممبران اسمبلی میں سے دو وزیر اور ایک پارلیمینٹری سیکرٹری تھے۔ اس طرح ایوان نے پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کر کے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔ یہ وزارت ۱۹۴۶ء تک کامیابی سے چلی۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سندھ مسلم لیگ کی قرارداد کی روشنی میں جو اس نے ۳/مارچ کو منظور کی تھی' مسلم لیگ کاؤنسل نے ابھی اسے ۷/مارچ کو منظور کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کاؤنسل نے سندھ صوبائی اسمبلی کے فیصلے کے مطابق یہ امید ظاہر کی کہ' مسلم اکثریت والے دیگر صوبے بھی سندھ کے نقشِ قدم پر

چھین گے۔(۸۷)

مگر یہ بات عملی طور پر بہتر ثابت نہ ہوسکی۔ پنجاب کی یونینسٹ پارٹی اقتدار میں تھی اور سکھوں کی انہیں حمایت حاصل تھی' اسی لیے مسلم لیگ کو وہاں کوئی زیادہ پذیرائی نہ ملی۔ اسی طرح بنگال میں بھی مسلم لیگ وزارت نہ بن سکی' حالانکہ اکثریت مسلمانوں کی تھی۔(۸۸)

آل انڈیا مسلم لیگ کا اکتیسواں اجلاس کراچی ۱۹۴۳ء:

سندھ اسمبلی میں مسلم لیگ کی وزارت اور قرارداد لاہور کی حمایت میں سندھ اسمبلی سے اس کی توثیق ہونے سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ پاکستان کے مطالبے کو تقویت مل رہی ہے۔ اسی تقویت کو اور مضبوط کرنے اور دوسرے صوبوں کے لیے مشعلِ راہ بنانے کے لیے ۲۴ دسمبر ۱۹۴۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس صوبہ سندھ کے دارالحکومت کراچی میں رکھا گیا' جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ جلسہ گاہ کو انتہائی محنت سے سجایا گیا تھا۔ خوبصورت جھنڈیوں سے پنڈال اور اسٹیج کو مزین کیا گیا۔ چاندی کی کرسی پر قائداعظم کو بٹھایا گیا تھا اور سامنے ۸۰ ہزار مسلم لیگی اور پاکستان کے شیدائی جذبات میں اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے۔ صدر جلسہ کے ساتھ استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین جی۔ ایم سید اور سیکرٹری جنرل یوسف ہارون اور پاکستان مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خان بھی اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ برصغیر ہندوستان کے......اور رہنماؤں نے اس کانفرنس میں شرکت کی ان میں پنجاب کے وزیراعلیٰ سردار خضر حیات خان' صوبہ سرحد کے وزیر اور پارلیمنٹری سیکرٹری سردار اورنگ زیب خان' آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبران' صدر آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ نواب بہادر یار جنگ' محترمہ فاطمہ جناح' بیگم طاہرہ اعجاز آغا اور لیڈی عبداللہ ہارون بھی شامل تھیں جو اسٹیج پر تشریف رکھے تھے۔ علاوہ ازیں سندھ سے وہ معاون و مددگار بی اسٹیج پر تھے جنہوں نے ایک ایک ہزار اور پانچ پانچ سو روپیہ کے عطیے دیئے تھے۔ ان میں خان صاحب غلام قادر ناریجہ (تھرپارکر) سید خیر شاہ' وڈیرہ یار محمد خان (میرپورخاص) سید احمد شاہ (گرھوڑ شریف)' وڈیرہ محمد حیات (میرپورخاص) اور وڈیرہ بانکو خان (میرپورخاص) بھی شامل تھے۔

سب سے پہلے جی۔ ایم سید نے استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور دریائے سندھ اور مختلف دریاؤں سے یا ان کے کناروں تک کی اراضی پر پاکستان قائم کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا:

آپ سب کا اس سرزمین سندھو پر خیر مقدم کرتا ہوں۔ سندھو سے مطلب براعظم ایشیاء کا وہ حصہ ہے جو دریائے سندھ اور اس سے وابستہ نہروں کے ساحل تک کا ملک ہے۔ قدیم زمانے میں سندھو یہاں علیحدہ علیحدہ ممالک کہلاتے تھے۔ سندھو میں کشمیر، صوبہ سرحد، پنجاب، بلوچستان اور موجودہ سندھ شمار کیے جاتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، ویسے اسی نام سے منسلک ملک رقبے میں کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اب دریائے سندھ کے فقط آخری حصہ کی اراضی سے منسوب رہا ہے۔ آج اسی حقیقت سے واقفیت حاصل کر کے ہم منزل کی طرف دوبارہ قدم اٹھا رہے ہیں جس میں وہ سندھ کے مختلف حصے دوبارہ مل کر ایک ہو جائیں گے۔ جس کا راز پاکستان کے پیارے نام میں مضمر ہے۔ (۸۹)

جی۔ ایم سید نے مزید کہا:

''افسوس ہے کہ عارضی اور بے بقا اتحاد کے لیے ہندوستان کے کچھ باشندے اس سرزمین کے لوگوں کو ورغلا اور بھڑکا رہے ہیں اور ہماری اس سرزمین کے کچھ مسلم اور غیر مسلم دوست اسی کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کے اثر آ گئے ہیں اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے اور متحدہ قومیت اور متحدہ ہندوستان تو درکنار مگر پوری روئے زمین کو متحد کرنا چاہتے ہیں۔

خدائے ذوالجلال ہمارے دوستوں کو راہ ہدایت نصیب کرے مگر وہ غیر کی جادو بیانی کے جال سے اپنے کو آزاد نہ کریں گے، تو اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا۔ سرزمین سندھ کے باشندے اب بیدار ہو چکے ہیں اور دنیا کے نئے نظام کی تنظیم سے بہرہ ور ہونے کے لیے انہیں غیر کے اثر سے ضرور آزاد کرانا چاہئے، میں پھر بھی ملک کے غیر مسلموں سے اپیل کرتا ہوں کہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے وطن کو آزاد اور خود مختار بنانے میں تعاون کریں۔'' (۹۰)

ہم نے ''مسلمانوں سے خرید کرو'' کی تحریک چلائی تو انہوں نے (ہندوؤں نے) واویلا مچا دیا۔ انہوں نے واضح ثبوت دے دیا کہ ہمارے ان دوستوں میں قومیت کا احساس بالکل نہیں ہے۔ ہمارے مسلمان ہنر اور دولت میں سب سے پیچھے ہیں۔ اسی لیے ہمارے غیر مسلم ہم وطن دوستوں کو اگر قومیت کا صحیح جذبہ ہوتا تو وہ ہماری اس تحریک کی تائید کرتے اور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے اور ملک میں جمہوری حکومت کی بنیاد اور اس کے باشندوں کے اقتصادی تعاون کا باعث بنتے۔ مگر جب بھی مسلمانوں نے اپنے بھائیوں سے تعاون کی کوشش کی تو ان غیر مسلم دوستوں نے مخالفت اور اعتراض کیا۔ ان کی اس سنگدلانہ روش سے قومی اتحاد کی امید بالکل نیست و نابود ہو گئی...... اگر وہ اب بھی اس روش سے باز نہ آئیں گے تو پھر مسلمانوں کے لیے فقط ایک ہی راستہ ہے کہ ہم توکل بر خدا اپنی نجات و فلاح کے راستہ پر

قدم آگے بڑھائیں۔''

سید صاحب نے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ سندھ میں آئیں اور اس تحریک کامیاب بنائیں۔ وہ سندھ میں آ کر تجارتی اور فنی سرگرمیاں پیدا کریں۔ یہاں پیسہ لگائیں، دکا کھولیں اور ہنروں سے متعلق کارخانے قائم کریں جو یہاں کے غیر مسلم لوگوں کے قبضے میں ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''پاکستان کے منظر میں، ہند کے مسلمان جو نیک کوششیں کر رہے ہیں اس ہمیں پورا پورا اعتراف ہے...... اس سرزمین کے باشندے قربانی دینے کے لیے تیار ہیں اور حالات سازگار ہیں، مگر ہمیں مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے اور سرمائے کی بھی۔ مخلص کارکنوں سے میری مراد مرد اور عورتیں ہیں جو ملت اور مذہب کی خاطر اس ملک میں آ کر سیاسی اور معاشرتی ترقی کے لیے خدم کریں۔ سرمائے سے میری مراد ہند کے مسلمان سرمایہ دار آئندہ اپنی تجارتی اور فنی سرگرمیاں ا سرزمین کی طرف منتقل کریں۔

دوسرے صوبے کے مسلمان رہنماؤں سے مخاطب ہو کر سید صاحب نے کہا:

''جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں رہتے ہیں وہ وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آئیں۔ کیو انہیں وہاں ترقی کرنے کے مواقع کم ملیں گے۔ یہاں آ کر ہماری مدد کریں کہ مسلمان آپس میں مل کرتر کے لیے کام کریں۔''

انہوں نے ملت کی ترقی کے لیے تین باتوں کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اہم قرار دیتے ہوئے کہا

۱۔ ملت کے شیرازہ کو منظم کر کے وحدت کا کردار پیدا کرنا۔

۲۔ ملک کی اقتصادی حالت کو درست کر کے اسے اپنے اپ پر بھروسہ کرنے کے قابل بنانا اور ا آپ کو خود کفیل بنانا۔

۳۔ آئندہ سیاست ملی کے پروگرام اسلامی اخوت و مساوات کو تعمیر کرنا۔

پوری ملت میں مجاہدانہ روح پیدا کر کے اور ہر بالغ فرد کو ''نیشنل گارڈ'' میں داخل کر کے ضرورت پوری کی جا سکتی ہے۔

دوسری ضرورت کے لیے ہند کے مسلمان مدد کر سکتے ہیں...... آپ کا تجارت و صنعت کا پیشہ اس دور کر سکتا ہے۔ ہم آپ کو ہر قسم کی سہولت دینے کو تیار ہیں۔ ''مسلمانوں سے خریداری کریں'' کی تح ہم پہلے ہی شروع کر چکے ہیں اور بفضلِ خدا اس سے اچھا اثر اور فرق نمودار ہوا ہے...... مگر مخالفوں غریب طبقہ کو ورغلا کر ساہوکاروں کے خلاف کر دیا ہے۔

یہ ملت کے مخالفوں کے ایجنٹ خانہ جنگی اور تباہی پیدا کر رہے ہیں۔ امکان ہے کہ بھوکے اور بے علم
ِگ حیا کے دام از ویر میں گرفتار ہو جائیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلے کو خاطر خواہ نمونے سے حل
کرنے کے لیے فوراً کوئی تدبیر کی جائے۔ جس کے لیے ہم مخلص کارکن مسکین ہاروں (کسانوں) اور
ریب مزدوروں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے منظم کر کے اسی اقتصادی اور سیاسی بہتیری کے لیے ہر ممکن
وشش کریں کہ مخالفوں کے فتنوں اور شرارتوں کو ہمیشہ کے لیے روک سکیں' رد کر سکیں۔'' (۹۱)

اس موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر قائداعظم نے حالات کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا'' ہم
س وقت تک خاموش نہیں رہ سکتے جب تک جو خطے ہمارے ہیں' وہ قبضے میں کر کے ان کی حکومتیں اپنے
تھ میں نہ کر لیں۔''

انہوں نے ایک ''ایکشن کمیٹی'' کی تشکیل کا مشورہ دیا جس کا کام تھا' مسلمانوں کے مفادات میں
جاویز آئیں ان پر غور وخوض کرنا اور ان کو عمل میں لانا۔ اس کے علاوہ ایک ''پارلیمینٹری بورڈ'' قائم کرنے
ی بھی تجویز دی۔ اس کا کام ہوگا انتخابات پر نظر رکھنا اور ان میں جو اختلاف پیدا ہوں ان کا حل کرنا۔

قائداعظم نے فرمایا:

''......اس وقت تک جو بھی حیلے اور حرکتیں اور چالبازیاں ہمارے اتحاد کو توڑنے کے لیے کی گئی ہیں'
ہیں وقت بوقت ہم نے کامیابی سے روکا ہے...... جب کانگریس وزارتیں قائم ہوئیں' تو انہوں نے کہا
کہ مسلم لیگ کو بند کر دیں گے۔ پھر انتخابات میں ''نام نہاد جماعتوں' علماء اور احراریوں کی طرف سے
زاد کانفرنسوں یا کئی اور طریقوں سے ہمیں منتشر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح مسلم لیگ کو تباہ کرنے
کے لیے ہم مسلمانوں میں باہمی اختلاف اور بد نظمی پیدا کرنے کے لیے کانگریس نے ہر طرح سے سازشیں
کیں۔ مگر جیسے جیسے وہ ایسا کرتی گئی خود اس کا اپنا اعتبار اور اقتدار کمزور ہوتا گیا اور آج خدا کے فضل سے
مسلم لیگ ایک طاقت ہے۔''

قائداعظم نے برطانیہ کے وزیراعظم کے متعلق کہا۔

''مسٹر چرچل کہتے ہیں کہ انگریز سلطنت کا دیوالیہ نکالنے کے لیے وزیراعظم نہیں ہوا ہوں۔ مگر میں
بس بتا دینا چاہتا ہوں کہ اپنی رضامندی سے اپنا کام ختم کر دینا زیادہ اچھا اور باعزت طریقہ ہے بہ
نسبت اس کے کہ کسی آدمی کا زبردستی دیوالیہ نکلوایا جائے...... انگریز سلطنت کا دیوالیہ ایک نہ ایک دن نکلنا
ہے اور یہ ہی نہیں کہ مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی کے مقصد سے غافل ہے۔ میں علی الاعلان دنیا کو
بتا دینا چاہتا ہوں کہ...... ہمارا نصب العین پاکستان کو حاصل کرنا ہے اور اسی میں ہندوؤں کی آزادی کا

راز بھی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کی آزادی کے بغیر پاکستان وجود میں نہیں آ سکتا ایسا ہونا ممکن نہیں کہ ایک قوم آزاد ہو اور دوسری غلام ہو کر رہے؟

لارڈ ویول پر نکتہ چینی کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''ہم نے ہر جنگ جیتنے کے لیے انگریزوں کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے اسی شرط پر کہ ہمارا وہ ہاتھ ایک راز دان دوست کی طرح قبول کرے اور ہمیں حکومت میں شریک کر کے خود مختاری دی جائے اور جب جنگ میں کامیابی حاصل ہو تو ہمیں بھی اس فائدے میں شریک کرے۔

مگر ہماری جماعت سے بھی کانگریس جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ وہ مسلم لیگ کو بھی غیر قانونی قرار دے کر اگر خوش ہونا چاہئیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ (۹۲)

وائسرائے نے اپنی تقریر میں تعاون کی اپیل کی ہے اس میں تعاون کے معنی اور مفہوم کی مٹی پلید کی گئی ہے۔ صاف الفاظ میں تعاون کے معنی کیا ہوتے ہیں؟ ہمیں حکومت میں کوئی حصہ کوئی اختیار دیئے بغیر ہمیں کہا جاتا ہے کہ ہمارے چیلے بن کر چلو اور ہمارے زیر دست اور نیچے نوکر بن کر رہو یہ بات صرف وہ جماعت قبول کرے گی جس کی کوئی عزت نہ ہو۔'' (۹۳)

بعد میں ایک ''سبجیکٹ کمیٹی'' تشکیل دی گئی جس میں سندھ سے مسٹر ایم۔ اے حافظ ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر ٹھٹھہ، رئیس علی محمد مری بلوچ اور سیٹھ محمود ہارون کراچی کو منتخب کیا گیا۔

اس جلسہ میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ قائداعظم نے تقریر کے دوران حاضرین سے پوچھا:

''کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم ہندوستان کے مسلمان ''اکھنڈ بھارت'' یعنی پورے ہندوستان پر ہندو راج قبول کریں گے؟''

''پورے پنڈال سے ''نہیں نہیں'' کی آوازیں آئیں۔''

''مگر ہندو یہ خیال کر رہے ہیں اور ابھی تک اس خواب کے اثر سے اپنے کو چھڑا نہیں سکے ہیں۔ دوسری طرف آزادی کا بھی دم بھرتے ہیں مگر وہ آزادی کس کی؟ میں پھر آپ کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ جب ہندو آزادی کا نام لیتے ہیں تو اس سے ان کا مطلب ہندو کی آزادی ہے اور مسلمانوں کی غلامی۔''

شرم شرم کی آوازیں۔

''کیا ہندوستان کے سوا آپ پاکستان حاصل کر سکتے ہیں؟ ہم جب پاکستان کا نام لیتے ہیں تو نہ صرف ہم مسلم قوم کی آزادی چاہتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہندو کی آزادی بھی چاہتے ہیں...... اگر ہندو اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں تو میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ ہندو کے سوا اور کون سی قوم ہے جو ملک کی

آزادی کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہے؟ اس لیے ایک طرف انگریز سرکار تو دوسری طرف ہندو کو ہم سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا اور ہم ایسا سمجھوتہ فقط باعزت شرائط پر کرنے کو تیار ہیں۔

اب ہم انگریز مدبروں کو یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ اس کے لیے ایمانداری کا راستہ فقط یہ رہ گیا ہے کہ ہندوستان کو ہندو اور مسلم قوموں کے درمیان تقسیم کیا جائے......''

قائداعظم نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ:

''......کانگریس نے جو قرارداد پچھلے سال اگست ۱۹۴۲ء میں منظور کی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک ۱۱رجنوری ۱۹۴۳ء تک جو طریقہ مسٹر گاندھی نے اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ مسلم لیگ کو نظرانداز کر کے، انگریزوں سے ہندوؤں کے مطالبات منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جنوری ۱۹۴۳ء کے بعد کوئی تبدیلی ہوئی بھی ہے؟ لیکن کانگریس کے رہنما اب جیل سے نکل آئے ہیں۔ اب وہ سوچ رہے ہیں کہ وہ بکر ماجیت کے زمانے کی بنیاد پر حکومت کا نظام قائم کریں۔ اس صورت میں کوئی بھی انصاف پسند آدمی مسلمانوں میں سے یہ کیسے امید کر سکتے ہیں کہ وہ کانگریس کی اس تجویز سے متعلق ہو۔''

قائداعظم نے اپنے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان (کانگریس) کی ساری حرکتیں، چالاکیاں اور لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوششیں ہرگز کامیاب نہیں ہوں گی...... وہ ہمیں پاکستان حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے۔''

آخر میں قائداعظم نے فرمایا:

''آپ میں سے ہر مرد، عورت، بچے، چھوٹے اور نوجوان کو مضبوط ہو کر کھڑا ہونا چاہئے۔ پاکستان میں ہی ہماری نجات ہے۔ ہماری حفاظت اور ہماری تقدیر ہے۔'' (۹۴)

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ مسلم لیگ کی یہ کانفرنس سندھ کے دارالحکومت کراچی میں ہوئی تھی۔ کانفرنس کے شرکاء سب سندھی تھے اور وہ بھی مسلمان۔ جلسے میں کی گئیں تقاریر اور ان میں کی گئیں باتیں ایسی تھیں کہ جیسا اسی جلسے میں پاکستان کے متعلق پوری پالیسی پیش کی گئی ہو۔ اس وقت سندھ مسلم لیگ کے صدر جی۔ ایم سید اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر قائداعظم کی تقاریر سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اب پاکستان کا قیام عمل میں آنے والا ہے اور سندھ نے اس کے قیام کے لیے بنیادی پتھر رکھ دیا ہے۔

کانفرنس (سالانہ اجلاس) کے اختتام کے بعد مسلم لیگ کی طرف سے چھپوایا ہوا ایک اشتہار جلسہ گاہ میں تقسیم کیا گیا۔ یہ اشتہار بھی پاکستان کے قیام بنیاد، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے آئین تک کی

موٹی موٹی باتیں اس میں درج تھیں۔

اشتہار کا متن یہ تھا:

مسلم لیگ کا تقاضا پاکستان ہے۔

پاکستان کا مطلب اسلامی حکومت

۱۔ جو قرآن شریف کے اصولوں کے مطابق قائم کی جائیگی۔

۲۔ جہاں ہر آدمی کو سیاسی' معاشرتی اور اقتصادی یکسانیت ہوگی۔

۳۔ جہاں حکومت کے اختیارات سچے اور پرہیزگار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں گے۔

۴۔ جہاں غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔

۵۔ جہاں حکومت کا پہلا فرض ملک سے غربت' ظلم اور جہالت ختم کر کے طبقاتی مفاد کو ناجائز طور پر استعمال میں لانا بند کیا جائے گا۔

۶۔ جہاں زنا' شراب نوشی اور سود خوری کی قانونی ممانعت ہوگی۔

۷۔ جہاں عدل و انصاف اپنی پسند پر نہیں بکے گا بلکہ ہر ایک کو مفت نصیب ہوگا۔

۸۔ جہاں عزت کا معیار طاقت اور پیسہ پر نہیں' بلکہ اچھے اخلاق پر مقرر کیا جائے گا۔'' (۹۵)

☆☆☆

باب یازدہم

سندھ کی سیاسی صورتحال سندھ مسلم لیگ اور پاکستان

خان بہادر اللہ بخش سومرو سابق وزیر اعلیٰ سندھ ۱۷ مئی ۱۹۴۳ء کو اس وقت شہید کر دیے گئے جب وہ شکار پور میں تانگے پر کہیں سے آ رہے تھے۔ اس پر کچھ لوگوں نے پستول سے دو فائر کیے اور بھاگ گئے۔ (۲)

لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ سیاسی قتل تھا یہی وجہ تھی کہ حکومت سندھ کے وزیر خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کو استعفیٰ دلا کر ۲۶ ستمبر ۱۹۴۳ء کو اسی قتل کے مقدمے میں گرفتار کر لیا گیا۔ (۳)

۱۳ نومبر ۱۹۴۴ء کو دو نئے وزیر لیے گئے۔ ایک میر غلام علی تالپور اور دوسرے راجہ تھامس۔ یہ وزارت مسلم لیگ کی حمایت یافتہ تھی اور کافی عرصہ تک چلی۔

سال ۱۹۴۵ء میں سندھ مسلم لیگ کے سالانہ انتخابات ہوئے جس کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل عہدیدار چنے گئے:

صدر: جی۔ایم سید

جنرل سیکرٹری: سید غلام حیدر شاہ

کاروباری سیکرٹری کے ارکان تھے:

آغا غلام نبی پٹھان، رئیس غلام محمد خان اسران، پیر غلام مرتضیٰ سر ہندی، سید پیر محمد شاہ، سید خیر شاہ، ایم۔اے حافظ، سید حسن بخش شاہ، رئیس شبیر خان اور جی الانا۔

باوجود اس کے کہ حکومت سندھ، مسلم لیگ کی حمایت یافتہ تھی مگر حکومت نے ۱۹۴۵ء میں سندھ مسلم لیگ کا جلسہ منعقد کرنے پر پابندی لگا دی۔ ساتھ ہی ساتھ الحاج محمد ہاشم گزدر نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا جس کی وجہ سے ان کی وزارتوں کی رسہ کشی شروع ہوگئی۔ ان ساری باتوں کے رونما ہونے کی اصل وجہ وزیر اعلیٰ سر غلام حسین ہدایت اللہ اور سندھ مسلم لیگ کے صدر جی۔ایم سید کے مابین اختلافات تھے۔ اس موقع پر شیخ عبدالمجید سندھی کی جی۔ایم سید کو حمایت خاص تھی جس کے نتیجہ میں ۲۴ فروری ۱۹۴۵ء کو سندھ اسمبلی میں جنرل ایڈمنسٹریشن کی سپلیمنٹری گرانٹ میں شیخ عبدالمجید سندھی کی طرف سے پیش کردہ کٹوتی کی تحریک منظور ہوگئی اور حکومت شکست کھا گئی۔ ۲۵/ارکان اس کے حق میں اور ۱۹/ارکان

نے مخالفت میں ووٹ دیئے تھے۔ اس طرح سندھ کے گورنر سر ہیوڈو نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سیکشن ۶۲ کے سب سیکشن (۲) کے تحت صوبائی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا۔ (۴)

سر غلام حسین اور جی۔ ایم سید میں سیاسی اختلافات ذاتی حد تک اس لیے پہنچ گئے تھے کہ جی۔ ایم سید سندھ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے چاہتے تھے کہ حکومت سندھ پر پارٹی کا اثر رہے اور سندھ وزارت پر مسلم لیگ جماعت کا اقتدار رہے۔ جبکہ وزیر اعلیٰ سر غلام حسین پارٹی بالادستی نہ چاہتے ہوئے اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتے تھے۔ جی۔ ایم سید کھل کر حکومت پر نکتہ چینی کرتے تھے اور سندھ زوارت کی کارکردگی کی رپورٹ آل انڈیا مسلم لیگ کو بھیجتے تھے۔ یہاں یہ بات نظر آتی ہے کہ جی۔ ایم سید اور سر غلام حسین کے اختلافات کی وجہ سے آل انڈیا مسلم لیگ اور جی۔ ایم سید کے تعلقات بگڑنے شروع ہوئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ سر غلام حسین کی حمایت کرتی تھی اور جی۔ ایم سید کی طرف سے حکومت کے کام میں مداخلت، نکتہ چینی اور عدم اعتماد کی تجویز کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی۔ اس سلسلے میں قائداظم اور جی۔ ایم سید کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی اور قائداعظم نے بھی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے جی۔ ایم سید کو لکھا:

''۔۔۔ آپ کا طرزِ عمل نہایت نامناسب، سندھ قوم کے مفاد بلکہ مسلم لیگ جماعت کے لیے نقصاندہ ہے۔ آپ نے بمبئی میں میرے سامنے جو یقین دہانیاں کرائیں، ان پر عمل نہیں کیا۔ میرے مشوروں کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اس لیے اب آپ کو ہدایات اور مشورے دینا بے معنی ہوگا۔'' (۵)

جی۔ ایم سید کو پارٹی قیادت ملی اس کے لیے تھوڑا پیچھے جانا پڑے گا۔

سر حاجی عبداللہ ہارون صدر مسلم لیگ سندھ کی وفات (۲۷/اپریل ۱۹۴۲ء) کے بعد سندھ مسلم لیگ کی صدارت کے لیے خان بہادر محمد ایوب کھوڑو نے کوشش کی تھی وہ چاہتے تھے کہ وزارت کے ساتھ پارٹی کی قیادت بھی اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے قائداعظم نے مداخلت کی اور پارٹی قیادت جی۔ ایم سید کے پاس آگئی۔ مگر آگے چل کر ضمنی انتخابات میں ٹکٹوں کی تقسیم کے مسئلہ پر وزیر اعلیٰ سر غلام حسین اور صدر مسلم لیگ کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ نتیجے کے طور پر ۷/جولائی ۱۹۴۴ء کو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعے وزیر اعلیٰ سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔ (۶)

اسی سال کے آخر میں خان بہادر احمد خان سدہایو وفات پا گئے تو سندھ اسمبلی کی رکنیت کے لیے لیگ کی قیادت نے آغا غلام نبی پٹھان کو ٹکٹ دیا مگر سر غلام حسین ہدایت اللہ اپنے بیٹے کو ٹکٹ دینا چاہتے تھے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ پارٹی کے مرکزی رہنما آغا غلام نبی کی مدد کرنے لگے اور حکومت نے

غیر مسلم لیگی امیدوار حاجی مولا بخش سومرو سے تعاون کیا۔ اس طرح مرکزی مسلم لیگ کی مداخلت کی وجہ سے سندھ مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی۔ پھر وہ دن بھی آیا کہ فروری ۱۹۴۵ء میں سر غلام حسین اور جی۔ ایم سید کے اختلاف پر ایک روپیہ کمی کی تجویز پر مسلم لیگ کی حکومت کو شکست ہوگئی مگر گورنر نے مداخلت کی اور حکومت کو اکثریت ثابت کرنے کے لیے وقت دے دیا۔ جس پر وزیراعلیٰ نے حاجی مولا بخش سومرو اور اس کے ساتھیوں کے تعاون سے ایک بار پھر اپنی اکثریت ثابت کی اور وزارت کو بچالیا۔

اس موقعہ پر مرکزی مسلم لیگ کی مداخلت پر پھر سندھ مسلم لیگ کے دونوں حصوں میں سمجھوتہ ہو گیا جس کے بعد وزیراعلیٰ نے حاجی مولا بخش سومرو کو آسانی سے وزارت سے نکال دیا مگر یہ سمجھوتہ عارضی ثابت ہوا اور جون ۱۹۴۵ء میں پھر سندھ مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں میں کشمکش شروع ہوگئی۔ صوبہ سندھ مسلم لیگ نے مرکزی قیادت کی حکمت عملی سے اختلاف کیا۔ نتیجے کے طور پر جی۔ ایم سید کو مسلم لیگ کی صدارت سے ہٹا کر محمد ہاشم گذدر کو عارضی صدر بنایا گیا۔ (۷)

قائداعظم سے اختلاف کرنے کے باوجود انہوں نے اب تک جی۔ ایم سید کو پارٹی سے خارج نہیں کیا تھا۔ اسی دوران مرکزی اسمبلی کے لیے سندھ کی واحد نشست مرکزی مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ نے مسٹر یوسف ہارون کو ٹکٹ دیا۔ اس کے مقابلے میں پیر علی محمد راشدی ہندوؤں کی مکمل مدد کے ساتھ مقابلے میں کھڑے ہوگئے اور جی۔ ایم سید نے بھی ان کی حمایت کی مگر یوسف ہارون سوا نو ہزار سے بھی زائد ووٹوں سے کامیاب ہوگئے۔

جناح گاندھی مذاکرات:

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسٹر گاندھی اور کانگریس کی قرارداد کی منظوری کے بعد ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک کے نتیجے میں ہندوستان میں بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اسی رات کانگریس کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا اور اس کے رہنماؤں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جس کا تذکرہ پہلے بھی کیا گیا ہے کہ پھر بھی فسادات کا سلسلہ جاری رہا۔

اب قائداعظم اور گاندھی کے مابین مذاکرات ہوئے (۱۹۴۴ء میں گاندھی جیل سے رہا ہوگئے تھے) ان مذاکرات کا خود وہ منصوبہ تھا جو راج گوپال آچاریہ نے ۱۹۴۲ء میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے پیش کیا تھا۔ اس کے تحت مسلم اکثریت کے علاقوں میں حصولِ آزادی کے بعد استصوابِ رائے کرایا جانا تجویز کیا گیا تھا۔ اسی منصوبے پر ستمبر ۱۹۴۴ء میں قائداعظم اور گاندھی کے درمیان بمبئی میں مذاکرات

ہوئے۔(۸) اور آخرکار قائداعظم نے گاندھی کو ہر طرح سے لاجواب کر کے اس منصوبہ کو رد کر دیا۔ کیونکہ مسلمانوں کے علاوہ غیرمسلم آبادی بھی اس استصواب رائے میں حصہ لے سکتی تھی۔ اس بات کی ضمانت بھی کیا تھی کہ آزادی کے بعد استصواب رائے کا موقع ملے گا بھی کہ نہیں۔ مذاکرات میں گاندھی نے سارے ہندوستان کے لوگوں کو ایک قوم قرار دیا تھا۔ لیکن قائداعظم نے واضح کر دیا تھا کہ ''مسلمان ایک الگ قوم ہیں وہ اپنی الگ اور جداگانہ تہذیب وتمدن' زبان وادب' فنون وتعمیرات' ضوابط واخلاق' رسم و رواج' تاریخ و روایات اور رجحان وعزائم رکھتے ہیں۔ اس لیے بین الاقوامی قانون کے تمام اصولوں کے مطابق ایک الگ قوم ہیں۔''(۹)

شملہ کانفرنس:

اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور جنگ عظیم دوم کے اختتام کے ساتھ برطانوی حکومت کی طرف سے ہندوستان کو آزادی دینے کے دن قریب آ رہے تھے لیکن آزادی کی اسکیم پر عمل درآمد کانگریس اور مسلم لیگ کی باہمی مفاہمت کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ تاہم جولائی ۱۹۴۵ء میں برطانوی حکومت نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کے ذریعے نئے دستوری تجاویز کا اعلان کرایا۔ ان تجاویز کو ویول کا منصوبہ کہتے ہیں۔ ان تجاویز کے مطابق وائسرائے کی انتظامی کونسل کمانڈر انچیف کے علاوہ ہندوستانی ارکان پر مشتمل ہوتا تھی۔ اس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوی نشستیں مقرر کی گئیں۔ اس کونسل کی تشکیل کے لیے ۲۵ جون ۱۹۴۶ء کو دونوں قوموں کے لیڈروں کی کانفرنس شملہ میں بلائی گئی۔ جسے شملہ کانفرنس کا نام دیا گیا۔ اس کانفرنس میں نمائندگی کے سوال پر کانگریس نے پھر ہندوستان کی قومی جماعت ہونے کا دعویٰ کیا اور مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ قائداعظم نے کہا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور صرف وہی مسلمان ارکان نامزد کرنے کا حق رکھتی ہے۔ لارڈ ویول نے بھی قائداعظم کے اس نکتہ نظر سے اتفاق نہ کیا اور شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔

کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان نمائندگی کے جھگڑے کو نمٹانے کے لیے حکومت برطانیہ۔ ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا۔ یہ انتخابات ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئے' ان میں مسلم لیگ کا منشور یہ تھا:

۱۔ مسلمانانِ ہند کی نمائندگی مسلم لیگ کرتی ہے نہ کہ کانگریس۔

۲۔ مسلمانانِ ہند اپنے لیے ایک الگ ریاست پاکستان کا قیام چاہتے ہیں۔ اس کے مقابلے:

کانگریس کا انتخابی منشور یہ تھا:

i- کانگریس ہندوستان کی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہے۔

ii- ملک تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۱۰)

۲۱ رجنوری ۱۹۴۶ء کے انتخابات:

انتخابات کی تیاری زوروں پر رہی۔ کاغذاتِ نامزدگی داخل کیے گئے۔ باوجود اس کے کہ جی۔ ایم سید سے روابط اچھے نہیں رہے پھر بھی انہیں پارٹی سے خارج نہ کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سید صاحب نے سندھ اسمبلی کے امیدواروں میں اپنی پسند کے امیدوار کھڑے کیے اور انہیں مسلم لیگ کے امیدوار کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ جبکہ مسلم لیگ ہائی کمانڈ نے اپنی علیحدہ امیدوار کھڑے کیے۔ علاوہ ازیں سید صاحب کے مقابلے کے لیے کوئی امیدوار کھڑا نہ کیا گیا۔ انتخابات ۲۱ رجنوری ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوئے تو نتیجہ یہ برآمد ہوا:

مسلم لیگ: ۲۷ کانگریس: ۲۱

جی۔ ایم سید (ترقی پسند گروپ): ۴ قوم پرست مسلمان: ۴

یورپین: ۳

مسلم لیگ نے حکومت بنائی اور سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیراعلیٰ مقرر ہوئے مگر جی۔ ایم سید اور پیر علی محمد راشدی نے ان کو چلنے نہ دیا۔ راشدی نے یہاں تک کہا کہ ''جی۔ ایم سید اور ان کے ساتھی سندھ میں ہر صورت میں ہندوؤں کی حکومت قائم کریں گے اور پھر ہندو کی حکومت میں وہ مسلم لیگیوں کو جوتوں سے سیدھا کریں گے۔'' (۱۱)

اس اعلان کی وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ اور بقیہ مخالفین کی نشستیں برابر کی تھیں اور صورتحال بڑی تشویشناک تھی۔

انتخابات سے پہلے سندھ مسلم لیگ کی تنظیم نو کی گئی تھی اور صدر کے طور پر یوسف ہارون اور سیکرٹری کے لیے آغا غلام نبی پٹھان کو منتخب کیا گیا تھا۔ انہوں نے ورکروں اور رہنماؤں کی مسلسل کوششوں سے ایجی ٹیشن کا زور شور سے کام کیا۔ پورے ہندوستان میں مسلم لیگ کی طرف سے ۱۱ رجنوری ۱۹۴۶ء کو ''یوم فتح'' منانے کا اعلان کیا گیا اور سندھ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا پورے صوبہ سندھ میں نہایت شاندار طور پر ''یوم فتح'' منایا گیا۔ کراچی میں ایک

بہت بڑا جلوس نواب صدیق علی خان سالار اعظم آل انڈیا مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی رہنمائی میں نکلا' جس میں پانچ سو سائیکل سوار' اونٹ گاڑیوں اور بسوں میں سوار ہزار ہا لوگ شریک تھے۔ یہ جلوس جب سندھ مسلم کالج (کراچی) کے پاس پہنچا تو اس کی عمارت کے اوپر پاکستان کا پرچم لہرایا گیا۔ جلوس کراچی کی بڑی بڑی شاہراہوں' فریئر روڈ' وکٹوریہ روڈ' بندر روڈ' رنچھوڑ لائن' کلاں کوٹ' چاکیواڑہ اور نیپئر روڈ سے ہوتا ہوا عیدگاہ میدان پہنچا جہاں ایک جلسہ عام منعقد ہوا اور پاکستان کی حمایت میں تقاریر ہوئیں۔ (۱۲)

اس کے باوجود کہ یہ دن انتخابات سے پہلے منایا گیا تھا مگر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلم لیگ کو اس انتخابات میں کافی امیدیں وابستہ ہیں۔ یہ پہلا موقع تھا اور ان کا نعرہ بھی حصولِ پاکستان تھا۔

انتخابات کو جیتنے کے لیے اس مرتبہ پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ طلبہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور گروپوں کی صورت میں ہر ایک انتخابی حلقے میں ورک کرنے نکل گئے تھے۔ عورتوں نے گھر گھر جا کر پاکستان اور آزادی کی اہمیت اجاگر کی۔

انتخابات کے لیے ایک الیکشن کمیٹی بھی بنائی گئی تھی جس کے ارکان تھے خان بہادر محمد ایوب کھوڑو' آغا غلام نبی پٹھان' میر غلام علی ٹالپور' محمد ہاشم گزدر' یوسف ہارون اور حاتم علی بھائی۔ (۱۳)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ پہلی مرتبہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے ارکان پر سختی برتنا شروع کی تھی اور جن مسلم لیگیوں نے اپنے نامزد امیدواروں کے مقابلے میں نامینیشن پیپر بھرے تھے ان پر تادیبی کارروائی کرتے ہوئے ان کو مسلم لیگ سے خارج کر دیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سید محمود علی شاہ' پیر قربان علی شاہ' خان بہادر گبول' غلام حیدر شاہ' غلام مصطفیٰ خان بھرگڑی' پیر غلام حیدر شاہ (۱۴) اور بیگم دادو پوتہ شامل تھے۔ (۱۵)

الیکشن ورک کے لیے جو اشتہارات چھپوائے گئے ان میں اسلام' پاکستان اور اتحاد کی بات کی گئی۔ سندھ مسلم لیگ الیکشن کمیٹی اور نگران کارکنوں نے بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ انہوں نے جو اشتہارات چھپوائے ان میں سے نمونے کے طور پر ایک اشتہار یہ تھا:

مسلمانوں کے ضمیر کی آواز:

''مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے اس لیے کہ......

اسلام نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی آرزوؤں اور تمناؤں میں غیر مسلمانوں سے بالکل مختلف

بنادیا ہے۔

ہندوستان میں بارہ سو برس سے مسلم قوم دوسری قوموں سے جداگانہ اور امتیازی حیثیت سے رہتی آئی ہے۔ مسلمانوں کا تمدن، معاشرت، قانون، اخلاق وغیرہ دوسروں سے الگ رہا ہے۔ محمد بن قاسم، سلطان محمود، شہاب الدین غوری، علاؤالدین خلجی، ظہیرالدین بابر، محکم الدین اورنگزیب، سلطان ٹیپو اور حافظ رحمت خان روہیلہ کی زندگی اس بات کی گواہ ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ نوعیت خواجہ اجمیری، مجدد الف ثانی، نظام الدین اولیاء شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کی گود میں پلی ہے:۔

حضرت جمال الدین افغانی کی تحریک احیاء الاسلام، سرسید احمد خان کی تعمیر ملت کے لیے کوششیں اور علامہ اقبال کا پیغام جداگانہ قومیت کے اصول پر مبنی ہے۔ دنیا میں ہندوستان کا مسلمان کچھ اور کرتا ہے اور ہندو کچھ اور کرتا ہے۔ (١٦)

پاکستان:

''نام ہے مسلمان کی آزادی کا۔

پاکستان نام ہے مسلمان کے با اختیار اور آزاد حکومت کے قیام کا۔

پاکستان کے قیام کے بعد سات کروڑ سے زائد مسلمان آزاد اور خود مختار ہوں گے۔

دنیا میں اسلام کا پرچم بلند رکھنا۔

پاکستان کے بعد اقلیت والے صوبوں کے تین کروڑ مسلمانوں کو انگریزی کی مدد کی ضرورت نہیں ہوگی۔

پاکستان کے بغیر ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

پاکستان کے بغیر ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ترقی کا کوئی راستہ نہیں۔ (١٧)

سندھ کے شعرائے کرام نے اس خاص موقع پر مسلم لیگ کے لیے اشعار لکھے۔ دادو کے قادر الکلام شاعر حافظ محمد احسن چنہ نے ایک نظم لکھی جس کا ایک شعر ہے۔ (سندھی میں)

ترجمہ:

خدا کے فضل اور شفقت شامل حال ہے جس سے مسلمانوں کو پاکستان کی دولت حاصل ہوگی۔ (١٨)

اس وقت مسلم لیگ سندھ کے لیے ایک قومی تحریک بن گئی تھی جس کا مقصد تھا مسلمانوں کے لیے آزاد اور خود مختار پاکستان کا قیام۔ انتخابات ہوئے اور پھر نتیجہ سامنے آیا۔ مسلم لیگ کے جو امیدوار کامیاب ہوئے وہ یہ تھے:

سر غلام حسین ہدایت اللہ' سید میراں محمد شاہ' پیرزادہ عبدالستار' سردار میر جعفر خان جمالی (۱۹) سردار نور محمد بجارانی' مسز جی الانا (مسلم عورتوں میں سے) میر حاجی حسین بخش' سید نور محمد شاہ' سردار علی گوہر خان مہر' رئیس حاجی علی محمد خان مری' میر بندہ علی خان ٹالپور' سردار محمد عظیم خان' مسٹر محمد ہاشم گذدر' خان بہادر فضل محمد خان لغاری' میر قبول خان' سیٹھ محمود ہارون' رئیس یوسف خان چانڈیو' آغا بدرالدین' خان بہادر محمد ایوب کھہڑو' سید حاجی علی اکبر شاہ' نواب حاجی امیر علی لاہوری' میر غلام علی خان ٹالپور' خانصاحب غلام رسول جتوئی' پیر حاجی الٰہی بخش' ارباب توگاچی' خان بہادر غلام محمد خان وسان اور نواب محمد خان چانڈیو۔

جی۔ایم سید پارٹی کے کامیاب ارکان:

جی۔ایم سید' سید محمود علی شاہ' سید بقادار شاہ اور غلام مصطفیٰ خان بھرگڑی۔

مولا بخش سومرو پارٹی:

مولا بخش سومرو' خان بہادر خدادا خان لونڈ' سردار نبی بخش بھٹو اور خان بہادر سردار خان کھوسہ۔

ان انتخابات میں کانگریس نے ۲۲ نشستیں جیتی تھیں:

پروفیسر گھنشام' آر کے سدھوا' سیٹھ ہری داس' نچل داس وزیرانی' مہاراج وشنو نرائن ملکانی' نیوندرام' سیٹھ نہل رام' سیرومل' وشن داس' پرس رام' نہل رام ماد ھوداس' سوالومل' چوتھ رام' مولا رام' ڈاکٹر گوبند رام (پنجابی) سوامی کرشنانند' سیٹھ مینگھومل' سیٹھ پرتاب رائے' سیٹھ امیر داس ورند (تاجروں کی طرف سے) لکھی گوبند رام (زمیندار) جینٹھی مائی سپاہیملانی (ہندو عورتوں میں سے) سیرومل کرپان داس (آزاد) اور نارائن داس بچر (مزدور)

یورپین گروپ:

کرنل ہوزم' کرنل مابن اور کرنل فریزر

اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مسلم لیگ کو اکثریت حاصل تھی مگر مخالف ارکان کی تعداد مجموعی طور پر برابر تھی اس لیے یہ حکومت انتہائی کمزور تھی۔ایک موقع پر گورنر نے سر غلام حسین کی وزارت کو اس طرح بچایا کہ رمضان شریف کی آمد کی وجہ سے اس نے اجلاس نہ بلوایا۔

جب ۵ ستمبر ۱۹۴۶ء کو اجلاس بلوایا گیا تو اسی تاریخ پر سید میراں محمد شاہ نے اسپیکر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر ایک مرتبہ پھر سر غلام حسین کی وزارت کو بچالیا۔ مگر مخلوط پارٹی کے ڈپٹی اسپیکر جینٹھی سپاہیملانی سے استعفیٰ دلوا کر پھر حالات کو برابر کر دیا گیا۔دونوں طرف کے ممبران تیس تیس تھے۔نتیجے کے طور پر گورنر

کو اسمبلی کا سیشن ملتوی کرنا پڑا۔ آگے چل کر لیگ کے دو ارکان محمد یوسف چانڈیو اور سید نور محمد شاہ مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے اور مسلم لیگ اقلیت میں ہو گئی۔ (۲۰) جس کی وجہ سے گورنر نے اسمبلی کو توڑ کر نئے انتخابات کا اعلان کیا۔ (۲۱)

مذکورہ وزارت (۸ فروری ۱۹۴۶ء) میں وزراء کی پوزیشن یہ تھی:

۱۔ وزیر اعلیٰ: سر غلام حسین ۔ مالی' انتظامی امور' جنگ کے بعد نئی تعمیر اور پبلک سروس۔

۲۔ وزیر: میر غلام علی تالپور ۔ داخلہ' قانون اور خوراک۔

۳۔ وزیر: محمد ایوب کھہڑو ۔ پی' ڈبلیو' ڈی۔

۴۔ وزیر: پیر الٰہی بخش ۔ ریونیو۔

۳۰ ر مارچ ۱۹۴۶ء کو دو نئے وزیر لیے گئے:

۵۔ وزیر: پیرزادہ عبدالستار تعلیم' صحت' لوکل سلف گورنمنٹ

۶۔ وزیر: میر بندہ علی خان تالپور زراعت' صنعت' امداد باہمی' ماہی گیری اور محنت (۲۲)

۹ رستمبر ۱۹۴۶ء کو اس وزارت نے استعفیٰ دے دیا' مگر ان کو دوبارہ وزارت بنانے کو کہا گیا۔ ۱۲ رستمبر ۱۹۴۶ء کو سر غلام حسین نے دوبارہ وزارت بنائی جس میں خان بہادر محمد ایوب کھہڑو' پیر الٰہی بخش' میر غلام علی' میر بندہ علی اور پیرزادہ عبدالستار کے طور پر لیا گیا۔ (۲۳)

سر غلام حسین وزیر اعلیٰ اور جی۔ ایم سید کے درمیان شدید مخالفت کی وجہ سے نہ اسمبلی کا کاروبار چل سکتا تھا اور نہ حکومتی کاروبار آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ کوئی بل پاس ہو سکتا تھا کیونکہ کسی پارٹی کو واضح اکثریت نہ تھی۔

سر فرانس موڈی گورنر سندھ نے وائسرائے ہند کو اس صورتحال سے آگاہ کیا اور نئے انتخابات کی تجویز دی۔ وائسرائے اس کے حق میں نہ تھے۔ اس لیے یہ بات سیکرٹری آف اسٹیٹ کو روانہ کر دی گئی۔ انہوں نے گورنر سندھ سے اتفاق کیا اور اس طرح اس بحران کو حل کرنے کے لیے نئے انتخابات دسمبر ۱۹۴۶ء میں منعقد کرانے کا اعلان کر کے اسمبلی کو توڑ دیا گیا۔

۹ ر دسمبر ۱۹۴۶ء کے انتخابات:

چونکہ سندھ اسمبلی کے نئے انتخابات قیام پاکستان کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتے تھے اس لیے مسلم لیگ ہائی کمان کی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح آئندہ وزارت مسلم لیگ کی ہو۔

اس وقت سندھ میں تین سیاسی گروپ متوازی حیثیت رکھتے تھے۔ سر غلام حسین' جی۔ ایم سید اور خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کے گروپ۔ یہ تینوں گروپ مسلم لیگ سے وابستہ تھے اور تینوں کی خواہش تھی کہ ٹکٹ اس کے گروپ کے آدمیوں کو دیئے جائیں۔

قائداعظم کے دور میں پالیسی پہلے سے مختلف تھی۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ٹکٹ پارٹی ورکرز اور مخلص لوگوں کو دیئے جائیں لیکن وہ لوگ اس بناء پر انتخاب ہار جاتے تھے کہ ان کا اپنا اثر ورسوخ نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت مسلم لیگ کی حکومت کا بااثر ہونا ضروری تھا اس لیے قائداعظم نے فرمایا کہ ٹکٹ ایسے لوگوں کو دیئے جائیں جو مسلم لیگ کے اثر کے علاوہ اپنا اثر ورسوخ بھی رکھتے ہوں۔

جی۔ ایم سید کا موقف تھا کہ سندھ میں مسلم لیگ کو میں نے مقبول بنایا ہے اس لیے ٹکٹ ان کے گروپ کے لوگوں کو ملنے چاہئیں۔ قائداعظم نے اس معاملے کے حل کے لیے تین مرکزی رہنماؤں لیاقت علی خان' نواب محمد اسماعیل خان اور حسین امام کو سندھ روانہ کیا کہ وہ ہر تعلقہ اور ہر ضلع کے مسلم لیگی ورکروں اور عہدیداروں سے مشورہ کر کے ٹکٹوں کی تقسیم کریں۔ (۲۴)

اس کے برعکس جی۔ ایم سید' غلام حیدر وسان کے خلاف غلام حیدر شاہ کو' نور محمد شاہ کے خلاف پیر قربان علی شاہ کو اور خیر شاہ اور محمد علی شاہ کو نواب شاہ اور کنڈیارو سے کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ مگر مسلم لیگی عہدیداروں اور کارکنوں نے اپنا مشورہ جی۔ ایم سید کے خلاف دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکٹوں کی تقسیم جی۔ ایم سید کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ جس پر انہوں نے اس بات کو اپنا انا کا مسئلہ بنا دیا اور مسلم لیگ کے خلاف ہو گئے۔ (۲۵)

قائداعظم نے انتخابات کے اخراجات دے کر جی الانا کو الیکشن کمیٹی کا آنریری سیکرٹری مقرر کرتے ہوئے تمام کام کی نگرانی انہیں سونپ دی اور یہ بھی کہا کہ ''نہ صرف سندھ کی ساری مسلم نشستیں چاہئیں بلکہ جی۔ ایم سید کی نشست بھی چاہتے ہیں۔ اس اہم نشست پر قاضی محمد اکبر (مسلم لیگی امیدوار) کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ (۲۶)

اس بات میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ کئی ایک مسلم لیگی رہنماؤں نے حیدر آباد میں مل کر جی۔ ایم سید کے حلقہ میں کئی بڑے جلسوں کا پروگرام بنایا۔ سندھ کے بڑے بڑے پیروں' مذہبی رہنماؤں اور علماء نے مسلم لیگ تحریک میں دن رات ایک کر دیئے اور درجنوں پبلک جلسوں سے خطاب کیا۔

سرہندی خاندان کے پیر غلام مجدد بڑے اثر ورسوخ والے تھے۔ انہوں نے اپنے عقیدتمندوں کے ساتھ دن رات کام کیا۔ پیر آف بھرچونڈی پیر عبدالرحمٰن اور ان کے فرزند پیر عبدالرحیم نے بھی پورے

سندھ کا دورہ کیا۔ سید صدرالدین شاہ ایڈیٹر ''نقیب'' (۲۷) اور پیر محمد حسن جان سرہندی نے بھی اپنے عقیدتمندوں کے ساتھ مسلم لیگ کا بھرپور کام کیا۔ پورے سندھ میں اگر کسی نشست پر لوگوں کی توجہ تھی تو وہ جی۔ ایم سید اور قاضی محمد اکبر کی نشست تھی۔

۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کے انتخابات کی اہمیت کے پیشِ نظر مسلم لیگ نے جو اشتہارات چھپوائے تھے' وہ پاکستان کے قیام کی واضح نشاندہی کر رہے تھے۔

کیا چاہیے:

(سندھی سے ترجمہ)

ہمیں سب سے پہلے ایمان چاہیے	اس کے بعد پاکستان چاہیے
عزیز و اقربا تن من اور دھن سب	ہونا اسلام پر قربان چاہیے
خدا اور محمد ﷺ اور علیؓ کا	سر کٹانے کا فرمان چاہیے
تیار ہیں مرنے اور مارنے پر	رنگین ان سے میسر میدان چاہیے
جہاد ہی ہے جنت کا وسیلہ	بغیر بخشش نہ مال و جان چاہیے
مدد اللہ کی اور زور بازو	ہمیں جنگ کے لیے سامان چاہیے
کفن سر پر اور سر ہتھیلی پر	گردن میں ہار کی طرح قرآن چاہیے
جینا آزادی کے ساتھ ہے عزت	مرنا آزادگی کا شان چاہیے
خدا کا ملک ہے ملک اسلام	کسی اور کا نہ ہمیں دان چاہیے
چھوڑ دینے سر خان بہادر کا لقب	جن کو عاقبت کا مان چاہیے
نہ کوئی سردار جی یا خانصاحب	نہ خالی خوامخواہ کا خان چاہیے

ہمیں کچھ نہ چاہیے اب حافظ
فقط ایمان و پاکستان چاہیے

(۲۸)

اشتہار کا ایک نمونہ یہ بھی ہے:

پاکستان میں کیا ہوگا	رام راج میں کیا ہوگا
۱۔ مسلمانوں کی بادشاہی	ہندو آزاد مسلمان غلام
۲۔ شریعت محمدی ﷺ کی پیروی	گاندھی کے بت کی پوجا اور بندے ماترم کا ترانہ

۳۔ قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم	واردھا اسکیم اور گیتا کی تعلیم
۴۔ تجارت، ہنر اور کھیتی باڑی	ہندو ساہوکار اور مسلمان قلاش
۵۔ ہر ایک سے انصاف	ہندو سے مدد اور مسلمان سے ظلم
٦۔ امن وامان اور صلح سانت	خونریزی اور فساد
۷۔ مسجد زیادہ مدرسے آزاد	بت خانہ آباد اور مساجد ویران

مسلم لیگ سے والہانہ وابستگی کی ایک جھلک اس اشتہار سے بھی ملتی ہے۔

مسلم لیگ:

ہندوستان کا سواد اعظم ہے۔

مسلم لیگ میں ہندوستان کے ہر صوبے کے مسلمان سارے طبقوں کے شامل ہیں۔

مسلم لیگ مسلمانوں کے ہر طبقے، خاص، عام، تعلیم یافتہ، جاہل، غریب اور امیر کی جماعت ہے۔

مسلم لیگ کی مخالفت، ملت اسلامیہ کی مخالفت ہے۔

مسلم لیگ کی فتح، اسلام کی فتح ہے۔

مسلم لیگ کی شکست مسلم عوام کی شکست ہے۔

مسلمانوں کی نمائندگی کا جائز حق صرف مسلم لیگ کو ہی ہے۔

مسلم لیگ پوری قوم کی شیرازہ بندی کر کے اسے ایک مرکز پر لائی ہے۔

اس کے بغیر سب صوبوں کے مسلمان علیحدہ اور منتشر ہو جائیں گے۔ (۳۰)

۱۔ آنے والے انتخابات میں حکومت برطانیہ اور کانگریس، مسلمانوں کے جداگانہ قومیت کا ثبوت مانگتے ہیں۔

آنے والے انتخابات میں کامیابی مسلمانوں کے لیے پاکستان کے قیام اور حصول آزادی کا پیش خیمہ ہیں۔

دوسری حالت میں مسلم لیگ اور قوم کا سیاسی وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

۲۔ آئندہ انتخابات افراد، شخصیات اور فرقوں کے درمیان نہیں۔

۳۔ آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ کی مخالفت اسلامی اصولوں اور مقاصد کی مخالفت ہے۔

۴۔ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد اسلام کی مدد ہے۔

۵۔ آئندہ انتخابات کا اثر پوری دنیائے اسلام کے مستقبل پر پڑے گا۔ (۳۱)

ایک اور اشتہار میں مسلمانوں سے سوالات اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

مسلمانو! آپ کو کیا چاہئے؟

۱۔ آپ کو آزاد اسلامی حکومت چاہئے (پاکستان) جس میں شرعی حکومت ہو۔

۲۔ آپ کو قرض سے نجات چاہئے۔

۳۔ آپ کو بنئے' بقال' منشی وغیرہ لوٹتے ہیں ان سے نجات چاہئے۔

۴۔ آپ کو ظالم افسر شاہی کے ظلم سے نجات چاہئے۔

۵۔ آپ کو سارے حقوق کی سلامتی چاہئے۔

۶۔ آپ کو تہذیب وتمدن کی سلامتی چاہئے۔

۷۔ آپ کو شکر' مٹی کا تیل' کپڑا اور دوسری ضروریات کی چیزیں چاہئیں۔

۸۔ آپ کو زمین کی آبادی کے لیے وافر پانی چاہئے اور پینے کے لیے پانی کے سرکاری کنویں چاہئیں۔

۹۔ آپ کو اچھی سڑکیں' سستے کرائے کے لیے موٹر بسیں چاہئیں۔

۱۰۔ آپ کو صنعتی کارخانے اپنے چاہئیں جن میں ہر قسم کا سامان تیار ہوتا ہو۔

۱۱۔ آپ کی مساجد اور مدرسے آباد ہوں' اور ان میں عربی اور دینی تعلیم' قرآن شریف کی تعلیم' حدیث اور فقہ کی تعلیم اور مذہبی تعلیم کا بہتر بندوبست ہو اور آپ کے مکانوں پر اسلامی پرچم لہرائے اور عبادت اور مذہبی رسومات میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

۱۲۔ آپ کو سارے محکموں میں ملازمتوں کا پورا حق ملنا چاہئے جن مسلمان افسران کے حق مارے گئے ہیں ان سے انصاف ہونا چاہئے اور چھوٹے افسران کی تنخواہیں بڑھائی جانی چاہئیں۔

۱۳۔ آپ کے بچوں کی تعلیم کے لیے اسکول زیادہ ہوں' جہاں مفت تعلیم کا بندوبست ہو۔

۱۴۔ جملہ اشیاء کی تجارت آپ کے ہاتھوں میں ہو اور سندھی مسلمان تاجروں کی کوٹھیاں ولایت میں ہوں۔

۱۵۔ ہاری ناری (کسان) خوشحال ہوں۔ ان کے اپنے اچھے مکان ہوں۔ ان کے پاس بھی اچھے زیور ہوں' اچھے کپڑے ہوں اور چوری کی لعنت نہ ہو۔

۱۶۔ زمیندار خوشحال ہوں اور قرض سے آزاد ہوں اور ان کی زمینداری کی تکالیف دور ہوں۔

۱۷۔ آپ کو مفت دوائیں ملیں۔ آپ کے گاؤں میں سرکاری ڈاکٹر خود آکر آپ کو مفت دوائیں دیں۔

۱۸۔ غریبوں' بیماروں' بوڑھوں' یتیموں' بیواؤں اور معذوروں کو سرکاری مفت کھانا اور رہنے کے

لیے مکان ہو۔

۱۹۔ بڑے شہروں میں ایسے مسافر خانے ہوں' کہ آپ کو شہروں میں رہنے کی تکالیف نہ ہوں اور آپ کے گاؤں میں سرکاری مفت میلوں کا اہتمام ہو۔

۲۰۔ آپ ہر طرح سے خوش اور آسودہ حال ہوں۔ عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خوش ہوں اور غلامی سے آزاد ہوں۔

مسلمانو! آپ کو مندرجہ بالا باتیں چاہئیں تو سندھ اسمبلی کے انتخابات میں اپنے سارے ووٹ آل انڈیا مسلم لیگ کے کھڑے کیے ہوئے امیدواروں کو دیں اور ملت کے غداروں اور کانگریسی کرایہ دار ایجنٹوں کو شکست دیں' جو آپ کو غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ فقط آل انڈیا مسلم لیگ آپ کی تکالیف دور کر سکتی ہے۔ (۳۲)

ان فیصلہ کن انتخابات کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو خود بھی سندھ کے رہنے والے تھے' سندھ کے مسلمانوں نے جو خطاب کیا وہ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے انتخابات سے پہلے یکم دسمبر ۱۹۴۶ء کو یورپ جاتے ہوئے کیا تھا۔ وہ برطانیہ سرکار سے اہم معاملات کو نمٹانے کے لیے جا رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

''سندھ پاکستان کا دروازہ ہے وہ اپنے ہاتھ میں رکھو۔ اگر آپ نے یہ دروازہ کھو دیا تو پاکستان حاصل نہیں ہوگا۔

صوبہ سندھ کے مسلمانوں کی قسمتیں خطرے میں ہیں اس لیے آپ سب مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے کیے ہوئے نمائندوں کی دل و جان سے تائید اور حمایت کریں اور ایسے لوگوں کے باطل' دعوؤں پر گمراہ نہ ہوں' جو مسلم لیگ کے انتظام کی خلاف ورزی کر کے مسلم لیگ ٹکٹ پر کھڑے ہوئے امیدواروں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس قسم کے لوگ مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان کے خطرناک دشمن ہیں اور میں سندھ کے مسلمانوں کو اس قسم کے لوگوں سے خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم ان انتخابات میں ناکام ہوئے تو اس کے بہت خطرناک نتائج نکلیں گے اور اپنے نصب العین پاکستان حاصل کرنے کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں' اس میں بھی ہمیں زبردست نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے......''

یوسف ہارون۔ صدر سندھ مسلم لیگ کی اپیل بھی اس میں شامل تھی انہوں نے کہا تھا:

''مسلمانو! کانگریس آپ کو غلام رکھنا چاہتی ہے۔ کانگریسی کے امیدوار آپ کو لالچ دے رہے

ہیں۔ مسلمانو! ان کے فریب میں نہ آئیں اور اسلامی فرض پورا کریں اور گاندھی اور نہرو کی رہنمائی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ صحیح اسلامی راستہ اپنائیں۔ کانگریسیوں نے بہار میں لاکھوں مسلمانوں کو شہید کرایا ہے اور ہندوستان میں رام راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانو! مسلم لیگی نمائندوں کے نام یاد رکھیں۔ دوسرے مخالف امیدوار اپنے آپ کو مسلم لیگی کہلواتے ہیں۔ ان پر اعتبار نہ کریں۔ اپنا ایک ایک ووٹ پاکستان حاصل کرنے کے لیے دیجئے۔

اسلام کے غیرتمند فرزندو!

تاریخ ۹ ردسمبر ۱۹۴۶ء پیر کے دن ٹولیوں کی صورت میں سب اسلامی پرچم ہاتھوں میں لے کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے پولنگ اسٹیشنوں پر حاضر ہو کر اپنے حلقہ کے نمائندوں کو ووٹ دیں اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ووٹ بھی دلائیں۔ مسلم لیگ زندہ باد۔

یوسف ہارون

صدر سندھ مسلم لیگ۔

انتخابات کے نتائج:

یہ حقیقت ہے کہ ۹ ردسمبر ۱۹۴۶ء کو سندھ کے انتخابات پاکستان کے حق میں سنگ میل ثابت ہوئے۔ ان انتخابات میں مسلمانوں کے سو فیصد ووٹ پاکستان کے قیام کے لیے پڑے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ نے سو فیصد نشستیں حاصل کر لیں۔ ایک نشست آزاد امیدوار نے جیتی تھی مگر وہ بھی مسلم لیگ کا حمایت یافتہ تھا۔

کامیاب امیدواروں کے نام یہ تھے:

ضلع کراچی اور ٹھٹھہ

۱۔ سیٹھ محمود ہارون　　۲۔ حاجی محمد ہاشم گزدر

۳۔ انور حسین غلام حسین ہدایت اللہ　　۴۔ فضل محمد خان بغاری

۵۔ پیر علی شاہ　　۶۔ محمد یوسف چانڈیو

ضلع حیدرآباد اور بدین

۷۔ مخدوم غلام حیدر　　۸۔ میر غلام علی تالپور

۹۔ میر بندہ علی تالپور　　۱۰۔ میر حاجی حسین بخش خان

۱۱۔ سید صبراں محمد شاہ

ضلع تھر پارکر اور سانگھڑ

۱۲۔ خان بہادر غلام محمد وسان ۱۳۔ ارباب توگاچی

۱۴۔ امیر احمد خان ٹالپور

ضلع نوابشاہ

۱۵۔ علی محمد مری ۱۶۔ سید نور محمد شاہ

۱۷۔ حاجی غلام نبی خان ڈھراج ۱۸۔ محمد اعظم خان

۱۹۔ حاجی غلام رسول خان جتوئی

ضلع سکھر

۲۰۔ سردار قیصر خان بوزدار ۲۱۔ آغا بدر الدین درانی

۲۲۔ رحیم بخش سومرو ۲۳۔ پیرزادہ عبدالستار

۲۴۔ سردار علی گوہر خان مہر

ضلع جیکب آباد

۲۵۔ سردار نور محمد خان بجارانی ۲۶۔ سردار میر جعفر خان جمالی

۲۷۔ سردار خان کھوسو (۳۴)

ضلع لاڑکانہ

۲۸۔ خان بہادر محمد ایوب کھہڑو ۲۹۔ قاضی فضل اللہ

۳۰۔ میر محمد خان چانڈیو

ضلع دادو

۳۱۔ پیر الٰہی بخش ۳۲۔ سید حاجی علی اکبر شاہ

۳۳۔ قاضی محمد اکبر (جی ایم سید

کے مقابلے میں کامیاب ہوئے تھے۔)

۳۴۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ (زمیندار۔ جاگیردار کی سیٹ پر)

۳۵۔ اور مسز جی الانہ (سندھ۔ مسلمان عورتوں کی سیٹ پر)۔(۳۵)

سندھ میں مزدوروں کے لیے بھی ایک نشست تھی جس پر بھی مسلم لیگ کے امیدوار قاضی مجتبیٰ جیت

گئے۔ اس طرح مسلم لیگ کو ۳۶ نشستیں حاصل ہو گئیں۔

مسلم لیگ کو سندھ میں جیسے جیسے پذیرائی ملتی گئی، پڑھے لکھے نوجوان، جوان اور بڑی عمر کے لوگ ایک پلیٹ فارم پر متحد ہوتے گئے اور یوں یہ سلسلہ قیامِ پاکستان تک (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) اس حد پر پہنچ گیا کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پورا سندھ پہلے ہی پاکستان بن چکا ہے۔ بقیہ صوبے بعد میں اس میں شامل ہو رہے ہیں اور اس طرح وطنِ عزیز انگریز سے نجات والی اپنی منزل مقصود کو پہنچا۔

پاکستان کے نصب العین کو اس حد تک لوگوں میں مقبول بنانے میں لاتعداد کارکنوں اور رہنماؤں کی کوششوں کا دخل ہے۔ ان لاتعداد جیالوں کی خدمات کی تو پیش کرنا بہت مشکل ہے پھر بھی کچھ لوگوں کا مختصر احوال پہلے پیش کیا جا چکا ہے اور کچھ مجاہدوں کی مختصر باتیں ان صفحات میں پیش کی جا رہی ہیں۔

عبدالجبار ولد حافظ محمد یعقوب کی پیدائش ۱۷ ستمبر ۱۸۸۳ء کو کراچی میں ہوئی۔ سندھ مدرسہ سے تعلیم پائی۔ استاد ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں بمبئی سے وکالت کا امتحان پاس کیا اور حیدر آباد میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۱۹ء میں خلافت تحریک نے زور پکڑا تو میاں عبدالجبار نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی کے جنرل سیکرٹری ہوئے۔ جب خطابات واپس ہونے لگے تو انہوں نے اپنی وکالت کی سند جوڈیشنل کمشنر سندھ کو واپس کر دی اور گزر بسر کے لیے مختلف کاروبار کیے۔ وہ خلافت اور کانگریس کے سرگرم کارکن رہے۔ ۱۹۲۱ء میں جیل بھی گئے۔ ۱۹۲۴ء کے بعد ۱۹۴۰ء سے دوبارہ وکالت کی۔ کچھ عرصے کے لیے صوبہ سندھ کانگریس کمیٹی کے صدر بھی رہے۔ وہ کنٹونمنٹ بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سید علی اکبر شاہ کے ساتھ مجاہدوں کی آبادکاری میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء/ ۲۵ صفر ۱۳۶۹ھ کو حیدر آباد میں وفات پائی۔ (۳۶) ان کی اولاد میں سے شاکر مصطفیٰ نے بھی تحریکِ آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ خاکسار تحریک سے وابستہ تھے۔

سید میراں محمد شاہ اپنے گاؤں ٹکھڑ (ضلع حیدر آباد) میں ۱۹ مارچ ۱۸۹۸ء کو تولد ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید زین العابدین شاہ تھا۔ کراچی کے سندھ مدرسہ سے ۱۹۲۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ڈی جے سندھ کالج سے بی۔ اے ایل ایل۔ بی پاس کر کے حیدر آباد میں ۱۹۲۴ء میں وکالت شروع کی۔ وہ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۶ء تک بمبئی کاؤنسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں سندھ اسمبلی کے رکن ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں اسپیکر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۶ء تک اس عہدے پر کام کیا۔ وہ سندھ مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ کئی اعلیٰ علمی، ادبی اداروں کے ممبر بھی رہے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۶۳ء/ ۲۸

جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ کو ہفتہ کے دن وفات پائی۔(۳۷)

غلام علی چاگلا ولد غلام حسین چاگلا ۱۸۷۱ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ وہ آغا خانی خوجوں میں سے تھے۔ جب آل انڈیا مسلم لیگ کی سندھ شاخ ۱۹۱۸ء میں قائم ہوئی تو چاگلا صاحب اس کے سیکرٹری تھے۔ وہ شروع سے کانگریس کے ممبر تھے اور رئیس غلام محمد بھرگڑی کے ساتھ کام کیا۔ ''وہ بڑے عابد' موحد' سخی' حلیم' قوم پرست' مخلص دوست' عالم اور علم دوست بزرگ تھے۔ وہ راگ کے ماہر تھے۔ پاکستان کے قومی ترانے کی دھن ان کی بنائی ہوئی ہے'' ہوم رول'' کے رہنماؤں سے ان کا تعلق تھا۔ ۱۹۵۳ء میں وفات پائی۔(۳۸)

پیر علی محمد راشدی ولد پیر محمد حامد شاہ راشدی اکتوبر ۱۹۳۸ء میں جب مسلم لیگ کراچی کانفرنس زیر صدارت قائداعظم منعقد ہوئی تو اس کانفرنس کو کامیاب بنانے اور جلوس نکالنے کے لیے انہوں نے بڑا کام کیا۔ صدارتی خطبہ کی تیاری' قراردادوں اور کانفرنسوں کی رپورٹ مرتب کرنے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

مسلم لیگ کو منظم کرنے کے لیے صدر حاجی عبداللہ ہارون کے خانگی سیکرٹری کے طور پر پیر صاحب نے اہم خدمات انجام دیں۔ مسجد منزل گاہ تحریک میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ سیاست عمل اور آئیڈیلزم کے مرکب تھے۔ مقصد کے حصول کے طریقۂ کار کی اسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ سندھی' اردو اور انگریزی پر دسترس تھی۔ دن رات کام کرنے والے آدمی تھے۔ بہت بڑے صحافی' ادیب اور دانشور تھے۔(۳۹)

پیر علی محمد شاہ راشدی (۴۰) ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۱ء تک سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کے سرگرم کارکن رہے جس کے صدر سر شاہنواز بھٹو اور سیکرٹری خان بہادر ولی محمد حسن علی تھے۔ وہ اخبارات کی بڑی تعداد سے وابستہ رہے' خاص طور پر ''الحزب'' (شکارپور) ''الراشد''، ''الامین'' سکھر، ''سندھ زمیندار'' سکھر، ''ستارہ سندھ'' سکھر، ''صبح سندھ''، انگریزی اخبار ''مسلم وائس''، ''قربانی'' اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی بہت سے اخبارات اور رسائل سے منسلک رہے۔

سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں وہ خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کے دست راست رہے۔ ان کی کتاب ''اسٹوری آف دی سفرنگس آف سندھ'' کے مواد اور ترتیب میں ان کا ہاتھ تھا۔ ۱۹۳۴ء میں ''پیپلز پارٹی'' کے قیام میں سر شاہنواز بھٹو کے معاون رہے۔ ''سندھ اتحاد پارٹی'' کے قیام میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔ ۱۹۳۴ء کے بعد جتنی بھی سندھ وزارتیں قائم ہوئیں یا ناکام ہوئیں ان میں راشدی صاحب کا

بڑا عمل دخل تھا۔(۴۱)

میر غلام علی ولد میر بندہ علی تالپر ۱۹۴۳ء میں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت میں وزیر ہوئے اور اس کے بعد وہ اکثر وزارتوں میں شامل رہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی وہ سیاست اور حکومت میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے۔(۴۲)

پیرزادہ عبدالستار ولد میاں عبدالرحمٰن (۴۳) بیرسٹر تھے۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے بعد صوبائی اسمبلی کے رکن ہوئے۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ اور اللہ بخش سومرو وزارت میں وزیر رہے۔ ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے رکن ہوئے اور وزیر بنے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی انہوں نے سیاست اور حکومت میں نمایاں کردار ادا کیا۔(۴۴)

قاضی فضل اللہ ولد قاضی میاں عبیداللہ (۴۵) وکیل تھے۔ وہ ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ لاڑکانہ کے ۱۹۳۹ء میں چیئرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ لاڑکانہ ضلع میں عرصے سے محمد ایوب کھوڑو اور قاضی فضل اللہ بے تاج بادشاہ بنے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد قاضی صاحب کی سیاسی خدمات صوبہ سے مرکز تک پھیل گئیں۔ تحریکِ آزادی کے دوران قاضی صاحب کی خدمات کچھ اس طرح ہیں۔ کہ:

۱۹۲۱ء میں صوبہ سندھ خلافت کمیٹی کے جوائنٹ سیکرٹری رہے (۴۶) اور اس کے بعد مختلف پلیٹ فارموں سے محدود انداز سے تحریکِ آزادی میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

مخدوم میاں غلام حیدر ولد مخدوم میاں اظہر الدین قریشی ۱۲ رذوالحج ۱۳۱۶ھ بمطابق ۲۴ راپریل ۱۸۹۹ء کو ہالا (ضلع حیدرآباد) میں پیدا ہوئے۔ مخدوم نوح علیہ الرحمۃ کے سجادہ نشیں نمبر ۱۴ مخدوم ظہیر الدین عرف میاں پریل جام کے چوتھے نمبر فرزند تھے۔ وہ ہالا میونسپلٹی کے ۱۹۲۲ء سے اور ہالا مسلم لیگ کے آخر تک صدر رہے۔

۱۹۳۷ء کے الیکشن میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں بھی کامیاب رہے۔(۴۷)

خان بہادر میاں غلام محمد خان وسان ولد خان بہادر محمد ہاشم وسان ۱۹۴۴ء میں ضلع لوکل بورڈ تھرپارکر کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ وہ صوبہ سندھ مسلم لیگ کے نائب صدر، آل انڈیا مسلم لیگ کاؤنسل کے ممبر اور صوبہ مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے ممبر رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی وہ ہمیشہ انتخابات میں کامیاب رہے سوائے ۱۹۷۰ء انتخابات کے۔ (۴۸)

ڈاکٹر حاجی ولد غلام حسین قاسم خواجہ جب تحریکِ خلافت عروج پر تھی تو انہوں نے بھی اس تحریک میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کانگریس کے پلیٹ فارم سے بھی آزادی کی جدوجہد میں شامل رہے۔ (۴۹)

آغا غلام نبی خان ولد درمحمد خان پٹھان (۵۰) علی گڑھ میں طالب علمی کے دور میں مسلم لیگ سے متاثر ہوئے' اس لیے اگست ۱۹۳۸ء میں سندھ مسلم لیگ کو منظم کرنے کے لیے پہلی ورکرز میٹنگ کے گاؤں سلطان کوٹ میں ہوئی جس میں شیخ عبدالمجید سندھی' حاجی عبداللہ ہارون' قاضی فضل اللہ' سر غلام حسین اور کئی دیگر رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے منظم کرنے کے سلسلے میں سکھر ضلع میں یہ کام آغا غلام نبی کے سپرد کیا گیا۔

مسجد منزل گاہ پر قبضہ کرنے کے لیے آغا غلام نبی خان اس پیادہ جلوس میں اپنے سیکڑوں ساتھیوں کے ساتھ شامل تھے جو چالیس میل دور سے سکھر جا رہے تھے۔ جلوس کی قیادت شکار پور کے معروف ایڈووکیٹ شیخ واجد علی کر رہے تھے۔ سکھر پہنچتے ہی جلوس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شامل ہو گئے اور جب انہوں نے مسجد منزل گاہ کے سامنے ستیا گرہ شروع کیا تو ان میں سے ہزاروں کی تعداد میں گرفتار بھی ہوئے اور جیلوں میں بند کر دیے گئے۔ مگر گرفتار ہونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ حکومت نے مسجد سے پہرہ ہٹا دیا اور جیل کے دروازے کھول دیے۔ ستیا گرہ کرنے والوں کا مسجد پر قبضہ تو ہو گیا مگر ان کا مطالبہ تھا کہ حکومت کی طرف سے باقاعدہ قبضہ دیا جائے۔ دوسری طرف ہندوؤں اور مہا سبھاؤں نے سکھر میں ایک کانفرنس منعقد کی اور مطالبہ کیا کہ مسجد کا قبضہ مسلمانوں کو کسی طور پر بھی نہ دیا جائے۔

حکومت نے فوری طور پر ایک آرڈیننس گورنر سے پاس کروایا جس کے تحت اسے یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو بغیر مقدمہ چلائے دو مہینے تک جیل میں رکھ سکتی تھی۔ اسی آرڈیننس کے تحت خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کو گوٹھ عاقل میں نظر بند کیا گیا۔ جو دوسرے رہنما گرفتار ہوئے ان میں آغا غلام نبی پٹھان' قاضی فضل اللہ' جی۔ ایم سید' آغا نظر علی' شیخ واجد علی اور پیر غلام مجدد سرہندی ان میں شامل تھے۔ حاجی عبداللہ ہارون' پیر علی محمد راشدی اور کئی دیگر رہنما سندھ سے نکل کر دہلی پہنچ گئے۔

جب کئی رہنما جیلوں میں بند کر دیے گئے تو ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے اور حکومت کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔

خان بہادر اللہ بخش سومرو کی شہادت کے بعد ان کی خالی نشست پر خان بہادر احمد خان سدھایو کو

مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا کیا گیا تو اسے کامیاب کرانے کے لیے جی۔ایم سید کے ساتھ آغا غلام نبی نے چار مہینے تک مسلسل کام کیا اور کامیاب کروایا۔ جب احمد خان ایک سال کے بعد فوت ہو گئے تو ان کی خالی نشست پر آغا غلام نبی مسلم لیگ کے امیدوار ہوئے مگر وزیر اعلیٰ سندھ سر غلام حسین کی مخالفت کی وجہ سے انہیں ہاتھ اٹھانا پڑا۔

آغا غلام نبی صوبہ سندھ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بھی رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد سیاست میں کافی نمایاں رہے۔(۵۱)

تاج محمد بکھیو بھی ان شخصیتوں میں شامل تھے، جنہوں نے خلافت تحریک، کانگریس اور آخر میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی میں بڑے جذبے کے ساتھ حصہ لیا۔(۵۲)

حکیم صوفی لعل بخش کاندھڑو ولد حکیم الہچایو (۵۳) اور سید میاں خیر شاہ ولد امام علی شاہ نے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ سید زادہ ۱۹۳۷ء میں سندھ اسمبلی کے رکن ہوئے۔ وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔ مسجد منزل گاہ ایکشن کمیٹی کے رکن تھے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں جی۔ایم سید کی پارٹی سے وابستگی کی وجہ سے شکست کھا گئے، مگر قیامِ پاکستان کے بعد وہ نائب وزیر بھی ہوئے۔(۵۴)

تحریکِ آزادی میں سید اسد اللہ شاہ ولد سید ابراہیم شاہ نے بھی حصہ لیا۔ وہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ ضلع نوابشاہ کے سالار رہے۔

اسی طرح سید غلام قادر شاہ ولد سید غلام مصطفیٰ شاہ لکیاری نہ صرف مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے بلکہ وہ ضلع نوابشاہ کے صدر بھی رہے۔

رئیس امام بخش خان ولد علی بخش خان گاھو گھوڑا بازی (ضلع ٹھٹھہ) والے صوبہ مسلم لیگ کے سرگرم رکن اور تحصیل مسلم لیگ کے صدر رہے۔(۵۵)

اسی طرح خان بہادر خیر محمد خان ولد ڈتل خان چانڈیو (لاڈیوں۔ شاہ بندر ضلع ٹھٹھہ) سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے بعد سندھ اسمبلی کے رکن ہوئے۔ وہ پہلے آزاد سندھ پارٹی کے رکن رہے پھر شیخ عبدالمجید سندھی کے ساتھ سندھ کی سیاست میں مسلم لیگ کی طرف سے نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔(۵۶)

بابا جی میر محمد ولد بلوچ خان سلاوٹہ (کراچی) تحریکِ آزادی میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے حصہ لیا۔ وہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں پیش پیش رہے۔ سندھ خلافت کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ رہے، مسلم لیگ سے پہلے وہ کانگریس کے اہم رکن تھے۔(۵۷)

خان بہادر غلام نبی شاہ ولد موج علی شاہ آف میرپور خاص (وفات: ۲۹ جون ۱۹۴۷ء مطابق:

۹رشعبان ۱۳۶۶ھ) نے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ اپنے علاقے کی جانی پہچانی شخصیت تھی۔ (۵۸) حیدرآباد کے میاں محمد عبدالقادر ولد محمد حافظ میمن لندن میں تعلیم کی غرض سے مقیم رہے اور مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری کے طور پر کام کیا۔ انہوں نے لیگ کے ۱۹۱۳ء۔ ۱۹۱۵ء اور اس کے بعد کے کئی اجلاسوں میں شرکت کی اور وطن کی آزادی کی راہ میں اپنی خدمات صرف کیں۔ (ولادت: ۱۲رمئی ۱۸۸۷ء/ ۱۸رشعبان ۱۳۰۴ھ) (۵۹)

سید میاں محمد علی شاہ ولد سید الہندو شاہ آف بھریا (نوابشاہ) (ولادت ۱۹۱۲ء) مسلم لیگ میں ۱۹۴۳ء میں شامل ہوکر آزادی کی جدوجہد میں شریک ہوئے۔ پہلے وہ سندھ پیپلز پارٹی پھر سندھ اتحاد پارٹی میں شریک رہے۔ وہ بڑے اثر ورسوخ والے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کا ٹکٹ نہ ملنے کے باوجود وہ اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔ ۸رفروری ۱۹۴۸ء کو حادثے میں وفات پاگئے۔ (۶۰)

سید نور محمد شاہ ولد سید میاں مراد علی شاہ آف بھریا (ولادت: ارجنوری ۱۹۱۱ء) ۱۹۳۷ء میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پارلیمانی سیکرٹری بھی رہے۔ مسلم لیگ میں شامل ہوکر انہوں نے اہم سیاسی کردار ادا کیا۔ (۶۱)

حاجی مولا بخش ولد حاجی محمد عمر سومرو آف شکارپور (ولادت: ۱۹۰۵ء) اللہ بخش سومرو کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۹۴۳ء کے ضمنی انتخاب میں رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ سر غلام حسین کی وزارت میں وزیر ہوئے۔ وہ سیاسی طور پر آزادی کی تحریک میں شریک رہے۔ (۶۲)

سردار علی گوہر خان ولد سردار حاجی خان مہر آف خان گڑھ (میرپور ماتھیلو) (ولادت: ۱۹۱۰ء) سندھ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ۱۹۴۲ء میں اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے دونوں انتخابات میں بھی کامیاب رہے۔ (۶۳) اس طرح ان کے بیٹے سردار غلام محمد مہر بھی سیاست میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

خلیفہ عبداللہ میمن ولد خلیفہ محمد بچل (۶۴) کڈھن (بدین) کے رہنے والے نے تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے اپنے احباب حاجی عارف قاضی یوسف' حاجی پچاری' محمد عیسیٰ اور عمر کے ساتھ مل کر عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے میر غلام علی اور مولوی احمد ملاح' جو کہ یہاں کی معروف شخصیات تھیں' ان کا بھرپور ساتھ دیا اور قائداعظم کے ارشاد کے مطابق کہ 'مسلم لیگ کی مدد کریں اور اسے کامیاب کریں' انہوں نے بھی اس پر عمل کیا اور آخرکار منزل پر پہنچے۔

خلیفہ عبداللہ نے دوسرے کئی احباب کے ساتھ حاجی راوت کی مسجد میں پاکستان کا پرچم لہرایا۔

انہوں نے مہاجروں کی آبادکاری میں بڑی خلوص اور محبت کے ساتھ کام کیا۔ بدین میں مہاجروں کی آبادکاری اوران کی دیکھ بھال کی۔ اس کام میں ان کے دیگر ساتھی دوست محمد چانڈیو، محمد خان ترک اور کریم بخش زرگر وغیرہ شریک تھے۔

جادوخان بھرگڑی عرف بندہ علی خان ولد سعید خان بھرگڑی ''سندھ شہر'' ضلع بدین کے باسی تھے۔ وہ ٹی بی کے مریض تھے۔ ان کا علاج دھرم پور (شملہ) میں ہوا۔ وہ جیسے ہی تندرست ہوئے، آتے ہی اپنے شہر میں مسلم لیگ کا پرچار شروع کردیا۔ ان کا ساتھ دینے والے ڈاکٹر نذیر حسین حیدری، مولوی احمد پنھور اور سائیں احمد بلالی تھے۔ انہوں نے اپنے مقصد کی خاطر بڑی جدوجہد کی اور جس جگہ ہندوؤں کا بڑا زور تھا، اسی جگہ انہوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کردی۔ (۶۵)

رئیس نور محمد ولد موسیٰ خان نظامانی (۶۶) ماتلی ضلع بدین کے رہنے والے مسلم لیگ کے بڑے پرچارک تھے۔ ان کے والد بڑے مصنف تھے۔ ان کی وفات (۱۹۴۹ء) کے بعد یہ خدمت نور محمد خان احسن طریقے سے ادا کرتے رہے۔ لوگ دور دور سے اپنے تنازعات لے کر آتے تھے اور فیصلہ لے کر جاتے تھے۔ وہ متعدد بار ماتلی میونسپل کمیٹی کے چیئرمین رہے۔

سندھ مسلم لیگ ڈھورو نارو کی کہانی:

سندھ میں مسلم لیگ کی شاخیں سندھ کے دور دراز علاقون اور بستیوں میں قائم ہوئی تھیں۔ اس سلسلے میں اکثر عجیب وغریب واقعات بھی رونما ہوتے تھے۔ نمونے کے طور پر ڈھورو نارو میں مسلم لیگ شاخ قائم ہونے پر جو واقع رونما ہوا وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

۱۹۳۸ء میں ڈھورو نارو (ضلع تھرپارکر) کے کئی نوجوانوں نے انگریز کی دورخی اور ہندو نواز پالیسی سے تنگ آکر اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے حکیم محمد امین کی قیادت میں ان کے مطب پر ایک اجلاس بلایا اور ''انجمن مسلم نوجوانان ڈھورو نارو'' کا قیام عمل میں لائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گردونواح کے کئی نوجوان اس کے ممبر ہوگئے۔ یہ بات ہندو کو بھی پسند نہ تھی۔ انہوں نے علاقی کے تھانے پر یہ شکایت درج کرائی کہ مسلمان نوجوانوں نے ایک خفیہ تنظیم بنائی ہے اور اس کے اجلاس اور سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ ایک دن پولیس انسپکٹر نے عملے کے ساتھ تنظیم کے دفتر کو گھیرے میں لے لیا اور تفتیش شروع کردی مگر ان کو کوئی بھی قابلِ اعتراض چیز دستیاب نہ ہوسکی۔

چونکہ ڈھورو نارو میں ہندوؤں کی اکثریت تھی، اس لیے ان کی پنچائت نے انجمن کے ارکان سے

سوشل بائیکاٹ کیا اور نوجوانوں کے والدین کو بھی حکومت کے کارندوں کے تعاون سے اس طرح ورغلایا کہ یہ نوجوان معاشرے اور حکومت کے مخالف ہو گئے ہیں اس لیے یہ اسلام سے بھی خارج ہوئے ہیں۔ تمہارا بھی ان سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ بیچارے سادہ لوح لوگ ان کے دباؤ اور باتوں میں آ گئے۔ اس طرح ان نوجوانوں کو گاؤں اور بستی بدر کر دیا گیا۔ جب یہ نوجوان اپنے اپنے گاؤں' بستیوں اور گھروں سے بیکسی کے عالم میں نکل رہے تھے تو سڑکوں' گلیوں اور دیواروں پر بچے' عورتیں اور لوگ کھڑے ہو کر ان کو بھیگی بھیگی آنکھوں سے الوداع کہہ رہے تھے۔ مائیں' بہنیں اور بیویاں تک دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں کہ ان نوجوانوں سے ایسا ظلم کیوں کیا جا رہا ہے۔

ان نوجوانوں کے عزم کو بھی داد دیجئے کہ اپنے ساتھ یہ ناانصافی اور ظلم دیکھتے ہوئے بھی انہوں نے کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ جب اپنے کسبوں سے نکلے تو پھر پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ یہ نوجوان پہلے تو ڈھورو نارو کے انجمن کے دفتر پہنچے۔ فیصلہ کیا کہ انجمن کو کسی مضبوط سیاسی پارٹی میں ضم کیا جائے اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں یہ فیصلہ مسلم لیگ کے ساتھ الحاق کا ہوا۔ اسی دن سے ڈھورو نارو میں مسلم لیگ کی شاخ قائم ہوگئی۔ پھر یہ لوگ علاقہ بدری کے تحت سندھ اور ہند کے مختلف شہروں کو روانہ ہو گئے۔

یکم مئی ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کی اس ذیلی شاخ کے تحت ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مرکزی رہنما پیر غلام مجدد سرہندی اور دیگر حضرات کو مدعو کیا گیا۔ جب یہ رہنما ریوے اسٹیشن پر اترے تو سارے ہندو اور مخالفین نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ان کا کالی جھنڈیوں سے استقبال کیا اور جلسہ بھی نہ ہونے دیا۔ مگر تین دن بعد پیر صاحب کے ہزاروں مریدین اسٹیشن پر جمع ہو گئے۔ اس طرح ۴ مئی کو ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہو گیا۔ مخالفین اور ہندوؤں کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس جم غفیر سے چھیڑ چھاڑ کر سکیں جن کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں اور دیگر چیزیں تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہو گیا بلکہ جہاں مسلم لیگ کا نام لینے والا نہیں تھا وہاں چند دن کے اندر پورے علاقے میں مسلم لیگ اور پھر پاکستان کی باتیں ہونے لگیں۔

(دیہاتی عمرکوٹی (لطف اللہ حسامانی) ''ڈھورو نارو میں مسلم لیگ کا قیام'' ماہنامہ نئی زندگی مارچ/اپریل ۱۹۸۰ء ص:۹)

تھرپارکر میں مسلم لیگ کا عروج:

جب سندھ مسلم لیگ کی تنظیم نو ہوئی تو تھرپارکر میں بھی کئی نوجوان اور منجھے ہوئے لوگ اس کے رکن ہو گئے۔ ان میں رئیس غلام محمد خان بھرگڑی' سید غلام حیدر شاہ کے علاوہ چودھری غلام محمد' سکھو پلی' غلام

حسین خانو بھرگڑی' پیر غلام رسول شاہ اور حاجی غلام محمد پلی اس کے معروف رہنما تھے۔ان کے علاوہ فقیر محمد منگریہ' عثمان خاصخیلی' گل محمد شیخ' ہدایت اللہ ولہاری' لطف اللہ حسامانی' محمد علی پلی' پیر اسماعیل شاہ سرہندی' سید اسحاق شاہ' حاجی علی محمد پٹھان' حکیم محمد امین سومرو' علی بخش پلی' محمد بھمبھرو' خان محمد پیوڑ' یار محمد ساند' عبداللطیف پلی' وڈیرہ عبداللہ پلی' دریا خان لغاری' مولوی عبدالحیٔ ساند' قاضی عیسیٰ رند' حفیظ اللہ پلی' علی مردان شاہ' قاضی عبدالمومن راجڑ' حاجی غلام نبی شاہ' حاجی محمد صدیق شاہ' غلام قادر ناریجہ' مولوی محمد امین آریسر' میوہ خان مری اور دوسرے لاتعداد ایسے نام ملتے ہیں جنہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی میں اپنی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔تھرپارکر ضلع میں ۱۶۰ سے زیادہ شاخیں قائم تھیں۔یہاں کے مبلغین میں مولوی محکم الدین مولوی عبداللہ مری' مولوی محمد عثمان بھمبھرو' مولوی مبارک پلی بڑے جذبے والے تھے۔انہوں نے جمعیت العلماء سے الگ رہ کر مسلم لیگ کی حمایت کی اور گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

(جناب محمد عمر پلی عرف معمور یوسفانی سے لیا ہوا انٹرویو۔مصنف)

ضلع تھرپارکر اور تحریکِ آزادی:

ضلع تھرپارکر پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ علاقہ بھی ہر تحریک میں نمایاں کردار کا حامل رہا ہے۔

جب سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کے تحت تعلیمی اصلاحات اور فروغ کا وقت آیا تو ٹھوررو کے مدرسہ نے بڑی خدمات انجام دیں۔یہ وہ مدرسہ تھا جسے پانچ سو ایکڑ کی وقف زرعی زمین تھی۔تحریک ریشمی رومال میں اس علاقے کے رئیس غلام محمد بھرگڑی' مولانا عبداللہ لغاری' عبداللہ آریسر اور احمد علی مجذوب کے معروف نام ملتے ہیں جنہوں نے اس تحریک میں فعال کردار ادا کیا۔احمد علی مجذوب تو گرفتار بھی ہوئے تھے۔

خلافت تحریک کے دوران میرپورخاص' ٹھورو' ڈھورو نارو اور عمرکوٹ میں کامیاب کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔میر اللہ بخش ٹالپر' جناب فتح محمد' پیر محمد علی جان' منشی اسماعیل' مولوی محکم الدین اور قاضی فیض محمد قابلِ ذکر ہیں۔ان کے علاوہ مولوی عبداللہ شاہ جھنڈائی' مولوی محمد صالح سموں اور پیر بخش خان ایسے نام ہیں جنہوں نے بڑے جذبے سے کام کیا۔۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو میرپورخاص میں بہت بڑا جلسہ منعقد کیا بلکہ اس موقع پر نئے عہدیدار بھی منتخب کیے گئے:۔

صدر: پیر محمد اسماعیل جان سرہندی

نائب صدر: حافظ محمد بچل اور مولانا عبدالحق چانڈیو (راوت سر)

ناظم: مولوی محمد صالح

نائب ناظم: مولوی محمد ابراہیم

خزانچی: پیر بخش خاصخیلی

خلافت تحریک کے دوران جن مسلمانوں اور ہندوؤں نے سزائیں بھگتیں وہ یہ تھے:

فتح محمد' محمد کریم' مکھن لونڈ' مولانا عبدالقیوم آزاد' مولانا عبدالکریم' مولانا عبداللہ مری' مولا عبداللہ لغاری' مولانا محمد امین آریسر' میر دوست علی خان' حاجی مصری لغاری' مولانا محمد صالح' حاجی احم علی' پیر اسماعیل جان بھاگیہ' پنڈت گنگا شنکر اور ڈھالومل شامل تھے۔ ان کو ایک ایک سال قید کی سزا ہا تھی۔ صرف میر اللہ بخش ٹالپر ایسے رہنما تھے جن کو ایک مہینے کی سزا ہوئی تھی۔

☆☆☆

باب دوازدہم

سندھ کے ہندوؤں کی طرف سے پاکستان کی مخالفت

یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ سندھ میں جو کام مسلمان کرتے تھے' ہندو اس کی ضرور مخالفت کرتے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کا مطالبہ مسلم لیگ کے پرچم تلے پاکستان تھا تو سندھ کے ہندوؤں کا مطالبہ اکھنڈ بھارت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی کے زمانے سے ہندو برابر مسلمانوں کو ہر اس تحریک' تجویز' جلسے اور جلوس کی مخالفت کرتے تھے جس میں انہیں پاکستان کا قیام نظر آتا تھا۔

باوجود اس کے کہ آزادی کے وہ بھی دل سے خواہاں تھے مگر اپنی اکثریت کی بنیاد پر (ہندوستان کی سطح پر) بلاشرکت غیرے حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اقلیتوں کو اگر ساتھ رکھنا اور انہیں کچھ دینے کا ارادہ بھی رکھتے تھے تو احسان اور دباؤ کے طور پر۔

یہ تو خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کی حکمران مسلم قوم شروع سے ہی اپنی پہچان قائم رکھتے ہوئے میدانِ عمل میں آ گئی اور آزادی ہند کے وقت وہ اس قدر اپنی طاقت اور اکثریت وحیثیت کا احساس دلا چکی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی انگریز مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن دینے پر خود کو مجبور پاتے تھے۔

جب بھی مسلمانوں کی علیحدہ شناخت کے طور پر سندھ میں تقریبات ہوئیں تو ہندو اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے سندھ کے کئی شہروں اور گاؤں میں کانفرنسیں منعقد کرتے تھے۔

۲ راپریل ۱۹۳۴ء کو کل سندھ ہندو کانفرنس زیر صدارت دیوان لعل چند نولرائے کراچی میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین نے کہا:

''یہ کانفرنس ہند کی بھلائی کے لیے بلائی گئی ہے۔ ہم ۲۶ فیصد ہیں۔ ہم صرف سود خور نہیں جس طرح دشمن (وردی) ہمیں بدنام کرتے ہیں۔ ہم تو زمینوں کے مالک بھی ہیں۔ کاشت کا تیسرا حصہ ہمارا ہے۔(۱)

شہروں میں زمینوں کا بڑا حصہ ہمارا ہے۔ دوسرا بڑا حصہ لیز پر کاشت کرتے ہیں۔ کئی زمینداروں کے وہ کمی (منشی) ہیں۔

کوآپریٹو بینکوں میں ان کے بڑے حصے ہیں۔ انکم ٹیکس کا بڑا حصہ وہ ادا کرتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہیں۔

اس کے بعد سندھ کی معاشرتی اور اقتصادی حالت پر بحث کی گئی' جس کے بعد بنگال کی تقسیم جو بنگال کے ہندوؤں نے اس کو ختم کرایا تھا (۱۹۱۱ء)' انہوں نے کہا'

''اگر سندھ کو علیحدہ کیا گیا تو بنگالی بہادروں کی طرح اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔'' (۲)

سکھر کے ایک نمائندہ نے کہا:

''سندھ کو اگر علیحدہ کیا گیا تو ہندو نوجوان اپنے دھرم' شرم' کرم' دھن' دولت اور عزت کی حفاظت کے لیے کوشش کریں گے۔ مسلمان' ہندوستان یعنی ہندوؤں کے آستان کو پاکستان کرنا چاہتے ہیں۔'' (۳)

کشن چند وادھوں اور کراچی کے چندر سین نے بھی سندھ کی علیحدگی کی مخالفت میں تقریر کی' جس کے بعد متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''سندھ کی علیحدگی کے فیصلے کے خلاف برطانیہ سرکار کو گزارش کی گئی۔ ہندوؤں کو ایک پلاٹ فارم پر متحد کرنے' اسمبلی ارکان' انگریز قوم اور ان کے مدبروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے علاوہ وہ مخلوط انتخابات کے حق میں ہیں۔ (۴)

قرارداد پاکستان کے خلاف ہندوؤں نے ۱۲رجنوری ۱۹۴۱ء کو حیدرآباد میں ایک کانفرنس بلائی جس کی صدارت مسٹر بدھ دیو نے کی اور آنریبل رائے صاحب گوکل داس سابق وزیر لوکل سلف گورنمنٹ نے اس کا اہتمام کیا۔

کانفرنس میں منجلا دیوی (بڑودا) نے گیت سنایا اور آچاریہ جگدیش نے بھجن پیش کیا۔ استقبالیہ کمیٹی کے چیئر مین بولچند ڈاندولی نے اپنی تقریر میں کہا:

''......اس کٹھن دور میں مسلم لیگ نے پاکستان کے پاک نام پر ناپاک تحریک شروع کر کے بھارت کے لیے ایک نیا خطرہ کھڑا کر دیا ہے...... یہ دیس ہماری پنیہ بھومی' دھرم بھومی اور کرم بھومی ہے۔ اس دیس میں ہمیں اپنے سنسار' اپنی سبھیتا (ادب) اور سنسکرت کے لیے اپنے اتہاس اور بزرگوں کی آدرش کے لیے زندہ رہنا ہے...... جب تک ہمارا بچہ بچہ زندہ ہے' اس وقت تک اس ناپاک ہلچل کو ناکام بنائیں گے۔ مریں گی' ختم ہو جائیں گے' مگر بھارت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا کلنک کا ٹیکہ سر پر نہیں لیں گے۔'' (۵)

کانفرنس کے صدر مسٹر بدھ دیو نے کہا:

''...... ہم جن میں سری رام اور سری کرشن کا خون موجود ہے وہ ہر حالت میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔'' (۶)

جو قراردادیں منظور ہوئیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

''یہ کانفرنس پاکستان کی تجویز اور سندھ میں بے گناہ ہندوؤں کے قتل اور لوٹ مار کی پرزور انداز میں مذمت کرتی ہے...... پاکستان کی تجویز کے خلاف ہر راہ پر پوری طاقت سے لڑنے کو تیار ہیں......''

جن مہا سبھائیوں اور دیگر رہنماؤں نے تقاریر کیں' ان میں دیوان چوہڑ سنگ' درمداس بیلا رام منتری (ہندو سبھا) مہاشیہ چیتن دیو' پنڈت دوارکا پرساد' گیانی تیرتھ سنگھ (سکھ سبھا) نرسنگ مل' بھائیلدھا رام' پروفیسر تاراچند' مسٹر گرنول اور پرنسپال رام سہائے وغیرہ شامل تھے۔(۷)

ہندو کا پیسہ پروپیگنڈہ کے لیے سندھ میں بہت زیادہ خرچ ہوا۔ انہوں نے مسلمان رہنماؤں کو خریدنے' مخالفت میں امیدوار کھڑا کرنے اور دوسری ہر طرح کی مدد اور سازش میں پیسہ پانی کی طرح بہایا' مگر سندھ کے عوام نے ان کے ہر ایسے حربے اور سازش کو ناکام بنا دیا اور مسلم لیگ کے پرچم تلے پاکستان کے مطالبے بلکہ قیام کے لیے آخری دم تک سینہ تانے کھڑے

☆☆☆

باب سیزدہم

تحریکِ آزادی میں سندھ کی خواتین کا کردار

غلامی کا احساس ہر انسان کو ہوتا ہے وہ چاہے مرد ہو یا عورت۔ آزادی کی تڑپ ہر ذی شعور کی فطرت میں شامل ہوتی ہے بلکہ مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ آزادی کے سلسلے میں عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ حساس ہوتی ہے۔ گو عورت مردوں کی طرح سیاسی میدان میں نظر نہیں آتی (خصوصاً اسلامی معاشرے میں یا مشرقی معاشرے میں) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کے احساس سے محروم ہے۔ خواتین اگر گھر سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں تو عزت اور عزت کا احساس اسے مرد سے کم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین مردوں کی اچھے طور پر مشیر ہونے کے علاوہ مردوں کو سرخرو کرنے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

برصغیر کی دیگر خواتین کی طرح سندھ کی خواتین کا پس پردہ تحریکِ آزادی میں بڑا کردار رہا ہے مگر جو خواتین مردوں کے شانہ بشانہ برسرِ پیکار رہی ان میں بھی سندھ کی خواتین کے لاتعداد نام ابھر کر سامنے آئیں گے۔ اس بات کا احساس مردوں کو بخوبی رہتا ہے کہ اگر خواتین تحریکِ آزادی میں نمایاں کردار ادا نہ کرتیں تو شاید تحریکِ آزادی منزل مقصود تک اتنی آسانی اور جلدی سے نہ پہنچتی۔

اس بات سے بھی انکار نہیں کہ سندھ کے مسلمان، ہندوؤں کے مقابلے میں تعلیم کے زیور سے بہت کم آراستہ تھے اور سندھی مسلم خواتین تو تعلیم سے نابلد ہونے کے برابر تھیں۔ اس کی وجہ انگریز حکمرانوں کی پالیسی اور ہمارے رسم و رواج دونوں اس میں شامل ہیں اور برابر کے قصوروار ہیں اور برابر کے قصوروار ہیں۔

خواتین کی بہت کم تعداد نے اپنے طور پر اپنے گھر میں تعلیم حاصل کی۔ البتہ دولت مند خاندانوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، ان کی خواتین سندھی کے علاوہ فارسی بھی لکھ پڑھ سکتی تھیں۔

سندھ میں سب سے پہلے قائداعظم نے ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کی تنظیم نو کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۸ء کے اجلاس میں ایک قرارداد بھی پاس کی گئی جس کی رو سے ''آل انڈیا وومن شپ کمیٹی'' کی تنظیم بھی کی گئی، جس کی صدر بیگم محمد علی جوہر کو بنایا گیا۔ بیگم صاحبہ نے بڑے جذبے کے ساتھ پورے ملک کے کونے کونے کا دورہ کر کے صوبوں کے اضلاع تک میں برانچیں قائم کیں۔ اس کمیٹی میں بھی ہر صوبے سے خواتین کو رکن بنایا گیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ وومن سب کمیٹی میں سندھ سے بیگم نصرت عبداللہ ہارون کو لیا گیا اور بمبئی سے مس فاطمہ جناح کو لیا گیا جن کا تعلق بھی سندھ سے تھا۔(۲)

مذکورہ وومن سب کمیٹی نے مسلم لیگ اور آزادی کے لیے بڑے جذبے اور لگن سے کام کیا۔ بیگم نصرت عبداللہ دوسال کے اندر آل انڈیا وومن مسلم لیگ کی صدر نامزد ہوئیں تو انہوں نے اور زیادہ جذبے اور جوش کے ساتھ پورے انڈیا کا دورہ کر کے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر مسلمان خواتین کو منظم کیا۔ انہوں نے بمبئی میں ''نصرت کلب'' کی بنیاد ڈالی اور خواتین کو منظم کرنے کے لیے بڑے جوش اور جذبے سے تقاریر کیں۔ یہ کلب صرف مسلمان خواتین کے لیے مخصوص تھا اور ان کا بہترین فورم بھی تھا۔(۳)

سندھ کی جن خواتین کو آل انڈیا سب کمیٹی پر نامزد کیا گیا تھا ان میں بیگم نصرت عبداللہ ہارون کے علاوہ بیگم انور حسین ہدایت اللہ اور بیگم جی الانہ (۴) شامل تھیں۔ مسلمان خواتین کی سب کمیٹی کا پہلا اور کھلا اجلاس کراچی کے گاندھی گارڈن میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر بیگم انور حسین ہدایت اللہ اور بیگم محمد شفیع (پنجاب) نے تحریکِ آزادی پر تقاریر کیں۔(۵)

اکثر اوقات یہ بھی ہوا کہ مسلمان خواتین کا جب بھی کوئی جلسہ منعقد ہوتا تھا' کانگریس کی خواتین جلسہ میں داخل ہو کر اسے درہم برہم کرنے کی کوششیں کرتی تھیں' مگر مسلمان خواتین نے ہمیشہ اپنے جلسہ پر کنٹرول رکھا اور کبھی جلسہ کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ بیگم انور حسین ہدایت اللہ نے حکومت سے مطالبہ کر کے خواتین کو پولیس میں بھرتی کروایا اور ساتھ ہی ساتھ سندھ کا دورہ کر کے عام سندھی مسلم' پٹھان اور بلوچ خواتین کو وومن مسلم لیگ میں شامل ہونے پر آمادہ کیا۔

مذکورہ خواتین کے جذبے اور جدوجہد کی عکاسی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ۲۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو کراچی میں خواتین مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا تو اس میں مسلم لیگ کی پانچ ہزار خواتین نے شرکت کی اور خواتین نیشنل گارڈ کا قائداعظم نے معائنہ کیا۔ اس جلسہ سے قائداعظم محمد علی جناح نے بھی خطاب کیا۔ قائد کی تقریر سے' جس میں انہوں نے ہندوستان کے دیگر علاقوں میں بھی نیشنل گارڈ کی تنظیم پر زور دیا تھا' ظاہر ہوتا ہے کہ وومن مسلم لیگ نیشنل گارڈ سندھ کی تنظیم پہلی تنظیم تھی۔

۲۵ دسمبر ۱۹۴۳ء کو سب کمیٹی کے جو نئے عہدیدار منتخب کیے گئے وہ یہ تھے:

صدر: بیگم نصرت عبداللہ ہارون

سیکرٹری: بیگم عزیزہ غلام رسول بھرگڑی

خزانچی: بیگم عبدالعزیز (۷)

۳۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو مسلمان خواتین کا ایک بڑا جلسہ کیاڑی (کراچی) میں زیرِ صدارت بیگم انور حسین ہدایت اللہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں بیگم انصاری' بیگم جی الانا' بیگم انور حسین ہدایت اللہ اور بیگم یوسف ہارون نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات کی اصل اہمیت اور حقیقت سے انہیں آگاہ کیا۔ (۸)

۱۱رجنوری ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ خواتین کراچی برانچ کا جلسہ انجمن ہال میں منعقد ہوا۔ قائداعظم کے اعلان کے مطابق "یومِ شکرانہ" کے سلسلے میں انہیں ایک قرارداد منظور کر کے روانہ کرنے کی بیگم انور حسین ہدایت اللہ نے تجویز پیش کی جس کی بیگم شعبان میرانی نے تائید کی۔ (۹)

ایک اور قرارداد میں مسلم لیگ کی امیدوار بیگم جی الانا کو کامیاب بنانے کے لیے کہا گیا اور بیگم خدیجہ داؤد پوتہ کو لیگ کی خواتین کمیٹی سے خارج کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلم لیگ کی امیدوار بیگم جی الانا کے مقابلے میں امیدوار کے طور پر کھڑی تھیں۔

اس جلسہ کو بیگم ہارون' بیگم شعبان' بیگم انور حسین' بیگم انصاری' بیگم محمد اسحاق اور بیگم ولی محمد نے خطاب کیا۔ (۴)

صوبہ سندھ مسلم خواتین کمیٹی کا قیام ۱۹۴۶ء میں عمل میں آیا۔ بیگم عبداللہ ہارون' صدر آل انڈیا مسلم خواتین' بیگم انور حسین ہدایت اللہ صدر سندھ مسلم لیگ خواتین اور بیگم شعبان سیکرٹری سندھ مسلم لیگ خواتین اس کی رکن تھیں۔ اس کمیٹی نے سندھ سے نکل کر بلوچستان میں تنظیمی طور پر تحریکِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کے لیے کام کیا۔ (۱۰)

حیدرآباد میں بھی خواتین کا ایک جلسہ زیرِ صدارت بیگم انور حسین ہدایت اللہ منعقد ہوا۔ آرگنائزنگ سیکرٹری بیگم طاہرہ اعجاز حسین آغا (۱۱) تھیں اور بیگم غلام رسول بھرگڑی چیئرپرسن استقبالیہ کمیٹی تھیں۔ اس جلسہ میں بیگم مخدوم محمد عمر نے نظم پیش کی اور بیگم واجد علی انصاری نے قیامِ پاکستان کے لیے ایک ایمان افروز تقریر کی۔ اس موقع پر خواتین نیشنل گارڈ کی تنظیم کو مزید فعال بنانے پر زور دیا گیا۔" (۱۲)۔

اس کے نتیجہ میں ۲۴ مارچ ۱۹۴۲ء کو مسلم لیگ خواتین نیشنل گارڈ کا جلسہ زیرِ صدارت بیگم غلام رسول بھرگڑی منعقد ہوا۔ جلسہ کی کارروائی مس محمد اعظم نے چلائی اور نیشنل گارڈ کی کارکن سعیدہ بیگم نے ترانہ پیش کیا اور "لے کے رہیں گے پاکستان" کا نعرہ لگایا۔

بیگم طاہرہ آغا' بیگم رقیہ حکیم شمس الدین (۲) بیگم محمد یونس' مس آدم خان' مس محمد یونس اور عارف نے تقاریر کیں۔

۱۲ر مارچ ۱۹۴۶ء کو حیدرآباد کے مدرسہ البنات میں ایک جلسہ زیرِ صدارت بیگم انور حسین ہدایت

اللہ منعقد ہوا جس میں ہزار ہا خواتین نے شرکت کی۔ تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ آرگنائزنگ سیکرٹری بیگم طاہرہ آغا نے قائداعظم، محترمہ فاطمہ جناح اور دوسرے رہنماؤں کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد بیگم غلام رسول بھرگڑی چیئر پرسن استقبالیہ کمیٹی نے خطبہ استقبالیہ پڑھا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ ہر مرد، عورت اور بچے کو مسلم لیگ میں شامل کیے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گی اور پاکستان کے حصول کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

اس جلسہ میں تنظیم، اتحاد اور قیامِ پاکستان کے لیے بیگم انور حسین ہدایت اللہ، بیگم واجد علی انصاری اور دوسری معزز خواتین نے پرجوش تقاریر کیں۔

جلسہ کی دوسری نشست زیرِ صدارت بیگم انور حسین ہدایت اللہ شروع ہوئی۔ بیگم مخدوم محمد عمر نے اس موقعہ کے لیے لکھی ہوئی خاص نظم پیش کی، جس کے بعد بیگم طاہرہ آغا، بیگم واجد علی، بیگم عبداللہ ہارون نے تقاریر کیں۔ بیگم عبداللہ ہارون نے واضح کیا کہ ''ہندو اور مسلمان ہر بات میں الگ ہیں اور الگ رہیں گے۔ اکثریت اور اقلیت کی بات ہی نہیں ہے۔ بلکہ دو قوموں کا سوال ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان آزادی پسند ہے نہ وہ خود غلام رہے گا، وہ انگریزوں کی غلامی ہو یا ہندو کی یا کسی اور کی، نہ وہ ہمسایہ کو غلام بنانا یا غلام دیکھنا پسند کرتا ہے۔'' انہوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ:

''سب مشکلات کا علاج آزاد ہندوستان اور آزاد پاکستان ہے۔''

حیدرآباد کی اس خواتین کانفرنس میں جو قراردادیں منظور ہوئیں وہ یہ تھیں:

۱۔ سرکار سے آزاد ہند فوج کے مقدمات ختم کرنے اور کپتان عبدالرشید اور کپتان برہان الدین کی سزائیں معاف کرنے کی پرزور اپیل تھی۔

۲۔ کانگریس کی مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور حکومت کرنے کی سازش کی مذمت کی گئی۔

۳۔ قائداعظم کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

۴۔ خواتین نیشنل گارڈ کے لیے اپیل کی گئی کہ خواتین اس میں زیادہ تعداد میں شریک ہوں۔

۵۔ حکومتِ برطانیہ پر واضح کیا گیا کہ مسلمان مسلم لیگ کی لاہور میں قرارداد کے پیشِ نظر پاکستان سے کم کسی بھی آئین پر رضامند نہ ہوں گے۔

۶۔ غدار مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ وہ ہندو کے ہاتھوں میں کھیل کر مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالیں۔

۷۔ گورنر پنجاب کی، خضر حیات وزارت بنانے کے غیر آئینی اور جانبدارانہ فیصلے کی سخت مذمت کی گئی۔ (۱۳)

خواتین کے جلسے کافی تعداد میں پورے صوبہ سندھ میں منعقد ہوتے رہے جس کی وجہ سے پورے صوبے میں گھر گھر آزادی کا چرچہ عام ہونے لگا۔ بچوں میں جذبہ اور جوش ان کی ماؤں اور بہنوں کی دلچسپی کی عکاسی کرتا تھا۔

۲۱ر اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک اور جلسہ حیدرآباد کی خواتین نیشنل گارڈ ٹنڈو ولی محمد برانچ کا منعقد ہوا' جس میں مقامی خواتین نے شرکت کی۔ یہ جلسہ مس ایف مخدوم صاحبہ سالار دستہ ٹنڈو ولی محمد نیشنل گارڈ کی صدارت میں ہوا۔

تلاوت کلام پاک مس عارف نے کی جس کے بعد خواتین نیشنل گارڈ کی ارکان خواتین نے مسلم لیگ کا ترانہ پیش کیا۔

مس ایف مخدوم نے مسلم لیگ کے نصب العین کی وضاحت کی۔ سیکرٹری مس کے محمد پڑیل نے ''نیشنل گارڈ'' کیا ہے؟ کی وضاحت کی۔ اس موقع پر ۱۲ر خواتین نے نیشنل گارڈ میں شمولیت کے لیے اپنے نام پیش کیے۔ (۱۴)

حیدرآباد میں جنوری ۱۹۴۷ء میں مسلم خواتین کا ایک اور جلسہ منعقد ہوا' جس میں ہزارہا خواتین نے بڑے جذبے اور جوش سے شرکت کی۔ صدارت بیگم عبداللہ ہارون نے کی۔ اس موقع پر محترمہ فاطمہ جناح اور بیگم شاہنواز کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ تقریر کرنے والوں میں بیگم بھرگڑی اور بیگم طاہرہ آغا بھی شامل تھیں۔ بیگم طاہرہ آغا نے کئی نکات کا ایک پروگرام پیش کیا۔ وہ یہ تھا:

۱۔ مسلمان خواتین اپنی اولاد کو طارق' خالد اور ٹیپو جیسی تربیت دیں۔
۲۔ تعلیمِ بالغان شروع کی جائے۔
۳۔ مسلمانوں سے خریداری کی جائے۔
۴۔ نوجوانوں کو تجارت کے لیے آمادہ کیا جائے۔
۵۔ غریب حروں کے لیے امداد کا بندوبست کیا جائے۔
۶۔ بیت المال کا قیام عمل میں لایا جائے۔
۷۔ دیہات تک مسلم لیگ کی آواز پہنچائی جائے۔
۸۔ مردخواہ خواتین کو نیشنل گارڈ میں شامل ہونے کی ترغیب دی جائے۔
۹۔ شرعیت بل اور دوسرے عوام کے مفاد کے بل حکومت سے بحال کروائے جائیں۔

اس موقع پر بیگم شعبان میرانی نے ایک قرارداد پیش کی جس میں پنجاب کی خضر حیات حکومت کی

پرزور الفاظ میں مذمت کی گئی، جس کی بیگم انصاری نے تائید کی۔ (۱۵)

جلسے کی دوسری نشست شام کو دو بجے تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی اس موقع پر مولانا عبدالقدوس بہاری اور مولانا عبدالقیوم کانپوری نے پُراثر تقاریر کیں۔ بیگم عبداللہ ہارون نے کہا کہ خواتین کو فارغ اوقات میں دوسری خواتین کو تعلیم و تربیت دینا اور مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کرنا چاہیے۔

بیگم انصاری (واجد علی) نے ایک قرارداد میں مطالبہ کیا کہ حروں کو جن جنگلوں (باڑ بنا کر احاطے بنائے گئے تھے) میں بند کیا گیا ہے، ان کو بستیوں میں تبدیل کیا جائے۔ حروں کی خواتین کو فوراً آزاد کیا جائے اور ان کی زمینیں واپس کر دی جائیں۔ (۱۶)

یکم فروری ۱۹۴۷ء کو لاہور میں خضر حیات حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد شروع ہوئی تو لاہور کی مسلم خواتین کی طرف سے ایک زبردست احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ اس احتجاجی جلوس میں سندھ کی کئی رہنما خواتین نے بھی حصہ لیا، خاص طور پر سندھ خواتین مسلم لیگ کی صدر بیگم صغریٰ اور جنرل سیکرٹری بیگم شعبان نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

سندھ کی یہ خواتین ایک دن لاہور پہنچیں تو اگلے روز یہ احتجاجی جلوس بیگم صغریٰ کی رہنمائی میں نکلا۔ جلوس کو سڑک کے دونوں جانب پولیس نے گھیر رکھا تھا۔ ایک موقع پر ایس پی نے بیگم صغریٰ کے پاس آ کر ان سے آگے ہاتھ لا کر کہا کہ ''آپ آگے نہیں جا سکتیں'' بیگم نے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا: ''اپنا ہاتھ ہٹاؤ، ہم سندھ سے صرف اس لیے آئے ہیں کہ مسلم لیگ کا پرچم گورنر ہاؤس پر لہرائیں۔''

خواتین کا یہ جلوس جب سیکرٹریٹ پہنچا تو آہنی دروازہ بند تھا۔ کچھ رضا کار خواتین نے دیوار پھاند کر اندر سے دروازہ کھول دیا۔ کچھ لڑکیاں بلڈنگ کے اوپر پہنچ گئیں اور بیگم صغریٰ نے مسلم لیگ کا پرچم ایک لڑکی کو دیا۔ اس دوران نیشنل گارڈ کے ایک آدمی نے بیگم صاحبہ کو بتایا کہ آپ فوراً باہر نکل جائیں کیونکہ اشک آور گولے پھینکے جا رہے ہیں۔ بیگم صغریٰ نے جواب دیا ''کچھ بھی ہو جائے میں اس وقت تک نہیں نکلوں گی جب تک بلڈنگ والی لڑکیاں پرچم لہرا کر واپس نیچے نہ آ جائیں! اگر وہ فائر کرنا چاہتے ہیں تو انہیں کرنے دو۔''

پولیس نے آنسو گیس کے گولے پھینکنے شروع کیے۔ خواتین کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ اچانک یہ افواہ پھیل گئی کہ بیگم صغریٰ کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو پورے شہر میں کشیدگی پھیل گئی، جس کے نتیجے میں اگلے روز سب گرفتار خواتین کو آزاد کر دیا گیا۔ مسلم لیگ کا ایک جلسہ ان نظر بند خواتین اور بیگم صغریٰ کو

خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے منعقد ہوا' جس میں ایک ایک کی زبان سے یہ نعرہ گیت کی صورت میں نکل رہا تھا:

صدقے جاواں مبارک قدموں والی
صدقے جاواں مبارک قدموں والی
(۱۷)

تین دن کے اندر ۳؍مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر حیات کی حکومت مستعفی ہوگئی اور نواب ممدوٹ نے مسلم لیگ وزارت قائم کی' جس کا سہرا بلاشبہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے ان جوانوں' مردوں اور خواتین کے سر ہے جنہوں نے ملتان میں حکومت کے لیے رائے عامہ ہموار کی۔ ان میں سندھ نیشنل گارڈ کے اس دستے کا بڑا اہم رول ہے جو خصوصی طور پر سید احسن الہاشمی کی سرکردگی میں ملتان پہنچتا تھا' (۱۸) اور ان خواتین کے سر ہے جنہوں نے بیگم صغریٰ کی قیادت میں میں گورنر ہاؤس لاہور پر مسلم لیگ کا پرچم لہرایا' جلوس نکالا' آنسو گیس کا مقابلہ کیا اور گرفتار ہوئیں۔

سندھ کی خواتین میں سب سے زیادہ قابلِ عزت و احترام مادرِ ملت اور خاتونِ اول محترمہ فاطمہ جناح کی شخصیت ہے۔ وہ قائداعظم کی چھوٹی بہن تھیں۔ (۱۹) بیگم مریم حاتم بدرالدین کا نام سندھ کی خواتین میں عزت سے پکارا جاتا ہے۔ (۲۰)

محترمہ فاطمہ جناح جولائی ۱۸۹۱ء میں کراچی میں میں سیٹھ پونجا جی جناح کے ہاں تولد ہوئیں۔ ۴؍برس کی عمر میں گھر کے تمام افراد کے ساتھ بمبئی منتقل ہوگئیں۔ ۱۹۱۰ء میں میٹرک کیا۔ ۱۹۱۳ء میں سینئر کیمبرج کیا اور ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ کچھ عرصے کے لیے ڈینٹل کلینک بھی کھولی مگر قائداعظم کی بیوی رتن بائی کی وفات کے بعد ۱۹۲۹ء میں وہ بھی ختم کردی اور بھائی کی خدمت کرنے لگیں۔ وہ سائے کی طرح بھائی کے ساتھ رہتی تھیں۔

قائداعظم کے گورنر جنرل ہونے کی بناء پر ان کو ''خاتونِ اول'' کا درجہ ملا۔ ۱۹۶۴ء میں جنرل محمد ایوب خان کے مقابلے میں حزبِ اختلاف کی پانچ سیاسی جماعتوں نے اپنے صدارتی امیدوار کے طور پر انہیں کھڑا کیا۔ آپ ۱۹۶۷ء میں وفات پاگئیں۔

(مہر کا چھیلوی سندھ کی سیاسی خواتین۔ ص: ۱۱۵ تا ۱۱۸)

☆☆☆

حوالہ جات
وضاحتیں
اور
مختصر تاریخ

باب اول کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ محمد امین جاوید پروفیسر ''مدنیت پاکستان'' ایوان ادب لاہور۔۸۲۔۱۹۸۱ء ص:۴۴

۲۔ محمد امین جاوید پروفیسر ''مدنیت پاکستان'' ایوان ادب لاہور ۸۲۔۱۹۸۱ء ص:۴۵

۳۔ سید رئیس احمد جعفری ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائریک۔ لاہور ۱۹۶۸ء ص:۵۹:۷

۴۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۴۲

۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۴۹

۶۔ سید رئیس احمد جعفری ''اوراق گم گشتہ'' لاہور ۱۹۶۸ء ص:۵۳

۷۔ کے کے عزیز ''برٹین اینڈ مسلم انڈیا'' لندن ۱۹۶۳ء ص:۷۹

۸۔ وحید الزماں ''ٹوورڈس پاکستان'' لاہور ۱۹۶۴ء ص:۳۰

۹۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد ۱۔۱۹۸۲ء ص:۸۴

۱۰۔ بی این پانڈے ''دی بریک اپ آف برٹش انڈیا'' لاور میکملن ۱۹۶۹ء ص:۱۰

۱۱۔ محمد حسن بھٹو ''ریسرچ جرنل'' والیوم ۴۔ حیدر آباد ۱۹۶۳ء ص:۵۸

۱۲۔ تحریک آزادی کے عظیم رہنما جنہوں نے ہفتہ وار الامین کا اجرا کیا تھا اور شیخ عبدالمجید سندھی اس کے ایڈیٹر کے فرائض انجام دیتے تھے۔ (مصنف)

۱۳۔ ہفت روزہ ''الامین'' حیدر آباد ۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۹ء ص:۴

۱۴۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدر آباد ۱۹۸۲ء ص:۵۵

۱۵۔ مخدوم غلام محمد ملکانی ''صدارتی خطبہ سندھ خلافت کانفرنس'' حیدر آباد۔ ۱۹۲۰ء ص:۲ تا ۹

۱۶۔ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۸۱ء ص:۳۰۱

جی۔ ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' جلد ۱۔ س اب ۱۹۶۷ء ص:۱۲۸

۱۷۔ مخدوم غلام محمد ملکانی ''صدارتی تقریر۔ سندھ خلافت کانفرنس'' (اول) حیدر آباد ۱۹۲۰ء ص:۹ تا ۱۷

۱۸۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۱۸ تا ۲۰

۱۹۔ مخدوم غلام محمد ملکانی ''صدارتی خطبہ۔ سندھ خلافت کانفرنس'' اول حیدر آباد ۴ر جنوری ۱۹۲۰ء ص:۲۱ تا ۲۴

۲۰۔ اس بات کی تصدیق مسٹر لائڈ جارج ماچسٹر کی تقریر سے ہوئی۔ وہ خود کہتے ہیں:
''میں جب ۱۹۱۶ء میں وزیراعظم مقرر ہوا تھا' تو میں نے دیکھا کہ انگلینڈ نے سب بڑی قوموں؛ روس' فرانس اور اٹلی اور تو اور مگر یونان سے بھی عہدنامہ کیا تھا کہ ترکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کرلیں گے۔ صرف اناطولیہ کا تھوڑا سا ٹکڑا ترکوں کو ان عہدناموں کے تحت دیا گیا تھا۔ وہ عہدنامے کس کس نے کیے تھے؟ لارڈ گرے اور ڈھلسکینتھ۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ ''انگلینڈ کی ساری پارٹیاں اور گروپس ان مذکور عہدناموں (یعنی اسلامی حکومت کو تباہ کرنا) میں شریک اور ان راضی تھیں۔''
دیکھیے: جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ نابت سال ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء تک۔ الوحید الیکٹرک پرنٹنگ پریس کراچی۔ نومبر ۱۹۲۳ء ص:۸

۲۱۔ مولوی غلام محمد ملکانی مخدوم ''صوبہ سندھ پہلی خلافت کانفرنس میں صدارتی خطبہ'' ۴رجنوری ۱۹۲۰ء گلشن پبلکیشن حیدرآباد۔ ص:۲۵

۲۲۔ مخدوم غلام محمد ملکانی ''صوبہ سندھ خلافت کانفرنس پر صدارتی تقریر'' حیدرآباد ۴رجنوری ۱۹۲۰ء ص:۲۹ تا ۴۰

۲۳۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۴۰

۲۴۔ مخدوم غلام محمد ملکانی ''سندھ خلافت کانفرنس۔ صدارتی خطبہ'' ۴رجنوری ۱۹۲۰ء ص:۴۲ تا ۴۵

۲۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۴۵

۲۶۔ ہفت روزہ ''الامین'' ۱۵رجنوری ۱۹۲۰ء

۲۷۔ ہفتہ وار ''الحق'' ۳۱رجنوری ۱۹۲۰ء

۲۸۔ ہفتہ وار ''الحق'' سکھر ۱۴رفروری ۱۹۲۰ء

۲۹۔ ہفتہ وار ''الحق'' ۱۴رفروری ۱۹۲۰ء۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:
عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر سکھر۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۸۱ء ص:۱۰۰
مولانا محمود ولد سید عبدالقادر ۱۲۷۶ھ ۱۸۵۹ء میں ''دیوالی'' گاؤں نزد گاڑھی موری (خیرپور میرس) میں پیدا ہوئے' فارسی کی تعلیم پیر پاگارہ کے گاؤں میں حاصل کی۔ پھر پنوعاقل کے مولانا حاجی عبدالقادر کے پاس ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ بھرچونڈی کے بزرگوں کے ارشاد کے مطابق امروٹ میں آئے اور ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ یہاں مولانا عبیداللہ سندھی بھی

مدرس رہے۔
امروٹی صاحب اچھے شاعر بھی تھے۔ ''پربت نامہ''، ''مولود شریف'' وغیرہ ان کے مجموعے ہیں۔ تخلص ''حسن'' استعمال کرتے تھے۔ وہ تحریک ریشمی رومال سے لے کر خلافت تحریک، جمعیت العلمائے ہند اور سندھ مسلم لیگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی شخصیت اور عمل قابلِ تقلید ہیں۔
تاریخ ۳؍جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ/ ۵؍نومبر ۱۹۴۹ء کو وفات پائی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ الوحید ''سندھ آزاد نمبر'' کراچی ۱۵؍جون ۱۹۳۶ء ص: ۴
☆ ابوبکر شبلی ''مولانا تاج محمود امروٹی'' ماہنامہ نئی زندگی۔ اپریل ۱۹۶۴ء ص: ۲۴
☆ میمن عبدالمجید سندھی ڈاکٹر ''حضرت تاج محمود امروٹی'' تذکرہ علمی مجلس سندھ ۱۹۷۵ء ص: ۲۹
☆ مولانا سید محمد میاں ''تحریک شیخ الہند'' لاہور مکتبہ محمودیہ ۱۹۷۸ء ص: ۳۶۵
☆ مولانا حسین احمد مدنی ''تحریک ریشمی رومال'' لاہور ۱۹۶۰ء ص: ۱۶۰
☆ مولانا دین محمد وفائی ''یاد جاناں'' ۱۹۲۰ء ص: ۱۵
☆ ترک موالات نمبر ا۔ ''مرکزی خلافت کمیٹی'' بمبئی ۱۹۲۰ء ص: ۱۰

۳۰۔ ہفتہ وار ''الامین'' ۱۷؍مئی ۱۹۲۰ء
۳۱۔ ہفتہ وار ''الامین'' ۳۱؍مئی ۱۹۲۰ء
۳۲۔ ایضاً ایضاً
۳۳۔ ہفتہ وار ''الامین'' ۳۱؍مئی ۱۹۲۰ء
۳۴۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد ا۔ ۱۹۸۲ء ص: ۶۶
۳۵۔ الحق۔ ۱۰؍جولائی ۱۹۲۰ء
۳۶۔ الحق۔ ۸؍مئی ۱۹۲۰ء
۳۷۔ الحق۔ ۲۷؍اگست ۱۹۲۱ء
۳۸۔ ماہنامہ الرحیم۔ ستمبر ۱۹۶۳ء ص: ۱۵
۳۹۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' ۱۹۸۲ء ص: ۵۶
۴۰۔ ڈاکٹر مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ''
☆ الوحید سندھ آزاد نمبر۔ ۱۹۳۶ء۔ ۱۹۸۳ء ص: ۱۳۸
۴۱۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد ا۔ ۱۹۸۲ء ص: ۵۷

۴۲۔ ہفتہ وار ''الامین'' ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء

۴۳۔ ہفتہ وار مسلمان۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۴ء

۴۴۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' ۱۹۸۲ء ص: ۷۴

۴۵۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد ۱۔ ۱۹۸۲ء ص: ۷۵

۴۶۔ الوحید ۲۵ جولائی ۱۹۲۹ء

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ ہفتہ وار نور الاسلام۔ ۱۸ نومبر ۱۹۲۹ء

۴۸۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' ۱۹۸۲ء حیدر آباد۔ ص: ۸۵

۴۹۔ دین محمد وفائی مولانا ''یاد جاناں'' ۱۹۲۳ء

۵۰۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' ۱۹۸۲ء حیدر آباد ص: ۸۸

۵۱۔ سندھ پراونشل خلافت کانفرنس سکھر ۶ '۷ اور ۸ جولائی ۱۹۲۲ء تین دن پر مشتمل تھی۔ جس کی صدارت بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر محمد مارماڈیوک پکتھال نے کی تھی۔ اس کانفرنس میں ہندوستان کے دیگر مشہور رہنماؤں کے علاوہ بیگم صاحبہ مولانا محمد علی بھی شریک ہوئی تھیں۔ اس کانفرنس میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا۔ آمدنی ۸۔ ۲۵۵۸ روپیہ تھی اور اخراجات ۹۔ ۲۱۳۲ روپیہ ہوئے تھے۔ باقی رقم بچی تھی۔ کانفرنس میں کراچی سے بھی معزز رہنما اور کارکن تشریف لائے تھے جن کی اچھی خاصی پذیرائی ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ:

''سندھ میں علم مبارک کے آنے سے ایک عجیب جوش پیدا ہو گیا۔ اس علم کو سندھ کے چاروں طرف گھمایا گیا اور ان مواقع پر سندھ میں جو جلسے ہوئے ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی۔'' اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ کے عوام مذہبی طور پر کتنے جذباتی تھے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ

☆ بابت سال: ستمبر ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء تک ص: ۱

☆ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی ''پاکستان کی تحریک میں سندھ کا حصہ'' ماہنامہ نئی زندگی۔ مارچ ۱۹۸۴ء ص: ۱۸

۵۲۔ ڈاکٹر مظہر الدین سومرو۔ ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ پی ایچ ڈی۔ ۱۹۸۳ء ص: ۱۳۱

۵۳۔ جی ایم سید ''اپنی کہانی' اپنی زبانی'' ص: ٦٨

۵۴۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدر آباد۔۱۹۸۲ء ص: ۹۰

۵۵۔ روزنامہ الوحید۔۲ر جولائی ۱۹۲۰ء

۵٦۔ ایضاً ایضاً جون ۱۹۲۰ء

۵۷۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدر آباد۔۱۹۸۲ء ص: ۱۱۰

مولانا نور محمد بن محمد خان نظامانی ۱۳۰٦ھ/۱۸۸۲ء میں ''جہاد اکبر'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ نورالہدیٰ کے نام سے مدرسہ بھی قائم کیا۔ انہوں نے تین ہفتوار ''نورالاسلام'' ٹنڈوالہیار سے ۱۹۲۵ء میں ''طیرا ابابیل'' ۱۹۳۳ء میں حیدرآباد سے اور ''مرغ فلک'' ۱۹۳۴ء میں حیدرآباد سے جاری کیے۔ انہوں نے مختلف تحریکوں کے لیے فنڈ جمع کیے اور خود بھی دیتے رہے۔ وہ ۱۵ر شعبان ۱۳۵۳ھ/۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء کو وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ خلافت اور سمرنا فنڈ کی آمدنی کا تفصیل اور خرچ ۴ نومبر ۱۹۱۹ء سے ۳۱ر جولائی تک۔ کراچی۔ جمعیت خلافت اسلامیہ صوبہ سندھ ۱۹۲۲ء ص: ۸

☆ روزنامہ الوحید۔ کراچی۔۴ر جولائی ۱۹۲۰ء

۵۸۔ غلام محمد جوہر ''شیخ عبدالمجید سندھی اور الامین والوحید'' سہ ماہی سندھ حیدرآباد۔ جنوری ۱۹۸۵ء ص: ۱۴۹

☆ رئیس غلام محمد بھرگڑی نے ''الامین'' ستمبر ۱۹۱٦ء میں حیدرآباد کی ''سندھ سبھا کر پریس'' سے جاری کیا' اس کے پہلے ایڈیٹر محمد ہاشم مخلص تھے۔ سہ ماہی سندھ حیدرآباد جنوری ۱۹۸۵ء ص: ۱۸۵

☆ عبدالمجید عابد قاضی ''اگر وہ سندھ میں پیدا نہ ہوتے۔'' رہبر پبلیکیشن کا سالنامہ۔ ادبی جواہر۔ دسمبر ۱۹٦۹ء ص: ۳۳۲

۵۹۔ خان محمد پنہور ''بوندا سی حیات'' شیخ عبدالمجید سندھی یادگار سوسائٹی حیدرآباد۔۱۹۷۸ء ص: ۳۴

☆ غلام محمد جوہر ''شیخ عبدالمجید سندھی اور الامین والوحید'' سہ ماہی سندھ ۱۹۸۵ء ص ۱۵۰

٦۰۔ ایضاً ایضاً ایضاً

بحوالہ: ہفتہ وار ''الامین'' حیدرآباد۔۳ر نومبر ۱۹۱۹ء

۶۱۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۶۲۔ محمد احسن چنہ حافظ ...... سندھ میں پہلی خلافت کانفرنس' ماہوار '' پیغام'' کراچی۔ دسمبر ۱۹۸۰ء

۶۳۔ غلام محمد جوہر کھتی '' شیخ عبدالمجید سندھی اور الامین والوحید'' سہ ماہی سندھ ۱۹۸۵ء ص: ۱۵۵

۶۴۔ حافظ محمد موسیٰ بھٹو' سندھ میں خلافت تحریک'' سہ ماہی سندھ۔ بہار ۸۳/۲۔۱۹۸۳ء ص: ۱۳۶

۶۵۔ عبدالمجید عابد قاضی '' اگر وہ سندھ میں پیدا نہ ہوتے'' رہبر پبلیکیشن کا

سالنامہ '' ادبی جواہر'' دسمبر ۱۹۶۹ء ص: ۳۳۲

۶۶۔ روز نامہ الوحید۔ ۱۶ر جنوری ۱۹۲۳ء

۶۷۔ عبدالمجید عابد قاضی '' اگر وہ سندھ میں پیدا نہ ہوتے'' رہبر پبلیکیشن سالنامہ '' ادبی جواہر''

۱۹۶۹ء ص: ۳۳۳

☆ محمد موسیٰ بھٹو' پرین جی پچار'' حیدرآباد بعد ا۔ ۱۹۸۲ء ص: ۴۸

۶۸۔ روز نامہ الوحید۔ ۹ نومبر ۱۹۳۸ء

۶۹۔ جی ایم سید '' جنب گذاریم جن سین'' س اب۔ ۱۹۶۷ء جلد اول ص: ۱۶۳ تا ۱۷۳

عبدالمجید عابد قاضی '' اگر وہ سندھ میں پیدا نہ ہوتے'' رہبر پبلیکیشن سالنامہ '' ادبی جواہر

سال ۱۹۶۹ء ص: ۳۳۳

۷۰۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل شیخ '' عبدالمجید سندھی اور کلکٹر حیدرآباد' ماہنامہ نئی زندگی۔ جون۔ جولائی

۱۹۸۹ء ص: ۱۹ تا ۲۱

۷۱۔ عبدالمجید عابد قاضی '' ادبی جواہر'' سالنامہ رہبر پبلیکیشن ۱۹۶۹ء ص: ۳۳۳

۷۲۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ۳۳۴

۷۳۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ۳۳۵

۷۴۔ قاضی عبدالرحمان نواب شاہ ضلع کے گاؤں '' سفید مسجد'' میں ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے

والد کا نام قاضی محمد صدیق تھا۔ وہ حکومت کی طرف سے باقاعدہ قاضی تھے اور علاقے میں

مجرموں پر کیس چلا کر انہیں سزائیں تک دینے کے اختیارات رکھتے تھے۔

قاضی عبدالرحمان نے سندھ مدرسہ میں تعلیم پائی۔ بعد میں بمبئی یونیورسٹی سے میٹرک ۱۹۱۴ء اور

جوناگڑھ کالج سے ۱۹۲۰ء میں بی اے پوزیشن سے حاصل کی۔

۷۵۔ محمد موسیٰ بھٹو۔ پرین جی پچار۔ روز نامہ الوحید۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء

۷۶۔ روزنامہ الوحید۔ ۳۱رجولائی ۱۹۲۰ء

۷۷۔ روزنامہ الوحید۔ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۲۰ء

۷۸۔ ایضاً ۲رجنوری ۱۹۲۱ء

۷۹۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدرآباد جلد ۱۔ ۱۹۸۲ء ص: ۲۰۷

۸۰۔ جی ایم سید ''جب گذار یم جی سین'' جلد اول ص: ۲۵۹

۸۱۔ محمد موسیٰ بھٹو۔ ''پرین جی پچار'' (سندھی) جلد ۱۔ حیدرآباد ۱۹۸۲ء ص: ۲۲۱

۸۲۔ حیدرآباد ضلع کے گاؤں ''نم لیار'' میں خیر محمد نظامانی ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ (ان کے والد کا نام حاجی محمد سلیمان تھا جو کہ بڑے عالم تھے) وہ یونانی حکمت کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء سے صحافت کی زندگی اختیار کی۔ خود نے بھی کئی ہفت روزہ اور ماہنامے نکالے اور کئی کے ایڈیٹرز رہے۔ جیسا کہ: طالب العلم، بیداری (دونوں کراچی سے) خادم الاسلام حیدرآباد سے۔ اس کے بعد میرپور خاص سے (۱۹۳۵۔ ۱۹۳۶ء) روزانہ قربانی۔ کراچی (۱۹۴۶ء) اور روزانہ باب الاسلام (حیدرآباد) ۱۹۴۶ء

۸۳۔ محمد موسیٰ بھٹو۔ ''پرین جی پچار'' جلد ۱۔ حیدرآباد۔ ۱۹۸۲ء ص: ۳۰۱

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۷را کتوبر ۱۹۴۵ء

۸۴۔ پیر رشد اللہ بن پیر رشید الدین شاہ راشدی (بیعت دھنی) ۱۲۷۷ھ، ۱۸۶۰ء میں پیر فضل اللہ گوٹھ (موجودہ پیر جھنڈو) ضلع حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ وفات ۲۲رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ/ ۱۹رمئی ۱۹۲۲ء

۸۵۔ عبدالمجید سندھی پروفیسر ڈاکٹر ''قائداعظم۔ آزادی کی جدوجہد اور سندھی مسلمان'' مہران قائد نمبر ۳۔ جولائی۔ ستمبر ۱۹۷۹ء ص: ۲۲۵

۸۶۔ ''اظہار الکرامت فی مقاصد الخلافۃ والامامۃ'' سکھر۔ انجمن شوریٰ علمائے سندھ۔ ص: ۱۳۷

۸۷۔ ترک موالات نمبر ۱۔ ممبئی۔ مرکزی خلافت کمیٹی۔ ۱۹۲۰ء ص: ۱۱

۸۸۔ متفقہ فتویٰ۔ دہلی۔ جمعیۃ مرکزیہ علمائے ہند۔ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ ص:

۸۹۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۹رنومبر ۱۹۲۲ء

''مولانا عبیداللہ سندھی'' شاہ ولی اللہ اور اس کی سیاسی تحریک'' مترجم مولانا مفتی عبدالقادر لغاری۔ حیدرآباد۔ سندھی پرنٹنگ پریس۔ ص: ۱۰

۹۰۔ حکیم شمس الدین بن میاں عبداللہ قاضی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں نوشہرو فیروز (نوابشاہ) میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ دیبہ کالج دہلی سے حکمت کی سند حاصل کی۔ کچھ وقت کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد حیدرآباد میں مطب قائم کیا۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ/ ۶ ستمبر ۱۹۶۰ء کو وفات پائی۔

۹۱۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۴ فروری ۱۹۳۱ء، ۲۴ اپریل ۱۹۳۲ء، ۹ جولائی ۱۹۲۰ء، ۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۲۷ اپریل ۱۹۳۸ء

۹۲۔ مولانا عبیداللہ سندھی، ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' مترجم مولانا مفتی عبدالقادر لغاری۔ حیدرآباد۔ ص:۱۰

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء کراچی ص: ۲ تا ۲۰

☆ متفقہ فتویٰ دہلی، جمعیۃ مرکزیہ علمائے ہند، جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ ص:۲۶

۹۳۔ شہاب الدین چشتی، ''مولانا عبدالکریم چشتی'' سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر ۳/۴۔ ۱۹۵۷ء ص:۲۵۰

☆ غلام محمد گرامی۔ ''ویاسی وتنجھار'' حیدرآباد۔ ۱۹۷۷ء ص:۱۹۷

۹۴۔ ''جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔ ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء کراچی۔ الوحید الیکٹرک پرنٹنگ پریس ۱۹۲۳ء ص:۳۸

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۲ء، ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء

ایضاً کیم فروری ۱۹۳۱ء۔ ۳ جون ۱۹۲۰ء

ایضاً ۱۲ ستمبر ۱۹۲۲ء

۹۵۔ مولانا دین محمد وفائی ''اظہار الکرامت فی مقاصد الخلافۃ والامۃ'' سکھر انجمن شوریٰ علمائے سندھ ص:۱۴۰

☆ امن سبھا والوں پر متفقہ فتویٰ۔ کراچی، جمعیت علمائے سندھ ۱۳۴۰ھ ص:۱۰

☆ ولایتی کپڑا خریدنے کی منع کرنے والی فتویٰ۔ کراچی۔ جمعیت العلمائے سندھ ۱۳۴۰ھ ص:۱۱۷

☆ جی۔ ایم سید، ''جب گذار یم جن سین'' جلد۔ ۲ حیدرآباد۔ س اب۔ ۱۹۶۷ء ص:۳۳۴

۹۶۔ پیر عبداللہ جان عرف شاہ آغا بن خواجہ حسن جان ۸ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ/ ۲۲ جنوری

۱۸۸۸ء کو ٹھڑو ضلع حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ کئی معروف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شعرو شاعری سے بھی شغف رہا۔ تخلص ''شائق'' تھا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ/ ۷ اپریل ۱۹۷۳ء کو وفات پا گئے۔

. (قادر بخش گل محمد بھٹی۔ ''سندھ میں سر ہندی خاندان کی سماجی' ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں۔'' مونوگراف ۱۹۶۱ء ص: ۲۲۹)

۹۸۔ میاں عبدالقیوم بختیارپوری ''ازالۃ الارتیاب عن تجارۃ الشباب'' سکھر ۱۳۴۲ھ ص: ۲۰

☆ روزنامہ الوحید۔ کراچی۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۲۲ء' ۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء

۹۹۔ مولانا مفتی سعد اللہ۔ عبدالرحیم بن حاجی عبدالحق ۱۳۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں بالا (حیدرآباد) میں پیدا ہوئے۔ وہ مدرسہ مظہر العلوم کراچی میں زیر تعلیم رہے اور وہیں دستار بندی ہوئی۔ وہ خیرپور ریاست کے مفتی بنے اور فتوے جاری کرتے تھے۔ طب پر اچھی مہارت رکھتے تھے۔ نازبائی اسکول میں استاد مقرر ہوئے اور خانگی مدرسہ میں بھی مدرس رہے۔ وہ شاعری سی شغف رکھتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف رہے۔ وہ جمادی الآخر ۱۳۶۳ھ مئی ۱۹۴۴ء میں وفات پا گئے۔ تفصیل کے لیے:

☆ عبدالرحیم جمیل۔ ''رموز حکومت'' گجرات پنجاب۔ اقبال پریس ص: ۵۱۹

☆ عبدالوہاب چاچڑ۔ ماہوار شریعت۔ سوانح نمبر۔ اکتوبر نومبر ۱۹۸۱ء ص: ۴۱۸

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء۔ کراچی۔ الوحید پریس۔ ۱۹۲۳ء ص: ۸۔ ۱۵ اور ۵۲۲

۱۰۰۔ پیر ضیاء الدین ۲۷ رجب ۱۳۰۴ھ/ ۲۰ جون ۱۸۸۷ء کو گوٹھ پیر جھنڈو میں پیدا ہوئے۔ اپنے ہی مدرسہ دارالرشاد میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ لغاری' حافظ امین محمد اور مولانا محمد احمدانی قابل ذکر ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کی دستار بندی بھی ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد وہ اپنی زمینوں پر تھو کیریو (سکرنڈ) منتقل ہو گئے اور وہیں مدرسہ دارالرشاد قائم کیا۔ ۱۹۳۷ء میں واپس پیر جھنڈو آ گئے۔ وہ جمعیۃ العلماء میں بھی شامل رہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی جب ۱۹۳۹ء میں واپس آئے تو ان کی پارٹی ''جمنا۔ نربدا سندھ ساگر پارٹی'' میں شریک ہو گئے۔ وہ ۱۴ رجب ۱۳۷۶ھ/ ۱۵ فروری ۱۹۵۷ء کو رحلت کر گئے۔ دیکھئے:

مفتی عبدالقادر لغاری "مدرسہ عالیہ دارالرشاد" پیر جھنڈو۔ سہ ماہی الرحیم حیدرآباد۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔ خزاں۔ ص: ۸۴ اور مولانا عبیداللہ سندھی "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مترجم۔ مولانا عبدالقادر لغاری۔ حیدرآباد ص: ۲۹

۱۰۱۔ اسداللہ شاہ فدا ۱۲۸۵ھ/ ۳۰ نومبر ۱۸۶۹ء کو ٹکھڑ گاؤں ضلع حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ سندھی، فارسی اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ صرف ۹ مہینے میں قرآن حفظ کیا۔ حیدرآباد میں مولانا محمد حسن کے پاس دستار بندی ہوئی۔ دیوبند بھی گئے۔ طب میں مہارت حاصل کی۔ علم وادب کی خدمت کی۔ رسالہ "بہار اخلاق" جاری کیا۔ سندھی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے ریشمی رومال سے لے کر جتنی بھی تحریکیں اٹھیں اور مسلمانوں کی جماعتیں بنیں ان میں حصہ لیا۔ جمعیت العلماء اور کانگریس میں بھی رہے۔ وہ ۱۱ر ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ/ ۱۹ر جنوری ۱۹۵۱ء کو وفات کر گئے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے:

☆ نبی بخش خان بلوچ ڈاکٹر۔ سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر۔ ۳/۴۔ ۱۹۵۷ (سندھی) حیدرآباد ص: ۱۵۳۔۱۵۴

☆ اسداللہ شاہ اسد "حافظ اسداللہ شاہ فدا"۔ سوانح نمبر سہ ماہی مہران ۳/۴ ۱۹۵۷ء ص: ۱۲۶

☆ اسداللہ شاہ اسد "تذکرۂ شعرائے ٹکھڑ" س ا ب۔ ۱۹۵۹ء ص: ۷۲

☆ جی۔ ایم سید "جب گذاریم جن سین" جلد اول ص: ۱۷۴

۱۰۲۔ عبدالوہاب چاچڑ "ماہوار شریعت" سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۸۱ء (سندھی) ص: ۱۸۶۔۱۸۸

☆ "اظہار الکرامت۔" سکھر۔ انجمن شوریٰ علمائے سندھ ص: ۱۵۳

☆ امن سبھا میں شامل ہونے والوں کے لیے متفق فتویٰ۔ کراچی۔ جمعیت علمائے سندھ ۱۳۴۰ھ ص: ۲۱

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء ص: ۴

۱۰۳۔ مولانا نذیر حسین بن خادم حسین جتوئی ۶ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ/ ۳۱ جولائی ۱۹۰۳ء کو شاہ جو گوٹھ تعلقہ گڑھی یاسین (شکارپور) میں پیدا ہوئے۔ کئی اساتذہ کے پاس علم حاصل کیا اور آخر میں مولانا امید علی کے پاس رتو دیرو میں ان کی دستار بندی ہوئی۔ انہوں نے کانگریس، جمعیت العلماء، ہماری پارٹی اور آخر میں "جمنا۔ نربدا سندھ ساگر پارٹی" کے پلیٹ فارم سے قومی

آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ سندھی۔ اردو فارسی اور عربی میں شاعری کی تاریخ۔ یکم جمادی الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۷۴ء کو رحلت فرمائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ ماہوار شریعت۔ سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء ص: ۴۴۷

☆ روزانہ آزاد۔ کراچی۔ ۲۱ /اپریل ۱۹۴۴ء

☆ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' پی ایچ ڈی مقالہ ۱۹۸۳ء ص: ۵۷۶

۱۰۴۔ عبدالعزیز تھریچانی روہڑی میں پیدا ہوئے' مختلف اساتذہ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے بعد دستار بندی امروٹ کے مدرسے میں ہوئی اور مولانا تاج محمود کے مرید بن گئے اور کافی عرصہ تک ان کے ساتھ تبلیغ کی۔ وہ جمعیت علماء میں رہے اور مسلم لیگ پلیٹ فارم پر بھی مسجد منزل گاہ کے سانحہ کے وقت پیش پیش رہے۔ ۲۱ شوال ۱۳۶۹ھ/ ۶ /اگست ۱۹۵۰ء کو وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے۔

☆ ابوبکر شبلی ''مولانا عبدالعزیز تھریچانی'' سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر ۳۔۴/ ۱۹۵۷ء ص: ۱۸۵۔۱۸۶

☆ روزانہ الوحید۔ کراچی: ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء

ایضاً یکم فروری۔ ۱۹۳۱ء

ایضاً ۴ جون ۱۹۳۱ء

ایضاً ۵ مئی ۱۹۳۳ء

۱۰۵۔ مولانا عبدالخالق بن نظام الدین سہ تہ گوٹھ جام نور اللہ نزد کنڈیارو (ضلع نوابشاہ) میں ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم رہے۔ وہ دینی علوم کے علاوہ علمِ طب' علم منطق اور تاریخ سندھ پر بڑی دسترس رکھتے تھے۔ جامع مسجد نواب شاہ کے خطیب تھے۔ معارف کے نام سے رسالہ جاری کیا۔ کئی کتابیں اور تفاسیر لکھیں۔ ۱۹۳۸ء میں وہ ٹریننگ کالج حیدرآباد میں فقہ کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ تحریکِ خلافت کے علاوہ جمعیت العلماء کے بھی ممبر رہے۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۷ء میں تقسیم سے پہلے وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ حامد علی خانائی ''مولوی عبدالخالق کنڈیاروی'' ماہنامہ نئی زندگی، مئی۔ جون ۱۹۸۱ء ص: ۳۶ تا ۳۸

☆ اعلان۔ کراچی کو وِنور پرنٹنگ ورکس۔ ستمبر ۱۹۲۱ء

☆ روزنامہ الوحید۔ کراچی۔ ۲۰ راگست ۱۹۲۲ء اور ۲۸ راپریل ۱۹۲۳ء

۱۰۶۔ خلیق مورائی ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں مورو ضلع نوابشاہ میں پیدا ہوئے گوٹھ خدا بخش بھرگڑی تحصیل جیمس آباد کے مدرسے ''مدرسہ اسلامیہ'' سے فارغ التحصیل ہوئے۔ وہ بلند پائے کے صحافی اور ادیب تھے۔ کراچی سے ماہانہ ''ترقی'' کا ۱۹۲۰ء میں اجراء کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں سندھی میں تصنیف کیں وہ تھیں: سندری (ناول) آخری رسول' آخری مذہب' فاتح سندھ' محمد بن قاسم' عبرت نسیما' صدیق اکبر' قرآن اور نئی روشنی' علمائے سندھ' جہاد اکبر' وڈیرو وڈیری' عدل یورپ' فاروق اعظمؓ، اسلام اور سود اور تجربات خلیق قابل ذکر ہیں۔ وہ خلافت تحریک کے علاوہ قطع تعلقات اور خلافتی علماء میں بھی شریک رہے۔ وہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں وفات پا گئے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۲۶ راپریل ۱۹۲۰ء۔ ۹ جولائی ۱۹۲۰ء

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۲۴ راگست ۱۹۲۰ء۔ ۱۳ راکتوبر ۱۹۲۰ء

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۱۹ راکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ۲۶ راکتوبر ۱۹۲۰ء

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۴ نومبر ۱۹۲۰ء۔ ۸ نومبر ۱۹۲۰ء

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۱۴ رنومبر ۱۹۲۰ء۔ ۱۶ رنومبر ۱۹۲۰ء

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۵ جنوری ۱۹۲۱ء۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۱ء

☆ ترک موالات نمبر ۱۔ بمبئی۔ مرکزی خلافت کمیٹی۔ جون۔ ۱۹۲۰ء ص: ۱۱

۱۰۷۔ غلام فاطمہ شیخ ''تاریخ جاوسار یل ورق'' حیدرآباد ۱۹۸۳ء ص: ۳۵

۱۰۸۔ اللہ ورایو بھن ''سانگھڑ ضلع کا آزادی کی تحریک میں حصہ'' سانگھڑ ثقافتی میلہ کمیٹی ۱۹۸۴ء سانگھڑ۔ ص: ۶۷

۱۰۹۔ مولوی عبداللہ مری بڑانی قبیلے سے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں اپنے گاؤں اللہ بخش مری تحصیل کھپرو (سانگھڑ) میں پیدا ہوئے۔ پرائمری کے ساتھ عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ نصرپور میں مولانا تاج محمود کے مدرسے میں بھی پڑھے۔ جیل سے رہائی کے بعد اپنے والد کے مدرسے

کمالیہ میں مدرس رہے۔ وہ مصنف اور شاعر تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔
تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ میمن غلام مصطفیٰ مشتاق ''مولوی حاجی عبداللہ مری'' ماہنامہ نئی زندگی مارچ ۱۹۸۴ء ص: ۲۱ تا ۲۳

۱۱۰۔ حکیم عبدالحق بن حکیم حاجی محمد عظیم طبیہ کالج دہلی سے سند یافتہ تھے۔ انہوں نے اپنی پریس سے سندھی میں لاتعداد اسلامی کتب چھپوائے۔ مولانا دین محمد وفائی کی کئی کتابیں انہوں نے چھاپیں۔ علم دوست اور افسران حکیم صاحب کی بڑی عزت و احترام کرتے تھے۔ انہوں نے ۲۳ ذوالحج ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۲ء کو وفات پائی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ میمن عبدالمجید سندھی ''حکیم عبدالحق مرحوم'' ماہوار رہبر ڈائجسٹ۔ فروری ۱۹۷۳ء (سندھی) ص: ۱۳ تا ۲۱

۱۱۱۔ مولانا عبدالکریم درس بن مولانا عبداللہ درس ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں کراچی میں تولد ہوئے۔ عربی، فارسی اور سندھی میں تعلیم ''مدرسہ درسیہ کراچی میں حاصل کی۔ پھر ''مظہر العلوم'' میں داخل ہوئے، وہاں سے وہ مصر کی جامع ازہر میں داخل ہوئے، جہاں سے شیخ الحدیث اور تفسیر کی سند حاصل کی۔ انہوں نے واپس آ کر کراچی میں ''مدرسہ عالیہ اہل سنت والجماعت قائم کیا اور ایک یتیم خانہ بھی قائم کیا۔ انہوں نے حکمت بھی کی۔ وہ شاعری بھی کرتے تھے اور تصانیف بھی کیں۔ کئی منظوم اور نثری کتابیں بھی شائع ہوئیں اور غیر مطبوعہ کتابیں بھی ہیں۔ ۱۹ر شعبان ۱۳۴۴ھ/۴ مارچ ۱۹۲۶ء کو وفات پا گئے۔
تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ ماہوار الصادق۔ کراچی۔ قاضی پرنٹرز۔ جون ر جولائی ۱۹۸۲ء ص: ۲۷
☆ قوانین۔ کراچی۔ انجمن معاونین مدرسہ اہل سنت والجماعت لیاری کوارٹرز۔ ۱۰ر مئی ۱۹۱۳ء
☆ روزنامہ الوحید۔ کراچی۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۲۰ء، ۹ر جولائی ۱۹۲۰ء، یکم اگست ۱۹۲۰ء، ۳۱ر مئی ۱۹۲۰ء
☆ مولانا دین محمد وفائی۔ ''یادِ جاناں'' سکھر ۱۹۲۰ء ص: ۱۴

۱۱۲۔ مولانا محمد موسیٰ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء، گوٹھ دابیجی ضلع ٹھٹھہ میں تولد ہوئے۔ ان کے والدین ہجرت کر کے ''کوٹڑی'' سکونت پذیر ہوئے۔ محمد موسیٰ ٹھیڑھی کے مدرسے میں حصول تعلیم کے لیے داخل ہوئے۔ جلد ہی وہ لکھنؤ چلے گئے جہاں انہوں نے علم طب حاصل کیا۔ مولانا محمد موسیٰ نے کوٹڑی میں مدرسہ قائم کیا۔ انہوں نے ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء میں وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ امن سبھا میں شامل ہونے والوں کے لیے متفق فتوٰی کراچی۔ جمعیۃ علمائے سندھ ۱۳۴۰ھ ص: ۱۲

☆ الوحید۔ کراچی۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ء، ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء، ۵/اکتوبر ۱۹۲۲ء، ۸/اکتوبر ۱۹۲۲ء، ۲۰/اکتوبر ۱۹۲۲ء، ۳۱/اکتوبر ۱۹۲۲ء، ۱۵/نومبر ۱۹۲۲ء، یکم جون ۱۹۲۳ء

۱۱۳۔ حکیم محمد معاذ بن حاجی عارف ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں گوٹھ قطالی شاہ تحصیل سکرنڈ (نوابشاہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام محمد پناہ تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے ان کا نام محمد معاذ رکھا۔ تعلیم مدرسہ پیر جھنڈو سے حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں حکیم اجمل خان سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ وہ جمعیت العلماء، کانگریس، جمنا نربدا، سندھ ساگر پارٹی اور ہاری پارٹی کے بھی ممبر رہے۔ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ جی۔ ایم سید "جب گذار یم جن سین" جلد ۲ حیدرآباد۔ ۱۹۶۷ء ص: ۹۹

☆ روزنامہ الوحید۔ کراچی ۴ نومبر ۱۹۲۰ء، ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء ۱۴/اور ۱۵/جنوری ۱۹۳۱ء

☆ ماہنامہ پیغام۔ کراچی۔ مارچ اپریل ۱۹۸۱ء ص: ۳۰

☆ ماہنامہ نئی زندگی۔ ۱۹۸۹ء "حکیم محمد معاذ" از: اسحاق اثر۔ ۱۹۸۹ء ص: ۹

☆ حامد علی خانائی ڈاکٹر "نوابشاہ۔ تاریخی شہر اور شخصیات" ۱۹۸۷ء ص: ۲۸۱

۱۱۴۔ پیر تراب علی شاہ بن سید عبداللہ شاہ ۵ ذیقعد ۱۲۷۴ھ/ ۲ نومبر ۱۸۵۷ء کو گوٹھ علی خان نزد قمبر ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ انہیں علم و ادب سے بڑی محبت تھی۔ "الراشد" رسالہ جاری کیا۔ وہ جمعیت العلمائے ہند کی تنظیمی کمیٹی کے ممبر رہے۔ انہوں نے ۲ شوال ۱۳۵۷ھ/ ۱۷/مارچ ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالمجید سندھی ڈاکٹر "پیر تراب علی شاہ" ماہوار "الرحیم" حیدرآباد۔ مئی جون ۱۹۷۶ء ص: ۳۱

☆ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" (سندھی) مقالہ۔ پی ایچ ڈی۔ سندھ یونیورسٹی جام شورو۔ ۱۹۸۳ء ص: ۳۲۵

☆ متفقہ فتوٰی دہلی۔ جمعیۃ مرکزیہ علمائے ہند، جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ ص: ۲۷

☆ ترک موالات نمبر ا۔ مرکزی خلافت کمیٹی ۱۹۲۰ء

۱۱۵۔ مولانا محمد صادق بن مولوی عبداللہ ۲۵ محرم ۱۲۹۱ھ/ ۱۵ر مارچ ۱۸۷۴ء کو کراچی محلہ کھڈہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے والد کے مدرسہ کھڈہ میں حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند بھی گئے (۱۸۸۶ء)۔ علم طب کی سند بھی وہاں سے حاصل کی۔ واپسی پر اپنے ہی مدرسے میں مدرس ہو گئے اور حکمت بھی کرنے لگے۔ انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ جمعیت الانصار کے لیے کام کیا۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف بلوچستان کے عوام سے بغاوت کرادی' نتیجہ میں انگریزوں کو عراق میں شکست ہو گئی۔ مولانا کو ۴ر سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔ تحریکِ خلافت کے علاوہ' جمعیت علماء میں بھی شریک رہے۔

سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک میں شریک رہے۔ جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کے ممبر تھے۔ وہ کانگریس کے بھی ہمدرد رہے۔

مولانا نے ۶ر شوال ۱۳۷۲ھ/ ۱۸ر جون ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ جی ایم سید' جب گذاریم جن سین'' جلد ا' س اب حیدرآباد۔ ۱۹۶۷ء ص: ۲۳۵ تا ۲۳۷

☆ فیوض الرحمان حافظ قاری' 'مشاہیر علمائے دیوبند'' (جلد اول) لاہور۔ المکتبہ العزیزیہ ۱۹۷۶ء ص: ۵۱۷

☆ محمد اسماعیل حافظ'' مولانا محمد صادق'' ماہوار الصادق'' کراچی۔ مئی ۱۹۸۱ء ص: ۲۸

☆ عبیداللہ سندھی مولانا'' ذاتی ڈائری'' لاہور۔ ادبستان۔ ۱۹۴۶ء ص: ۲۰

☆ سید محمد میاں مولانا'' تحریک شیخ الہند'' لاہور ۱۹۷۸ء ص: ۴۵۷

☆ روزنامہ الوحید۔ کراچی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء

۱۱۶۔ مولوی احمد ملاح ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں گوٹھ کنڈی تحصیل بدین میں پیدا ہوئے۔ کئی اساتذہ کے پاس پڑھنے کے بعد ناگوشاہ کے مکتب سے دستار بندی ہوئی۔ وہ سندھی کے علاوہ اردو' فارسی اور عربی پر دسترس رکھتے تھے۔ نثر اور نظم میں کئی کتابیں تصنیف کیں: معرفت الاللہ' گلزار احمد' گلشن احمد' نور القرآن' ہیکڑائی حق' فتح لنواری' شرک چٹ' بیاض احمد اور قرآن شریف کا سندھی میں منظوم ترجمہ۔

وہ جمعیت العلمائے سندھ کے بھی ممبر رہے۔ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں وفات پا گئے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔

☆ غلام علی الانا خواجہ ''لاڑجی ادبی وثقافتی تاریخ'' جام شورہ ۔ ۱۹۷۷ء ص: ۳۲۲

☆ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۲۲ء ص: ۴؛ ۲۴؍اپریل ۱۹۳۲ء؛ ۲؍مارچ ۱۹۲۵ء؛ ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء

۱۱۷۔ مولانا حماداللہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں گوٹھ ہالیجی تحصیل پنو عاقل (سکھر) میں ولادت پائی۔ درسِ نظامی کے بعد مولانا قمرالدین انڑھڑ سے دستارِ فضیلت پائی۔ وہ ٹھیڑھی کے مدرسے میں مدرس رہے۔ سندھ کے مشہور علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ وہ جمعیت العلماء میں شامل ہو کر وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ ۱۸؍اپریل ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ سندھی ''مولانا حمداللہ ہالیجوی'' ماہنامہ نئی زندگی حیدرآباد ۔ فروری ۱۹۸۷ء ص: ۱۵

☆ غلام مصطفیٰ قاسمی علامہ ''جنیدِ وقت مولانا حماداللہ'' ماہوار شریعت ۔ سکھر ۔ مارچ ۱۹۸۰ء ص: ۱۲ تا ۱۴

☆ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۲۰ جون ۱۹۲۰ء، ۲۱؍اپریل ۱۹۴۴ء

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ ۔ ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء تک ۔ کراچی ۱۹۲۳ء

۱۱۸۔ مولانا در محمد ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں گوٹھ کاندھڑا نزد نصیرآباد (ضلع لاڑکانہ) میں پیدا ہوئے۔ کئی علماء کے پاس پڑھنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں ۲۵ برس کی عمر میں مولانا محمد صالح کے پاس ان کی دستار بندی ہوئی۔ وہ مدرس رہے مؤلف اور مصنف بھی تھے ان میں سندھی، فارسی اور عربی شامل تھے۔ وہ مسلم لیگ تحریک میں بھی شامل تھے۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ/ ۶ فروری ۱۹۸۱ء میں وفات پا گئے۔

مزید معلومات کے لیے دیکھیے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر ۔ سکھر ۔ اکتوبر، جولائی ۱۹۸۱ء ص: ۲۰۷

☆ روزنامہ آزاد ۔ کراچی ۔ ۲۱؍اپریل ۱۹۴۰ء

☆ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' (سندھی) ۱۹۸۳ء ص: ۳۴۰

۱۱۹۔ حکیم فتح محمد ولی حکیم غلام محی الدین ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں سہون ضلع دادو میں پیدا ہوئے۔ کئی

جید علماء کے پاس تعلیم حاصل کی۔ کراچی کے سندھ مدرسہ میں فارسی کے استاد رہے۔ وہ اپنے دور کے معروف عالم، ادیب، صحافی، مصنف اور شاعر تھے۔ ''صغیر'' اور ''حکیم'' ان کے تخلص تھے۔ ''الجامع'' ۱۹۲۵ء سے ماہنامہ کراچی سے جاری کیا اور ۱۹۳۶ء سے ''اصلاح'' ہفتہ وار اخبار شروع کیا۔ ان کی تصانیف میں ''میرن جی صاحبی''، ''کمال اور زوال''، ''ابوالفضل اور فیضی''، ''نورالایمان''، ''مقدمہ تفسیر القرآن''، ''حیات النبی''، ''اخلاق النبی''، ''بہار اخلاق''، ''مناجات دلنشیں'' اور ''آفتاب ادب'' قابلِ ذکر ہیں۔

تحریکِ خلافت کے بعد انہوں نے ''محمڈن ایسوسی ایشن''، ''جمعیت العلمائے ہند''، ''کانگریس'' اور ''سندھ اتحاد پارٹی'' میں حصہ لیا۔ ۳/ذوالحج ۱۳۶۱ھ/۱۲ دسمبر ۱۹۴۲ء کو وفات پاگئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ محمد جمن تالپر ڈاکٹر۔ ''سندھ کی اسلامی درسگاہیں'' (سندھی) حیدرآباد۔ ۱۹۸۲ء ص: ۴۷۳ تا ۴۷۵

☆ جی ایم سید ''جنب گذاریم جن سین'' (جلد ا) حیدرآباد۔ ۱۹۶۷ء ص: ۱۷۸۔۱۷۹

☆ سبط حسن سید ''فارسی گویان پاکستان'' راولپنڈی۔ ۱۹۷۴ء ص: ۲۱۲

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ ۱۹۸۱ء ص: ۱۷۱

۱۲۰۔ مولانا دین محمد ادیب ولد حکیم گل محمد بھٹی ۵ ارشوال ۱۳۱۴ھ، ۲۱ مارچ ۱۸۹۷ء کو فیروز شاہ (ضلع دادو) میں تولد ہوئے۔ کئی جید علماء کے پاس تعلیم حاصل کی اور پھر مختلف مدرسوں اور تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے۔ آخر میں مسلم کالج حیدرآباد میں استاد تھے۔ شاعر تھے، سندھی، اردو اور فارسی میں ''ادیب'' کے تخلص سے شاعری کی کئی کتابیں لکھیں۔ ''کشف المحجوب'' کا ترجمہ کیا، ''جمعیۃ العلماء'' کے ساتھ رہے۔ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک سے وابستہ رہے۔ ان کی تصانیف میں ''اخلاق النبی''، ''خلفائے راشدین''، ''علم الاخلاق''، ''بہشتی کوثر''، ''خاتم الانبیاء''، ''نور علیٰ نور'' کا ترجمہ، ''بہشت جی کنجی'' (سندھی) ''کلیاتِ ادیب'' اور دیگر کئی فارسی کتابیں شامل ہیں۔ ۲۳ محرم ۱۳۹۳ھ/ ۲۷ فروری ۱۹۷۳ء کو وفات پائی۔

مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے:

☆ سید سبط حسن ڈاکٹر ''فارسی گویان پاکستان'' راولپنڈی۔ ۱۹۷۴ء ص: ۳۹۹

☆ غلام محمد گرامی ''مولانا دین محمد ادیب فیروز شاہی'' سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر ۳۔۴/ ۱۹۵۷ء

ص:۲۲۳ تا ۲۲۸

☆ روزانہ الوحید۔کراچی۔۲۸/اپریل۱۹۲۳ء

۱۲۱۔ مولانا دین محمد وفائی ۲۷ رمضان ۱۳۱۱ھ/۴/اپریل۱۸۹۴ء کو گوٹھ کھتھیوں تحصیل گڑھی یاسین (شکارپور) میں تولد ہوئے۔عربی اور فارسی کی تعلیم سے ۱۹۱۳ء میں فارغ ہوئے اور مدرس بنے۔۱۹۲۳ء میں کراچی سے ماہنامہ'توحید' جاری کیا۔۱۹۲۷ء میں ''الحزب'' اخبار جاری کیا۔۱۹۳۴ء سے دوبارہ ''ماہنامہ توحید'' کراچی سے جاری کیا۔ کچھ عرصے کے لیے ''آزاد'' اخبار کے ایڈیٹر بھی رہے۔کئی کتابیں تصنیف کیں جو کہ علمی' ادبی اور مذہبی طور پر ایک سرمایہ تھیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ نبی بخش خان بلوچ ڈاکٹر''مولانا دین محمد وفائی'' سہ ماہی مہران۔سوانح نمبر۳۔۴/ ۱۹۵۷ء ص:۱۷۹ تا ۱۸۱

☆ جی ایم سید'جنب گزاریم جن سین'' حصہ دوم۔حیدرآباد ۱۹۶۷ء ص:۳۲۱ تا ۳۲۴

☆ غلام علی الانا ڈاکٹر۔سندھی لکھنے والوں کی ڈائریکٹری۔جام شورہ۔۱۹۷۴ء ص:۱۵

☆ غلام محمد گرامی۔''مولانا وفائی کا دور'' کراچی۔۱۹۷۳ء ص:۱۵

☆ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۱۱ستمبر۱۹۲۲ء'۲۸/اپریل۱۹۲۳ء'۲۹مارچ۱۹۲۹ء'۲۰مارچ۱۹۲۵ء

☆ ماہنامہ پیغام کراچی۔اپریل۱۹۸۰ء ص:۴۷

۱۲۲۔ پیر غلام مجدد ولد میاں عبدالحلیم ۱۶/رجب ۱۳۰۰ھ ۱۳/مئی۱۸۸۳ء میں مٹیاری ضلع حیدرآباد میں تولد ہوئے۔تعلیم''مولانا حسن پاٹائی'' سے حاصل کی۔والد کی وفات کے بعد ۱۹۱۳ء میں سجادہ نشین ہوئے اور پیری مریدی کے سلسلے کو جاری رکھا۔شعروشاعری اور علم وادب سے خاص شغف رہا۔وہ''خلافت تحریک'' کے دوران ہی''جمعیت العلمائے ہند'' میں شامل ہوگئے اور ان کے جلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک میں حصہ لیا۔آخرکار مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔''مسجد منزل گاہ'' مقدمہ میں جیل بھی جانا پڑا۔۱۸/جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ/ ۹ جنوری ۱۹۵۸ء کو وفات پاگئے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔

☆ ماہنامہ پیغام کراچی۔مارچ اپریل۱۹۸۱ء ص:۳۰۔۵۶

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۶جنوری۔۳۱مئی'۲۴/اگست'۲۴/اکتوبر'۱۶/نومبر۱۹۲۰ء

☆ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۱۴ر فروری ۱۹۳۱ء ' ۲۷ر اپریل ۱۹۲۸ء ' ۲۴ر اپریل ۱۹۳۲ء ' ۱۲ر مارچ ۱۹۲۹ء وغیرہ

☆ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' جام شورو ۱۹۶۷ء ص: ۲۱۰

۱۲۳۔ سید علی اکبر شاہ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں تولد ہوئے۔ کئی اساتذہ کے پاس تعلیم حاصل کی۔ جامع مسجد میہڑ کے پیش امام رہے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے ''انجمن اصلاح المسلمین'' قائم کی۔ طلبہ کے لیے ''ینگ مسلم ایسوسی ایشن'' قائم کی۔ لائبریری' ریڈنگ روم اور نائٹ اسکول قائم کیا۔ وہ بہترین خطیب' ادیب اور شعر و شاعری سے شغف رکھنے والے تھے۔ سندھ کے علماء کو منظم کر کے تعلیم اور مذہب کی بنیاد پر ہندوؤں سے مذہبی اور علمی بحث مباحثے اور مناظرے کرائے۔ دہلی' آگرہ۔ امرتسر۔ اجمیر۔ کانپور اور لاہور کے دورے کر کے زبردست تقاریر کیں۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۲۳ء میں ''شدھی اور سنگٹھن تحریکوں'' کا خوب مقابلہ کیا۔ ۱۹۲۷ء میں میہڑ میں ہی عربی کا مدرسہ قائم کیا۔ ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد میں عربی کانفرنس منعقد کی۔ نتیجہ میں جامع عربیہ تشکیل پائی۔ خود اس کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں کام کیا۔ ۲۵ مئی ۱۹۴۱ء کو سلطان کوٹ میں جمعیت العلمائے اسلام کے قیام کے لیے علماء کی میٹنگ میں بھی مسلم لیگ کی حمایت کے لیے آواز اٹھائی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدوار کی حیثیت سے پورے برصغیر میں پہلے نمبر پر کامیابی حاصل کی۔ ''مسجد منزل گاہ'' کے واقع میں بھی شامل رہے۔ ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں رحلت فرمائی۔

معلومات کے لیے دیکھئے:

☆ سہ ماہی مہران۔ شاعر نمبر ۱۔۲/ ۱۹۶۹ء حیدرآباد ص: ۲۶۱

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔ ستمبر ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء ص: ۴

☆ انور ضیاء عباسی ''سید حاجی علی اکبر شاہ'' ماہنامہ نئی زندگی۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء ص: ۱۳ تا ۱۶

۱۲۴۔ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' (سندھی) س ا ب ۱۹۶۷ء ص: ۱۶۷

۱۲۵۔ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' (اول) س ا ب ۱۹۶۷ء ص: ۴۶۔۴۷

۱۲۶۔ ۱۵ر شعبان ۱۹۶۷ء/ ۲۳ جون ۱۹۴۸ء کو وفات پائی (جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' س ا ب ۱۹۶۷ء ص: ۳۴۲)

۱۲۷۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۲۳۸

۱۲۸۔ پیر الٰہی بخش ولد پیر نواز علی شاہ پیر گوٹھ تحصیل سہون میں (دادو) ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ وہ بڑے شریف النفس اور سادہ زندگی بسر کرنے والے انسان تھے۔ اپنے دورِ وزارت میں دوسروں کے مقابلے میں تعمیری کام زیادہ کیے۔

☆ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' س اب ۱۹۶۷ء ص:۲۴۹

۱۲۹۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۳۲۰

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ/ ۱۵ر نومبر ۱۹۳۸ء کو وفات پا گئے۔

۱۳۰۔ مولوی محمد صدیق۔ ضلع نواب شاہ کی تحصیل مورو میں ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء میں تولد ہوئے اور ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں وفات پائی۔ وہ شاعر بھی تھے (حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نواب۔ شہر اور شخصیات'' ۱۹۸۷ء ص:۲۲۹

۱۳۱۔ قاضی محمد صادق ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۸ میں وفات پائی۔ وہ شاعر تھے۔ (حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نواب شاہ۔ سہرا اور شخصیات'' ۱۹۸۷ء ص:۲۳۱

۱۳۲۔ خلیق مورائی ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵۳ھ/ مئی ۱۹۳۴ء میں وفات پائی۔
قاضی خدا بخش ۵ نومبر ۱۸۹۵ء میں تولد ہوئے اور ۴ فروری ۱۹۴۴ء کو وفات پائی۔
تفصیل کے لیے دیکھیے:
''حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نوابشاہ۔ تاریخی شہر اور شخصیات'' ۱۹۸۷ء ص:۲۳۳ تا ۲۳۶

۱۳۳۔ حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نواب شاہ۔ تاریخی شہر اور شخصیات'' ۱۹۸۷ء ص:۱۳۷

۱۳۴۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۲۵۳

۱۳۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۲۸۱

حکیم معین الدین ولد میاں عبدالرحمٰن ۱۸۹۳ء میں کھیاری (نوابشاہ) میں پیدا ہوئے اور ۱۳ر ذوالحج ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔ (جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' س اب جامشورو ص:)

۱۳۶۔ قاضی شمس الدین ولد میاں عبداللہ نوشہرو فیروز میں ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۶ر ربیع الاول ۱۳۷۹ء، ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو وفات پائی۔ (حامد علی خانائی ڈاکٹر۔ ضلع نواب شاہ۔ تاریخی شہر اور شخصیات'' ص:۳۱۹)

۱۳۷۔ روزانہ الوحید کراچی ۔ ۲۶/اپریل ۱۹۲۰ء، ۹ جولائی ۱۹۲۰ء، ۳/اکتوبر ۱۹۲۲ء
۱۳۸۔ شوکت علی مولانا، ''ترک موالات نمبر'' خلافت کمیٹی بمبئی ۱۹۲۰ء ص: ۴۷۶ ۔ ۴۷۷
۱۳۹۔ حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نوابشاہ ۔ تاریخی شہر اور شخصیات'' (سندھی) کلچرل سوسائٹی نوابشاہ ۱۹۸۷ء ص: ۳۴۱
۱۴۰۔ حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نواب شاہ تاریخی شہر اور شخصیات'' نواب شاہ ۱۹۸۷ء ص: ۳۴۲
۱۴۱۔ رسول بخش تمیمی ''تاریخ جاتی'' مغلھیں ادبی سوسائٹی جاتی ۱۹۸۷ء ص: ۱۳۷ تا ۱۴۱
۱۴۲۔ عزیز جعفرانی ''تاریخ سجاول'' محمد بن قاسم لائبریری سجاول ۱۹۸۶ء ص: ۱۰۳
۱۴۳۔ ہفتہ روزہ ''الامین'' حیدر آباد ۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء
۱۴۴۔ روزانہ الوحید ۔ کراچی ۹ جولائی، ۶/اگست، ۷ دسمبر ۱۹۲۰ء
۱۴۵۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۲۴۰/اکتوبر ۱۹۲۲ء
۱۴۶۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۹/مارچ ۱۹۲۳ء
۱۴۷۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۲۴ مارچ ۱۹۲۳ء
۱۴۸۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۹ مئی ۱۹۲۳ء
۱۴۹۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۸/اپریل ۱۹۲۳ء
۱۵۰۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۴/مارچ ۱۹۲۴ء
۱۵۱۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۴/مارچ ۱۹۲۴ء
۱۵۲۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۲/مارچ ۱۹۲۹ء
۱۵۳۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۱/مئی ۱۹۳۵ء
۱۵۴۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۱۰/جولائی ۱۹۳۸ء
۱۵۵۔ (i) روزنامہ الوحید ۔ ۳ ستمبر ۱۹۲۳ء اور ۱۹/نومبر ۱۹۲۲ء
(ii) روزانہ الوحید ۔ ۱۴/فروری ۱۹۳۰ء
(iii) روزانہ الوحید ۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۰ء
(iv) روزانہ الوحید ۔ ۸ ستمبر ۱۹۳۱ء
۱۵۶۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۴/اکتوبر ۱۹۳۴ء
۱۵۷۔ روزنامہ الوحید ۔ کراچی ۔ ۳۳/اپریل ۱۹۳۴ء

۱۵۸۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۲۴ فروری ۱۹۳۱ء

۱۵۹۔

۱۶۰۔

۱۶۱۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۱۲/اپریل ۱۹۴۴ء

۱۶۲۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۱۲/اپریل ۱۹۴۴ء

۱۶۳۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء

۱۶۴۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۱۲/دسمبر ۱۹۴۵ء

۱۶۵۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۱۳/اگست ۱۹۴۶ء

☆ اورعزیز جعفرانی ''تاریخ سجاول'' محمد بن قاسم لائبریری سجاول ۱۹۸۶ء ص: ۳۶۸۔۳۶۹

۱۶۶۔ روزنامہ الوحید۔کراچی۔۷/اگست ۱۹۴۶ء

۱۶۷۔ مولوی گل محمد خاصخیلی۔گوٹھ محمد شاہ دیہہ بھنبھور میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ وہ پہلی محرم الحرام ۱۳۸۹ھ کو وفات پاگئے۔

☆ محمد سومار شیخ ''ضلع بدین کا مطالعہ'' (سندھی) لاڑ ادبی سوسائٹی بدین ۱۹۸۲ء ص: ۲۹۶

۱۶۸۔ محمد یوسف ابڑو ''تحریک آزادی میں نصرپور جو حصو'' (سندھی) ماہنامہ نئی زندگی۔اپریل۔مئی ۱۹۸۶ء ص: ۱۱

☆ محمد صادق میمن مسلم نیشنل گارڈز کا تحصیل سالار تھا۔طلبہ جن کا تعلق مسلم لیگ سے تھا' انہوں نے چندہ جمع کر کے پاکستان فری ریڈنگ روم اینڈ لائبریری قائم کی (۱۹۴۱۔۱۹۴۲) اس میں روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات اور ماہنامہ رسالے آتے تھے۔ یہ لائبریری حقیقت میں پروپیگنڈہ آفس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۴۲ء تک جو انتخابات ہوئے ان میں مسلم لیگ کے حمایت یافتہ امیدوار میر بندہ علی کامیاب ہوتے تھے۔

۱۶۹۔ ''جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔بابت سال ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء تک (سندھی) الوحید پرنٹنگ پریس کراچی ص: ۱۸' ۱۹' ۲۲

۱۷۰۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ۱۸۔۱۹

۱۷۱۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ سال ستمبر ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء تک۔ الوحید پرنٹنگ پریس کراچی ص: ۲۰۔۲۱

۱۷۲۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء الوحید پرنٹنگ پریس کراچی۔ ص:۲۶
۱۷۳۔ رام گوپال "انڈین مسلم (انگریزی) بامبے۔ ایشیا پبلشنگ ہاؤس ۱۹۶۵ء ص:۱۴۲
۱۷۴۔ سید ہاشمی "تاریخ مسلمانانِ پاک و بھارت" کراچی انجمن ترقی اردو ۱۹۵۳ء ص:۵۴۷
۱۷۵۔ حنفی ایم اے "مسلم رول ان انڈو پاکستان" (انگریزی) ڈھاکہ انڈیا لائبریری ۱۹۶۴ء ص:۲۹۲
۱۷۶۔ رام گوپال "انڈین مسلم" (انگریزی) بامبے ایشیا پبلشنگ ہاؤس ۱۹۶۴ء ص:۱۴۳
۱۷۷۔ حنفی ایم اے "مسلم رول ان انڈو پاکستان" (انگریزی) ڈھاکہ ۱۹۶۴ء ص:۲۹۲
۱۷۸۔ عبدالرسول صاحبزادہ "تاریخ پاک و ہند" لاہور ۱۹۷۰ء ص:۴۴۸
۱۷۹۔ ایل ایف رشروک ولیم "دی اسٹیٹ آف پاکستان" فیبر اینڈ فیبر ۱۹۶۲ء ص:۲
۱۸۰۔ سید ہاشمی "تاریخ مسلمان پاک و بھارت" کراچی انجمن ترقی اردو ۱۹۵۳ء ص:۲۵۴
۱۸۱۔ روزانہ "الامین" حیدرآباد۔ ۲۳ راکتوبر ۱۹۱۹ء
۱۸۲۔ روزانہ الوحید کراچی ۱۸ رجولائی ۱۹۲۰ء، یکم اگست ۱۹۲۰ء اور ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲ راور ۳۱ راگست ۱۹۲۰ء میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔
۱۸۳۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۲۰ء، ۳۱ مئی ۱۹۲۰ء
۱۸۴۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۲، ۱۳ ارستمبر ۱۹۲۲ء، ۲۱ ردسمبر ۱۹۲۲ء، ۱۷ رجنوری ۱۹۲۳ء
۱۸۵۔ ولیم ایل لانگر "انسائیکلو پیڈیا ہسٹری" (انگریزی) لندن۔ جارج جی ہارپ اینڈ کمپنی ص:۱۱۲
۱۸۶۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۴ء
۱۸۷۔ انگریزوں نے یہ عہد کرتے ہوئے مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ۲۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو بصرہ پر، ۱۱ رمارچ ۱۹۱۷ء کو بغداد پر، ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس پر۔ اس کے بعد کوفہ، مدینہ طیبہ، کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف پر قبضہ کیا گیا۔ (روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۷ راکتوبر ۱۹۲۰ء)
۱۸۸۔ ولیم ایل لانگر "انسائیکلو پیڈیا آف ورلڈ ہسٹری" (انگریزی) لندن ص:۱۲۷
۱۸۹۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۷ راکتوبر ۱۹۲۰ء
۱۹۰۔ ڈاکٹر مظہر الدین سومرو "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" مقالہ ڈی فل ۱۹۸۳ء ص:۱۴۹

تفصیل کے لیے دیکھیں: ''روزانہ الوحید'' کراچی۔ ۳/اکتوبر ۱۹۲۲ء، ۵/اکتوبر، ۶/اکتوبر، ۸/اکتوبر، ۱۲/اکتوبر، اور ۳۱/اکتوبر ۱۹۲۲ء

۱۹۱۔ روزانہ الوحید کراچی۔ اگست اور ستمبر ۱۹۲۲ء کے پرچوں سے لیا ہوا۔

۱۹۲۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ سال ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء تک۔ الوحید پرنٹنگ پریس کراچی۔ ۲۸ نومبر ۱۹۲۳ء ص: ۳۵۔۳۶ (نومبر ۱۹۲۳ء)

سہ ماہی سندھ۔ بہار ۱۹۸۳ء ص: ۱۵۲۔۱۵۳

۱۹۳۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ بابت ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء تک کراچی۔ الوحید الیکٹرک پرنٹنگ پریس۔ ۲۸ نومبر ۱۹۲۳ء ص: ۳۵

۱۹۴۔ سہ ماہی سندھ۔ بہار ۱۹۸۳ء ص: ۱۵۲۔۱۵۳

جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء الوحید پرنٹنگ پریس کراچی۔ نومبر ۱۹۲۳ء ص: ۳۷

☆ سہ ماہی سندھ۔ بہار ۱۹۸۳ء ص: ۱۵۲۔۱۵۳

۱۹۸۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ نومبر ۱۹۲۳ء ص: ۳۷

☆ سہ ماہی سندھ۔ بہار ۱۹۸۳ء ص: ۱۵۳۔

۱۹۹۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ نومبر ۱۹۲۳ء ص: ۳۸

☆ سہ ماہی سندھ۔ بہار ۱۹۸۳ء ص: ۱۵۴۔۱۵۵

۲۰۰۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی رپورٹ ۱۹۲۳ء ص: ۳۹

☆ سہ ماہی سندھ۔ بہار ۱۹۸۳ء (سندھی) ص: ۱۵۵

۲۰۱۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ رپورٹ۔ ۱۹۲۳ء ص: ۱۳ تا ۱۵

تا

۲۰۴۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ۱۳۔۱۴۔۱۵

۲۰۵۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ رپورٹ۔ ۱۹۲۳ء ص: ۳۱۔۳۲

تا

۲۰۸۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:

۲۰۹۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ رپورٹ ۱۹۲۳ء

۲۱۳۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۲۱۴۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ سالانہ رپورٹ ۔۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۳ء الوحید پرنٹنگ پریس ص:۵

۲۱۵۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۸/اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۱۳/اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۲۰/اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۲۲/اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۲۴/اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۷ نومبر ۱۹۲۰ء

۲۱۶۔ جمعیۃ خلافت سندھ کی شاخوں میں جو ایسی قراردادیں منظور ہوئیں وہ قصبے اور شہر یہ ہیں:

بھٹی۔۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء، روزانہ الامین (سندھی) حیدرآباد۔۲۶/اپریل ۱۹۳۰ء

ہالا۔۷/اپریل ۱۹۲۰ء روزانہ الامین۔۲۶/اپریل ۱۹۳۰ء

شکارپور۔۳۰/اپریل ۱۹۲۰ء روزانہ الامین۔۱۷/مئی ۱۹۳۰ء

کراچی۔۹ مئی ۱۹۲۰ء روزانہ الامین۔۳۱ مئی ۱۹۳۰ء

نوشہرو فیروز۔۸/اکتوبر ۱۹۲۰ء روزانہ الامین۔۳/اکتوبر ۱۹۳۰ء

۲۱۷۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۵/جنوری ۱۹۲۰ء ۹ جولائی ۔۱۹۲۰ء، ۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء، ۱۸/اگست ۱۹۲۰ء، ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء ۲۵ جنوری ۱۹۲۱ء اور ۵/اکتوبر ۱۹۲۲ء

۲۱۸۔ روزانہ الوحید کراچی۔ سال ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک مختلف پرچوں سے ماخوذ

۲۱۹۔ روزانہ الوحید کراچی۔۱۲/ستمبر۔۲۲، ۱۹ نومبر ۱۹۲۲ء اور ۲۵ نومبر ۱۹۲۲ء

۲۲۰۔ روزانہ الوحید کراچی۔۸/اگست ۱۹۲۸ء

۲۲۱۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے علیحدگی'' (سندھی) حیدرآباد ۱۹۶۸ء ص:۷۶۔۷۷

۲۲۲۔ روزانہ الوحید کراچی۔۱۴/فروری ۱۹۳۱ء

۲۲۳۔ روزانہ الوحید کراچی۔۵ مئی ۱۹۳۲ء

۲۲۴۔ صلاح الدین ناسک ''تحریکِ آزادی'' لاہور، عزیز پبلشرز۔ ص:۲۷۰

۲۲۵۔ روزانہ الوحید کراچی۔۸/اگست ۱۹۲۸ء

۲۲۶۔ روزانہ الوحید کراچی۔۳۰/اکتوبر ۱۹۲۸ء

۲۲۷۔ روزانہ الوحید کراچی۔۳۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء

۲۲۸۔ روزانہ الوحید کراچی۔ یکم جنوری ۱۹۳۰ء

۲۲۹۔ روزانہ الوحید کراچی۔۵ مئی ۱۹۳۳ء

۲۳۰۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۵/اکتوبر ۱۹۲۲ء

۲۳۱۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء

۲۳۲۔ امداد واپس کرنے والے کچھ ادارے یہ تھے: مکتب ڈب چانڈیہ اور سجاول گوپانگ، مدرسہ اسحاق دیرو اور بنگل دیرو۔

الامین۔ حیدرآباد۔ ۷ جون ۱۹۲۰ء۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۸/جولائی ۱۹۲۰ء اور ۱۹/نومبر ۱۹۲۲ء

۲۳۳۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ سال ستمبر ۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء تک۔ کراچی ۱۹۲۳ء۔ ص: ۱۷۔۱۸ (رپورٹ کے مطابق لاڑکانہ اور بدین کی خلافت کمیٹیوں نے زمین خرید کرنی ہے اور عمارت کا کام جاری ہے۔) ص: ۱۸

۲۳۴۔ ایضاً ایضاً

رپورٹ کے مطابق: حاجی عبداللہ ہارون۔ ۵ سندھی طلبہ کو جامعہ ملیہ میں تعلیم دلوا رہا ہے۔ ص: ۱۷

۲۳۵۔ قرارداد کی تفصیل دیکھئے:

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۳ء تک

۲۳۶۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۴/مئی ۱۹۲۹ء

۲۳۷۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۸/اگست ۱۹۲۸ء

۲۳۸۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ء، ۳۰ دسمبر ۱۹۲۲ء، ۲۰ مئی ۱۹۲۴ء، ۸/اگست ۱۹۲۸ء، ۵ مئی ۱۹۳۳ء

۲۳۹۔ گوٹھ غلام شاہ اور ٹنڈو باگو کے میلوں (عرس) پر خلافتی مبلغوں نے دسمبر ۱۹۲۲ء میں سیاست کے ساتھ مذہبی تلقین اور تبلیغ کی۔ (الوحید۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۲ء)

۲۴۰۔ امروٹ میں خلافت کمیٹی کی طرف سے ۲۱ مارچ ۱۹۲۴ء کو ہونے والے جلسے میں دو ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ (روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۴ء)

۲۴۱۔ خلافت کمیٹی ماڈو کے اجلاس میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔ ۳ جنوری ۱۹۲۳ء۔ (روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۷/جنوری ۱۹۲۳ء)

۲۴۲۔ روزانہ الوحید کراچی۔ یکم نومبر ۱۹۲۹ء؛ یکم جنوری ۱۹۳۱ء

۲۴۳۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۳۸ء

۲۴۴۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۷ر اپریل ۱۹۳۸ء

۲۴۵۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر "تحریک آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" مقالہ ڈی فل۔ ۱۹۸۳ء ص: ۱۸۷

۲۴۶۔ شیخ عبدالمجید۔ سیکرٹری جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ الوحید پرنٹنگ پریس کراچی۔ ۲۸ نومبر ۱۹۲۳ء ۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ۔ ص: ۲۹۔۳۰

☆☆☆

باب دوم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ دین محمد وفائی مولانا ''یادِ جاناں'' سکھر۔ حکیم عبدالحق کتب فروش ۱۹۲۰ء۔ ص:۱۴

۲۔ عزیز ہندی ''خودنوشت'' (بحوالہ اوراق گم گشتہ۔از: رئیس احمد جعفری) ص:۱۷۷

۳۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۳رجون ۱۹۲۰ء

۴۔ روزانہ ''الامین'' ۳۱ مئی ۱۹۲۰ء

۵۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر نے یہ اجلاس حیدرآباد میں لکھا ہے۔

''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ ڈی فل ۱۹۸۳ء بحوالہ روزانہ الوحید کراچی ۱۳رجون ۱۹۲۰ء

۶۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد اول حیدرآباد۔۱۹۸۲ء۔ص:۹۲

۷۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص:۵۲

۸۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد اول ۱۹۸۲ء حیدرآباد۔ص:۹۵

۹۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد اول ۱۹۸۲ء حیدرآباد۔ص:۹۱

(بحوالہ: جی ایم سید ''اپنی کہانی اپنی زبانی'')

۱۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ یکم جون ۱۹۲۰ء

(یہ ہدایات برصغیر کے مسلمانوں کے لیے جناب عزیز ہندی نے ''خادم المہاجرین'' کے طور پر اخبارات کو جاری کی تھیں۔)

۱۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۶ جون ۱۹۲۰ء اور ۳ جولائی ۱۹۲۰ء

۱۲۔ رئیس جان محمد جونیجو ضلع لاڑکانہ کے گاؤں ''دھامراہا'' میں تولد ہوئے۔ ان کے والد حاجی عبدالکریم جونیجو علاقے کے اچھے اور بڑے زمیندار تھے۔ رئیس جان محمد نے تعلیم عربی اور فارسی میں حاصل کی، پھر سندھ مدرسہ کراچی سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۱۰ء میں بیرسٹری پڑھنے کے لیے لندن چلے گئے اور ۱۹۱۵ء میں پاس کر کے آئے۔ سندھ کے مسلمانوں میں رئیس غلام محمد بھرگڑی کے بعد دوسرے بیرسٹر یہی تھے۔ کراچی میں وکالت کی، مگر جلد ہی اسے چھوڑ کر لاڑکانہ چلے آئے۔ ان میں آزادی کی لہر اور جذبہ تھا جو آخر تک قائم رہا۔

۱۳۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۱ر جولائی ۱۹۲۰ء

۱۴۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۴ر جولائی ۱۹۲۰ء

۱۵۔ دین محمد وفائی مولانا ''یادِ جاناں'' سکھر ۱۹۲۰ء۔ص:۹

۱۶۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۱۰

۱۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۴ر جولائی ۱۹۲۰ء

۱۸۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۶ر جولائی ۱۹۲۰ء

۱۹۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۴ر جولائی ۱۹۲۰ء

۲۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۶ر جولائی ۱۹۲۰ء

☆ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' ص:۹۶

۲۱۔ مولانا دین محمد وفائی ''یادِ جاناں'' سکھر۔۱۹۲۰ء۔ص:۱۲

۲۲۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ ڈی فل۔سندھ یونیورسٹی جامشورو ۱۹۸۳ء۔ص:۱۵۵

۲۳۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۵ر اگست ۱۹۲۰ء

۲۴۔ مولانا حاجی احمد ولد فضل محمد ابڑو گوٹھ ملا ابڑا ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔حیدرآباد کے مولوی محمد حسن سے دستار بندی ہوئی۔وہ کافی عرصہ بلوچستان میں مقیم رہے۔''امن سبھا'' کو ناکام بنانے کے لیے ''فیض الکریم'' کی کتاب ''تحقیق الخلافت'' کے رد میں فتویٰ کی تصدیق کی۔وہ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں سفر کی حالت میں شکارپور کے قریب وفات پا گئے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ دین محمد وفائی مولانا ''تذکرہ مشاہیر سندھ'' حیدرآباد۔س اب۔۱۹۷۹ء۔ص:۱۷۷
''امن سبھا'' میں شامل ہونے والوں کے خلاف متفقہ فتویٰ۔کراچی۔ جمعیت العلماء۔ ۱۳۴۰ھ۔ص:۱۷
روزنامہ الوحید کراچی۔۲۶ جون ۱۹۲۰ء

۲۵۔ در محمد پٹھان ''درگاہ ٹھلاہ کے دو شاعر'' ماہوار الرحیم'' نومبر ڈسمبر ۱۹۷۸ء۔ص:۲۲

۲۶۔ پیر مغل شاہ ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۷ر اپریل ۱۹۵۸ء میں وفات پا گئے۔

☆ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص:۴۸۰

۲۷۔ مولانا حاجی محمد قریشی ولد محمد قریشی ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں گوٹھ اکبر نزد بوبک ضلع دادو میں پیدا ہوئے۔ وہ امینانی کے مدرسہ ''عین العلوم'' سے فارغ التحصیل ہوئے اور مختلف مدارس میں مدرس رہے۔ خلافت اور ہجرت تحریکوں میں شریک رہے۔ ۱۲ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ/۱۲راپریل ۱۹۷۶ء کو فوت ہوگئے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۳۹۶ تا ۳۹۸

☆ عبدالرحیم لغاری مولانا۔ ''مولانا امیر محمد شاہ'' سہ ماہی الرحیم'' حیدرآباد۔ ۱۹۶۸ء ص: ۴۷

۲۸۔ مولانا محمد صادق کی ولادت ودھن تحصیل پنو عاقل میں ہوئی۔ ان کی دستار بندی مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو میں ہوئی۔ وہ مدرس کے طور پر کئی مدارس میں رہے۔ خلافت تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں وفات پائی۔ (عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء ص: ۱۸۲)

۲۹۔ رئیس احمد جعفری ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائریک۔ ص: ۸۲۴

۳۰۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ۸۲۵

۳۱۔ یہ بات جناب ولی محمد روہجو ''ولی سروری'' نے بتائی' جو کہ علم ادب میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ مانے ہوئے شاعر ہیں اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی حیدرآباد کے ڈائریکٹر ہیں۔ (۷ جنوری ۱۹۹۰ء)

۳۲۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ ڈی فل ۱۹۸۳ء۔ ص: ۵۵۲

بحوالہ: مولانا ہدایت اللہ تنیو کو خودنوشت۔ سوانح حیات (قلمی) ص: ۳۸

۳۳۔ عبدالوہاب چاچڑ ماہوار ''شریعت'' اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۴۸

۳۴۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص: ۵۸۴

بحوالہ: مولانا ہدایت اللہ تنیو کی خودنوشت۔ سوانح حیات (قلمی) ص: ۳۸

۳۵۔ فیض الکریم مولوی۔ ''تحقیق الخلافت'' کراچی۔ ڈیلی گزٹ پریس ۱۹۱۹ء۔ ص: ۱۹ تا ۴۴

۳۶۔ روزنامہ الوحید۔ ۵راگست ۱۹۲۰ء

۳۷۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائری ۱۹۶۸ء۔ ص: ۸۲۰

۳۸۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ۸۲۰

۳۹۔ مظہرالدین سومرو''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ پی ایچ ڈی ۱۹۸۳ء
ص:۱۵۹
۴۰۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائریک ۱۹۶۸ء۔ص:۸۲۰
۴۱۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۸۲۰
۴۲۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائریک ۱۹۶۸ء۔
ص:۸۲۱۔۸۲۲
۴۳۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۸۲۲
۴۴۔ اس سے مراد بند گلی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بند گلی نہ ہوتی تھی۔ اس دروازہ کے بعد پھر گلی جاری رہتی تھی۔ (مصنف)
۴۵۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائریک ۱۹۶۸ء ص:۸۲۲۔۸۲۳
۴۶۔ یہ خرچہ پشاور سے جلال آباد کا ہوگا۔
۴۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۱راکتوبر ۱۹۲۰ء
۴۸۔ جمال الدین احمد ''ٹرفیز آف مسلم پولیٹیکل مومنٹ'' (انگریزی) لاہور یونائیٹڈ پبلشرز لمیٹڈ۔
۱۹۶۹ء۔ص:۲۵
۴۹۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۷راگست ۱۹۲۰ء
۵۰۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدرآباد۔۱۹۸۲ء۔ص:۱۰۱
۵۱۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدرآباد ۱۹۸۲ء۔ص:۱۰۳
۵۲۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء۔ص:۱۵۹
۵۳۔ رئیس احمد جعفری ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائری ۱۹۶۸ء۔ص:۸۲۴
۵۴۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۸۲۵
۵۵۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی ''اوراق گم گشتہ'' عزیز ہندی کی ڈائری ۱۹۶۸ء۔ص:۸۲۳
۵۶۔ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' س اب۔۱۹۶۷ء (جلد اول) ص:۱۷۷

☆☆☆

باب سوئم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ ولیم ایل لانگر ''انسائیکلو پیڈیا آف ورلڈ ہسٹری'' (انگریزی) لندن۔ جارج جی ہارپ اینڈ کمپنی لمیٹڈ ص:۱۱۸

۲۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ۔ پی ایچ ڈی ۱۹۸۳ء

۳۔ مشتاق احمد فنشی ''سمرنا کی خونی داستان'' سوراج پرنٹنگ ورکس۔ ص:۳

۴۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔ ستمبر۱۹۲۲ء سے اگست ۱۹۲۳ء کراچی الوحید پرنٹنگ پریس ۱۹۲۳ء۔ ص:۴۔۵

۵۔ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔ سال ستمبر۱۹۲۲ء سے اگست۱۹۲۳ء تک۔ کراچی الوحید پرنٹنگ پریس ۱۹۲۳ء۔ ص:۹۔۱۰

۶۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۷/اپریل۔ ۱۹۲۰ء، ۳۱/مئی اور ۱۰/جولائی ۱۹۲۰ء

۷۔ متفقہ فتویٰ دہلی، جمعیۃ مرکزیہ علمائے ہند۔ ص:۱۴۔۱۵

۸۔ متفقہ فتویٰ دہلی، جمعیۃ مرکزیہ علمائے ہند۔ جمادی الآخر ۱۳۳۹ء۔ ص:۱۰ تا ۲۷

۹۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۱۰تا۲۷

۱۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۶ جولائی ۱۹۲۰ء، ۱۳/جولائی ۱۹۲۰ء، ۲۶ ستمبر۱۹۲۰ء
ترکِ موالات نمبر ا کراچی، جمعیت خلافت اسلامیہ صوبہ سندھ۔ ص:۱۰

۱۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ سال ۱۹۲۰ء کے مختلف پرچے

مولانا محکم الدین گوٹھ ولی محمد پرہیاڑ نزد جیکب آباد کے رہنے والے تھے۔ سیالکوٹ اور ندوہ میں تعلیم حاصل کی۔ وہ مدرس رہے، وہ حکیم بھی تھے۔ حیدرآباد میں میونسپلٹی کی طرف سے طباعت بھی کی۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ پیر علی محمد راشدی، ''اھی ڈینھن اھی شینھن'' جلد۔۳، س اب ۱۹۸۱ء۔ ص:۲۹۹

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۴ نومبر ۱۹۲۰ء

☆ ولایتی کپڑے خریدنے سے منع کرنے کی فتویٰ۔ کراچی جمعیۃ العلمائے سندھ۔ ۱۳۴۰ھ۔ ص:۲۱

☆ اعلانِ کراچی۔ کوِنور پرنٹنگ ورکس۔ ستمبر ۱۹۲۱ء

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۷/اکتوبر ۱۹۲۰ء ۱۰/اکتوبر ۱۹۲۰ء ۱۳/اکتوبر ۱۹۲۰ء ۱۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء ۱۴/فروری ۱۹۳۱ء ۲۴/اپریل ۱۹۳۲ء ۲۱/دسمبر ۱۹۲۲ء ۲۰/مارچ ۱۹۲۵ء ۲۷/اپریل ۱۹۳۸ء

۱۲۔ مولانا محمد اسماعیل بھٹہ ولد ملا کمن ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں گھوٹکی (سکھر) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ پیر جھنڈہ اور دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ گھوٹکی میں مدرسہ قائم کیا۔ تحریکِ خلافت' تحریک ترک موالات میں حصہ لیا۔ ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء میں وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ۔ ماہوار شریعت ''سوانح نمبر'' اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص:۲۳

☆ اظہار الکرامت فی مقاصد الخلافت والامامت۔ سکھر۔ انجمن شوریٰ علمائے سندھ۔ ص:۱۴۲

☆ متفقہ فتویٰ دہلی' جمعیۃ مرکزیہ علمائے ہند۔ جمادی الآخر۔ ۱۳۳۹ھ۔ ص:۲۷

۱۳۔ مولانا محمد پریل منگیو ولد حاجی ابوالخیر ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں گوٹھ چھتن شاہ تحصیل سکرنڈ میں تولد ہوئے۔ پیر جھنڈہ میں تعلیم حاصل کی۔ ملا کتب قائم کر کے اس میں بلا معاوضہ پڑھاتے رہے۔ مذکورہ تحریکوں سے وابستہ رہنے کے علاوہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی میں بھی حصہ لیا۔ اور مسجد منزل گاہ (سکھر) کے واقع میں شامل رہے۔ ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء میں وفات پائی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ ماہوار شریعت ''سوانح نمبر'' اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص:

۱۴۔ مولانا محمد سعید ولد حاجی غلام علی گوپانگ ۱۶/رمضان ۱۳۱۵ھ ۸ فروری ۱۸۹۸ء میں مکان گاڈھ گاؤں ضلع بدین میں پیدا ہوئے۔ سجاول کے مدرسہ دارالفیوض ہاشمیہ میں تعلیم پائی۔ دیوبند بھی گئے۔ واپس آ کر ماتلی پھر بدین میں مدرسہ مظہر العلوم قائم کر کے علمی خدمت کی۔ مختلف تحریکوں میں حصہ لیا۔ مسلم لیگ میں بھی شامل رہے۔ ۳/رجب ۱۳۸۱ھ/ ۱۱/دسمبر ۱۹۶۲ء کو وفات پائی۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ روزنامہ الوحید کراچی ۱۰/دسمبر ۱۹۲۲ء' ۲۸/دسمبر ۱۹۲۲ء' ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء

☆ ولایتی کپڑے کی خریداری کی منع پر متفقہ فتویٰ۔ کراچی۔ جمعیت العلمائے سندھ۔ ۱۳۴۰ھ۔ ص:۲۰

۱۵۔ مولانا محمد صدیق ولد مولوی عبداللہ ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں سوات میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دیوبند میں پائی۔ سوات سے ہجرت کر کے کچھ میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصے کے بعد کراچی کے کھڈہ مدرسے میں مدرس ہوئے اور تھوڑے عرصے کے لیے مہتمم بھی رہے۔ آزادی کی تحریکوں میں حصہ لیا۔ خلافت کے بعد کانگریس میں رہے۔ ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ/ ۶ دسمبر ۱۹۵۲ء کو وفات پائی۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: روزنامہ الوحید۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء، ۳ مئی ۱۹۲۰ء، ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۲ء اور ۸/ اگست ۱۹۲۸ء

☆ امن سبھا میں شامل ہونے والوں کے لیے متفقہ فتویٰ۔ کراچی۔ ۱۳۴۰ھ۔ ص:۱۲

☆ ولایتی کپڑے کی خریداری کے متعلق متفقہ فتویٰ۔ کراچی۔ ۱۳۴۰ھ۔ ص:۲۱

۱۶۔ مولوی محمد عاقل ولد آخوند اللہ نواز سومرو ۱۹/ ذیقعد ۱۲۶۷ھ/ ۱۵/ ستمبر ۱۸۵۱ء کو کنگری ضلع سکھر میں پیدا ہوئے۔ وہ مختلف مدارس میں اساتذہ کے پاس زیرِ تعلیم رہے۔ وہ ۱۸۸۲ء میں گوٹھ عاقل (لاڑکانہ) آ گئے اور مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہو گئے۔ ان کے پاس بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ وہ بڑے شاعر بھی تھے۔ خلافت کے خاتمہ کے بعد جمعیت العلماء میں شامل ہوئے۔ وہ انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ ۱۰/ شعبان ۱۳۶۰ھ ۳ ستمبر ۱۹۴۱ء کو وفات پائی۔

مزید معلومات کے لیے دیکھیے:

☆ حکیم نیاز حسین ہمایونی ''سندھ کی طبی تاریخ'' جلد۲۔ حیدرآباد۔ سندھ سائنس سوسائٹی ۱۹۷۶ء۔ ص:۶۵۸

☆ عبدالوہاب چاچڑ۔ ماہوار شریعت۔ سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص:۲۸۹

☆ ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی 'فارسی گویان پاکستان' راولپنڈی۔ ۱۹۷۴ء۔ ص:۲۰۸

☆ الوحید کراچی۔ ۱۵/ جنوری ۱۹۲۰ء وغیرہ

۱۷۔ مولانا قرانی ۲۷ صفر ۱۲۹۶ھ/ ۲۰ فروری ۱۸۷۹ء میں گوٹھ ڈینگان بھرگڑی تعلقہ جیمس آباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دیوبند میں پائی۔ واپسی پر سامارو تحصیل میں گوٹھ جھنجھرو میں مدرسہ مجددیہ قائم کر کے مدرس ہوئے۔ تحاریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ جمعیت العلماء میں شامل ہوئے۔ ۱۵

رجب ۱۳۵۵ھ/ یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء کو وفات پائی۔

۱۸۔ محمد یوسف ابڑو "تحریکِ آزادی میں نصرپور کا حصہ" ماہنامہ نئی زندگی۔ (سندھی) اپریل، مئی ۱۹۸۶ء۔ ص: ۱۷۔۱۸

۱۹۔ محمد یوسف ابڑو "تحریکِ آزادی میں نصرپور کا حصہ" ماہنامہ نئی زندگی۔ اپریل، مئی ۱۹۸۶ء۔ ص: ۱۸

☆☆☆

باب چہارم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ مولوی فیض الکریم ولد محمد عیسیٰ ساند ضلع نوابشاہ میں گوٹھساندن کے باسی تھے۔ تعلیم میہڑ (ضلع دادو) کے مولوی محمد آگرے سے حاصل کی۔ وہ اپنے دور کے بڑے عالم تھے اور مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے۔ انگریز کی نظران پر پڑی اور انہیں امن سبھا کا روح رواں بنا دیا۔ اصل میں وہ اعوان تھے مگر ساند گاؤں میں رہنے کی وجہ سے ساند کہلائے۔ انہیں ۴سو ایکڑ زمین دی گئی اور بیٹے کو آبکاری کھاتہ میں ملازمت دینے کا وعدہ کیا گیا۔

☆ حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نوابشاہ، تاریخی شہراور شخصیات''

۲۔ محمد عبدالغنی '' خلافت کے مسئلے پرخیالات '' کراچی سی سلویل ڈیلی گزٹ پریس۔ ص:۱

۳۔ محمد عبدالغنی '' خلافت کے مسئلے پرخیالات '' کراچی سی سلویل ڈیلی گزٹ پریس۔ ص:۱

۴۔ مولوی فیض الکریم ''تحقیق الخلافت'' کراچی ڈیلی گزٹ پریس۔ ص:۳

۵۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ ڈی فل ۱۹۸۳ء۔ ص:۱۹۸

۶۔ امن سبھا کارروائی۔ جون ۱۹۲۱ء ڈہرکی

۷۔ امن سبھا کارروائی۔ جولائی ۱۹۲۲ء قاضی احمد

۸۔ امن سبھا کارروائی۔ جون ۱۹۲۱ء ٹنڈو باگو

۹۔ امن سبھا کارروائی۔ ۳ جون ۱۹۳۰ء دیرومحبت

۱۰۔ ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۱۶رجون ۱۹۳۱ء۔ ص:۵

۱۱۔ ڈیلی گزٹ کراچی۔ یکم جنوری ۱۹۲۲ء۔ ص:۵

۱۲۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ ڈی فل ۱۹۸۳ء ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ دونوں کتابیں لب ولہجہ اور ترکیب الفاظ کی رو سے کسی اردودان کی لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سندھی میں انہوں نے ترجمہ کی ہیں۔ پہلی تحقیق الخلافت کو دیکھ کر واقعی یہی گمان ہوتا ہے۔ (مصنف)

☆☆☆

باب پنجم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ جمیعت علمائے ہند "مختصر حالات انعقاد" دہلی محبوب المطابع۔ ص:۵

۲۔ جمیعت علمائے ہند "مختصر حالات انعقاد" دہلی محبوب المطابع۔ ص:۶

۳۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ جنوری ۱۹۲۵ء

۴۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۰ر ستمبر ۱۹۲۲ء

۵۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء

۶۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۴ جنوری ۱۹۲۲ء

۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۱ء

۸۔ توحید کراچی۔ جنوری ۱۹۲۵ء

۹۔ توحید کراچی۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

۱۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۲۲ء

۱۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۴ء

۱۲۔ جمیعت العلمائے سندھ جلسہ۔ ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء۔ قرارداد نمبر ۵

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۴ جولائی ۱۹۲۰ء

۱۳۔ ولایتی کپڑے خریدنے سے منع کرنے والا فتویٰ۔ کراچی جمیعت علمائے سندھ۔ ۱۳۴۰ھ

۱۴۔ الوحید کراچی۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء

۱۵۔ جی ایم سید "سندھ کی بمبئی سے آزادی" حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ ص:۸۹

۱۶۔ توحید کراچی۔ ۴ جولائی ۱۹۲۰ء

۱۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۲۳ء

۱۸۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ دسمبر ۱۹۲۴ء

۱۹۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۲۰ء

۲۰۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر "تحریک آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" مقالہ۔ ڈی فل ۱۹۸۳ء۔ ص:۲۱۷

۲۱۔ مولوی احمد۔ ۷ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ/۱۳ نومبر ۱۸۹۶ء میں ہالا پرانا میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ برس کی عمر میں اپنے والد سے تعلیم مکمل طور پر حاصل کر کے دستار بندی کی۔ وہ مدرسہ محمدیہ میں مدرس رہے۔ وہ نثر نویس تھے اور شرعی فیصلے کرتے تھے۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ/۲۲ اگست ۱۹۵۶ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ مولوی محمد ہالائی "مولانا احمد ہالائی" سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر کراچی۔ ۳۔۴/ ۱۹۵۷ء۔ ص:۱۹۶

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء؛ ۱۳ جون ۱۹۲۰ء؛ ۱۰ جولائی ۱۹۲۰ء؛ ۱۱ جولائی ۱۹۲۰ء

☆ خلافت اور سمرنا فنڈ کی آمدنی کا تفصیل اور خرچ۔ ۴ نومبر ۱۹۱۹ء سے ۳۱ جولائی ۱۹۲۱ء تک کراچی۔ جمعیت خلافت اسلامیہ صوبہ سندھ۔ ۱۹۲۲ء۔ ص:۲ تا ۱۰

۲۲۔ مولانا عبدالکریم ۱۲ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/ ۱۱ جنوری ۱۸۸۴ء میں فیروز شاہ ضلع دادو میں پیدا ہوئے۔ وہ مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم رہنے کے بعد اپنے گاؤں کے مدرسے سے دستار بند ہوئے اور درس و تدریس میں شامل ہو گئے۔ ۲ صفر ۱۳۹۲ھ/ ۱۸ مارچ ۱۹۷۲ء کو جاں بحق ہو گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ "ماہوار شریعت" سوانح نمبر۔ سکھر اکتوبر نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص:۳۳۶

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۴ جنوری ۱۹۲۲ء

۲۳۔ مولانا فتح علی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء میں دیہہ لکھی ضلع ٹھٹھہ میں تولد ہوئے۔ وہ گوگانیوں کے مدرسے سے دستار بند ہوئے اور گجر کے مدرسے میں مدرس رہے۔ بعد میں اپنا مدرسہ گوٹھ کھڈیوں تعلقہ شاہ بندر میں قائم کیا۔

مولانا خلافت تحریک میں گاؤں سونہارا گھوڑاباڑی کے صدر بھی تھے۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ/ یکم جون ۱۹۳۹ء کو وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ"۔ ص:۳۶۸

☆ روز نامہ الوحید کراچی۔۱۴؍مارچ ۱۹۲۳ء؛ ۱۴؍فروری ۱۹۳۰ء؛ ۱۵؍فروری ۱۹۳۱ء

۲۴۔ آقا محمد حسین جان ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں قندھار کے علاقے ارغستان میں پیدا ہوئے۔۸ برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ ٹکھڑ ضلع حیدر آباد میں سکونت اختیار کی۔۱۳۲۹ھ میں تعلقہ ساماروں میں گوٹھ سرہندی قائم کر کے قیام پذیر ہوئے۔کئی اساتذہ سے علم حاصل کیا اور طب کی بھی تعلیم حاصل کی۔عربی اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔تخلص سرہندی تھا۔خیابان۔سرہندی مجموعہ چھپا تھا۔۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ اسد اللہ اسد ''ٹکھڑائی'' تذکرہ شعرائے ٹکھڑ۔س اب۔حیدر آباد۔۱۹۵۹ء۔ص:۱۱۲

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔سکھر۔اکتوبر۔نومبر ۱۹۸۱ء۔ص:۴۴۷

۲۵۔ مولانا احمد ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں تحصیل ڈیپلو میں پیدا ہوئے۔فارسی اور عربی ضلع بدین میں حاصل کی۔دستار بندی نگسی گوٹھ ملیر میں مولانا محمد عمر کے ہاتھوں ہوئی۔کڈھن (بدین) میں مدرسہ فیاض العلوم دارالبرکات اور مدرسہ اسلامیہ ڈیپلو میں درس وتدریس کی۔۱۸؍ربیع الاول ۱۳۷۶ھ/۲۳؍اکتوبر ۱۹۵۰ء کو وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مقالہ ڈی فل۔ ۱۹۸۳ء۔ص:۳۰۳

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ سالانہ رپورٹ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۳ء۔کراچی۔ص:۴

☆ الوحید کراچی۔۳۱؍اکتوبر ۱۹۲۲ء؛ ۱۵؍نومبر ۱۹۲۲ء؛ ۱۲؍مارچ ۱۹۲۹ء

۲۶۔ روز نامہ الوحید کراچی۔۲۷؍اکتوبر ۱۹۲۸ء

۲۷۔ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۴۲ھ/۲۴ جون ۱۹۲۴ء کو گوٹھ کھنیھی خان چانڈیو (ضلع لاڑکانہ) میں تولد ہوئے۔مولانا صاحب طالب علمی کے زمانے میں ہی اتنے ذہین تھے کہ نیچے کی جماعت والوں کو پڑھاتے تھے۔ان کی دستار بندی گوٹھ پیر بخش بھٹو (لاڑکانہ) کے مدرسے میں ہوئی۔

قاسمی صاحب دیوبند بھی گئے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی اورینٹل کالج میں داخل ہوئے اور مشرقی علوم اور طبیہ مدرسے سے طب کی تعلیم حاصل کی۔وہ شکارپور، پیر بخش بھٹو، گھونکی

اور مدرسہ کھڈہ (کراچی) میں مدرس رہے۔ سندھ مسلم کالج کراچی میں اسلامیات کے بھی استاد رہے، جس کے بعد شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے ڈائریکٹر ہونے اور تا حال اسی خدمات پر مامور ہیں۔

مولانا صاحب سندھ یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر اور وزیٹنگ پروفیسر کے ساتھ ساتھ سندھی ادبی بورڈ کے چیئرمین بھی رہے۔ وہ بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے علماء اور پی ایچ ڈی ڈاکٹرز پیدا کیے۔

راقم الحروف نے بھی ان کی نگرانی میں سندھی لٹریچر میں پی ایچ ڈی...... کی ہے۔ موضوع تھا: ''تاج پور کے لغاری نواب خاندان کے علمی ادبی خدمات'' دوسرے پی ایچ ڈی ڈاکٹرز میں ڈاکٹر غلام علی الانا، ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو، ڈاکٹر عبدالکریم سندیلو، ڈاکٹر عبدالمجید میمن، ڈاکٹر محمود شاہ، ڈاکٹر عبدالخالق راز، ڈاکٹر محمد جمن ٹالپر، ڈاکٹر محمد صالح بخاری، ڈاکٹر حافظ محمد یوسف میمن، ڈاکٹر عبدالخالق سرہیو، ڈاکٹر شمس الدین عرسانی، ڈاکٹر عزیز اللہ میمن، ڈاکٹر ایاز حسین قادری، ڈاکٹر عبدالجبار مغل، ڈاکٹر یاسین (فلسطینی)، ڈاکٹر محمود لبابۓ، ڈاکٹر محمود (فلسطینی)، ڈاکٹر رحمت اللہ ابڑو، ڈاکٹر آپا شمس عباسی اور ڈاکٹر مظہر الدین قریشی شامل ہیں۔

علامہ صاحب سہ ماہی الرحیم کے ایڈیٹر ہیں، ان کی نگرانی میں کئی مخزن اور رسالے نکلے۔ کئی ادبی، سماجی، سرکاری اور نیم سرکاری جماعتیں بنیں۔ وہ کئی اداروں کے ممبر اور سرپرست رہے۔ سندھالاجی، سندھ میوزیم، سندھ پراونشل لائبریری، مہران آرٹس کاؤنسل، صوبائی مجلسِ شوریٰ، پاکستان براڈ کاسٹنگ اسلام آباد، رویت ہلال کمیٹی، اسلامک اسٹیڈیز، ایگریکلچرل یونیورسٹی پشاور، اقبال اکیڈمی لاہور، مرکزی زکوٰۃ کاؤنسل، صوبائی زکوٰۃ کاؤنسل، مرکزی سیرت کمیٹی وغیرہ کے رکن رہے ہیں۔

مولانا صاحب ۱۲ ر کتابوں کے مصنف اور کئی کتابوں کے مترجم اور مرتب رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے مقدمے اور حاشیے لکھے ہیں۔ ''شاہ جو رسالو'' بھی ترتیب دیا۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ ڈاکٹر مظہر الدین سومرو کا مقالہ ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' (علامہ صاحب کے اپنے انٹرویو کے حوالے سے) ص: ۴۶۲

۲۸۔ مولانا بنوی/ مدنی ۹ شعبان ۱۳۱۴ھ/ ۱۳ جنوری ۱۸۹۷ء میں تحصیل ہالا کے گاؤں بھنبھرا کے

ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے ہدایہ پڑھی اور حسین احمد مدنی کے مشورے پر دیوبند آ گئے' جہاں انور شاہ کشمیری سے حدیث کا درس لیا۔ کچھ وقت حکیم اجمل خان کے پاس رہے۔ انہوں نے واپس حرم میں جا کر کئی برس تک تعلیم دی۔ مولانا عبیداللہ سندھی جب وہاں گئے تو ان سے فلسفہ شاہ ولی اللہ پڑھا اور ان کے مشورے سے سندھ آ گئے اور پیر جھنڈو میں مدرس ہوئے۔ تحریک ریشمی رومال کے وقت ان کی عمر چھوٹی تھی ورنہ پیغام رسانی کے لیے وہ تیار تھے۔ مولانا مدنی ۱۳۸۹ھ میں مدرسہ کھڈہ (کراچی) میں مدرس رہے۔ آخرکار ۸۳ برس کی عمر میں ۷ محرم ۱۳۹۹ھ/ ۷ دسمبر ۱۹۷۸ء کو وفات پائی۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر "تحریک آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ"۔ ص: ۴۸۷

☆ ماہنامہ الصادق کراچی۔ قاضی پرنٹرز۔ جون' جولائی ۱۹۸۲ء۔ ص: ۱۲

۲۹۔ مولانا در محمد ڈول ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں گوٹھ محمد واصل نزد ٹھل (جیکب آباد) میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تعلیم گاؤں میں حاصل کی اور وہیں مولانا نبی بخش عودی سے تعلیم حاصل کر کے دستار بند ہوئے۔ وہ مختلف مدارس میں مدرس و تدریس کا کام کرتے تھے۔ وہ جیکب آباد خلافت کمیٹی کے ناظم بھی رہے اور خلافت کے حق میں جو فتوائیں جاری ہوئیں ان پر بھی دستخط کیے۔ ۱۸ر شعبان ۱۳۷۰ھ/ ۲۱ مئی ۱۹۵۱ء کو وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ "ماہوار شریعت" سوانح حیات نمبر سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۲۰۲ تا ۲۰۷

☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ۔ سالانہ رپورٹ۔ ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء۔ ص: ۱۸

☆ ایضاً ایضاً ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۳ء۔ ص: ۲۴

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۹ جولائی ۱۹۲۰ء' ۳۰ مارچ ۱۹۲۵ء' ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۱ء

۳۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء

۳۱۔ مولانا عبدالوہاب ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں گوٹھ سینگاری تعلقہ بدین میں پیدا ہوئے۔ عربی' فارسی کی تعلیم مولانا احمد ملاح سے حاصل کی۔ مدرسہ پیر جھنڈو اور سجاول میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۲۴ء میں دیوبند میں کئی ممتاز علماء کے پاس مختلف علوم پڑھنے کے بعد فارغ التحصیل ہوئے۔ اس دور میں سندھ کے ۱۷ر طالب علم دیوبند میں پڑھتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا مدرس کے طور پر بدین میں رہے اور سماجی برائیوں کے خلاف تبلیغ کرتے رہے۔ بدین سے ایک ہفتوار اخبار ''حزب اللہ'' بھی جاری ہوا جو ۱۹۴۱ء تک جاری رہا۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' انٹرویو مولانا عبدالوہاب بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء۔ ص: ۴۱۸

۳۲۔ مولانا اللہ بخش میمبر ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں گوٹھ پیری (ضلع دادو) میں تولد ہوئے۔ مولانا عبدالرحمان فیروز شاہی سے علم حاصل کر کے دستار بندی کی۔ وہ آخر دم تک مدرس رہے۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء میں وفات پا گئے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر سکھر۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۳۲۵

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۴ جنوری ۱۹۲۲ء

۳۳۔ سید امیر محمد شاہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں گوٹھ اینانی (ضلع حیدرآباد) میں تولد ہوئے۔ مختلف مدارس میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد ہاشم انصاری کے پاس دادو میں دستار بندی کی۔ وہ اینانی میں مدرس رہے۔ ''امن سبھا'' کے خلاف کام کیا۔ شاہ صاحب نے ۲۹ شوال ۱۳۷۹ھ/۲۶ اپریل ۱۹۴۹ء میں وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ مولانا عبدالرحیم لعاری ''الحاج امیر محمد شاہ صاحب'' ماہنامہ الرحیم ۱۹۶۸ء۔ ص: ۴۱

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۳۸۸

۳۴۔ سید ضیا احمد ''مرحوم عبداللہ شاہ فتاحی'' سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر ۳۔۴/۱۹۵۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء

۳۵۔ مولانا محمد عثمان ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں کراچی کے کھارادر میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ کھڈہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ دیوبند بھی گئے۔ درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ مفتی تھے۔ ۱۹۴۲ء میں قلات اسٹیٹ کے وزیر رہے۔ کراچی کا میونسپل ممبر بھی رہے۔ ۲۵ ذیقعد

۱۳۰۰ھ/۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو وفات پائی۔
تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص:۹۶
☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۷ ستمبر ۱۹۲۲ء
☆ جمعیت خلافت صوبہ سندھ کی سالانہ رپورٹ۔ ستمبر ۱۹۲۲ء تا اگست ۱۹۲۳ء کراچی۔ ص: ۱۵
☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۲۹ء ۳۰ جنوری ۱۹۲۳ء' ۱۴ر فروری ۱۹۳۱ء' ۱۵ر فروری ۱۹۳۱ء

۳۶۔ مولانا عبدالحکیم۔ ولادت ۱۰ر رمضان ۱۳۱۸ھ/ یکم جنوری ۱۹۰۱ء شکارپور کے مولانا امید علی کے پاس دستار بند ہوئے۔ تحریکِ خلافت میں بھی حصہ لیا۔ ۲۲ر ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ/ ۲۱ جون ۱۹۳۸ء کو وفات پا گئے۔

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۲۲ اور روزنامہ الوحید۔ ۱۰ر ستمبر ۱۹۲۲ء

۳۷۔ مولانا ربانی ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں نصرپور (ضلع حیدرآباد) میں تولد ہوئے۔ عربی اور فارسی نصرپور کے جید عالم میاں تاج محمد قاضی سے حاصل کی۔ ذہین طالب علم کے طور پر اسے گورنمنٹ سے اسکالر بھی ملتا تھا۔ تحریکِ خلافت کے دوران ان کے استاد تاج محمد ۱۲ر مہینے کے لیے جیل گئے تو مولانا ربانی نے ان کے مدرسے کو چلایا۔ مولانا ربانی نے مدرسہ بھینڈ واور اپنے مدرسے میرپور میں رہے۔
تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ مولانا عزیزاللہ بوھیو ''مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈو شریف'' ماہوار الصادق کراچی۔ اپریل ۱۹۸۲ء۔ ص:۴۴
☆ ماہوار الرحیم حیدرآباد۔ جولائی' اگست ۱۹۷۸ء۔ ص:۳۴
☆ روزنامہ آزاد کراچی۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۴۴ء
☆ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء۔ مقالہ ڈی فل۔ ص: ۳۷۸

۳۸۔ مولانا عبداللہ ولادت ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء۔ وفات ۱۳ر ذوالحج ۱۳۵۰ھ، ۲۰ر اپریل ۱۹۳۲ء

۳۹۔ پیر عبدالستار۔ ولادت ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء (ٹکھڑو۔حیدرآباد) وفات: یکم جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ/۱۷/ستمبر۱۹۶۶ء

۴۰۔ قاضی عبدالکریم۔ولادت ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء۔وفات ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء

۴۱۔ قاضی عزیز اللہ۔ولادت ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء۔وفات ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

۴۲۔ عزیز اللہ جروار۔ولادت ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔(گوٹھ گل محمد جروار۔شہدادکوٹ)

۴۳۔ مولانا عطاء اللہ۔وفات ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

۴۴۔ مولانا علی شیر۔ولادت ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء(لکھمیر۔تحصیل اوباوڑو) وفات ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء

۴۵۔ مولانا علی محمد مہیری۔وفات ۲۱ شعبان ۱۳۶۷ھ/۲۹ جون ۱۹۴۸ء

۴۶۔ مولانا غلام علی۔ ولادت ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء (گوٹھ ناگیل خاصخیلی۔ بدین) وفات ۱۳/ربیع الاول ۱۳۶۸ھ/۱۳/جنوری ۱۹۴۹ء

۴۷۔ مولانا غلام عمر۔ ولادت ۱۳۶۳ھ/۱۸۴۷ء (گوٹھ سونو جتوئی۔ لاڑکانہ) وفات ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء

۴۸۔ مولانا محمد ابراہیم۔ولادت ۹ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ/۳ نومبر ۱۸۸۹ء(گڑھی یاسین) وفات ۷ شعبان ۱۳۸۴ھ/۱۲/دسمبر ۱۹۶۴ء

۴۹۔ مولوی محمد اسماعیل عودی۔ ولادت ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء وفات ۲۹ رمضان ۱۳۹۰ھ/۲۹ نومبر ۱۹۷۰ء

۵۰۔ مولوی محمد اسماعیل لغاری۔ولادت ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء(گوٹھ نزد جروار ٹھیو۔حیدرآباد)

۵۱۔ مولانا محمد اکرم۔ ولادت ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء (ہالانواں) وفات ۷ ذوالحج ۱۳۷۷ھ/۲۶ جولائی ۱۹۵۸ء

۵۲۔ مولانا محمد امین۔ولادت ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء(تھرپارکرضلع) وفات ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء

۵۳۔ مولانا محمد حسین۔ولادت ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۶ء(ٹھٹھہ) وفات ۲۳ شوال ۱۳۸۲ھ/۱۹/مارچ ۱۹۶۳ء

۵۴۔ مولانا محمد داؤد ٹھیو (گوٹھ محبوب ٹھیو تعلقہ میروخان)

۵۵۔ مولانا محمد سلیمان۔ولادت ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء(بنو۔ٹھٹھہ) وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء

۵۶۔ مولانا محمد سلیمان واعظ گوٹھ تھرڑی محبت میں پیدا ہوئے۔ ۲۳ جون ۱۹۴۸ء/۱۵/شعبان ۱۳۶۷ھ کو وفات پائی۔

۵۷۔ مولانا محمد صالح سمون۔ ولادت ۱۸/جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ/۱۲/اکتوبر ۱۹۰۰ء (گرہوڑ شریف) وفات ۱۲/ستمبر ۱۹۶۸ء/۱۹/جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ

۵۸۔ مولانا محمد صالح عاجز۔ ولادت ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء (نور محمد شجراع۔ شکارپور) ۲۹ شوال ۱۴۰۲ھ/۲۱ جولائی ۱۹۸۰ء کو وفات پائی۔

وہ بڑے پائے کے عالم تھے۔۱۹۲۲ء میں آل انڈیا مسلم کانگریس کے بمبئی کے اجلاس میں کینٹ انڈیا کی تاریخی قرارداد کے وقت مولانا محمد صالح' مولانا تاج محمد امروٹی کے ساتھ شریک تھے۔ مولانا محمد صالح دو سال جیل یاترا بھی کی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ڈی فل مقالہ۔ ۱۹۸۳ء۔ص: ۵۲۷

۵۹۔ مولانا لکھمیر۔ولادت ۱۳۲۴ھ،۱۹۰۶ء (گوٹھ کھو لکھمیر۔نوابشاہ)

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔نومبر ۱۹۳۸ء

۶۰۔ مولانا عبدالحکیم۔ ولادت ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء (گوٹھ۔ چوڑھو سدھایو۔ شکارپور) وفات ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء

دیکھئے: عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ص: ۴۶۰

روزانہ آزاد کراچی۔۲/اپریل ۱۹۴۴ء

۶۱۔ مولانا محمد علی۔ولادت ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء (گوٹھ گھموری۔عمرکوٹ) وفات ۱۰/جمادی الاول ۱۳۷۱ھ/۱۹/فروری ۱۹۵۲ء

دیکھئے مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ''۔ص: ۵۴۵

۶۲۔ ڈاکٹر محمد عمر۔وفات ۸ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ/۱۵/جولائی ۱۹۶۸ء

دیکھئے: عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر سکھر۔اکتوبر' نومبر ۱۹۶۸ء۔ص: ۹۷

۶۳۔ مولانا محمد ہاشم۔ ولادت ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء (گوٹھ پھلپوٹہ۔ لاڑکانہ) وفات ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر سکھر۔اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ص: ۱۳۱

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۲۲ء' ۱۳/ جون ۱۹۲۰ء ۱۲/ مارچ ۱۹۲۹ء' ۲ مارچ ۱۹۲۵ء

۶۴۔ مولانا محمد ہاشم۔ ولادت ۱۱/ رجب ۱۲۷۱ھ/ ۳۰ مارچ ۱۸۵۵ء (گوٹھ گوگانیوں۔ شاہ بندر) ضلع ٹھٹھہ۔ وفات ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ/ ۱۸/ دسمبر ۱۹۶۰ء

تفصیل کے لیے دیکھئے:

روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۳ء' ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء

۶۵۔ پیر محمد ہاشم جان۔ ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ/ ۲۲ جنوری ۱۹۰۵ء میں ٹنڈو سائینداد (حیدرآباد) میں تولد ہوئے۔ عربی' فارسی کی تعلیم حاصل کی اور اپنے گاؤں میں درس و تدریس بھی کی۔ اجمیر شریف بھی گئے اور طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ/ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص: ۴۴۷

☆ روزانہ آزاد کراچی۔ ۲۱/ اپریل ۱۹۴۴ء

۶۶۔ مولانا محمد یوسف۔ ولادت ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء گوٹھ سید قادر ڈنہ شاہ نزد جھاں سومرو (حیدرآباد) ۱۳۲۷ھ میں دستار بندی ہوئی۔ ۱۳۵۰ھ تک درس و تدریس جاری رکھی۔ وہ ۹ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء کو وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ حافظ محمد حسین سومرو ''مولانا محمد یوسف بنوی'' ماہوار شریعت۔ اگست' ستمبر ۱۹۷۷ء۔ ص: ۱۶

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء' ۱۱/ نومبر ۱۹۲۲ء' ۱۲/ مارچ ۱۹۲۹ء' ۷/ فروری ۱۹۳۱ء

۶۷۔ حکیم معین الدین ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء میں کھنڈیار ضلع نوابشاہ میں تولد ہوئے۔ اصل نام حزب اللہ تھا۔ کئی علماء کے پاس تعلیم حاصل کی۔ طب کی سند دہلی طبیہ کالج سے حاصل کی اور دادو میں طبابت کی' بعد میں نوابشاہ آ گئے۔

۱۳/ ذی الحج ۱۳۸۹ھ/ ۲۰ فروری ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔

معلومات کے لیے دیکھئے:

☆ جی ایم سید ''جنب گذاریم جن سین'' جلد ۱۔ س ا ب۔ حیدرآباد ۱۹۶۷ء۔ ص: ۲۴۱

☆ ماہوار پیغام کراچی۔ شعبہ اطلاعات۔ مارچ' اپریل ۱۹۸۱ء۔ ص: ۳۰

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۵ نومبر ۱۹۲۲ء اور جمعیت خلافت صوبہ سندھ ۱۹۲۲ء۔ ص:۲

۶۸۔ مولانا میر محمد ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء میں تولد ہوئے۔ علمی تحصیل کے بعد اپنے ہی گاؤں میں مدرس رہے۔ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ/ ۵ نومبر ۱۹۷۱ء کو وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۲ مئی ۱۹۳۱ء اور عبدالوہاب چاچڑ۔ ماہوار شریعت۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء

۶۹۔ مولانا عودی ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں شکار پور میں تولد ہوئے۔ خلافت تحریک میں بھی حصہ لیا۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۵۱ء کو وفات پا گئے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ۔ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء۔ ص:۱۸۶

☆ روزانہ الوحید۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۲ء، ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء، ۱۵ دسمبر ۱۹۳۱ء

باب ششم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ محمد لائق زرداری نے خاکسار تحریک پارٹی کا قیام ۱۹۳۲ء لکھا ہے۔ ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' مورو ۱۹۸۴ء۔ ص:۴۵

۲۔ الہداد خان شجراع پاکستان کا صحیح دستور'' پیر بخش شجراع۔ سکھر ۱۹۴۶ء۔ ص:۱۷

۳۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' مورو۔ ۱۹۸۴ء۔ ص:۴۵

۴۔ نصیر محمد نظامانی ''تحریک خاکسار کے مختصر اصول'' حیدرآباد۔ مسلم پرنٹنگ پریس ۱۹۳۵ء۔ ص:۷

۵۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۱

۶۔ نصیر محمد نظامانی ''تحریک خاکسار کے مختصر اصول'' (سندھی) ۱۹۳۵ء۔ ص:۸

۷۔ محمد عظمت اللہ بھٹی ''المشرق'' گجرات (پاکستان) پنجاب الیکٹرک پریس ۱۹۶۳ء۔ ص:۶۴۔۶۵

۸۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' (سندھی) مورو۔ ۱۹۸۴ء۔ ص:۴۵

۹۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' مورو۔ ص:۲۲۵، ۵۱۵، ۵۱۶

☆ مولانا دین محمد ادیب ''مولانا محمد سلیمان واعظ'' سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر ۳۔۴/۷/۱۹۵۷ء۔ ص:۱۷۶

اس کے مطابق' مولانا گوٹھ تھرڑی محبت (میہڑ) میں پیدا ہوئے۔ رتو دیرو میں دستار بندی ہوئی۔ درس وتدریس کی۔ وہ ۱۵ رشعبان ۱۳۶۷ھ/۲۳ جون ۱۹۴۸ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔

۱۰۔ مولانا شفیع محمد نظامانی گوٹھ کرم خان نظامانی میں ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں تولد ہوئے اور ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔ انہوں نے ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے ساتھ سندھ کا دورہ کر کے خاکسار تحریک میں لوگوں کو شامل کرنے کی جدو جہد کی تھی۔

روزانہ الوحید کراچی۔ ۲۵ فروری ۱۹۳۱ء۔ مظہر الدین سومرو۔ ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں

سندھ کے عالموں کا حصہ" ۱۹۸۳ء۔ص: ۳۵۷

بحوالہ: انٹرویوز۔ سید شاہ محمد شاہ (سابق خاکسار) اور مولانا جان محمد بھٹو مرحوم۔

۱۱۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" ۱۹۸۳ء۔ص: ۵۶۴
ان کے مطابق: "مولانا ۶ صفر ۱۳۳۰ھ/ ۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء کو دیہہ لیاری تحصیل چھورو (تھرپارکر) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم وطن، مدرسہ (عمر کوٹ) میں حاصل کی اور درس و تدریس کو اختیار کیا۔

۱۲۔ بعد میں چیف انجینئر کے عہدے پر رہے۔

۱۳۔ جسے سندھ میں خاکسار کا بانی کہا جاتا ہے۔ بعد میں معروف ایڈووکیٹ رہے۔

۱۴۔ میر صاحب نے خاکسار تحریک کو بطور عطیہ اپنی ۴۰ ر ایکڑ زرعی زمین بھی دی۔
(نواب حاجی محمد داؤد خان سے مصنف کا انٹرویو۔ دسمبر ۱۹۸۹ء)

۱۵۔ بعد میں عدلیہ سے وابستہ رہے۔

۱۶۔ حکومتِ سندھ سے وابستہ رہے۔

۱۷۔ سندھ کے معروف ایڈووکیٹ جو سکھر سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۸۔ انتظامی معاملات میں علامہ مشرقی کو نواب محمد داؤد پر بڑا اعتماد تھا۔ یہ کیم شیم اور قد آور بارعب آدمی علامہ صاحب کا منظورِ نظر بھی تھا۔ پورے انڈیا میں ۵۔۷ سالار محتسب ہوا کرتے تھے۔ نواب داؤد ان میں سے ایک تھے۔

۱۹۔ نواب محمد داؤد سے لیا ہوا انٹرویو۔ مصنف
۷ مئی ۱۹۸۹ء مطابق شوال ۱۴۰۹ھ (عید رمضان المبارک کے دن)

۲۰۔ نواب حاجی محمد داؤد خان تالپر بن نواب حاجی خیر محمد خان گوٹھ تاجپور (ضلع حیدرآباد) میں ۱۴ر فروری ۱۹۱۵ء کو تولد ہوئے۔ مگر ریکارڈ میں ۱۹۱۶ء لکھا ہوا ہے۔ وہ نور محمد ہائی اسکول، ودیالا ہائی اسکول اور سندھ مدرسۃ الاسلام میں زیرِ تعلیم رہے۔ نور محمد ہائی اسکول کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے جب سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیر اعلیٰ سندھ تشریف لائے تو پتھر کی مشین محمد داؤد تالپر نے چلائی تھی۔ وہ نور محمد ہائی اسکول میں اسکاؤٹ بھی تھے۔

میر بندہ علی جب چیف منسٹر ہوئے تو ان کی ترغیب دلانے سے محمد داؤد خان تالپر فوج میں سلیکٹ ہوئے۔ پہلے سیکنڈ لیفٹیننٹ، پھر لیفٹیننٹ اور قیامِ پاکستان کے وقت وہ کیپٹن تھے۔ پاکستان کے

قیام کے بعد وہ کرنل کے عہدے پر رہے اور سرچ کی ڈیوٹی دی گئی۔ محمد ایوب مارشل لاء کے دور ۱۹۵۹ء تک وہ کمانڈنگ آفیسر حیدرآباد رہے۔ وہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ میں کمانڈر بھی رہے۔ انہوں نے حیدرآباد سے چوری چھپے ہندوؤں سے بھری ہوئی پوری ٹرین کو انڈیا جاتے ہوئے پکڑ لیا اور حیدرآباد سے فقط تین میل کے فاصلے پر مرزانی اسٹیشن پر روک لیا اور وائرلیس پر ڈائریکٹر قائداعظم کو مطلع کیا۔ یہ وہی اسٹیشن تھا جہاں پر چند برس پہلے وہ اپنے خاکسار ساتھیوں کے ہمراہ ٹرین سے اتر گئے تھے۔

انہوں نے سال آرمز کورس کوئٹہ ۱۹۴۲ء میں کیا اور ۱۹۴۴ء میں آزاد کشمیر فورس کو منگلا ہیڈ میں ٹریننگ بھی دی۔

جب وہ کراچی ہاسٹل میں رہتے تھے تو اکثر گرفتار ہو کر پھر رہا ہوتے تھے۔ سی آئی ڈی ہر وقت ان کے پیچھے رہتی تھی۔

کالج میگزین میں ان کے مضامین اور شعر شائع ہوتے تھی۔

(نواب حاجی محمد داؤد سے لیا ہوا انٹرویو۔ دسمبر ۱۹۸۹ء۔ مصنف)

۲۱۔ مظفر حسین جوش بن...... حیدرآباد ریڈیو سے وابستہ رہے اور ریٹائرڈ ہوئے۔ وہ سندھی اور اردو کے قادرالکلام شاعر ہیں۔ (یہ معلومات انہوں نے خود ایک خط میں دی تھی۔)

۲۲۔ سید سردار علی شاہ ذاکر یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو گوٹھ بیرڑی تحصیل گھوٹکی (سکھر) میں پیدا ہوئے۔ سیکنڈری تعلیم نوابشاہ ہائی اسکول اور بی اے (آنرز) ایس آئی کالج کراچی سے کیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء تک روزنامہ ''الوحید'' کے سب ایڈیٹر کے طور پر کام کیا۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۷ء تک روزنامہ ''کاروان'' کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۸ء سے وفات تک بیس سال سے زیادہ عرصہ تک روزانہ ''مہران'' کے ایڈیٹر رہے۔ مجموعی طور پر تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ صحافی رہے اور پاکستان/سندھ کے ایک بیباک صحافی تھے۔ ''سردار صحافت اور پاسبان آبروئے قلم'' کے خطابات سے نوازے گئے۔ وہ کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ شاہ صاحب بڑے پائے کے شاعر بھی تھے۔ نعت اور غزل پر دسترس رکھتے تھے۔ وہ کئی اوصاف کے مالک تھے' یار وفادار' غمخوار و مددگار اور عشق رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ ۱۹۸۲ء میں وفات پائی۔

ان کی زندگی پر روشنجھار پبلیکیشن حیدرآباد کی طرف سے ایک کتاب شائع کی گئی جس کا موضوع

تھا" سید سردار علی شاہ" سندھ کے تیس ادباء اور شعراء نے شاہ صاحب کی زندگی پر مقالے لکھے اور نظمیں کہیں۔ راقم الحروف بھی ان میں شامل ہے اور یہ معلومات بھی اسی کتاب سے لی گئی ہے۔

۲۳۔ محمد موسیٰ بھٹو" پرین جی پچار" جلد۔اول۔۱۹۸۲ء۔ص:۳۳۶

۲۴۔ محمد موسیٰ بھٹو" پرین جی پچار" حیدرآباد۔۱۹۸۲ء۔ص:۳۳۷

پیامِ غیرت دیا ہے سندھ والوں کو۔

۲۵۔ مولانا نظامانی نے سعودی عرب میں جلاوطنی کے سوا تیس سال کی زندگی میں چارج کیے۔ وہاں بڑے سخت اور کٹھن دن بھی گزارے۔ کئی کئی دن تک بھوکے رہے مگر غیرت ایمانی کی وجہ سے کسی سے مانگتے نہ تھے۔ سوکھی روٹی اور درختوں کے پتے بھی کھائے۔ جذباتی تو تھے۔ ایک دن سمندر کی طرف نکل گئے۔ بہت روئے پھر اللہ میاں سے بڑے سخت الفاظ میں مخاطب ہوکر شکایت کی اور حجت کے طور پر کسی بھی حالت میں دوسوٗ روپے مانگے۔ جب واپس آئے تو ہندوستانی سفارتخانے کے ایک ملازم نے دوسو روپے تعاون کے طور پر دیئے۔ (محمد موسیٰ بھٹو پرین جی پچار۔۱۹۸۲ء۔ص:۳۴۹)

۲۶۔ محمد موسیٰ بھٹو" پرین جی پچار" حیدرآباد ۱۹۸۲ء۔ص:۳۴۸ تا ۳۵۴

۲۷۔ محمد موسیٰ بھٹو" پرین جی پچار" حیدرآباد ۱۹۸۲ء۔ص:۳۵۶

۲۸۔ کریم بخش نظامانی بن ولی محمد نظامانی۔ گوٹھ ٹنڈو سومرو تحصیل ٹنڈو الہیار (ضلع حیدرآباد) میں ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے۔

۲۹۔ جب اسکول میں خاکسار پریڈ پر پابندی لگائی گئی تو انہوں نے تن تنہا بھی پریڈ کی اور جب ہاسٹل پر مسلم لیگ کا پرچم لہرایا گیا تو انہوں نے خاکسار کا پرچم لہرایا۔ جب وہ بھی اتار دیا گیا تو انہوں نے اپنی چارپائی سے اسے باندھ دیا۔

۳۰۔ جب تک نظامانی صاحب اچھرہ میں رہے وہ علامہ صاحب کی ڈاک لے آنے اور پہنچانے کا کام سرانجام دیا کرتے تھے۔

۳۱۔ پروفیسر کریم بخش نظامانی سے مصنف کا لیا ہوا انٹرویو۔ (۱۴ر فروری ۱۹۹۰ء)

۳۲۔ ڈاکٹر میر رستم خان ولد گل حسن خان۔ یکم جنوری ۱۹۲۶ء کو گوٹھ شیر خان تحصیل شہداد پور میں پیدا ہوئے۔۴۴۔۴۵ میں تحریکِ خاکسار سے اس وقت وابستہ ہوئے جب وہ لوکل بورڈ ہائی اسکول

نوابشاہ کے طالب علم تھے۔

۳۳۔ غلام مصطفیٰ ۷ جنوری ۱۹۱۳ء کو گوٹھ ڈینگان (تھرپارکر) میں تولد ہوئے۔ ان کے والد کے انتقال (۱۹۲۴ء) کے بعد انہیں ''دیرادون'' پبلک اسکول بھیجا گیا جہاں سے ۱۹۳۱ء میں سینئر کیمبرج کرکے آئے۔ قومی تحریکوں میں حصہ لیا۔ ون یونٹ کی قرارداد میں جن چار اسمبلی ارکان نے مخالفت کی ان میں ایک بھرگڑی صاحب تھے۔ ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ سندھ متحدہ محاذ پارٹی کے ساتھ مخالف بینچوں پر بیٹھے۔ اینٹی ون یونٹ فرنٹ میں وہ خزانچی تھے۔

۳۴۔ میر الٰہ بخش خان تالپر' جھول ضلع سانگھڑ میں ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی صغیر ہی تھے کہ والد فوت ہو گئے۔ سندھ مدرسہ سے ۱۹۱۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ وہ تعلیم کے لیے جونا گڑھ بھی گئے مگر جلد واپس آ کر ڈی۔ جے سندھ کالج کراچی میں داخل ہوئے مگر تحریکِ خلافت کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکے۔

۱۹۲۷ء میں روزنامہ الوحید کے سب ایڈیٹر اور ۱۹۲۸ء میں ایڈیٹر بھی رہے مگر آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے مستعفی ہوئے۔ سندھ ہاری کانفرنس ۱۹۳۰ء میں حصہ لیا۔ خاکسار تحریک میں بہت کام کیا۔ ''خاکسار سپاہی'' کے نام سے پرچہ نکالا۔ اس تحریک میں رہتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں دہلی میں گرفتار بھی ہوئے اور فروری ۱۹۴۸ء میں آزاد ہوئے۔ ۲۲ جولائی ۱۹۵۳ء کو موٹر کے حادثہ میں انتقال کر گئے۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' ص: ۷۹☆

۳۵۔ الٰہ ورایو بھن'' سانگھڑ ضلع کا تحریکِ آزادی میں حصہ'' سانگھڑ۔ ۱۹۸۴ء۔ ص: ٦٦

۳٦۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ٦٦

۳۷۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص: ٦٦

۳۸۔ میر علی احمد خان ۳۱ راگست ۱۹۱۵ء کو ٹنڈو میر محمود (حیدرآباد) میں تولد ہوئے۔ وہ حکمران تالپر خاندان والوں کے چچا میر محمود خان کی اولاد میں سے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۵ء میں ''انجمن احیائے ملت'' بنائی گئی جس میں میر صاحب کے علاوہ ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوٹہ' مولوی فضل احمد غزنوی اور مولوی خیر محمد نظامانی بھی شریک تھے۔ ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا کانگریس میں شامل ہوئے۔

وہ بہت اچھے مطالعے والے اور نکتہ سنج تھے۔ تقریر میں بڑے فصیح و بلیغ تھے۔
وفات ۵راپریل ۱۹۸۷ء کو لندن میں انتقال کیا۔ آبائی قبرستان حیدرآباد میں مدفون ہوئے۔

۳۹۔ جی ایم سید ''جنب گذاریم جن سین'' س اب۔ ص: ۲۹۹

☆ میر خادم حسین ''میر علی احمد خان ٹالپر مرحوم'' ماہنامہ نئی زندگی۔ مئی ۱۹۸۷ء۔ ص: ۴۲
قیام پاکستان کے بعد وہ کئی مرتبہ پسِ پردہ رہے کئی مرتبہ سیاسی میدان میں آئے۔ ایوب خان کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کا مکمل کرورک کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ رہے۔ مخالف بنے۔ جنرل ضیاء کے دورِ حکومت میں کافی عرصہ تک وزیر دفاع رہے اور جونیجو حکومت میں بھی برقرار رہے۔

۴۰۔ ماہوار ''خاکسار سپاہی'' حیدرآباد۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

۴۱۔ حافظ موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حصہ ۳۔ سندھ نیشنل اکیڈمی حیدرآباد۔ جولائی ۱۹۸۹ء۔ ص: ۶۶
''ادھوری کیمپ کا تذکرہ نواب محمد داؤد کے احوال میں بھی آیا ہے۔ میر صاحب سے حافظ محمد موسیٰ بھٹو نے انٹرویو لیا تھا' اس کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علامہ مشرقی نے وہ زمین اور جائداد لینے سے اس لیے معذرت کی تھی کہ وہ اس کا انتظام نہیں کرسکیں گے (''پرین جی پچار'' ص: ۶۷)

۴۲۔ جی ایم سید ''جنب گذاریم جن سین'' س اب ۱۹۶۷ء (جلد اول) ص: ۴۰

۴۳۔ سید شمس الدین شاہ ہاری کمیٹی سے بھی وابستہ رہے۔ وہ بی اے ایل ایل بھی تھے۔
(جی ایم سید ''جنب گذاریم جن سین'' ص: ۴۴۳)

☆☆☆

باب ہفتم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ ٹی ایچ سورلی ''گزیٹر آف ویسٹ پاکستان'' لاہور ۱۹۶۸۔ص:۱۸۴

۲۔ محمد ایوب کھوڑو ''اے ریجوائنڈر کریٹسزم آف اینٹی سندھ سیپریشن کا میٹی (انگریزی)'' کراچی۔ص:۱۷

۳۔ عظیم الدین حیدر ''ہسٹری آف کراچی'' فیروز سنز ۱۹۷۴ء۔ص:۱۷

۴۔ کیمپل جارج ''ماڈرن انڈیا'' لندن۔جان مرے ۱۸۵۳ء۔ص:۱۹۹

۵۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' (سندھی) حیدری پرنٹنگ پریس حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ ص:۵

۶۔ جمشید ایم آر مہتا ''سندھ کا بمبئی سے الگ ہونا'' (سندھی) جینٹل پرس رام حیدرآباد۔ص:۱۲

۷۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ص:۹۰

۸۔ محمد ایوب کھوڑو ''اسٹوری آف سفرنگ آف سندھ'' (انگریزی) لاڑکانہ) ۱۹۳۰ء۔ص:۱۳

۹۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' بنو۔حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ص:۷

۱۰۔ جمشید ایم آر مہتا ''سندھ کا بمبئی سے علیحدہ ہونا'' دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۷ء۔ص:۲۳

☆ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' (سندھی) ۱۹۶۸ء

۱۱۔ ایچ آغا خان ''دی میمائرس آف آغا خان'' (انگریزی) لندن۔کیسل اینڈ کمپنی ۱۹۵۴ء۔ ص:۲۳۰

۱۲۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' ۱۹۶۸ء۔ص:۱۷

۱۳۔ ''دی ڈیلی گزٹ'' کراچی۔۶ مارچ ۱۹۲۰ء۔ص:۷

۱۴۔ ڈاکٹر لیتی ایس۔مئی ''دی اوولیوشن آف انڈیا مسلم تھاٹ'' فیروز سنز'' لاہور ۱۹۷۱ء۔ص:۲۵۹

۱۵۔ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء۔ص:۱۰۷ بحوالہ: شیخ عبدالمجید سندھی سے لیا ہوا انٹرویو۔

۱۶۔ مسٹر وائٹ ''دی گریٹ لیڈر قائداعظم'' لاہور (انگریزی) ۱۹۶۲ء۔ص:۴۳

۱۷۔ سید شریف الدین پیرزادہ ''فاؤنڈیشن آف پاکستان'' والیوم ۱۱ (انگریزی) کراچی ۱۹۷۰ء۔

ص:۲۳

۱۸۔ ''دی ڈیلی گزٹ'' کراچی (انگریزی) ۲۶ جنوری ۱۹۲۷ء۔ ص:۷

۱۹۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدرآباد ۱۹۸۲ء۔ ص:۱۶۰

۲۰۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص:۱۶۱

۲۱۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' ۱۹۶۸ء۔ ص:۱۹

۲۲۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۲ر جون ۱۹۲۸ء

جی ایم سید نے اپنی کتاب ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' میں ان ہندو' مسلم اور پارسی لیڈروں کے نام بھی دیئے ہیں۔ جو یہ ہیں:

مسٹر ست داس منگھارام وکیل (حیدرآباد) مسٹر جمشید سروانجی مہتا صدر کراچی میونسپل' مسٹر نارائن داس آنند جی ایم ایل سی کراچی' مولوی محمد صدیق مدرسہ کھڈہ کراچی' مسٹر کے پنسیا' ایڈیٹر سندھ آبزرور کراچی' قاضی عبدالرحمان وائس چیئرمین' اسکول بورڈ' کراچی' حاجی عبداللہ ہارون' ایم ایل اے کراچی' شیخ عبدالمجید سندھی کراچی' مسٹر جیٹھمل پرس رام گلراجی کراچی' چھتومل ک' تھوہانی کراچی' قاضی عبدالقیوم حیدرآباد' وشنو شرما' ایڈیٹر' ہندو جاتی''، کراچی' میر اللہ بخش تالپور' ایڈیٹر الوحید کراچی' سوامی گووند آنند' ایڈیٹر اخبار ''کیسیرہ'' کراچی' مسٹر پرس رام شھلرامانی کراچی' لوکومل پر۔تمداس' منیجر ''ہندو جاتی'' اخبار کراچی' لعل چند امرڈنو جگتیانی کراچی' مسٹر رستم خورشید سدھوا کراچی' مسٹر کیولرام موٹوانی کراچی' سید جمال الدین حسن بخاری کراچی' غلام حسین غفور بھائی کراچی' ٹیکمداس وادھومل کراچی' مولانا دین محمد (علیگ) منیجر ''الوحید'' کراچی' مسٹر ایم ایم کرپالانی کراچی' مولانا دین محمد وفائی کراچی' مکھی ہرکشن داس۔

(دیکھئے جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ ص:۵۶

۲۳۔ محمد ایوب کھہڑو ''اسٹوری آف سفرنگ آف سندھ'' لاڑکانہ (انگریزی) ۱۹۳۰۔ ص:۱۳

کریم بخش خالد لکھتے ہیں کہ کھہڑو صاحب نے یہ کتاب پیر علی محمد راشدی کے تعلق سے شائع کی ''روزنامہ ڈان'' کراچی میں انہوں نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قائداعظم کے ایماء پر تیار کی تھی۔

کریم بخش خالد ''سندھ صوبائی لیگ کانفرنس ۱۹۳۳ء'' قائداعظم اکادمی کراچی ۱۹۸۳ء۔

ص:۹

۲۴۔ سید غلام رسول شاہ "کلیات میراں" حیدرآباد سندھ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۰ء۔ص:۷

۲۵۔ جی ایم سید "جب گذاریم جن سین" جلد دوم (سندھی) حیدرآباد ۱۹۶۷ء۔ص:۱۶۸

نوٹ: ڈاکٹر محمد لائق زرداری نے لکھا ہے کہ سر شاہنواز کمیٹی نے علیحدگی کی حمایت میں بمبئی حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی "تحریک پاکستان میں سندھ کا حصہ"۔ص:۳۷

۲۶۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۹۔۳۰؍اور جنوری ۱۹۳۱ء اور ۱۵؍فروری ۱۹۳۱ء

۲۷۔ جی ایم سید "جب گذاریم جن سین" جلد اول (سندھی)۔ص:۱۷

۲۸۔ محمد موسیٰ بھٹو "پرین جی پچار" جلد اول (سندھی) مترجم: انور جوکھیو ۱۹۸۲ء۔ص:۱۷۰

۲۹۔ سید میراں محمد شاہ "سندھ کی علیحدگی کی تاریخ" (سندھی) مقالہ۔روزانہ الوحید سندھ آزاد نمبر کراچی۔۱۵؍جون ۱۹۳۶ء

۳۰۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" مقالہ: پی۔ایچ۔ڈی سندھ یونیورسٹی جامشورو ۱۹۸۳ء (سندھی) ص:۱۰۸

۳۱۔ محبوب "ایچ سر سلطان محمد شاہ آغا خان" کراچی۔اسماعیلیہ ایسوسی ایشن ۱۹۵۹ء۔ص:۳۴۸

۳۲۔ ضیاءالدین احمد برنی "جمشید نسروان جی" کراچی۔تھیوسوفیکل سوسائٹی ۱۹۵۳ء۔ص:۹

۳۳۔ جی ایم سید "سندھ کی بمبئی سے آزادی" حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ص:۱۷

۳۴۔ موتی رام راموانی "رتن جوت" حصہ اول۔ہیرالڈ پریس کراچی ۱۹۸۵ء۔ص:۶۴۵

۳۵۔ جی ایم سید "سندھ کی بمبئی سے آزادی" حیدرآباد۔۱۹۶۸ء

۳۶۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔یکم اپریل ۱۹۱۸ء۔ص:۴

۳۷۔ محمد عرفان مولانا "سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور مختصر تاریخ" روزنامہ الوحید "سندھ آزاد نمبر" کراچی۔۱۵؍جون ۱۹۳۶ء۔ص:۵۶

۳۸۔ جی ایم سید "سندھ کی بمبئی سے آزادی" حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ص:۲۰

۳۹۔ جناب محمد علی جناح (قائداعظم) کی صدارت میں ۲۵ مارچ ۱۹۲۷ء کو یہ پڑھر نامہ (یادداشت) ترتیب دیا گیا تھا۔

مظہر الدین سومرو ڈاکٹر "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" ۱۹۸۳ء۔ص:۱۱۵

۴۰۔ جی ایم سید "سندھ کی بمبئی سے آزادی"۔ص:۷۳۔۱۲۲

۴۱۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔۱۹رستمبر۱۹۲۸ء۔ص:۱۲
۴۲۔ محمد عرفان مولانا ''سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور مختصر تاریخ'' روزانہ الوحید ''سندھ آزاد نمبر''
کراچی، ۱۵رجون ۱۹۳۶ء۔ص:۶۱
۴۳۔ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء۔ص:۱۲۴
بحوالہ: انٹرویو۔ شیخ عبدالمجید سندھی۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۶ء
۴۴۔ صلاح الدین ناسک ''تحریکِ آزادی'' لاہور عزیز پبلشرز ۱۹۷۵ء۔ص:۲۸۴
۴۵۔ جی الانا، ''پاکستان موومنٹ اینڈ ہسٹارک ڈاکیومنٹس'' (انگریزی) کراچی۔ ڈپارٹمنٹ آف
انٹرنیشنل ریلیشن ۱۹۶۷ء۔ص:۶۰
۴۵a۔ محمد عرفان مولانا ''سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور مختصر تاریخ'' سندھ آزاد نمبر کراچی۔ ۱۹رجون
۱۹۳۶ء
۴۶۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۹ جولائی ۱۹۲۸ء۔ص:۴
۴۶a۔ روزانہ الوحید کراچی۔ یکم مئی ۱۹۳۴ء
۴۷۔ روزنامہ مہران کراچی۔ سالانہ نمبر۔ نومبر ۲۲۔ ۱۹۵۹ء
۴۸۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ یکم مئی ۱۹۳۴ء
۴۹۔ سید میراں محمد شاہ ''سندھ کی علیحدگی کی تاریخ'' مقالہ
روزنامہ الوحید ''سندھ آزاد نمبر'' کراچی۔ ۱۵رجون ۱۹۳۶ء۔ص:۱۱۸
۵۰۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ص:۳۵
۵۱۔ محمد عرفان مولانا ''سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور مختصر تاریخ'' روزانہ الوحید ''سندھ آزاد نمبر''
کراچی۔ ۱۵رجون ۱۹۳۹ء۔ص:۵۳
۵۲۔ دی انڈین اینڈ پاکستان ییئر بک اینڈ ہواز ہو۔ بامبے۔ انڈیا پریس ۱۹۴۴ء۔ص:۱۲۰۴
۵۳۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء۔ص:۲۴
۵۴۔ جمشید میہتا نسروانجی ''سندھ کا بمبئی سے علیحدہ ہونا'' (سندھی) حیدرآباد۔ بلوسٹی پریس
۱۹۲۷ء۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۷ء۔ص:۱۲
۵۵۔ جمشید این آر میہتا ''سندھ کا بمبئی سے علیحدہ ہونا'' (سندھی) دوسرا ایڈیشن گلشن پبلیکیشن۔ ممتاز
کالونی۔ حیدرآباد ۱۹۸۷ء۔ص:۱۶

۵۶۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۱۳ رنومبر ۱۹۲۸ء

۵۷۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریک آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء، ص: ۱۸۸

۵۸۔ سید میراں محمد شاہ ''سندھ کی علیحدگی کی تاریخ'' مقالہ۔ روزنامہ الوحید سندھ آزاد نمبر ۵۔ جون ۱۹۳۶ء، ص: ۱۱۷

۵۹۔ لالچند نولرائے نے قانون ساز اسمبلی میں معیوب الفاظ استعمال کیے۔
جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء، ص: ۹۵

۶۰۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۳۰ راگست ۱۹۲۸ء

۶۱۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدراباد ۱۹۶۸ء، ص: ۷۶

۶۲۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء، ص: ۷۶

۶۳۔ شیخ عبدالمجید سندھی سے انٹرویو۔ از ڈاکٹر مظہر الدین سومرو ''تحریک آزادی میں سندھ کے عالموں کا کردار'' ۱۹۸۳ء، ص: ۱۲۸

۶۴۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' ۱۹۶۸ء، ص: ۵۲

۶۵۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۸ مئی ۱۹۲۹ء

۶۶۔ سید میراں محمد شاہ ''سندھ کی علیحدگی کی تواریخ'' الوحید سندھ آزاد نمبر۔ ۱۵ رجون ۱۹۳۶ء، ص: ۱۱۶

۶۷۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدراباد ۱۹۶۸ء، ص: ۵۳

۶۸۔ محمد عرفان ''سندھ کی علیحدگی کی تحریک اور مختصر تاریخ'' روزنامہ مہران۔ سالگرہ نمبر۔ ۱۵ رجنوری ۱۹۶۱ء، ص: ۲۲

۶۹۔ انڈین راؤنڈ ٹیبل کانفرنس۔ ۱۲ رنومبر ۱۹۳۰ء تا ۱۹ رجنوری ۱۹۳۱ء۔ والیوم ۹ (انگریزی)۔ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۳۱ء، ص: ۱
(مجموعی طور پر تین گول میز کانفرنسیں منعقد ہوئی تھیں۔ (i) نومبر ۱۹۳۰ء۔ (ii) ستمبر ۱۹۳۱ء (iii) دسمبر ۱۹۳۲ء
دیکھئے: ''مذہبیت پاکستان'' از پروفیسر محمد امین جاوید۔ ایوانِ ادب لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۵۵

۷۰۔ ''انڈین راؤنڈ ٹیبل کانفرنس'' (انگریزی) انڈس پبلیکیشن کراچی ۱۹۷۹ء، ص: ۹۱

۷۱۔ احمد شفیع ''حاجی عبداللہ ہارون، اے بایوگرافی (انگریزی) کراچی ۱۹۶۷ء، ص: ۸۳

۷۲۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''خان بہادر محمد ایوب کھوڑو سے لیا ہوا انٹرویو۔ ۳ مارچ ۱۹۷۹ء ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص:۱۳۲

۷۳۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء ص:۸۴

۷۴۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''خان بہادر محمد ایوب کھوڑو۔ انٹرویو'' ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص:۱۳۲

۷۵۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

۷۶۔ جی ایم سید ''سندھ کی بمبئی سے آزادی'' حیدرآباد ۱۹۶۸ء ص:۶۸

۷۷۔ سید میراں محمد شاہ ''سندھ کی علیحدگی کی تواریخ'' الوحید سندھ آزاد نمبر۔ ۱۵ر جون ۱۹۳۶ء ص:۱۱۸

۷۸۔ دی انڈین اینڈ پاکستان ایئر بک اینڈ ہواز ہو۔ بابت ۱۹۶۸ء ص:۲۶۹

۷۹۔ سید میراں محمد شاہ ''سندھ کی علیحدگی کی تاریخ'' الوحید سندھ آزاد نمبر۔ ۱۵ر جون ۱۹۳۶ء ص:۱۱۹

۸۰۔ مولانا شفیع محمد بن محمد بچل ۱۳۰۷ھ/۱۷۹۰ء میں گوٹھ جعفن شاہ تحصیل سکرنڈ (نوابشاہ) میں تولد ہوئے۔ مولانا عبیداللہ کی صحبت میں انگریزی سے مانوس ہوئے اور کلام اللہ کا انگریزی کا ترجمہ بھی کرتے تھے۔ وہ خلافتی تھے۔ مولانا سندھی کی ''سندھ ساگر پارٹی'' میں بھی شریک رہے۔ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔
تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ روزانہ الوحید کراچی۔ ۱۰ر فروری ۱۹۳۶ء

☆ ڈاکٹر مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص:۲۵۶

۸۱۔ سید عبدالرحیم شاہ بن محمد رحیم شاہ۔ ۱۴ر ربیع الاول ۱۲۹۵ھ/ ۱۸ر مارچ ۱۸۷۸ء میں سجاول ضلع ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم نیاری میں حاصل کی۔ سجاول میں مدرسہ ''دارالفیوض ہاشمیہ'' قائم کیا۔ وہ ریشمی رومال تحریک میں شیخ عبدالرحیم کے ساتھ متحرک رہے۔ تحریکِ خلافت میں رہے اور دل کھول کر عطیات دیے۔ جمعیت العلمائے سندھ سے وابستہ رہے اور سندھ ساگر پارٹی سے بھی متعلق رہے۔ ۲ر شعبان ۱۳۶۶ھ/ ۲۲ر جون ۱۹۴۷ء کو وفات پائی۔
تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ سید غلام مرتضیٰ شاہ ''حاجی عبدالرحیم شاہ'' سہ ماہی ''الرحیم'' ۱۹۶۶ء ص:۱۴

☆ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص:۳۸۸

۸۲۔ مولانا عبدالکریم کورائی بن ملا پاندھی جیکب آباد میں تولد ہوئے۔ انگریزی، سندھی، عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کر کے دستار بند ہوئے۔ (استاد مولوی محمد شیخ تھے) وہ محمد پور اڈھو میں مدرس رہے۔ مولانا امروٹی کے بڑے خلیفہ کے طور پر کام کیا۔ وہ مصنف اور شاعر تھے۔ ۷۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء ص:۲۵۸

☆ الوحید کراچی۔ ۱۷ر فروری ۱۹۳۱ء

☆ ماہنامہ پیغام کراچی۔ مارچ، اپریل ۱۹۸۱ء ص:۷۵

۸۳۔ قاضی عبدالکریم عباسی ولد قاضی محمد سعد ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں تولد ہوئے۔ والد سے ہی تعلیم حاصل کی اور دستار بند ہوئے۔ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء

۸۴۔ مخدوم غلام حیدر ۱۲ر ذوالحج ۱۳۱۶ھ/۲۴ر اپریل ۱۸۹۹ء میں ہالا (حیدرآباد) میں تولد ہوئے۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر دستار بند ہوئے۔ ہالا میں ۱۹۴۲ء سے ہائی اسکول اور ۱۹۴۷ء میں کالج کا قیام عمل میں لائے۔ وہ مصنف بھی تھے۔ سیاسی طور پر تحریکِ خلافت میں شریک ہوئے مگر عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت کی۔ ہالا میں سجادہ نشینوں اور پیروں کی کانفرنس بھی بلائی اور عدم تعاون کی مخالفت میں قرارداد بھی پاس کروائی۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ/ ۹ جون ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' جلد دوم۔ س اب۔ ۱۹۶۷ء ص:۲۹۲

☆ مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ ''مخدوم غلام حیدر صدیقی'' سہ ماہی مہران سوانح نمبر ۲۔۳/ ۱۹۵۷ء حیدرآباد، ص:۱۸۹

☆ عبدالرحمان محمد بچل قریشی ''سروردی خاندان کی علمی، ادبی، دینی خدمات'' ڈی فل ۱۹۶۷ء،

ص:۲۴۸

۸۵۔ مولانا محمد عثمان ولد مولوی احمد شیخ مدرسہ پیر جھنڈو سے درسِ نظامی کو پورا کیا۔ خلافت تحریک سے وابستہ رہے۔ جمعیت العلماء میں شریک رہے۔ ۱۶ر جمادی الاول ۱۳۷۷ھ/۱۲ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو وفات پائی۔

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء' ص:۹۶

☆ روز نامہ الوحید ۱۰ر فروری ۱۹۳۱ء

۸۶۔ مولانا حکیم فضل اللہ ولد ڈاتر ڈنو ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں شکار پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شکار پور میں حاصل کی۔ دہلی طبیہ کالج سے طب کی ڈگری لی۔ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں وفات پائی۔

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر' ۱۹۸۱ء' ص:۱۵۰

☆ روز نامہ الوحید کراچی۔ ۱۹ر فروری ۱۹۳۱ء

۸۷۔ مولانا محمد میمن بنوی ولد یعقوب میمن ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں بنو (ضلع ٹھٹھہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسے میں لی۔ پھر مدرسہ کھڈہ اور بہاولپور میں تعلیم حاصل کی۔ دیوبند بھی گئے۔ مدرسہ سجاول (ٹھٹھہ) میں مدرس رہے۔ ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں وفات پائی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ مولانا محمد بنوی ''خودنوشتہ کہانی'' سہ ماہی الرحیم' ۲۵ جمادی الاخر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۶۸ء' ص:۶۱

☆ روز نامہ الوحید کراچی۔ ۱۴ر فروری ۱۹۳۰ء اور ۱۷ر فروری ۱۹۳۱ء

۸۸۔ مولانا محمد کھٹی ولد میاں محمد اسحاق۔ ۱۲ر ربیع الاول ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء پیر گوٹھ گونگائی تعلقہ شاہ بندر (ٹھٹھہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ٹھٹھہ ضلع کے مختلف اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد سندھ مدرسہ کراچی گئے۔ مولانا ہمایونی اور مولانا امروٹی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ دیوبند سے فیض حاصل کیا۔ وہ مصنف اور مؤلف بھی رہے۔

☆ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء' ص:۵۴۷

۸۹۔ سر شاہنواز بھٹو ۲ مارچ ۱۸۸۸ء میں تولد ہوئے۔ سندھ مدرسہ اور سینٹ پیٹرک کراچی میں تعلیم حاصل کی۔ انہیں ۱۹۱۹ء میں او بی ای' ۱۹۲۱ء میں خان بہادر' ۱۹۲۴ء میں قیصر ہند اور ۱۹۳۰ء میں کے۔ سی کے خطابات ملے۔ (جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' ص:۱۶۶)

☆☆☆

باب ہشتم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ محمد عثمان ڈیپلائی ''سید غلام مرتضیٰ شاہ'' جی ایم سید۔ مقالہ۔ سہ ماہی مہران۔ سوانح نمبر کراچی۔ س اب ۱۹۵۷ء ص:۶۸۱

نوٹ: سندھ میں کسان کو ہاری کہتے ہیں۔ ہاری کمیٹی کا مطلب ہوا کسان کمیٹی۔

۲۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۳۶ء

۳۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۴۔ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص:۲۲۷

۵۔ حیدر بخش اللہ داد خان جتوئی ''ہاری انقلاب'' حیدرآباد ۱۹۵۳ء ص:۶۵

۶۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص:۲۲۸

۷۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۸۔ حیدر بخش اللہ داد خان جتوئی ''ہاری انقلاب'' ہاری دارالاشاعت حیدرآباد ۱۹۵۳ء ص:۶۸

۹۔ حیدر بخش اللہ داد خان جتوئی بکھو ڈیرو (ضلع لاڑکانہ) میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ ثانوی تعلیم لاڑکانہ میں حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۷ء میں ڈی جے کالج سے بی اے کیا۔ ریونیو کے محکمہ میں تحصیلدار کے عہدے تک پہنچے۔ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر بھی فائز رہے اور اپنے آزاد اور ترقی پسندانہ خیالات کی وجہ سے علمائے دین سے الجھتے رہے۔ ۱۹۴۳ء میں کمیٹی سے مستعفی ہوئے۔

وہ مصنف تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں، ان میں ان کی اپنی شاعری کے مجموعے بھی شامل تھے۔

☆ جی ایم سید ''جنب گذاریم جن سین'' جلد اول۔ س اب۔ ص:۱۱۴

۱۰۔ قاضی فیض محمد، نبی بخش صدیقی۔ ۲۳ نومبر ۱۹۰۸ء کو گوٹھ ہالانی ضلع نوابشاہ میں تولد ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۵ء میں بی ایس سی اور ۱۹۴۰ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ جب گیارہ برس کے تھے تو تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے کام کرنا شروع کیا۔ وہ ان طلبہ میں شامل تھے، جنہوں نے پڈعیدن ریلوے اسٹیشن (نوابشاہ) پر ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن کو ٹرین میں گزرتے ہوئے ''سائمن گو بیک'' کے نعرے لگائے تھے۔ کانگریس اور

خاکسار تحریک میں بھی شامل رہے۔ ۱۹۴۲ء میں بنگال کے قحط کے دوران رضا کار کے طور پر دو ماہ تک خدمات سرانجام دیں۔ ون یونٹ قائم ہونے کے بعد سندھ میں اس کی مخالفت کی اور دو دورے کیے۔ محمد ایوب کھوڑو کی مخالفت میں سانگھڑ سے امیدوار ہونے کے لیے پہنچے مگر گرفتار کر لیے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ ہاری کمیٹی کے لیے کانفرنسیں کیں (۱۹۵۸ء)۔ اسی سال مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد عوامی پارٹی کے رہنما کے طور پر گرفتار ہوئے اور جیل بھیج دیے گئے۔ آزاد ہونے کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' جلد اول۔ حیدرآباد ۱۹۶۷ء ص: ۱۱۴

۱۱۔ کامریڈ عبدالقادر میو خان کھوکھر۔ دھامراہ (ضلع لاڑکانہ) میں پیدا ہوئے۔ سندھ مدرسہ میں تعلیم پائی اور ۱۹۲۵ء میں کراچی پورٹ ٹرسٹ میں ملازمت اختیار کی۔ ۲۱ جنوری ۱۹۶۵ء کو ہفتہ کے دن وفات پائی۔

☆ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' حیدرآباد۔ ۱۹۶۷ء ص: ۱۲۵

☆ قاضی صاحب کی صاحبزادی حسنہ ارشاد عباسی سے ۲۴ جون ۱۹۹۰ء کو سید صاحب کا لیا ہوا انٹرویو۔

۱۲۔ مولانا عزیز اللہ۔ خان محمد جروار ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء میں گوٹھ گل محمد جروار (شہداد کوٹ) میں پیدا ہوئے۔ اپنے گاؤں میرو خان ٹھیڑھی اور شکار پور کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ منطق، فلسفہ، ادب اور حدیث کی تحصیل مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے کی اور دستار بند ہوئے۔ وہ پیر جھنڈو میں مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد بھی رہے۔ اپنے گاؤں میں مدرسہ قائم کر کے اس کے مدرس رہے۔ وہ جمعیت العلماء کے جلسہ سہارنپور (یوپی) میں مولانا قاسمی کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے نقشِ قدم پر عمل پیرا ہے۔

☆ مظہرالدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص: ۴۳۵ بحوالہ: مولانا جروار کا انٹرویو اور مولانا قاسمی کا انٹرویو۔

۱۳۔ مولانا محمد علی شاہ۔ سید ولایت علی شاہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں گوٹھ سید ضلع خیر پور میں تولد ہوئے۔ مدرسہ ٹھیڑھی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ/ ۱۸ جولائی ۱۹۶۷ء کو وفات پائی۔

معلومات کے لیے دیکھیے:

☆ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ سکھر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء' ص: ۴۳۸

☆ ماہنامہ پیغام کراچی۔ مارچ' اپریل ۱۹۸۱ء' ص: ۳۰

۱۴۔ مظہر الدین سومرو ڈاکٹر ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء' ص: ۲۳۰

☆ ''سندھ آزاد پارٹی'' کی تنظیم (دستور العمل) کراچی۔ الوحید پرنٹنگ پریس ۱۹۳۵ء ص: ۱۰

۱۵۔ روزانہ الوحید کراچی۔ ۷/اگست ۱۹۳۶ء

۱۶۔ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء' ص: ۲۳۱

۱۷۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء

۱۸۔ جی ایم سید ''نئی سندھ کے لیے جدوجہد'' حیدرآباد۔ اسلامیہ پرنٹنگ پریس۔ ۱۹۵۲ء' ص: ۱۱
پیر غلام مجدد سرہندی' مولانا محمد یوسف بنوی اور مولانا شفیع محمد منگیو کے مختصر تعارف پہلے ہی مختلف تحریکوں کے اوراق میں پیش کیے گئے ہیں۔

۱۹۔ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ ۱۹۸۳ء' ص: ۷۸

۲۰۔ سید صدر الدین شاہ ولد شرف الدین شاہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں مراد پور (جیکب آباد) میں تولد ہوئے۔ حصولِ علم کے بعد صحافت کا میدان اپنایا۔ ہفتہ وار اخبار ''تنظیم'' جاری کیا۔ سندھ کی تحریک علیحدگی سے وابستہ رہے۔ سندھ آزادی پارٹی کے صدر رہے۔ مسلم لیگ میں شامل رہ کر وطن عزیز کی آزادی کی جدوجہد میں کوشاں رہے۔ ۱۳۹۵ھ/نومبر ۱۹۷۵ء میں وفات پائی۔

۲۰a۔ عبدالوہاب چاچڑ ''ماہوار شریعت'' سوانح نمبر۔ اکتوبر' نومبر ۱۹۸۱ء' ص: ۱۵۷

۲۰b۔ الوحید کراچی۔ ۱۳/جون ۱۹۳۶ء

۲۱۔ مولانا شفیع محمد نظامانی کا تعارف خاکسار تحریک کے باب میں پیش کیا گیا ہے۔

۲۲۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی' مولانا ابراہیم بھٹوی' مولانا خوش محمد' مولانا عبدالکریم لکھن بھٹوی اور مولانا محمد پریل منگیو کا تعارف اور ان کی سیاسی خدمات کا تذکرہ مختلف سیاسی جماعتوں کے اوراق میں کیا گیا ہے۔

۲۳۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' میں مزید یہ نام بھی دیے ہیں۔
سر شاہنواز بھٹو' عبداللہ ہارون' رائے بہادر ہوتچند چانڈ ول' مسٹر ریواچند تھرہائی اور مسٹر ڈیگول تھوہانی وغیرہ۔ اس پارٹی کے لیڈر سر شاہنواز بھٹو اور ڈپٹی لیڈر اللہ بخش سومرو اور سر عبداللہ

ہارون دکھائے ہیں۔ص: ۶۷۔۶۸
(بحوالہ: انٹرویو۔جی ایم سید)

۲۴۔ مظہرالدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص: ۲۳۴
۲۵۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۳۰ راکتوبر ۱۹۳۶ء ص: ۴
۲۶۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۲ نومبر ۱۹۳۶ء ص: ۴
۲۷۔ جی ایم سید'' نئے سندھ کے لیے جدوجہد'' اسلامیہ پرنٹنگ پریس حیدرآباد ۱۹۵۲ء ص: ۱۰
۲۸۔ جی ایم سید'' جب گذاریم جن سین'' جلد دوم۔س اب حیدرآباد ۱۹۶۷ء ص: ۱۷۱
☆ مظہرالدین سومرو'' تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص: ۲۳۶
۲۹۔ مظہرالدین سومرو'' تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص: ۲۳۶
بحوالہ انٹرویو خان بہادر محمد ایوب کھہڑو۔ ۳ مارچ ۱۹۷۹ء
جی ایم سید'' نئے سندھ کے لیے جدوجہد'' اسلامیہ پرنٹنگ پریس حیدرآباد ۱۹۵۲ء ص ۱۲
۳۱۔ مظہرالدین سومرو'' تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص: ۲۳۷
۳۲۔ مظہرالدین سومرو'' تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء ص: ۲۳۸
۳۳۔ رام گوپال'' انڈین مسلمس (انگریزی) بامبے۔ایشین پبلشنگ ہاؤس ۱۹۶۴ء ص: ۲۸۷
۳۴۔ جی ایم سید'' نئے سندھ کے لیے جدوجہد'' اسلامیہ پرنٹنگ پریس حیدرآباد ۱۹۵۲ء ص:
۳۵۔ دی ڈیلی گزٹ کراچی۔ ۲ نومبر ۱۹۳۶ء ص: ۴
۳۶۔ مظہرالدین سومرو'' تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص: ۶۵
۳۷۔ رام گوپال'' انڈین مسلمس۔ بامبے ۱۹۶۴ء ص: ۶۶
۳۸۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر'' تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص: ۶۶
بحوالہ: روزنامہ الوحید کراچی۔ اگست ۱۹۳۰ء
۳۹۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری'' تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص: ۶۵
بحوالہ: انٹرویو۔ جی ایم سید
۴۰۔ پروفیسر محمد سرور'' خطبات مولانا عبیداللہ سندھی'' لاہور سندھ ساگر اکادمی ص: ۲۳۲
۴۱۔ ماہوار'' توحید'' کراچی۔ ستمبر ۱۹۲۶ء ص: ۱۹
۴۲۔ محمد سرور پروفیسر'' خطبات مولانا عبیداللہ سندھی'' لاہور ص: ۲۳۳

۴۳۔ محمد سرور پروفیسر ''خطبات مولانا عبیداللہ سندھی لاہور' ص:۲۳۳
۴۴۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرف اشارہ ہے۔ (مصنف)
۴۵۔ محمد سرور پروفیسر ''خطبات مولانا عبیداللہ سندھی' لاہور' ص:۲۳۳
۴۶۔ محمد سرور پروفیسر ''خطبات مولانا عبیداللہ سندھی' لاہور' ص:۲۳۳
۴۷۔ جی الانا ''اور فریڈم فائٹرس' ' (انگریزی) کراچی پیراڈائز سبسکرپشن ایجنسی ۱۹۶۹ء' ص:۱۸۱
۴۸۔ محمد سرور پروفیسر ''خطبات مولانا عبیداللہ سندھی' لاہور' ص:۱۸۶
۴۹۔ مظہرالدین سومرو' 'تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ۱۹۸۳ء' ص:۲۵۱
بحوالہ: انٹرویو' علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی''
۵۰۔ محمد سرور پروفیسر ''خطبات مولانا عبیداللہ سندھی' لاہور' ص:۲۲۳
۵۱۔ مولانا عبیداللہ سندھی' جو بچپن میں خود مشرف بہ اسلام ہوئے اس کا اصل نام بوٹا سنگھ تھا' ۱۲ر محرم الحرام ۱۲۸۹ھ بمطابق ۱۰ر مارچ ۱۸۷۲ء کو کسبہ چیانوالی (ضلع سیالکوٹ) کے سکھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا عبیداللہ کی ولادت سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ ان کی والدہ نے ڈیرہ غازی خان کے پرائمری اسکول جام پور میں انہیں داخل کرایا۔ ۱۲ر سال کی عمر میں انہیں ایک ہم جماعت اور آریہ سماجی دوست سے ایک نومسلم شیخ عبیداللہ کی کتاب ''تحفۃ الہند'' اور شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پڑھنے کو ملیں۔ جس سے ان پر اسلام کی صداقت کا اثر ہوا۔

مولانا سندھی نے جلد ہی کوٹلہ مغلان میں سنت ختنہ کرائی اور پنجاب کو خیر باد کہہ کر بھر چونڈی میں حافظ محمد صدیق کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اپنا نام ''تحفۃ الہند'' کے مصنف کے نام پر ''عبیداللہ'' رکھا۔

کچھ عرصے کے بعد وہ بھر چونڈی سے بہاولپور آئے پھر دیوبند گئے اور مختلف اساتذہ سے شرح' حکمت اور منطق کی تعلیم حاصل کی۔ وہ رام پور بھی گئے۔ مولانا محمود الحسن سے بہت متاثر تھے۔ وہ گنگوہی بھی گئے اور دہلی سے بھی فیض یاب ہوئے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ بمطابق ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو سندھ آئے۔ ان کے روحانی رہبر حافظ محمد صدیق وفات پا چکے تھے' اس لیے آپ امروٹ تشریف لائے اور مولانا تاج محمود امروٹی کے ساتھ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور تصنیف و تالیف کے لیے

''محمود المطابع'' کے نام سے لیتھو پریس قائم کی۔

آپ آٹھ سال کے بعد پھر دیو بند گئے وہاں سے واپس مدرسہ دار الرشاد (پیر جھنڈو) آئے۔ دس سال کے درس و تدریس کے بعد ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں ایک مرتبہ پھر دیو بند گئے۔ جمیعت الانصار جماعت قائم کی۔ دہلی گئے اور ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۳ء میں وہاں ''نظارة المعارف'' کے نام سے ایک اور جماعت قائم کی۔ ایک مدرسہ ''قاسم العلوم'' بھی قائم کیا اور وہاں پر بھی ''موتمر الانصار'' کے نام سے ایک طلبہ تنظیم قائم کی۔ ان کی انقلابی تحریکوں کی وجہ سے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو آپ دہلی سے پھر سندھ کے مدرسہ دار الرشاد (پیر جھنڈو) آ گئے۔ مگر جلد ہی مولانا محمود الحسن کے مشورے سے اگست ۱۹۱۵ء میں افغانستان چلے گئے' جہاں پر انہیں کچھ عرصہ کے لیے نظر بند بھی کیا گیا۔ مولانا نے وہاں افغانستان میں ایک ''عارضی آزاد ہند سرکار کے نام سے جلاوطن حکومت قائم کی اور ''جنود ربانیہ' یعنی'' خدائی فوج بھی قائم کی۔ آپ نے افغانستان کے قیام کے دوران ریشمی رومالوں پر خطوط لکھے اور وہ سندھ' ہند اور عربستان ارسال کیے۔ اسے بعد میں ''تحریک ریشمی رومال' سے موسوم کیا گیا۔ ۱۹۲۲ء میں کابل سے روس گئے اور حکومتِ روس کے آٹھ مہینے تک شاہی مہمان رہے۔ وہاں سے استنبول آئے اور تین سال قیام کیا۔ ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۷ء میں مکة المکرمہ آئے اور بارہ سال تک خانہ کعبہ میں قرآن وحدیث کے درس دیئے۔ وہ ۲۴ سال کی جلاوطنی کے بعد جب ان پر سے ہندوستان میں آنے کی پابندی ہٹائی گئی تو آپ ۱۵ رمحرم الحرام ۱۳۵۷ھ بمطابق ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو سندھ واپس آ گئے۔ آپ ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ بمطابق ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء کو وفات پا گئے۔

دیکھیے:

- ☆ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ''ماہوار توحید'' کراچی۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء' ص: ۱۷
- ☆ مولانا حسین احمد مدنی ''تحریک ریشمی رومال'' مرتبہ: مولانا عبدالرحمان۔ لاہور کلاسک ۱۹۶۰ء' ص: ۱۷۷
- ☆ محمد اسلم ''مولانا عبیداللہ کے سیاسی مکتوبات' لاہور۔ ندوة المصنفین' ص: ۴
- ☆ مولانا سید محمد میاں ''تحریک شیخ الہند' بار دوئم۔ مکتبہ محمودیہ ۱۹۷۸ء' ص: ۳۶۱
- ☆ عزت خاتون خواجہ ''مولانا عبیداللہ سندھی اور اس کا فکر' ماہنامہ نئی زندگی، مارچ ۱۹۸۷ء'

ص:۵

☆ کریم بخش خالد ''دینی انقلاب کا داعی۔ مولانا عبیداللہ سندھی'' ماہنامہ نئی زندگی۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء' ص:۱۹

☆ مولانا عبداللہ لغاری ''مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشت کابل'' اسلام آباد ۱۹۸۰ء' ص:۵

☆ مولانا سعید احمد ''مولانا عبیداللہ اور ان کے ناقد'' سندھ ساگر اکیڈمی لاہور' ص:۲۶

☆ محمد سرور ''مولانا عبیداللہ سندھی'' حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار لاہور' ص:۲۷

۵۲۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی وفات سے پہلے شکارپور کے حبیب اللہ مولی بخش بھٹو نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ:

اگست ۱۹۴۴ء کا مہینہ تھا۔ چھٹیاں گزارنے کے لیے کراچی گیا۔ اپنے دوست مشتاق احمد ابڑو کے ساتھ مولانا محمد صادق کے مدرسہ کھڈہ میں گیا۔ جہاں ایک ہجرہ میں مولانا عبیداللہ سندھی بسترِ علالت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس وقت جی ایم سید' محمد ہاشم گذدر اور مولانا محمد صادق بھی موجود تھے۔ مولانا سندھی کو پیٹ کی کوئی بیماری' شاید اسہال کی شدید تکلیف تھی...... جی ایم سید نے آہستہ سے محمد ہاشم گذدر سے کہا کہ وہ ان کی طرف سے مولانا سندھی سے گزارش کریں کہ وہ ان کے بنگلہ پر منتقل ہوں' جہاں ان کی پوری خدمت اور تیمارداری ہوگی۔ پہلے تو گذدر نے ایسی جرأت نہ کی مگر جب سید صاحب نے بار بار اصرار کیا تو بڑی مشکل سے انہوں نے شاہ صاب کی گزارش مولانا سندھی کے گوش گزار کردی۔ یہ بات سنتے ہی مولانا عبیداللہ نے سخت ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ ''میں جی ایم سید کے بنگلے کی وجہ سے اپنے ایک مسکین اور مخلص دوست کا ہجرہ چھوڑ دوں اور اس کے دل کو صدمہ پہنچاؤں؟''

(انور ضیاء عباسی۔ ''امامِ انقلاب۔ مولانا عبیداللہ سندھی'' ماہنامہ نئی زندگی۔ اگست ۱۹۸۰ء' ص:۲۶۲)

۵۳۔ مولانا عبیداللہ کھڈہری ولد مولوی محمد عمر کیریو۔ ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں کھڈہر (تحصیل سکرنڈ) میں تولد ہوئے۔ وہ مدرسہ دارالرشاد اور مدینۃ العلوم بھینڈہ (حیدرآباد) میں مدرس رہے۔ یکم شعبان ۱۳۸۳ھ/ ۱۵ / دسمبر ۱۹۶۴ء کو وفات پائی۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے:

☆ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص:۳۷۱

☆☆☆

باب نہم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ ڈیؤمل عرف شیخ عبدالرحیم (جو دیوان بھگونداس کے بیٹے تھے) ان کی شادی ۱۴ ربرس کی عمر میں ہوئی۔ ان کی زوجہ کی عمر اس وقت ۱۰ ربرس کی تھی۔ دونوں مسلمان ہو گئے اور چار سال کے بعد پہلی بیٹی تولد ہوئی، جس کا نام غلام فاطمہ رکھا گیا تھا۔

(غلام فاطمہ شیخ ''تاریخ جو وساریل ورق'' (تاریخ کا بھولا ہوا ورق) (سندھی) ۱۹۸۳ء سندھی ادبی سوسائٹی حیدر آباد، ص:۱۶)

۲۔ سندھ مدرسہ کے بانی ان کے اوراق میں یہ ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ اسے کابل کے حاکم عبدالرحمان خان نے ملک بدر کیا تھا۔

۴۔ غلام فاطمہ شیخ ''تاریخ جو وساریل ورق'' (سندھی) ۱۹۸۳ء، ص:۱۷

۵۔ غلام فاطمہ شیخ ''تاریخ جو وساریل ورق'' (سندھی) ۱۹۸۳ء، ص:۲۷

۶۔ شیخ عبدالمجید سندھی اسکول کے زمانے میں جب پڑھنے جاتے تھے تو سید مسکین شاہ کے مقبرے کو بے تحاشہ دیکھتے اور غور وفکر کرتے تھے۔

(جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین''، سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء، ص:۱۶۳

لفظ ٹھٹھہ ارادتاً اس انداز سے لکھا گیا ہے وہ اس لیے کہ سندھی میں ''ٹ'' لکھا جاتا ہے۔ ''ٹھٹ'' گاؤں یا بستی کو کہتے ہیں۔ ٹھٹ ہوتچند اور دوسرے گاؤں اب بھی موجود ہیں۔ (مصنف)

۷۔ شہاب الدین بعد میں سپریم کورٹ کے جج ہوئے تھے۔

عبدالمجید عابد قاضی ''اگر وہ سندھ میں پیدا نہ ہوتے'' رہبر پبلیکیشن کا سالنامہ ''ادبی جواہر'' ۱۹۶۹ء، ص:۳۲۷

۸۔ عبدالمجید عابد قاضی ''اگر وہ سندھ میں پیدا نہ ہوتے'' رہبر پبلیکیشن کا سالنامہ ''ادبی جواہر'' حیدر آباد۔ دسمبر ۱۹۶۹ء، ص:۳۲۱

۹۔ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' حیدر آباد ۱۹۸۲ء، ص:۱۴۱

۱۰۔ مولانا نور محمد نظامانی ''ہفتہ وار طیر ابابیل'' حیدر آباد ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء، ص:۱۱۶

۱۱۔ روز نامہ ''الوحید'' کراچی۔ ۱۷ رجنوری ۱۹۳۴ء

۱۲۔ مولانا نور محمد نظامانی ''نورالاسلام'' ۲۷ر اپریل ۱۹۳۰ء

۱۳۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۱۳

یہ بات قابلِ غور اور افسوس کی ہے کہ جب عبدالقیوم کو پھانسی کی سزا ہوئی تو اسے اندھیری رات میں پھانسی پر لٹکایا گیا۔ خاموشی سے اسے دفن کر دیا گیا۔ اگلے دن مسلمانوں نے غازی کی لاش قبر سے نکالی اور باوجود جلوس کی پابندی کے وہ جلوس کی شکل میں نعش لے گئے۔ مسٹر گبن نے گولی چلوائی اور ۶۴ مسلمان شہید ہو گئے'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۸۳

۱۴۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۱۵
بحوالہ ''فتح'' ۲۵ ستمبر ۱۹۳۴ء

۱۵۔ عبدالقیوم کی بجائے ''القیوم'' کو نوٹ کیا جائے اور اوپر محمد صاحب (حضور) بھی۔

۱۶۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۱۵
بحوالہ: اخبار'' چاند'' ۲۸ ستمبر ۱۹۳۴ء' ایڈیٹر ہری رام

۱۷۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۱۵
بحوالہ: ''سنسار سماچار'' ۲۰۔۲۱ ستمبر ۱۹۳۴ء

۱۸۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۱۵
بحوالہ: سندھ ہندو۔۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۴ء

۱۹۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۱۹
بحوالہ: مرغ فلک۔۲۶ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

۲۰۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۲۵
بحوالہ: ''طیرا ابابیل'' ۱۲ر فروری ۱۹۳۴ء

۲۱۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد۱۹۸۲ء' ص:۱۷۴

۲۲۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۲۳۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ جون ۱۹۲۹ء

۲۴۔ ہفتہ وار'' مسلمان'' ۲۹ ستمبر ۱۹۲۴ء

۲۵۔ پروفیسر میر محمد بھیو'' ۱۴ر اگست کی اہمیت اور افادیت'' ص:۸
ماہنامہ نئی زندگی اگست ۱۹۸۶ء

باب دہم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' مورد ۱۹۸۴ء ص: ۴۷

۲۔ محمد موسیٰ بھٹو'' پرین جی پچار'' حیدرآباد ۱۹۸۲ء ص: ۲۳۹

۳۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۸ء

۴۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۵۔ سر غلام حسین ہدایت اللہ شیخ جنوری ۱۸۷۸ء شکارپور میں تولد ہوئے۔ میٹرک سندھ مدرسہ بی اے ڈی جے سندھ کالج اور ایل ایل بی کی ڈگری بمبئی لاء اسکول سے حاصل کر کے حیدرآباد میں ۱۹۰۵ء میں وکالت شروع کی۔ حیدرآباد میں سونپل ممبر پھر وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں لجسلیٹو کاؤنسل کے ممبر منتخب ہوئے اور بمبئی سے سندھ کی علیحدگی سے ذرا پہلے تک قائم رہے۔ ۱۹۲۱ء میں بمبئی لوکل سلف گورنمنٹ میں وزیر مقرر ہوئے اور اپنے محکمے میں کئی اصلاحات لائے۔ وہ ۱۹۲۳ء میں بھی وزیر ہوئے اور دوبارہ ۱۹۲۷ء میں پی ڈبلیو ڈی کے وزیر بنے۔ پہلے خان بہادر تھے' پھر ۱۹۲۶ء (کے سی) سر کا بھی خطاب ملا۔ ۱۹۲۸ء میں ایگزیکٹو کاؤنسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں مالیات کے ممبر بنے۔ ۱۹۳۲ء میں (KCSI) نائٹ کمانڈر اسٹاف آف انڈیا بنے۔ اسی سال عارضی گورنر بھی رہے۔ ۱۹۳۰ء میں بیماری کے باوجود گول میز کانفرنس میں سندھ اسمبلی سے علیحدگی کے مسئلے پر لندن میں تھے' دلائل دیئے۔ ۱۹۳۲ء میں وائسرائے کی مرکزی کونسل کے رکن...... ۱۹۳۶ء میں سندھ ایڈمنسٹریٹو کاؤنسل کے چیئرمین رہے۔ ۱۹۳۷ء میں سندھ کی پہلی وزارت تشکیل دی۔ ۱۹۳۸ء میں مختلف بنچ پر بیٹھے اور بندہ علی وزارت میں وزیر رہے۔ ۱۹۴۱ء میں اللہ بخش سومرو وزارت میں وزیر رہے۔ پھر ۱۹۴۲ء سے خود وزارت بنائی اور تقسیم ہند تک اس پر فائز رہے۔ ۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے بعد سندھ کے پہلے گورنر بنے۔

وہ ۱۴/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو وفات پا گئے اور کراچی کی پرانی عیدگاہ میں مدفون ہوئے۔ وہ سندھ مسلمانوں میں پارلیمنٹرین سیاستدانوں میں پہلے ممتاز سیاستدان تھے۔ وہ عملی سیاست اور تد میں اول درجے کے ماہر اور استاد سیاستدان تھے۔ وہ شخصی طور پر بہت مہمان نواز' وقت پر کا

آنے والے اور نبض شناس شخص تھے۔

(جی ایم سید "جب گذریم جن سین" سندھی ادبی بورڈ ۱۹۴۷ء ص: ۱۵۴)

۶۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر "تحریکِ آزادی میں سندھ کا حصہ" مورو (نواب شاہ) ۱۹۸۴ء ص: ۱۴۵

۷۔ دستخط کرنے والوں میں اللہ بخش سومرو، پیرالٰہی بخش، سر غلام حسین ہدایت اللہ، میر بندہ علی تالپور، جی ایم سید اور شیخ عبدالمجید سندھی بھی شامل تھے۔

۸۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی "ہماری قومی جدوجہد" ۱۹۳۸ء

لاہور البیان ۱۹۶۶ء ص: ۱۴۹

۹۔ مسجد منزل گاہ کا پس منظر لاہور کی مسجد شہید گنج کی تحریک سے ملتا جلتا ہے۔ مسجد شہید گنجد لاہور امرتسر روڈ پر واقع ہے۔ کسی دور میں اس کے اندر کا شمالی حصہ سکھوں کا ہوا کرتا تھا اور سکھ اس کو شہید گنج کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ سڑک کے جنوب میں مسجد تھی اور اس کے نزدیک اسلامی دور میں باغیوں کو اس جگہ پر پھانسی دی جاتی تھی۔ صوبائی خودمختاری سے پہلے کشمیر پر ڈوگرہ حکومت تھی اور پنجاب کی احرار پارٹی نے اس پر مارچ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے پنجاب میں احراریوں کا اثر ورسوخ بڑھ گیا تھا۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ۱۹۳۷ء کے عام انتخابات میں سر فضل حسین نے احراریوں کا اثر گھٹانے کے لیے مولانا ظفر علی خان کو بلوایا اور لاہور میں "نیلی پوش" جماعت بنا کر مسجد شہید گنج کی آزادی کا نعرہ لگایا۔ پنجاب کے عوام اس مذہبی سوال پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر احراری ظفر علی خان کی مخالفت کی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہوئے۔ اس طرح پنجاب سے احراریوں کا اثر ختم ہوگیا اور یونینسٹ پارٹی انتخابات میں کامیاب ہوگئی۔

(حافظ خیر محمد اوحدی سابق آفس سیکرٹری سندھ مسلم لیگ اور منیجر سندھ زمیندار پریس سکھر سے انٹرویو ۱۹۷۸ء)

از: محمد لائق زرداری ڈاکٹر "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ" ۱۹۸۴ء ص: ۱۶۵)

۱۰۔ یہ مسجد شہنشاہ اکبرِ اعظم کے نواب محمد معصوم (تاریخ معصومی کے مرتب) نے دریائی مسافروں کی عبادت اور سہولت کے لیے بنوائی تھی۔

۱۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ جولائی ۲۶۔ ۱۹۳۹ء

۱۲۔ جی ایم سید ''نئی سندھ کے لیے جدوجہد'' حیدرآباد ۱۹۵۲ء' ص:۵۶
۱۳۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' مورو (نواب شاہ) ۱۹۸۴ء ص:۱۶۱
بحوالہ: امیر جہاد مسجد منزل گاہ سکھر۔ شیخ واجد علی کی طرف سے جاری کردہ ۸/اکتوبر ۱۹۳۹ء
۱۴۔ روزنامہ الوحید کراچی ۔۵/اکتوبر ۱۹۳۹ء
۱۵۔ شیخ عبدالرزاق'...... سکھر پاسٹ اینڈ پریزنٹ'' رائٹرز گلڈ'' سکھر۔۱۹۶۲...... ص:۱۶۲
۱۶۔ روزنامہ الوحید کراچی ۔۳ نومبر ۱۹۳۹ء
۱۷۔ قادر بخش زیب بھٹی '' سندھ میں سرہندی حضرات کی ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں'' مقالہ ایم۔اے ۱۹۶۱ء' ص:
۱۸۔ سکندر اعظم عباسی '' حکیم فتح محمد سیوہانی کی ادبی خدمات'' مقالہ۔ ایم اے ۱۹۶۴ء' ص:۲۲
۱۹۔ جی ایم سید ''نئی سندھ کے لیے جدوجہد'' مسلم کالونی کراچی ۹۵۲' ص:۶۱
۲۰۔ روزنامہ الوحید کراچی ۔۳۱ جنوری ۱۹۴۰ء
۲۱۔ حکیم عطامحمد '' سندھ کی سیاست کا تازہ چکر'' سکھر سٹی مسلم لیگ'' ص:۸
۲۲۔ ایم آر مائیدا سائی '' مظلوم سندھ'' حیدرآباد۔ کہانی ساہتہ مندر ۱۹۴۷ء' ص:۲۶۶
۲۳۔ روزنامہ الوحید کراچی ۔۱۸/جنوری ۱۹۴۰ء
۲۴۔ جی ایم سید ''نئی سندھ کے لیے جدوجہد'' حیدرآباد اسلامیہ پریس ۱۹۵۲ء' ص:۸۲
۲۵۔ جی ایم سید ''جسب گذاریم جن سین'' جلد دوم ۱۹۶۷ء' سندھی ادبی بورڈ جام شورو' ص:۱۸۳

خان بہادر اللہ بخش سومرو ولد حاجی محمد عمر شکار پور میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم میٹرک تک حاصل کی۔ آبائی کاروبار ٹھیکیداری اور زمینداری رہا۔

۱۹۲۳ء میں جیکب آباد میونسپل اور لوکل بورڈ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں بمبئی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور سر شاہنواز کے دست راست کے طور پر کام کیا اور ۱۹۲۶ء تک اس پر فائز رہے۔ وہ ۱۹۲۸ء میں ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ سکھر کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں اتحاد پارٹی قائم کی۔ ۱۹۳۹ء میں سر غلام حسین کی وزارت کو شکست ہوئی' آپ نے وزارت بنائی۔

آپ نے ۲۹ مارچ کو اسمبلی میں وزارتی پالیسی پر ایک بیان جاری کیا۔ مختصراً یہ تھا کہ:

''(۱) ہندوستان میں قومی بیداری کی وجہ سے میں عوام کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے اعلان

کرتا ہوں کہ ملکی انتظام قوم پرستی کی بنیاد پر چلایا جائے گا۔ (۲) سکھر بیراج کی وجہ سے سندھ کے کچھ علاقوں پر منفی اثر پڑا ہے اس لیے گورنر سندھ بیراج کی تجویز زیرِ غور ہے۔ (۳) شمالی سندھ اور روہڑی ڈویژن کی نہروں کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ (۴) بمبئی ری آرگنائزیشن کمیٹی کے تحت اخراجات کم کرنے کی کوشش کریں گے۔ (۵) کانگریس وزارتوں کی طرح......کم لیں گے۔ (۶) جرمانہ وصول کرتے وقت لوگوں سے زبردستی جرمانے وصول نہ کیے جائیں۔ (۷) آنریری مجسٹریٹوں کوختم کرنے کے لیے ایکٹ میں ترمیم کریں گے۔ پرائمری اساتذہ کی تنخواہیں فوراً ۵ روپیہ اضافہ کرتے ہیں۔ (۹) مولانا عبیداللہ سندھی کی واپسی کے لیے مرکزی حکومت کو سفارش کریں گے۔''

مسلم لیگ کو دوبارہ آرگنائیز کرنے کے بعد وہ وزارتِ اعلیٰ چھوڑنے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ کے سامنے پیش نہ ہونے کی وجہ سے مسجد منزل گاہ کی تحریک کی زد میں آ گئے اور وزارت چھوڑنی پڑی۔ مگر جلد ہی جی ایم سید نے اپنی مسلم لیگی وزارت چھوڑ کر خان بہادر سومرو کو اپنی جگہ پر وزیر بنوایا۔ ابھی تھوڑا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ میر بندہ علی وزارت جو نئی تھی وہ ٹوٹ گئی اور اللہ بخش سومرو وزارت دوبارہ وجود میں آ گئی وہ وزارت کانگریس کی حمایت سے بنی تھی۔

۱۹۴۲ء میں کانگریس نے ''ہندوستان خالی کرو'' تحریک انگریز کے خلاف چلائی تو اللہ بخش سومرو اس سے متاثر ہو کر ۲۶ ستمبر ۱۹۴۲ء کو وائسرائے کو ایک خط لکھا' جس میں انہوں نے اپنے القاب واپس کیے۔ (خان بہادر او بی ای) نتیجہ کے طور پر گورنر نے ان کی وزارت کو ڈسمس کر دیا۔ وہ سماجی کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ۱۴ رمئی ۱۹۴۳ء کو ایک تانگے میں صبح کو کہیں سے آ رہے تھے تو کسی نے ان پر دو فائر کر کے شہید کر دیا۔ (جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' ص: ۱۷۳

۲۶۔ سید اصغر علی شاہ جعفری ''تحریکِ پاکستان'' نیو بک پیلس لاہور' ص: ۲۳۳

۲۷۔ پروفیسر محمد امین جاوید ''مدنیت پاکستان'' ایوان ادب لاہور ۱۹۸۲ء ص: ۱۷۱

۲۸۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۲۹۔ بی این پانڈی ''بریک اپ آف برٹش انڈیا'' لندن مکملن ۱۹۶۹ء' ص: ۱۵۰

۳۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۲۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۳۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۴۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۵۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء

۳۶۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۵ جنوری ۱۹۴۰ء

۳۷۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۳ جنوری ۱۹۴۰ء

۳۸۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ئاور ۳ جنوری ۱۹۴۰ء

۳۹۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۹ء

۴۰۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۹ء

۴۱۔ روز نامہ الوحید کراچی ۔ فروری ۱۹۴۰ء

۴۲۔ خان بہادر محمد ایوب کھہڑو ولد میاں شاہ محمد کھہڑو ' گوٹھ عاقل تحصیل لاڑکانہ میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ سیکنڈری تعلیم لاڑکانہ میں حاصل کی مگر میٹرک سندھ مدرسہ کراچی سے پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں بمبئی کاؤنسل کے لیے لاڑکانہ ضلع سے منتخب ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک رہے۔ ۱۹۲۶ء میں محمڈن ایسوسی ایشن کے رکن ہوئے۔ سندھ زمیندار اخبار سکھر سے جاری کیا۔ آغا نظر علی اور پیر علی محمد راشدی اس کے ایڈیٹر رہے۔ بمبئی یونیورسٹی سینٹ اور سندھ مدرسہ اور دوسرے اداروں کے ممبر رہے۔ وہ اچھے پارلینٹرین تھے۔ صوبہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے لیے جدوجہد کی۔ سائمن کمیشن کے آگے دلائل دیئے۔ لندن میں پارلیمنٹ کمیٹی کے آگے دلائل دیئے۔ ۱۹۳۶ء میں سندھ کونسل کے رکن رہے' جس کو نگران حکومت بنایا گیا تھا۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد مخالف بنچوں پر بیٹھے اور مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی میں شریک ہوئے۔ پھر کبھی مسلم لیگ سے علیحدہ نہ ہوئے۔ وہ پارٹی لیڈر بھی رہے۔ انہوں نے لیگ کو منظم کرنے اور مقبولِ عام بنانے میں بڑی جدوجہد کی۔ مسجد منزل گاہ تحریک میں اہم کردار ادا کیا جس کی وجہ سے اپنے گاؤں میں نظر بند کر دیئے گئے۔ میر بندہ علی وزارت میں وزیر رہے۔ منزل گاہ فسادات کے بے قصور لوگوں کو مقدمات سے آزاد کرانے میں سب سے زیادہ کوشش کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی پر سندھ کی طرف سے رکن نامزد کیے گئے۔ سندھ اسمبلی میں پاکستان کے حق میں قرارداد پیش کرانے والوں میں پیش پیش رہے۔

اللہ بخش سومرو قتل (۱۹۴۳ء) میں وہ گرفتار ہوئے اور اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ مگر ۳ راگست

۱۹۴۵ء کو آزاد ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں سندھ وزارت میں وزیر ہوئے۔ ڈپٹی چیف منسٹر رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ سندھ صوبے کے پہلے وزیر اعلیٰ تھے۔ کراچی کو دارالحکومت بنانے کی تجویز کی اس نے مخالفت کی۔ نتیجہ میں اپریل ۱۹۴۸ء میں ڈسمس ہوئے۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں دوبارہ وزیر اعلیٰ ہوئے۔ بعیر ممبر کے ۱۹۵۴ء میں بھی چیف منسٹر ہوئے اور ون یونٹ کے لیے قرارداد منظور کروائی۔ بعد میں اینٹی ون یونٹ محاذ کے چیئرمین بھی ہوئے۔ (جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' ص:۱۹۱)

(۲) روزانہ الوحید کراچی۔ فروری ۱۹۴۰ء

۴۳۔ پروفیسر ملک عنایت اللہ خان کے مطابق حاضرین کی تعداد ایک لاکھ تھی۔
دیکھیے
''تحریکِ پاکستان''، مجلس مرکزیہ ملیہ پاکستان (ہند) فائن آرٹ پریس کراچی، ص:۲

۴۴۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' مورو ۱۹۸۴ء، ص:۱۷۹۔۱۸۰،
بحوالہ: اصلی خط۔ ایم ایچ حقانی کا ذاتی فائیل والیوم ۳

۴۵۔ پروفیسر محمد امین جاوید ''مدنیت پاکستان'' ۱۹۸۲ء

۴۶۔ شریف الدین پیرزادہ ''دی پاکستان ریزرولوشن اینڈ ہسٹارک'' کراچی۔ پاکستان پبلیکیشن ۱۹۶۳ء، ص:۱۳

۴۷۔ پروفیسر محمد امین جاوید ''مدنیت پاکستان'' ۱۹۸۲ء، ص:۶۹

۴۸۔ شریف الدین پیرزادہ ''دی پاکستان ریزرولوشن اینڈ ہسٹارک لاہور سیشن'' کراچی پاکستان پبلیکیشن ۱۹۶۳ء، ص:۵۶

۴۹۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۱/اپریل اور ۲۷/اپریل ۱۹۴۰ء

۵۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲/اپریل ۱۹۴۶ء

۵۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء

۵۲۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۳ ستمبر اور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۰ء، ۱۲/نومبر ۱۹۳۰ء

۵۳۔ رسول بخش تمیمی ''تاریخ جاتی'' مغلبھیں ادبی سوسائٹی جاتی (ٹھٹھہ) ص:۱۴۴

۵۴۔ رسول بخش تمیمی ''تاریخ جاتی'' مغلبھیں ادبی سوسائٹی جاتی (ٹھٹھہ) ص:۱۴۵

۵۵۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۳/دسمبر ۱۹۴۶ء

نوٹ: تحریکِ خلافت کے دور میں ۱۷ر رجب ۱۳۴۱ھ کو حضرت معظمیں کے عرس کے موقع پر تحریکِ خلافت کا جلسہ زیرِ صدارت مولانا حاجی فتح علی جتوئی کے منعقد ہوا۔ اس موقع پر خلافت کمیٹی (ضلع ٹھٹھہ) کے سیکرٹری میاں فتح محمد علیگ اور ایک طالب علم محمد قاسم اور کئی دوسرے رہنماؤں نے خطاب کیا۔ یہ جلسہ تین دن تک جاری رہا۔ مخالفوں نے بڑی کوشش کی کہ یہ جلسہ درہم برہم ہو مگر ان کی یہ منشا پوری نہ ہو سکی۔

(رسول بخش تمیمی "تاریخ جاتی" معظمیں ادبی سوسائٹی۔ جاتی ۱۹۸۷ء ص: ۱۴۳)

۵۶۔ ناتھو خان عبدالقادر تھہیم ۴ر اپریل ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ پہلے وہ جاتی سینٹری کمیٹی کے رکن ہوئے، پھر چیئرمین منتخب ہوئے۔ عوامی فلاح و بہبود کے بڑے کام کیے۔

۵۷۔ وڈیرہ محمد عمر ۱۰ر جون ۱۹۱۴ء کو جاتی میں تولد ہوئے۔ ذاتی دشمنی کی بنا پر وڈیرہ کو ۱۹۶۲ء میں دشمنوں نے قتل کر دیا۔ ("تاریخ جاتی" کے مصنف رسول بخش ان کے بڑے بیٹے ہیں۔ ص: ۱۷۷)

۵۸۔ مولانا حافظ خواجہ محمد حسن جان ولد خواجہ عبدالرحمان ۶ شوال ۱۲۷۸ھ/ ۶ر اپریل ۱۸۶۲ء کو قندھار (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ ۱۲۹۷ھ میں ہجرت کر کے ٹکھڑ (ضلع حیدرآباد) میں اپنے والد کے ساتھ آ گئے۔ کافی عرصہ مکہ معظمہ میں علمِ حدیث و قرآن حاصل کرتے رہے۔ واپس آ کر ٹکھڑ میں درس و تدریس کی اور کئی کتابیں تصنیف کیں اور ان کا ترجمہ بھی کیا۔

جی ایم سید کے مطابق:

ان کے بزرگوں میں سے حضرت شاہ غلام حسین اور شاہ غلام حسن، احمد شاہ درانی کے کہنے پر سرہند سے ہجرت کر کے پشاور چلے گئے، ان کی مزاریں پشاور میں ہیں۔ ٹکھڑ کے سید میراں محمد شاہ، خواجہ عبدالرحمان کے مرید تھے۔ جب ٹکھڑ کا گاؤں دریا کے پانی میں گھر گیا تو آپ نے اپنے معتقد میر غلام علی تالپر کی گزارش پر ٹنڈو سائیداد نزد ٹنڈو محمد خان میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی مجلس رعبدار اور تقدس والی تھی۔ جی ایم سید نے بذاتِ خود ستمبر ۱۹۲۷ء میں ان سے کوئٹہ میں ذکر لیا تھا۔ تاریخ ۲ر رجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۳ جون ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔

مزید معلومات کے لیے دیکھیے:

☆ جی ایم سید "جب گذاریم جن سین" جلد اول ۱۹۶۷ء سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد، ص: ۱۳۳

☆ مفتی محمد صاحبداد "روزنامہ مہران" سالگرہ نمبر۔ ۵ جنوری ۱۹۶۲ء ص:۱۱۱
☆ آغا عبداللہ جان سرہندی "مونس المخلصین" کراچی۔ عباسی پریس ۱۳۶۶ھ ص:۶۰
☆ اسداللہ اسد ٹکھوائی "تذکرہ شعرائے ٹکھڑ" حیدرآباد۔ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۹ء ص:۴۷
☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۵ جون ۱۹۳۶ء
☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۲رمئی ۱۹۳۶ء
☆ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۴راپریل ۱۹۳۰ء؛ ۱۴رمارچ ۱۹۳۵ء؛ ۱۸راپریل ۱۹۳۶ء؛ ۱۹راپریل ۱۹۳۵ء؛ کیم اپریل ۱۹۴۳ء؛ ۲۵ جنوری ۱۹۳۹ء؛
۵۹۔ کریم بخش خالد "عوامی دور" کراچی۔ حکومت سندھ ۱۹۷۲ء ص:۲۹
۶۰۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ" ص:۱۹۶
☆ مظہرالدین سومرو "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" ص:۱۹۰
۶۱۔ باوجود اس کے کہ سر غلام حسین مسلم لیگ کے حمایتی تھے، پھر بھی وزارت میں شامل ہو گئے تھے۔
۶۲۔ مظہرالدین سومرو "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" ص:۲۹۱
۶۳۔ مظہرالدین سومرو "تحریکِ آزادی میں سندھ کے عالموں کا حصہ" ص:۲۹۱
بحوالہ انٹرویو: قاضی فضل اللہ۔ ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء
۶۴۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ" ص:۱۹۸
۶۵۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۲۳ نومبر ۱۹۴۱ء
۶۶۔ ایضاً ایضاً ایضاً
۶۷۔ میر بندہ علی ٹالپور کے وزارت کا دور
۶۸۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری "تحریکِ آزادی میں سندھ کا حصہ"
۶۹۔ جی ایم سید "اشتہار" سندھ مسلم لیگ
۷۰۔ جی ایم سید "جب گذاریم جن سین" جلد دوم ۱۹۶۷ء ص:۱۸۵
۷۱۔ چوہدری خلیق الزماں "پاتھ وے ٹو پاکستان" (انگریزی) لاہور۔ لانگ مین۔ ۱۹۶۱ء ص:۳۱۰
۷۲۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ" ص:۲۰۵
۷۳۔ محمد صادق قصوری "اکابرین تحریکِ پاکستان" گجرات۔ مکتبہ رضویہ ۱۹۷۶ء ص:۱۱۶

۷۴۔ پیر عبدالرحمان ولد میاں عبداللہ (ہادی سائیں) ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں بھرچونڈی (میرپور ماتھیلو۔سکھر) میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اور خود بھی درس و تدریس کرتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں والد کی وفات پر مسند نشین ہوئے۔ وہ وعظ و نصیحت کے لیے سندھ سے ہند تک گئے' جہاں بھی ہندو مسلمان ہونا چاہتے تھے تو بھرچونڈی کا رخ رکھتے تھے اور بھرچونڈی میں ائے دن بھر ایسے جلوس دھوم دھام سے نکلتے رہتے تھے۔

پیر صاحب اوران کے مریدین اور معتقدین نے مسجد منزل گاہ کی ستیہ گرہ میں حصہ لیتے تھے۔ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ روزہ' نماز' تلاوت' ذکر اور تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔

انہوں نے اللہ بخش سومرو وزیرِ اعلیٰ سے ملاقات کرنے کے بعد کہا کہ ''سندھ میں شریعت نافذ کی جائے۔ انہوں نے ہر اسمبلی ممبر اور سیاستدان سے یہی مطالبہ کیا تھا۔'' ۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ/ یکم ستمبر ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

جی ایم سید' 'جب گذاریم جن سین' ' جلد دوم۔ س اب۔ ۱۹۶۷ء' ص:۱۹

۷۵۔ محمد صادق قصوری' 'اکابرینِ تحریکِ پاکستان' ' مکتبہ رضویہ گجرات ۱۹۷۶ء' ص:۱۱۶

۷۶۔ غلام نبی بھنگر ولد غلام محمد جیکب آباد کے نزدیک ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ سندھ مدرسہ سے ۱۹۳۶ء میں میٹرک اور ۱۹۴۰ء میں بی اے (آنرز) ڈی جے کالج سے پاس کیا۔ وہ پہلے بی اے (آنرز) تھے۔ ۱۹۴۲ء میں علی گڑھ سے ایل ایل۔ بی پاس کیا۔ ۱۹۴۳ء میں ایس ایم کالج کراچی میں ملازمت اختیار کی اور ۱۹۴۷ء کے اوائل میں مستعفی ہوئی۔ کچھ عرصے کے لیے مسلم لیگ کے آفس سیکرٹری رہے۔ انہوں نے پیر الٰہی بخش اور شکارپور میں خان بہادر مولیٰ بخش سومرو کے حق میں ایس۔ ایم کالج اور علی گڑھ کے طلبہ کے ساتھ کام کیا۔ انہوں نے وکالت کا پیشہ بھی اختیار کیا اور بڑا عرصہ سندھ یونیورسٹی میں رجسٹرار کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ (انٹرویو: ۱۴ر فروری ۱۹۹۰ء' مصنف)

علامہ آئی آئی قاضی کے اس جھرکانے والے جملے کی وضاحت کرتے ہوئے غلام نبی بھنگر صاحب نے بتایا کہ علامہ صاحب دوررس نگاہیں رکھنے والے تھے اور انہیں مسلمانوں کے آپس کے مخالفانہ رویہ کا بھی بخوبی علم تھا۔ پاکستان کے قیام کے بعد اب تک جو کچھ ہوا ہے' علامہ صاحب اس سے آگاہ تھے۔

(اپنے طور پر میرا خیال ہے کہ علامہ صاحب غلام رسول کے رونے دھونے کو طنزیہ طور پر یہ جملہ فرمایا تھا۔خوشی کے بجائے رونے کا عمل اچھا شگون نہ تھا۔مصنف)

۷۷۔ غلام نبی بھنگر سے مصنف کا انٹرویو۔۱۴رفروری ۱۹۹۰ء

۷۸۔ اشتیاق حسین قریشی ''دی اسٹرگل فار پاکستان'' (انگریزی) کراچی یونیورسٹی ۱۹۸۹ء' ص:۲۰۶

۷۹۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۸۰۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۸۱۔ جی الانا'' قائداعظم محمد علی جناح (انگریزی) لاہور فیروزسنز' ص:۳۵۲

۸۲۔ جی الانا'' پاکستان موومنٹ اینڈ ہسٹارک ڈاکیومینٹس'' (انگریزی) کراچی پیراڈائز سبسکرپشن' ص:۲۲۸

۸۳۔ محمد سرور'' تحریکِ پاکستان کا ایک باب'' لاہور۔سندھ ساگرا کادمی ۱۹۷۵ء' ص:۴۷

۸۴۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۵دسمبر۱۹۴۳ء

۸۵۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۵دسمبر۱۹۴۳ء

۸۶۔ جی ایم سید کی استقبالیہ تقریر۔روزنامہ الوحید کراچی۔۲۵دسمبر۱۹۴۳ء

۸۷۔ سول نافرمانی کی وجہ سے کانگریس کو غیرقانونی قرار دیا گیا تھا۔

۸۸۔ قائداعظم کی صدارتی تقریر کراچی'' روزنامہ الوحید کراچی'' ۲۶دسمبر۱۹۴۳ء

۸۹۔ قائداعظم کی صدارتی تقریر کراچی'' روزنامہ الوحید کراچی'' ۲۶دسمبر۱۹۴۳ء

۹۰۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' قاضی محمد قاسم۔نئی سندھ لائبریری۔مورو ۱۹۸۴ء' ص:۲۱۱

بحوالہ اصل کاپی۔ مسلم لیگ اشتہار۔ جاری کنندہ غلام مرتضیٰ شاہ۔ چیئرمین مسلم لیگ آرگنائزنگ کمیٹی سندھ۔

☆☆☆

باب یازدہم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری نے یہ قتل جیکب آباد میں لکھا ہے۔
''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' مورو۱۹۸۴ء ص:۲۷۷

۲۔ جی ایم سید نے یہ قتل شکار پور میں لکھا ہے۔
''جب گذاریم جن سین'' جلد دوم ص:۱۸۶

۳۔ بعد میں جرم ثابت نہ ہونے پر ۱۱ر ماہ بعد ۳ر اگست ۱۹۴۵ء کو محمد ایوب کھہڑو کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔
جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد ص:۱۹۷

۴۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۴۸

۵۔ حافظ خیر محمد اوحدی (سابق آفس سیکرٹری سندھ مسلم لیگ کا انٹرویو)
بحوالہ: ڈاکٹر محمد لائق زرداری ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۱۵۱

۶۔ ڈیلی گزٹ کراچی۔۸ جولائی ۱۹۴۴ء

۷۔ سندھ مسلم لیگ میں پارٹی بازی اس وقت سے شروع ہوئی جب جی ایم سید اس کے صدر ہوئے۔ انہوں نے سندھ مسلم لیگ میں اپنا اثر و رسوخ قائم رکھنے کے لیے اپنے لوگوں کو عہدے اور ٹکٹ دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے صدر مسلم لیگ ہونے کے بعد سیکرٹری کے لیے غلام حیدر شاہ کا نام دیا' جو بالکل نئے اور غیر معروف تھے۔ انہوں نے کئی نامزدگیاں اپنی مرضی سے کیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ''وہ سید لیگ'' بنا رہے ہیں۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ حکومت سندھ' پارٹی کے تحت رہے بلکہ سندھ مسلم لیگ مرکزی لیگ کے تابع نہ رہے۔ ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ قائداعظم نے سر غلام حسین اور جی ایم سید کو لاہور اور دہلی بلوا کر ان کے اختلاف دور کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے مگر واپس ہوتے ہی ان کے اختلاف پھر سے شروع ہو گئے۔ سر غلام حسین وزیر اعلیٰ تھے اور جی ایم سید سندھ مسلم لیگ کے صدر تھے۔ جب محاذ آرائی دوبارہ بڑھ گئی تو قائداعظم نے دونوں رہنماؤں کو بمبئی بلوایا اور بیس گھنٹے تک ان سے تفصیلی گفتگو کی اور اختلافات دور کرنے کی کوشش کی۔(۱)

قائداعظم نے مجلسِ عمل کے تین ارکان نواب اسماعیل خان، چوہدری خلیق الزماں اور قاضی محمد عیسیٰ کو سندھ روانہ کیا۔ انہوں نے جی ایم سید سے کئی ملاقاتیں کیں۔ سر غلام حسین کو بھی آمادہ کیا کہ وہ وزارتوں میں سید گروپ کو پچاس فیصد نمائندگی دیں گے، پھر بھی جی ایم سید سمجھوتے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے سر غلام حسین کی وزارت کو شکست سے بھی دوچار کیا جس کی وجہ سے مخالف گروپ وزارت میں شامل ہو گیا۔ جی ایم سید نے قائداعظم کو تار روانہ کیے جس کے جواب میں

''قائداعظم نے یکم مارچ ۱۹۴۵ء کو جواب دیا'' آپ کو مزید مشورہ دینا بے سود ہے۔''

جی ایم سید اپنے مخالف سر غلام حسین کو گرا نہ سکے بلکہ مسلم لیگ میں خود ان کی اپنی پوزیشن کمزور ہونے لگی تو انہوں نے مرکزی قیادت سے معافی طلب کی اور اپنے گزشتہ رویہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ مگر آگے چل کر سید صاحب نے سندھ پارلیمنٹری بورڈ کے فیصلے کی پھر سے خلاف ورزی کی (۲) ۱۹۴۵ء کو اسمبلی کی نشستوں کے سلسلے میں مرکزی پارلیمنٹری بورڈ جس میں قائداعظم بھی شامل تھے، کراچی میں ان کے سامنے ان کا فیصلہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ قائداعظم نے بار بار انہیں اپنے رویہ میں تبدیلی لانے کا احساس دلایا مگر وہ نہ مانے۔ اس طرح جی ایم سید مسلم لیگ سے خارج ہو گئے۔ (۴ جنوری ۱۹۴۶ء) (۳)

(i) روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۵ء

(ii) یہ بورڈ قائداعظم نے تشکیل دیا تھا۔ اس میں خود جی ایم سید کے علاوہ سر غلام حسین، میر غلام علی، پیر الٰہی بخش، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، سید خیر شاہ اور آغا غلام نبی پٹھان ممبر تھے۔

(iii) حافظ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' جلد اول ۱۹۸۲ء، ص: ۲۴۵

۸۔ ۹ ستمبر ۱۹۴۴ء سے لے کر ۲۷ ستمبر ۱۹۴۴ء تک قائداعظم اور مسٹر گاندھی کے درمیان متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ کبھی مسٹر گاندھی قائداعظم کے پاس آ جاتے، کبھی قائداعظم گاندھی کے پاس چلے جاتے۔ اس ساری گفتگو کی بنیاد دراصل وہ فارمولا تھا جو راج گوپال اچاریہ نے تیار کیا تھا۔

اس طویل گفتگو کا ایک نتیجہ ضرور نکلا کہ مسٹر گاندھی تقسیم ہند کے لیے راضی ہو گئے اور مسلم لیگ کے مطالبے کی وہ مخصوص شکل ظاہر ہو گئی، جس پر مسلم لیگ ابھی تک تحریف کیے بغیر اصرار کر رہی تھی۔ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ مسلم لیگ ایک نمائندہ جماعت ہے اور قائداعظم اس کے مسلم لیڈر ہیں۔

(سید اصغر علی شاہ جعفری ''تحریکِ پاکستان'' نیو بک پیلس چوک اردو بازار لاہور، ص: ۲۷۶)

ان مذاکرات کی کامیابی کی اصل وجہ یہ تھی کہ دونوں رہنماؤں کے درمیان روزانہ جو مذاکرات ہوتے تھے وہ اخبارات کو بھیج دیئے جاتے تھے۔ اس کی وجہ سے پوری قوم روزانہ ان مذاکرات سے باخبر ہوتی رہی۔ اس موقع پر مسٹر گاندھی کے یہ الفاظ بڑی اہمیت کے حامل ہیں کہ "گفتگو میں قائداعظم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ جب بھی قائداعظم سے بات ہوتی ہے تو پاکستان کے قیام کو تسلیم کرنا پڑتا ہے پھر بھی مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ میرا دل اس کو تسلیم نہیں کرتا۔"

۹۔ پروفیسر محمد امین جاوید "مدنیت پاکستان" ص:۷۴

۱۰۔ پروفیسر محمد امین جاوید "مدنیت پاکستان" ص:۷۵

۱۱۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۵ دسمبر ۱۹۴۶ء

۱۲۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۲/جنوری ۱۹۴۶ء

۱۳۔ حاتم علی بھائی کریم جی علوی داؤدی بوہرہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ۲۰/اکتوبر کو پانپور (گجرات) میں نانا کے پاس تولد ہوئے۔ ان کے والد ۱۸۶۶ء میں تجارت کے لیے کراچی آئے اور مقیم ہو گئے۔ وہ میونسپل ممبر ہوئے اور پاکستان کے قیام کے بعد تک اس خاندان کے ممبر نامزد ہوتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں حاتم بھی ممبر ہوئے۔ وائس پریزیڈنٹ بھی رہے۔ کارپوریشن کے ممبر بھی ہوئے۔

وہ پہلے کانگریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ جب مسلم لیگ اور کانگریس میں اختلافات بڑھ گئے تو حاتم مسلم لیگ میں آ گئے۔ اس کا زیادہ تر وقت سیاسی، سماجی، تعلیمی اور اقتصادی اداروں اور جماعتوں میں کام کرتے ہوئے گزرا۔ وہ سندھ مدرسہ، سندھ یونیورسٹی کمیشن کراچی، یونیورسٹی سنڈیکٹ، کراچی اکیڈمی اسکول اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر کے علاوہ کراچی ریڈ کراس سوسائٹی، غریب مریض سہائتا کمیٹی، لیبر سوسائٹی اور کئی انجمنوں کے ممبر تھے۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

جی ایم سید "جب گذاریم جن سین" سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء، ص: ۲۲۵

۱۴۔ پیر غلام حیدر شاہ ولد پیر صاحب ڈنو شاہ سندھ کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شاہ عبدالکریم بلوی والے کی اولاد میں ۱۵/واں نمبر سجادہ نشین تھے۔ ۱۸۹۵ء میں بلوی میں پیدا ہوئے۔ ان کو بہت مرید اور معتقد اور ورثہ میں جائداد میں ملی۔ یہ پہلے سجادہ نشین تھے جنہوں نے سیاست میں قدم رکھا۔ ۱۹۲۶ء میں بمبئی کونسل کے ممبر ہوئے اور ۱۹۴۵ء تک سندھ اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔

وہ کوئی خاص کام نہ کر سکے جس کے نتیجے میں آگے چل کر الیکشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بمبئی کونسل میں شیخ عبدالمجید سندھی کے ساتھ آزادانہ ووٹ کا استعمال کرتے تھے۔ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔

جی ایم سید''جب گذاریم جن سین''۱۹۶۷ء ص:۹۷

۱۵۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۵۶

۱۶۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۵۷

بحوالہ اشتہار کی اصل کاپی سے اخذ

۱۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۴ جنوری اور ۷ جنوری ۱۹۴۶ء

۱۸۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۷ جنوری ۱۹۴۶ء

۱۹۔ میر جعفر خان ولد میر تاج محمد خان جمالی''۱۴ر فروری ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد بلوچستان سے آ کر روجھان تحصیل جھٹ پٹ ضلع سبی میں آباد ہوئے۔ ۱۹۲۶ء سے انہوں نے جمالی قوم کی تنظیم کا کام ہاتھ میں لیا۔ ۱۹۲۷ء میں سیاست میں آئے۔ کانگریس میں شریک ہوئے۔ بیراج بننے سے ان کی زمینیں آباد ہوئیں۔ بہت دولت ہاتھ آئی تو دل کھول کر فلاح و بہبود کے کام کیے۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو حاجی عبداللہ ہارون' مسٹر گذور' راجہ محمود آباد اور مولانا حقانی جب ان کے پاس گئے تو وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کاؤنسل کے ممبر اور بلوچستان مسلم لیگ کے نائب صدر رہے۔ وہ جب بھی مسلم لیگ کے جلسوں میں شریک ہوئے تھے تو کافی تعداد میں ساتھیوں کو لے کر آتے تھے اور ان کا خرچہ خود برداشت کرتے تھے۔ لاہور' پٹنہ' اللہ آباد' دہلی اور کراچی کے اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ سندھ اسمبلی میں ۱۹۴۶ء میں منتخب ہو کر آئے اور ۱۹۵۲ء تک ممبر رہے۔ دوبارہ ۱۹۵۳ء میں بھی منتخب ہوئے۔ ون یونٹ کی مخالفت کی تو ۲۵ مارچ ۱۹۵۵ء کو ہالا جیل میں نظر بند ہوئے۔ ان پر ایبڈو کا مقدمہ چلایا گیا۔ مگر باعزت طور پر بری ہو گئے۔

۷ر اگست ۱۹۶۲ء کو کوئٹہ کی بڑی اہم کانفرنس منعقد کرانے میں تین ماہ کے لیے جیکب آباد میں نظر بند کر دیئے گئے۔

جی ایم سید''جب گذاریم جن سین'' ص:۱۴۶

پاکستان سے بلوچستان کے الحاق کرانے میں میر جعفر خان کا بڑا کردار رہا ہے۔

اگر میر صاحب نہ ہوتے تو شاید حالات کچھ اور ہی ہوتے۔ بلوچستان میں ہندو کانگریس کا بہت زور تھا۔ یہ میر جعفر خان، نواب محمد خان جوگزئی اور کچھ دوسرے مسلمان رہنما تھے، جنہوں نے اسے کانگریس کے پنجے سے نکال کر پاکستان میں شامل کرادیا۔

میر صاحب نے ایک جلسے میں مخالفوں کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا: ''تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر بلوچستان، پاکستان میں شامل ہو گیا تو تم بھوکے مر جاؤ گی۔ ہم عزت کی روکھی سوکھی روٹی کو ذلت کے پلاؤ پر ترجیح دیں گے۔'' پھر نواب محمد خان جوگزئی نمائندہ بلوچستان اور میر جعفر خان جمالی کا مشترکہ اعلامیہ پڑھ کر سنایا گیا۔

''...... بلوچستان کے سرداروں نے پورے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ بلوچستان کے حقوق کا بہترین تحفظ پاکستان میں رہنے سے ہوگا...... ہم سب سردار مع اپنے قبائل کے پاکستان کی اسلامی حکومت میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں...... ہم اعلان کرتے ہیں کہ بلوچستان کا بچہ بچہ پاکستان کے لیے اپنی جان و مال قربان کر دے گا......'' دستخط نواب محمد خان جوگزئی / میر جعفر خان جمالی۔

(نسیم حجازی...... ''تحریکِ پاکستان اور بلوچستان'' مارچ ۱۹۴۷ء ص: ۲۷ اور ۵۰۔ کوئٹہ ۲۱ جون ۱۹۴۷ء)

۲۰۔ مظہر الدین سومرو ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کے عالموں کا حصہ'' ص: ۲۹۶

۲۱۔ ایضاً ایضاً ایضاً۔ ص: ۲۹۷

۲۲۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۲۳۔ کریم بخش خالد ''عوامی دور ۶'' کراچی حکومتِ سندھ تعلقاتِ عامہ ۱۹۸۲ء ص: ۲۱

۲۴۔ حافظ محمد موسیٰ بھٹو ''پرین جی پچار'' ص: ۲۶۶

۲۵۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری ''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص: ۲۶۷
بحوالہ حافظ خیر محمد اوحدی، حاکم علی زرداری اور افضل خان کھہڑو، رکن آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے انٹرویو۔

۲۶۔ جی الانا ''قائداعظم محمد علی جناح'' لاہور ۱۹۶۷ء، ص: ۲۸۹

۲۷۔ محمد صادق قصوری ''اکابرینِ تحریکِ پاکستان'' گجرات مکتبہ رضویہ ۱۹۷۶ء ص: ۸۸

۲۸۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۳ راگست ۱۹۴۶ء حافظ محمد احسن چنہ

۲۹۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۷۱
۳۰۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۷۲
۳۱۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۷۲
۳۲۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۷۳
۳۳۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۷۷
۳۴۔ پہلے آزاد امیدوار تھے کامیابی کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔
۳۵۔ ڈاکٹر محمد لائق زرداری''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ'' ص:۲۷۸
۳۶۔ جی ایم سید''جنب گذاریم جن سین'' سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء' ص:۱۹۵
۳۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:
جی ایم سید''جنب گذاریم جن سین''(اول) سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء' ص:۲۵۰ تا ۲۵۵
۳۸۔ ایضاً ایضاً ص:۲۰۰ تا ۲۰۳
۳۹۔ مرزا قلیچ بیگ کا روزنامچہ ۱۹۱۷' مرزا قلیچ بیگ اور غلام علی چاگلا' نعیمہ جمعہ تیجانی''نئی زندگی دسمبر ۱۹۸۲ء' ص:۱۷
۴۰۔ پیر علی محمد شاہ ۱۲/ رجمادی الثانی ۱۳۲۴ھ/ ۵/ اگست ۱۹۰۵ء کو تولد ہوئے۔ صرف ابتدائی تعلیم (سندھی)' عربی اور فارسی سکندر نامہ تک پڑھے۔ انگریزی بھی چار جماعت تک پڑھے۔ بعد میں محنت اور مطالعہ سے بہت کچھ حاصل کیا۔ تاریخ وفات:
۴۱۔ جی ایم سید''جنب گذاریم جن سین'' سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۷ء' جلد دوم' ص:۲۰۳ تا ۲۲۰
۴۲۔ ایضاً ایضاً ص:۲۲۸ تا ۲۳۰
۴۳۔ پیرزادہ عبدالستار ۴ جولائی ۱۹۰۷ء کو پرانہ سکھر میں پیدا ہوئے۔
۴۴۔ جی ایم سید''جنب گذاریم جن سین'' سندھی ادبی بورڈ۔ جلد دوم ۱۹۶۷ء ص:۲۲۶ تا ۲۴۳
۴۵۔ قاضی فضل اللہ ۱۵/ جنوری ۱۹۰۲ء میں سندھ مدرسہ سے پاس کیا۔ علی گڑھ اور جامع ملیہ دہلی میں تعلیم پائی۔ حیدرآباد اور کراچی میں بھی زیرِ تعلیم رہے اور ۱۹۲۷ء میں بی اے پاس کیا۔ ۱۹۲۹ء میں ایل ایل بی پاس کیا۔
۴۶۔ جی ایم سید''جنب گذاریم جن سین'' جلد دوم' ص:۲۴۳ تا ۲۴۹
۴۷۔ ایضاً ایضاً ص:۲۹۲ تا ۲۹۶

۴۸۔ ایضاً ایضاً ص:۲۹۶ تا ۲۹۹

۴۹۔ ڈاکٹر حاجی ۹ جولائی ۱۸۹۴ء کو حج پر تولد ہوئے اس لیے ان کا نام حاجی رکھا گیا۔ ان کے والد کراچی کے رہنے والے اور سندھ کے معروف سیاستدان تھے۔ ۱۹۰۸ء میں ایم بی بی ایس بمبئی کے گرانٹ میڈیکل کالج سے پاس کیا۔ وہ کراچی کی مقامی سیاست میں بی حصہ لیتے تھے' انہوں نے سرشاہنواز بھٹو کی مدد سے لاڑکانہ میں کئی ہسپتال قائم کیے۔ (جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' ص:۳۶۱ تا ۳۶۴)

۵۰۔ آغا غلام نبی خان ستمبر ۱۹۱۵ء میں سلطان کوٹ (شکار پور) میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد علی گڑھ گئے' مگر سیاست میں حصہ لینے کی وجہ سے دیگر گیارہ طلبہ کے ساتھ کالج سے نکال دیئے گئے۔

۵۱۔ جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' سندھی ادبی بورڈ' ص:۲۵۴-۲۷۴

۵۲۔ تاج محمد بکھیو گوٹھ گجیرو (ضلع نواب شاہ) میں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں وفات کر گئے۔

حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نواب شاہ شہر اور شخصیات'' ص:۱۸۳

۵۳۔ حکیم لعل بخش ۱۹۱۰ء میں تولد ہوئے اور ۹ صفر ۱۴۰۵ھ/ ۱۴ر نومبر ۱۹۸۴ء کو وفات پا گئے۔

۵۴۔ جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' ۱۹۶۷ء' ص:۲۵۷ تا ۲۶۲

☆ حامد علی خانائی ڈاکٹر ''ضلع نواب شاہ شہر اور شخصیات'' ص:۲۵۷-۲۷۷

(سید خیر شاہ ۱۹۰۴ء میں کرائی (کوئٹہ) میں تولد ہوئے اور ۸ رجب ۱۴۰۲ھ/ ۳ مئی ۱۹۸۲ء وفات پائی۔

۵۵۔ ان کی ولادت ۴ جنوری ۱۹۰۲ء کو ہوئی' جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' (اول جلد ص:۶۵ تا ۶۷

۵۶۔ خیر محمد خان چانڈیو مقامی طور پر ٹھٹھہ ضلع کراچی کے رکن' صدر اور چیئرمین رہے۔

جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' (جلد اول) ص:۶۹ تا ۷۲

۵۷۔ میر محمد ولد بلوچ خان جیسلمیر میں ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ راجپوت چوہان تھے۔ کراچی میں مارواڑی کہلائے۔ آنرری مجسٹریٹ بنے۔ بمبئی لیجسلیٹو کاؤنسل کے ۱۹۲۴ء میں رکن منتخب ہوئے۔ ۹ رمضان ۱۳۵۲ھ/ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو وفات پائی۔

جی ایم سید ''جب گذار یم جن سین'' (جلد اول) ص:۲۲۳

۵۸۔ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' (جلد اول) ص:۳۰۳

۵۹۔ ایضاً ایضاً ص:۳۰۵ تا ۳۰۹

۶۰۔ ایضاً ایضاً ص:۲۶۲ تا ۲۶۶

۶۱۔ ایضاً ایضاً ص:۲۶۶ تا ۲۶۹

۶۲۔ ایضاً ایضاً ص:۲۸۸ تا ۲۹۲

۶۳۔ جی ایم سید ''جب گذاریم جن سین'' ص:۲۸۱ تا ۲۸۳

۶۴۔ خلیفہ عبداللہ۔ یکم جون ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ وہ خاکسار تحریک میں بھی شامل رہے۔
(محمد سومار شیخ ''بدین ضلع کا مطالعہ'' لاڑادبی سوسائٹی بدین۔۱۹۸۲ء ص:۵۷۹)

۶۵۔ ایضاً ایضاً ص:۵۹۴

۶۶۔ رئیس نور محمد نظامانی ۱۹۱۶ء میں تولد ہوئے۔ یکم ستمبر ۱۹۷۹ء کو وفات پا گئے۔
(محمد سومار شیخ ''بدین ضلع کا مطالعہ'' لاڑادبی سوسائٹی بدین' ۱۹۸۲ء ص:۶۱۰)

☆☆☆

باب دوازدہم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ زمینداری میں یہ شرح انگریز دور میں بڑھی اور ٹالپور دور اور اس سے پہلے وہ صرف تجارت کرتے تھے۔

۲۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ" ۱۹۸۴ء مورو، ص: ۱۸۶ تا ۱۸۹

بحوالہ: روزنامہ سنسار سماچار کراچی ۔ ۳ اپریل ۱۹۳۰ء

۳۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۴۔ ایضاً ایضاً ایضاً

۵۔ چیتل داس کھیل داس "سماج جو اتہاس" کشن چند گاگوس حیدرآباد ۱۹۴۱ء، ص: ۱۴۲

بحوالہ: محمد لائق زرداری ڈاکٹر "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ" مورو ۱۹۸۴ء، ص: ۱۹۱

۶۔ ایضاً ایضاً ص: ۱۹۶

۷۔ چیتل داس کھیل مل "سماج کا اتہاس" حیدرآباد گاگومل، ۱۹۴۱ء، ص: ۱۴۴ تا ۱۴۵

باب سیزدہم کے حوالہ جات اور وضاحتیں

۱۔ بیگم نصرت عبداللہ ہارون کا شمار سندھ کی خواتین میں سرفہرست ہے، جنھوں نے تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ سندھ سے ابھر کر پورے ہندوستان کی سیاست میں خواتین میں شامل ہوگئیں جس کی اصل وجہ ان کے سوہر حاجی عبداللہ ہارون کی شخصیت تھی۔ ان کا تعلق میمن سرمایہ دار گھرانہ سے تھا۔ ان کی تربیت بی آمنہ بیگم محمد علی جوہر کے ہاتھوں ہوئی۔
بیگم نصرت عبداللہ نے سب سے پہلے خلافت تحریک میں حصہ لیا۔ جس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر کے خواتین کی تنظیمِ نو کی اور اسے ہر پہلو سے فعال بنایا۔ تنظیم کی زیادہ سے زیادہ مالی امداد بھی کی۔ وہ ہر اس معاملہ میں دلچسپی لیتی تھیں جو مسلم خواتین کے مفاد میں ہوتا تھا۔ انہوں نے کئی ہسپتال، یتیم خانے اور مذہبی اداروں کے قیام میں مدد دی۔ یتیم، بیواؤں، غریب اور نادار لوگوں کی مدد کی، طلبہ وطالبات کی سرپرستی کی۔ وہ مسلم خواتین اور طالبات میں ہردلعزیز تھیں۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ خواتین کی صدر ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۶ء میں رہیں۔ بیگم رعنا لیاقت علی نے وومنز ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی تو لیڈی نصرت اس کی نائب صدر تھیں۔ وہ چالیس برس کی عمر میں بیوہ ہوئیں، مگر اپنے کاموں سے کبھی دل برداشتہ نہ ہوئیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کے سیاسی و معاشرتی کئی اقدامات قابلِ تحسین ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں انجمن اصلاحِ خواتین قائم کی اور خدمت کی۔
جب بھی مرکزی رہنما آمنہ بیگم، علی برادران، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر بلوپا، آغا خان، قائداعظم، قائدِ ملت اور ممتاز مسلم لیگی رہنما کراچی آئے تو ان کی نئی کوٹھی ''سی فیلڈ'' میں قیام کرتے تھے وہ ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئیں۔

☆ (جی ایم سید، جب گذاریم جن سین'' سندھی ادبی بورڈ جلد اول ص: ۲۷۰

☆ مہر کا چھیلوی ''سندھ کی سیاسی خواتین'' میر پور خاص ۱۹۰۵ء

☆ نور الصباح بیگم ''تحریکِ پاکستان اور خواتین'' شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ ۱۹۷۰ء، ص: ۲۸

۳۔ ایضاً ایضاً ص: ۶۴

۴۔ مسز غلام علی الانا خواجہ ۱۹۳۲ء کے سندھ اسمبلی کے انتخابات کے بعد ۱۹۳۸ء میں اسمبلی کی رکن

منتخب ہوئیں۔ وہ پہلی سندھی مسلمان خاتون تھیں جو سندھ اسمبلی کی رکن ہوئیں۔ ان کا پورا نام جینوابائی تھا۔

بیگم صاحبہ ایک تحریکی خاتون تھیں۔ انہوں نے کراچی کے مسائل کی طرف توجہ دی۔ ان کے خاوند جی الانہ علمی، ادبی اور سیاسی شخصیت کے مالک تھے اور خوجہ جماعت کے بھی صدر تھے۔ ۸ مارچ ۱۹۸۵ء کو وفات پا گئے۔ اس کے بیٹے پیار علی الانا بھی پاکستان کی سیاست میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(مہر کا چھیلوی "سندھ کی سیاسی خواتین" مہر پبلیکیشن میر پور خاص ۱۹۸۵ء، ص:۹۴)

۵۔ جی الانا "پاکستان مومنٹ۔ ہسٹارک ڈاکیومنٹ" کراچی پیراڈائز سبسکرپشن۔ ص:۳۱۳

۶۔ سرفراز حسین مرزا "مسلم وومین رول ان پاکستان موومنٹ" کراچی، پیراڈائز سبسکرپشن" ص:۶۶

۷۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ یکم جنوری ۱۹۷۶ء

۸۔ بیگم شعبان میرانی سندھ کے وزیر اعلیٰ (۱۹۸۸ء) آفتاب شعبان کی والدہ ہیں۔

۹۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۳رجنوری ۱۹۴۶ء

۱۰۔ روزنامہ الوحید کراچی۔ ۱۶رمارچ ۱۹۴۶ء

مہر کا چھیلوی "سندھ کی سیاسی خواتین" میر پور خاص ۱۹۷۵ء، ص:۱۱

۱۱۔ بیگم طاہرہ آغا نے ایک کتاب "ہمارا پاکستان" کے نام سے لکھی، جس میں پاکستان کا مقصد اور مسلم لیگ کا نصب العین بیان کیا گیا تھا۔ کتاب میں ہندو ذہنیت کی واضح طور پر نشاندہی کی گئی اور مسلمانوں کو ان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ بھی کیا گیا۔

(ڈاکٹر محمد لائق زرداری "تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ")

وہ ۱۹۴۲ء میں خواتین مسلم لیگ میں شامل ہوئیں اور وطنِ عزیز کے لیے آزادی کی تحریک میں بڑی جدوجہد کی۔ ضلع مسلم لیگ خواتین کی سیکرٹری کے طور پر کام کیا اور وہ کتابیں اس موضوع پر تحریر کیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد تو وہ اسمبلی کی دوبارہ رکن بھی ہوئیں۔

بیگم طاہرہ آغا ۱۵رجولائی ۱۹۱۸ء کو حیدرآباد میں تولد ہوئیں۔ لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ لاڑکانہ کے معروف وکیل اعجاز حسین آغا سے ان کی شادی ہوئی۔ ان کے والد محمد اسحاق سندھ صوبائی سروس کے بڑے افسر تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد حیدرآباد کے لیے کلکٹر ہوئے اور

کراچی سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ان کی والدہ سندھ کے مشہور پولیس افسر مولوی ضیاء الدین کی بیٹی تھیں اوران کے بھائی ایم اسحاق ملک کے معروف ماہر قانون ہیں۔وہ ایڈووکیٹ جنرل بھی رہ چکے ہیں۔

(جی ایم سید''جب گذاریم جن سین''ص:۳۱۵)

بیگم طاہرہ آغا آل انڈیا مسلم لیگ سندھ وومنز کی ڈسٹرکٹ کمیٹی کی سیکرٹری تھیں۔ان ہوں نے مارچ ۱۹۴۶ء اور جنوری ۱۹۴۷ء میں سندھ سیکرٹری تھیں۔انہوں نے مارچ ۱۹۴۶ء اور جنوری ۱۹۴۷ء میں سندھ وومن کانفرنس بلائی تھی۔

۱۲۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۱رجنوری ۱۹۴۶ء

۱۳۔ محمد لائق زرداری ڈاکٹر''تحریکِ پاکستان میں سندھ کا حصہ''مورد ۱۹۸۴ء'ص:۳۱۶

☆ روزنامہ الوحید کراچی۔۱۳رمارچ ۱۹۴۳ء

۱۴۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲راپریل ۱۹۴۶ء

۱۵۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۲۱ جنوری ۱۹۴۷ء

۱۶۔ روزنامہ الوحید کراچی۔۳۱ جنوری ۱۹۴۷ء

۱۷۔ نورالصباح بیگم''تحریکِ پاکستان اور خواتین''لاہور۔شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۰ء'ص:۲۱۶

۱۸۔ سید احسن الہاشمی ولد سید مٹھن شاہ جو اس وقت مسلم لیگ نیشنل گارڈ صوبہ سندھ کے سالار تھے۔ وہ نیشنل گارڈ کا ایک دستہ لے کر ملتان پہنچے۔جہاں پر ان کی رہائش تھی وہاں علی الصبح وہ پریڈ کرتے تھے اور پریڈ کرتے ہوئے گلیوں اور بازاروں سے گزرتے تھے۔جہاں موقع ملا وہاں کارنر جلسہ کرلیا' جہاں لوگ جمع ہوئے وہاں خضر حیات حکومت کی مذمت کرتے۔جو بھی وقت ملتا' یہ نوجوان علیحدہ علیحدہ ہو کر گھروں پر پہنچ جاتے اور انفرادی طور پر خضر حکومت پر لعن طعن کرتے۔اس طرح سے چند دنوں میں پورے ملتان کی فضا کو حکومت کے خلاف کردیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نوجوان گرفتار کرلیے گئے۔مگر چونکہ خضر حکومت بہت جلد مستعفی ہوگئی تو یہ نوجوان آزاد ہوگئے۔ملتان کے شہریوں نے کئی دنوں تک ان کی دعوتیں کیں اور بہت ساری مٹھائیاں بانٹیں۔

(سید احسن الہاشمی سے انٹرویو۔مصنف)

۱۹۔ بیگم مریم حاتم بدرالدین کا نام سیاست سے زیادہ رفاہی کاموں میں نظر آتا ہے۔وہ محمد اکبر

ڈاکٹر
عبدالجبار "عابد"
لغاری

ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری میرے ان ہونہار شاگردوں میں سے ہیں جن پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔ انہوں نے 1973ء میں سندھ یونیورسٹی سے ایم۔اے سیاسیات میں کیا۔ 1985ء میں سندھ یونیورسٹی سے ایم۔اے سندھی فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن حاصل کی اور پھر میری رہبری میں 1989ء میں سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ (Ph.D) کی سند حاصل کی۔ موضوع ہے ''تاجپور کے لغاری نواب خاندان کی علمی، ادبی خدمات''۔

سندھ کے مشہور ماہنامہ رہبر ڈائجسٹ کے بارہ سال تک (1966ء-1979ء) اور سندھی کے معروف ادبی رسالہ ماہنامہ ''نئی زندگی'' کے 12 سال تک ایڈیٹر رہے۔ افسانہ، کہانی اور ناول کی صنفوں میں کئی تخلیقی کاوشیں پیش کیں۔ ان میں ''شیشہ کی دیوار'' 1975 اور ''شیشے کا گھر'' 1999 (کہانیوں کے مجموعے)، اور لاش کا سفر (ناول 1976ء) قابل ذکر ہیں۔ ''سندھ۔ تاریخ اور ثقافت کے آئینے میں'' کے موضوع پر سندھ کی تاریخی اہمیت کا سفرنامہ لکھا جو معہ تصاویر ماہنامہ ''نئی زندگی'' میں 25 قسطوں میں 1979ء سے 1983 تک شائع ہوتا رہا۔ یہ ایک بہترین شاعر بھی ہیں، انہوں نے حمدیہ دیوان ''والی واحد وحدہ'' کے علاوہ نعتیہ دیوان، ''سچو سرور ﷺ'' بھی لکھی جس پر وزارت مذہبی امور پاکستان نے ان کو سال 2000ء میں انعام اور سند بھی عطا کی۔ صحافت کے شعبے میں بھی بہترین خدمات انجام دیں بلکہ دے رہے ہیں۔ وہ ایک کامیاب منتظم اور مہتمم کے علاوہ محقق بھی ہیں۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے تین صد سالہ جشن ولادت (1982ء) اور سفیران امن (1986ء) کے تحت پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں شاندار تقریبات منعقد کیں۔ اس کے علاوہ بہت سی علمی اور ادبی تنظیموں کے کامیاب مہتمم بھی رہے۔ ان میں خاص طور پر ''رہبر ادبی سوسائٹی (راس)'' اور ''سندھ لطیف ادبی مجلس (سلام)'' قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے کئی تاریخی کتب بھی لکھیں ہیں، جن میں سندھ کے عظیم انسان، ''سردار نواب ولی محمد خان'' اور ''سندھی شاعری جی مختصر تاریخ'' قابل ذکر ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو علمی، ادبی اور تحقیقی میدان میں مزید کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔ آمین

ابوسعید غلام مصطفیٰ قاسمی
ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد